گھر کے ہر فرد کے لیے

ماہنامہ

پاکیزہ

کراچی

نومبر 2015

نگران اعلیٰ

معراج رسول

نگہت سیما، قیصرہ حیات اور دُرِ ثمن بلال کے قسط وار ناول

مصنفہ رفاقت جاوید سے خوب صورت ملاقات

... کہکشاں ...... عظمیٰ آفاق کے قلم سے

ماہنامہ

پاکیزہ

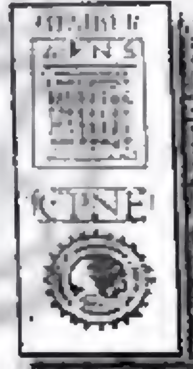
کراچی

نگرانِ اعلیٰ: معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: انجم انصار

معاون: آمنہ حماد



رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789

نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391

رانا اے حمید 0323-2895528

نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

ماڈل: فرینہ اعجاز
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر: موسیٰ رضا

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زرِ سالانہ (اندرونِ ملک) 800 روپے ...... جلد 43 شمارہ 08 نومبر 2015ء

اداریہ

سلسلے وار ناول

منی ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

خصوصی مضامین

مستقل عنوانات

پبلشر و پرنٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500

جمیل حسن • مطبوعہ: ابنِ حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com



واقعہ شہادت امام حسینؓ ایک ایسے آفاقی مظہر کی حیثیت سے ذہن انسانی پر مرتب ہوا، جس سے ذہن انسانی میں فکر کے ایسے دریچے روشن ہوئے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی..... میدان کربلا میں امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا انداز رزم جہاں عظیم سیاسی حکمت عملی کے ایک نئے باب کا آغاز کرتا ہے۔ وہیں انسانیت کو دین کی بقا اور اسلام کی سربلندی کے لیے سب کچھ قربان کرنے کا درس بھی عطا کرتا ہے۔

وقت کا کام چلنا ہوتا ہے..... اور وہ کبھی رکتا نہیں ہے..... صدیاں بیت گئیں..... اور وقت کا پہیا آئندہ بھی چلتا رہے گا مگر واقعہ کربلا کو انسانیت کی تاریخ کبھی بھلا نہیں پائے گی اور یہ واقعہ ہمیشہ زندہ رہے گا جیسے کل کا واقعہ ہو..... ۶۱ ہجری میں پیش آنے والا یہ واقعہ..... پوری دنیا کو حیران کر گیا کہ کربلا کی جنگ ایک سچائی کی جنگ تھی، حق و باطل اور سچ و جھوٹ کے درمیان ایک ایسی فیصلہ کن جنگ تھی..... جسے انسانیت کی تاریخ کبھی بھلا نہیں پائے گی۔

اسلام کے معنی ہیں کامل اطاعت، مکمل سپردگی کے.....اور اسلام سے سچی وفاداری و قربانی کا بے مثل عمل وہی کر سکتا ہے جو واقعتاً اپنی پوری زندگی کے ہر کردار کے حوالے سے خداوند کا مکمل اطاعت گزار ہو..... یہی وجہ تھی کہ امام حسینؓ کا پورا کردار ان کی بے مثل تربیت کا شاہد ہے۔ واقعہ کربلا جہاں ایک طرف حصول رضائے الٰہی کی انتہا ہے، وہیں دوسری طرف مصائب کی بھی انتہا ہے۔ وہ معتبر خواتین جن کے حرم میں فرشتے بغیر اجازت نہ داخل ہوتے تھے، ان کے حقوق کی پامالی کی جاتی ہے مگر اس کے باوجود ان کا ہر عمل انسانیت کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔ کربلا کی جنگ اگر لوٹ مار اور جھوٹ و فریب کی جنگ ہوتی تو حسینیت کے تمام کردار دنیا والے فراموش کر دیتے۔ مگر اب

یزیدیت کا کوئی نام بھی نہیں لیتا
حسینیت پہ ابھی تک سلام آتے ہیں

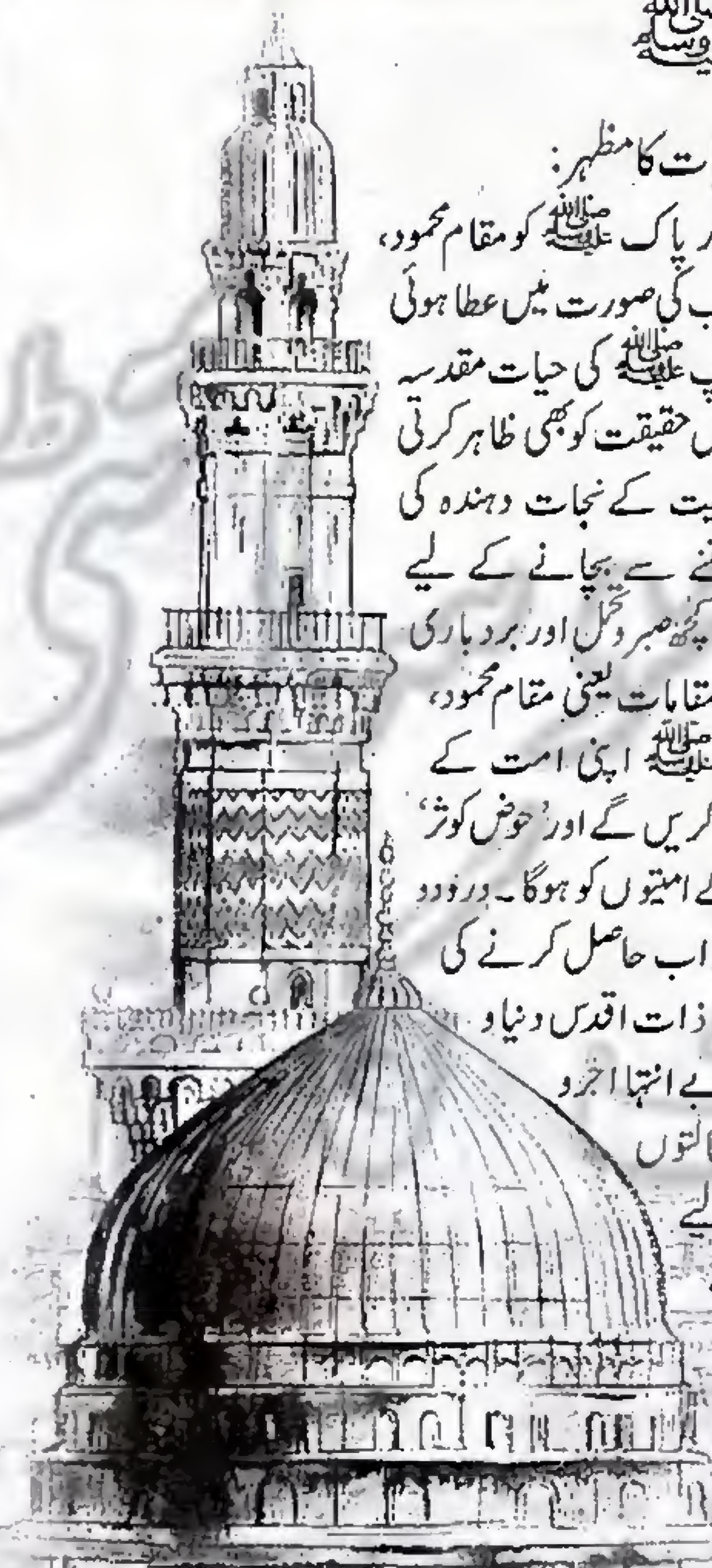
مدیرہ
انجم انصار

اللہ نے فرمایا بے شک میں اسے تم پر نازل کرنے والا ہوں پھر اس کے بعد تم میں سے جو کوئی کفر کرے گا تو اس کو ایسا (سخت) عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی کو ایسا عذاب نہ کروں گا (۱۱۵) اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو الٰہ بنا لو۔ (عیسیٰ) کہیں گے کہ (میں) تیری پاکی (بیان کرتا ہوں اور تو پاک ہے) مجھے ہرگز (سزاوار) نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے (کسی طرح) حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو بے شک تو اسے جانتا ہوگا (کیونکہ) تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیری ذات میں ہے (اس لیے کہ) بے شک چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا تو ہی ہے (۱۱۶) میں نے سوا اس کے جس (کے کہنے) کا تو نے مجھے حکم دیا تھا (یعنی) یہ کہ تم لوگ میرے پروردگار اور اپنے پروردگار کی پرستش کرو ان سے (اور کچھ) نہیں کہا اور جب تک میں ان میں رہا ان پر گواہ تھا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو، تو ہی ان کا نگہبان رہا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے (۱۱۷) اگر تو انہیں عذاب کرے تو (تجھے اختیار ہے کیونکہ) بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو (بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ) بے شک تو غالب حکمت والا ہے (۱۱۸) اللہ فرمائے گا کہ یہ دن وہ ہے کہ سچوں کو ان کی سچائی مفید ہوگی ان کے لیے باغات (تیار) ہیں جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہ (ان کی) بڑی کامیابی ہے (۱۱۹) اللہ ہی کی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اس چیز کی جو ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۲۰)



(سورۂ مائدہ آیت نمبر ۱۱۵ تا ۱۲۰)

سیدنا محمود ﷺ



اسم مبارک 'محمود' عدد '۸' کی خصوصیات کا مظہر:

جو قدر و منزلت اور عزت و تکریم حضور پاک ﷺ کو مقام محمود، حوض کوثر، درود و سلام اور لامحدود اجر و ثواب کی صورت میں عطا ہوئی ہے دنیا کے کسی اور انسان کو نہیں ملی...... آپ ﷺ کی حیات مقدسہ جہاں جہد مسلسل کی آئینہ دار ہے وہاں اس حقیقت کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ سب کچھ انسانیت کے نجات دہندہ کی حیثیت سے کیا۔ انہیں جہنم کا ایندھن بننے سے بچانے کے لیے آپ ﷺ نے اپنے مشن کی تکمیل میں کیا کچھ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت نہیں کیا اور آپ ﷺ کے مقامات یعنی مقام محمود، دراصل مقام شفاعت ہے جہاں آپ ﷺ اپنی امت کے گنہگاروں کے لیے خدا تعالیٰ سے سفارش کریں گے اور 'حوض کوثر' خیر کثیر ہے جس کا فائدہ بھی آپ ﷺ کے امتیوں کو ہوگا۔ درود و سلام کا فائدہ بھی امتیوں کے لیے اجر و ثواب حاصل کرنے کی ایک صورت ہے اس طرح آپ ﷺ کی ذات اقدس دنیا و آخرت میں بھی انتہائی معزز و محترم اور بے انتہا اجر و ثواب کی مستحق ٹھہری۔ دونوں حالتوں میں آپ ﷺ کا وجود انسانیت کے لیے رحمت کا باعث بنا ہے۔ یہ بات قدرے باعث حیرت ہے کہ احمد، حامد و محمود تینوں پر عدد آٹھ کی حکمرانی ہے...... یعنی احمد (انتہائی قابل عظیم آسمانوں پر) حامد (انتہائی محترم زمین پر) محمود (انتہائی ارفع مقام کے حامل بہشت میں)

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی ﷺ سے اقتباس

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی



پُرعقیدت روحانی سفر کی حیرت انگیز روداد

یہ داستان جو میں رقم کر رہی ہوں یہ کوئی عام داستان نہیں..... نہ ہی عام لوگوں کے لیے کشش کا باعث ہوگی۔ یہ داستان عشق ہے۔ اس عشق کی داستان جو اللہ کی کتاب سے کیا گیا

دوسرا باب

میرے شوہر کے سب بھائی بہن بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ جن میں سے کئی کی وفات ہوچکی ہے۔ ایک بھائی نے الاظہر یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور علی گڑھ یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز ڈین رہے۔ (مظہر الدین بلگرامی) ڈاکٹر صبیح الدین بلگرامی نے انگلینڈ سے پی ایچ ڈی اور امریکا سے Post doctorate کیا۔ ایک بہن ڈاکٹر رفعت بلگرامی ہسٹری کی پروفیسر تھیں جبکہ سب سے بڑی بہن ریاض فاطمہ بلگرامی نے اردو، انگریزی اور فارسی میں ماسٹرز کیے اور کافی عرصہ علی گڑھ یونیورسٹی میں پڑھایا۔

اصولی طور پر میں خاندان میں شادی کرنے کی قائل نہیں تھی مگر رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں پھر یہ خالص انہی کی پسند اور خواہش تھی۔ میں انہیں زیادہ جانتی نہ تھی۔ ہمارے درمیان بہت کم بات چیت ہوئی۔ ان کی پسند، خواہش اور میری ادبی سرگرمیوں میں ان کی دلچسپی نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں بھی اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کروں چنانچہ میں نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ ہماری شادی ایک سال کے بعد 5 جولائی 1969ء کو ہوئی۔ ان کی خواہش تھی کہ میں شادی کے بعد سروس نہ کروں چنانچہ میں نے ان کی

بات مان لی اور شادی کے بعد کالج چھوڑ دیا۔ شادی کے چند ماہ بعد ہم لوگ مسلم باغ (بلوچستان) چلے گئے۔ ان کا تبادلہ ہو گیا۔ یہ جگہ کوئٹہ سے 75 میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی بلندی 7000 فٹ ہے کئی ماہ برف پڑتی ہے اور درجۂ حرارت منفی اٹھارہ یا منفی بیس تک رہتا تھا۔

ہم لوگ وہاں تین سال رہے۔ یہ زمانہ میری زندگی کا سنہرا دور ہے۔ جتنا عیش و آرام ہم نے اٹھایا، شہر میں اس کا تصور محال ہے۔ ہمارا گھر بڑا سا تھا۔ عمارت چھوٹی تھی لیکن باغ خوب بڑا سا تھا۔ جس میں سیب' ناشپاتی' انار' انگور' خوبانی' آلوچہ' بادام اور اخروٹ کے درخت تھے۔ ہر طرح کی سبزیاں تھیں۔ اس کے علاوہ گلاب کے بے شمار پودے تھے۔ گھر کے اندر سے کاریز نکلتی تھی۔ یہ چھوٹی نہر ہوتی ہے جسے کاریز کہا جاتا ہے۔ نوکر چاکر کی افراط تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں مجھے جنت عطا کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں کثرت سے قرآن حکیم پڑھا کرتی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی برکت تھی کہ مجھے ایسی زندگی عطا ہوئی جس کا صرف تصور کیا جا سکتا ہے۔ جمعہ 24 اپریل 1970ء کو میرے بیٹے آصف کی پیدائش ہوئی۔ مجھے وہاں کوئی کام نہ تھا سوائے لکھنے پڑھنے یا تفریح کرنے کے۔ وہیں میں نے اپنا تیسرا ناول "ستاروں سے آگے" لکھا اور پھر "اِک دیا بجھا بجھا سا" بھی لکھ ڈالا۔

میں ہمیشہ ناول لکھنے کے لیے موٹی کاپی خریدتی تھی چنانچہ بلگرامی صاحب اکثر میرے لیے 600 صفحات والی کاپی خرید کر لایا کرتے تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا میں خوب لکھوں۔ میری لکھی ہوئی کتابیں (اور بعد میں افسانے بھی) وہ شوق سے پڑھتے تھے اور ہمیشہ لکھنے پر مجھے اکساتے رہتے تھے۔ ابھی جن دو ناولز کا میں نے تذکرہ کیا ان کے لکھنے کے بعد جب میرے سامنے 600 صفحات کی ایک کاپی آئی تو اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا۔ میں نے سوچا اگر اس کاپی پر میں ناول کے بجائے قرآن حکیم لکھوں تو کتنا اچھا ہوگا۔ چنانچہ 21 مارچ 1972ء کو میں نے اس کاپی پر بال پوائنٹ سے قرآن حکیم لکھنا شروع کیا بال پوائنٹ سے لکھا ہوا یہ قرآن حکیم آج بھی بالکل صاف ستھرا ہے حالانکہ یہ 36 سال پرانا ہے۔ قرآن حکیم کی برکات میرے ساتھ بہت رہیں ابھی میرے بارہ سپارے مکمل ہوئے تھے کہ کوئٹہ سے مسلم باغ جاتے ہوئے ہماری جیپ کا بدترین حادثہ ہوا۔ بلگرامی صاحب کو ڈرائیونگ کا بہت شوق تھا تیز گاڑی چلاتے تھے۔ اس روز نہ جانے کیوں میں نے انہیں کئی بار منع کیا کہ آپ گاڑی نہ چلائیں۔ ڈرائیور کو چلانے دیں مگر وہ نہ مانے۔ موسم کی دلفریبی اور لانگ ڈرائیو...... میں کیا کرتی خاموش ہو گئی۔ آگے ان کے ساتھ بیٹھی، پیچھے ڈرائیور تھا اور میرا بیٹا آصف جس کی عمر اس وقت دو سال تھی وہ اپنے ملازم رضا کی گود میں تھا۔ بعض مقامات پر راستہ خطرناک ہے۔ پہاڑیوں کو کاٹ کر سڑک بنائی گئی ہے۔ بلگرامی صاحب جیپ کو تیز چلا رہے تھے۔ سامنے سے تیز رفتار ٹرک آ رہا تھا جو کہ اچانک کھڑی ہوئی پہاڑی کی عقب سے برآمد ہوا۔ بلگرامی صاحب نے لمحاتی فیصلہ کیا۔ ذرا سی بائیں طرف کو گاڑی لی جو کہ الٹ گئی اور اس نے تین رول لیے۔ ہم سب بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ بلگرامی صاحب کی Skull میں تین فریکچر تھے۔ میرا left Kidney بایاں گردہ زخمی تھا۔ مجھے تیسرے دن ہوش آیا تھا۔ آصف کے ملازم رضا کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ ڈرائیور جو پیچھے بیٹھا تھا وہ معمولی زخمی تھا بس اس حادثے کا معجزہ یہ ہے کہ میرا بیٹا جس کی عمر دو سال تھی دور جا کر گرا مگر اسے خراش تک نہیں آئی اس نے بس یہی کہا کہ "کپڑوں پر مٹی لگ گئی۔" سوچنے کی بات ہے کہ جیپ چکنا چور ہو گئی مگر بچہ محفوظ رہا۔ لگتا تھا فرشتوں نے گود میں اٹھا کر آرام سے زمین پر لٹا دیا۔ ہم بہت عرصہ کوئٹہ کے اسپتال میں رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہم لوگ علاج معالجے کے بعد ٹھیک ہو گئے۔ اگرچہ مجھے پوری طرح ٹھیک ہوتے میں چھ ماہ

اور میرے شوہر کو سال لگ گیا۔
میں وقت ضائع نہیں کرتی۔ یہ داستان پڑھنے والوں کو شاید یقین نہیں آئے جن دنوں میں اسپتال میں تھی تو کچھ عرصے بعد میں اس قابل ہو گئی تھی کہ لکھ سکوں...... میں نے وہیں ایک کاپی اور بال پوائنٹ منگوایا اور بستر پر لیٹے ، لیٹے ناول لکھنا شروع کیا۔ ''اک تارا ٹوٹا'' یہ ایک گھرانے کی سچی داستان تھی۔ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکی ہوں میرے لکھنے کی رفتار بہت تیز ہے جو بھی دیکھتا وہ حیرت کرتا تھا ایک مریضہ بستر پر لیٹے ، لیٹے کتاب لکھ رہی ہے۔ میں نے وہیں کتاب کا کافی حصہ لکھ ڈالا تھا مگر مجھے اپنے قرآن حکیم کی فکر لاحق تھی۔ میرا سارا دھیان اس کی جانب تھا۔ چنانچہ اسپتال سے گھر شفٹ ہونے کے بعد میں نے قرآن حکیم مکمل کرنا شروع کیا جو کہ اللہ کے فضل کرم سے 13 مئی 1973ء کو مکمل ہو گیا...... مجھے قرآن حکیم مکمل کرنے کی بے حد خوشی تھی۔ یوں لگتا تھا کوئی دولت ہاتھ آ گئی ہے۔ مجھے اپنے حادثے کا کوئی غم نہیں تھا۔ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔
ناول ''ایک تارا ٹوٹا'' جو اسپتال میں لیٹ کر لکھ رہی تھی بہت جلد مکمل کر لیا تھا۔ بے شمار یادیں ہیں جو ذہن کے کینوس پر بکھری پڑی ہیں۔ کون، کون سی بات کو یاد کروں اور کیا کچھ بھول جاؤں' بھول جانا اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس وقت ایک شعر ذہن میں آ رہا ہے۔

اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
اڑالی طوطیوں نے قمریوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری
(اقبالؔ)

میرے ناولز اور میرے افسانوں میں آپ کو میری طرزِ فغاں ضرور نظر آئے گی مگر اس تحریر میں نہیں...... یہاں تو میں ایک ایسے چمن میں کھڑی ہوں جہاں ہر طرف پھول کھلے ہیں' کلیاں مہک رہی ہیں اور شبنم کے قطرے آبدار موتی کے مانند چمک رہے ہیں۔
میں مسلم باغ کا ذکر کر رہی تھی جو میری زندگی کا سنہری دور تھا۔ یہ پہاڑی مقام ہے۔ وہیں ایک پہاڑی ہے جہاں پر ہیرے جواہرات اور قیمتی پتھر ملتے تھے۔ اس جگہ سے لوگوں نے بہت قیمتی جواہرات ڈھونڈے اور لے گئے۔ یہ بہت پرانی بات ہے اب خدا جانے اس پہاڑی کا کیا حال ہے۔ بہرحال میری خواہش پر بلگرامی صاحب مجھے اس پہاڑی پر لے گئے۔ راستہ خطرناک تھا۔ جیپ کسی نہ کسی طرح وہاں تک پہنچ گئی۔ ہمارے علاوہ دو تین لوگ اور بھی ساتھ تھے اونچی، اونچی پہاڑیاں فیروزے کے رنگ کی تھیں اور خوب چمک رہی تھیں۔ ہم نے ریت میں بڑے قیمتی پتھر تلاش کرنے شروع کیے اور رنگ برنگے کافی پتھر جمع کیے جو سائز میں بہت چھوٹے تھے مگر خوب صورت تھے۔ ان پتھروں کو تراشنے کی ضرورت ہوتی ہے تبھی وہ قیمتی بنتے ہیں۔ آصف (عمر دو سال) نے بھی بھاگ، بھاگ کر کچھ پتھر جمع کیے۔ ایک تھیلی میں کافی مقدار میں مطلوبہ چیز لے کر ہم گھر ساتھ خیریت کے واپس آئے۔ کراچی آنے کے بعد ہم نے وہ سارے پتھر اپنے سب سے چھوٹے چچا ونگ کمانڈر فرحان احمد بلگرامی کو دے دیے۔ چھوٹے چچا باہر سے ہیرے تراشنے کی مشین لائے تھے اور یہ ان کی ہابی تھی اور معمولی پتھروں کو تراش کر قیمتی بناتے اور زیورات میں جڑواتے تھے۔ ان کے ڈرائنگ روم میں شوکیس کے اندر نہ جانے کتنے ہار بندے اور انگوٹھیاں رکھی رہتی تھیں جن میں ان ہی کے تراشے ہوئے پتھر جڑے ہوئے تھے۔ چھوٹے چچا کی پوری فیملی آسٹریلیا میں رہتی ہے۔ ابا کی نسل میں اب صرف یہی زندہ بچے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں لمبی عمر دے۔ بہت محبت کرنے والے خوش اخلاق انسان ہیں۔ میری شادی انہی کے گھر سے ہوئی تھی۔ ائر فورس کی طرف سے انہوں نے بہت ہی شاندار انتظام کیا تھا۔
1973ء میں ہم لوگ مسلم باغ سے کراچی

آ گئے۔ اپنا تبادلہ ہم نے خود کروایا تھا۔ کراچی آئے تو یوں لگا کہ ''خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا''

پی ای سی ایچ ایس نمبر 6 میں ایک مکان کرائے پر لیا اور نئے سرے سے زندگی شروع کی کیونکہ مسلم باغ میں ہر چیز ملی ہوئی تھی جو کمپنی کی تھی۔ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ کراچی آنے کے بعد ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزیں خریدنی پڑیں اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ تنکا، تنکا کر کے آشیانہ بنتا ہے یہی حال ہمارا تھا۔ پیسہ جمع کر کے کوئی چیز خریدی جاتی تو اس قدر خوشی ہوتی کہ بیان سے باہر ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جس روز ہمارے گھر بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی آیا تھا لگتا تھا ہم بہت امیر ہو گئے ہیں بچے جو کہ سب ہی چھوٹے تھے اس قدر خوش کہ ان کو خوش دیکھ کر ہمیں حقیقی خوشی حاصل ہو رہی تھی۔

1973ء ہی کی بات ہے کہ ایک دن میری نند ریاض آپا جو علی گڑھ یونیورسٹی میں انگریزی کی پروفیسر رہ چکی تھیں وہ آئیں اور ان کے شوہر ادریس احمد مینائی بھی لسہ یہ امیر مینائی کے سگے پوتے ہیں۔ ان جیسا خوش اخلاق اور نفیس طبیعت کا انسان میں نے نہیں دیکھا...... سب کی خوشی میں خوش ہونے والے بے حد تعریف کرنے والے' عزت دینے والے اور قدر کرنے والے انسان تھے۔ میرے بزرگ تھے اور میں انہیں اپنا آئیڈیل سمجھتی تھی۔ میں نے انہیں وہ کاپی دکھائی جس پر بال پوائنٹ سے قرآن حکیم لکھا تھا۔ وہ اس قدر خوش ہوئے کہ بیان سے باہر...... پھر انہوں نے کہا۔

''بیٹی ایک قرآن میرے لیے بھی لکھ دو۔''

یہ ان کی فرمائش تھی۔ کتنی محبت سے کہا تھا میں ان کی خواہش کیوں نہ پوری کرتی۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں جلد از جلد ایک عدد قرآن پاک انہیں لکھ کر دوں گی۔ چنانچہ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ اس بار کاپی پر نہیں باقاعدہ اچھے کاغذ پر لکھا جائے گا۔ چنانچہ فوری طور پر شیٹ پرنٹ کروائیں اور 31 جولائی 1973ء کو لکھنا شروع کیا۔ ان دنوں میں پریگننٹ تھی۔ میرے دوسرے بیٹے کاشف کی آمد فروری 1974ء میں ہونی تھی اس لیے قرآن حکیم کو میں نے بہت تیزی سے مکمل کیا۔ 3 دسمبر 1973ء کو مکمل ہو گیا۔ (4 ماہ 4 دن)

اس دوران میری ٹانگ مڑ جانے کی وجہ سے فریکچر بھی ہو گیا تھا اور بڑا سا پلاسٹر چڑھا تھا۔ میں لنگڑا کر مشکل سے چلتی سارے گھر کا کام بھی کرتی اور قرآن پاک لکھا کرتی۔ جس گھر میں' میں رہ رہی تھی اس میں تین کمرے تھے۔ آگے پیچھے برآمدہ اور آنگن بھی تھا۔ دونوں برآمدوں میں جالی لگی ہوئی تھی۔ میں اپنے بیڈ روم میں جس میز کرسی پر بیٹھ کر قرآن پاک لکھتی تھی وہاں سے باہر کے برآمدے کی جالی نظروں کے سامنے رہتی تھی۔ خوب ہوادار گھر تھا مجھے ہمیشہ یوں محسوس ہوتا جیسے جالی کے باہر سے مجھے کوئی دیکھ رہا ہے۔ میں نظر اٹھاتی وہاں کوئی بھی نہیں ہوتا اور جب لکھنا شروع کرتی تو یہی محسوس ہوتا کہ کسی کا منہ جالی سے چپکا ہوا ہے اور نظریں مجھے گھور رہی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میں نے کبھی خوف محسوس نہیں کیا۔ میں اپنے کام میں مشغول رہتی میں سمجھ رہی تھی کہ ہر حال میں مجھے یہ کام جلد سے جلد مکمل کر لینا ہے کیونکہ بچے کی پیدائش اور پھر بعد کی مصروفیات میں بہت وقت لگ جانا تھا اور مینائی صاحب جب آتے یہی سوال کرتے بیٹی کتنا لکھ لیا؟ (وہ ہر ہفتے آتے تھے)

جس روز میں نے انہیں قرآن پاک تحفے میں دیا انہوں نے مجھے بے شمار دعائیں دیں۔ وہ ساری عمر مجھے دعائیں دیتے رہے۔ افسوس دعا کے لیے اٹھنے والے وہ ہاتھ اور مجھ سے ڈھیروں باتیں کرنے والی زبان خاموش ہو گئی۔ 11 فروری 2008ء کو 93 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کہتے ہیں پریگننسی کے دوران ماں جو عمل کرے جیسے خیالات رکھے اس کے اثرات ہونے والے بچے پر پڑتے ہیں۔

کاشف وہ بچہ ہے جس کے جنین پر پورا قرآن حکیم لکھا گیا۔ وہ بہت کم عمری سے روزے رکھنے لگا تھا اور نماز کی پابندی کرتا تھا۔ اس نے کبھی کوئی روزہ نہیں چھوڑا۔ اس کے ذمے کوئی نماز باقی نہیں ہے۔ جب کبھی قضا ہو جاتی اسی روز پڑھ لیتا۔

این ای ڈی یونیورسٹی سے انجینئر بننے کے بعد وہ نیشنل ریفائنری میں ٹرینی انجینئر کی ملازمت کے ساتھ آئی بی اے سے ایم بی اے بھی کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ فرانسیسی زبان کے کورسز بھی جاری تھے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی پڑھائی اور ملازمت وغیرہ میں اس قدر مصروف رہتا ہے کہ اسے آرام کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ آئی بی اے کی پڑھائی سخت تھی۔ روزانہ ڈھائی بجے رات تک پڑھائی کرتا اس کے بعد عشا کی نماز پڑھتا۔ میں نے کئی دفعہ کہا کہ بیٹا عشا کی نماز 9 بجے پڑھ لیا کرو وہ جواب دیتا میری ہمت نہیں ہوتی۔ غرض یہ کہ اس کا وقت وہی تھا یعنی رات کے ڈھائی بجے۔

پھر اس نے بتایا رات کو ڈیڑھ بجے روزانہ ایک تیز خوشبو اس کے کمرے میں آتی ہے۔ پورا کمرا خوشبو سے بھر جاتا ہے پانچ منٹ تک خوشبو رہتی ہے پھر چلی جاتی ہے...... یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہماری اوپر کی منزل میں صرف کاشف کا بیڈ روم بنا ہوا تھا اور چھ فٹ اونچی چار دیواری تھی جہاں ہم سب گرمیوں کے دنوں میں بیٹھتے لطف اندوز ہوتے۔ ایک تخت بچھا تھا کرسیاں تھیں میں تو مغرب اور عشا کی نماز وہیں چھت پر اکثر پڑھ لیا کرتی تھی۔ میرے شوہر کو باغبانی کا شوق تھا۔ انہوں نے چھت پر بڑے، بڑے گملوں میں پھول والے پودے لگائے تھے۔ گلاب انہیں بے حد پسند تھے اور وہ بہت اچھی گرافٹنگ کر کے ایک گملے میں کئی رنگ کے گلاب کھلاتے تھے۔

لکھتے ہوئے اندازہ نہیں ہوا میں ماضی سے حال میں پہنچ گئی بات ہو رہی تھی اس وقت کی جب دوسرا قرآن حکیم لکھا تھا اور میں کرائے کے مکان میں رہتی تھی۔ میرا اپنا گھر ڈیفنس میں بن گیا اور 1989ء میں، میں اپنے گھر میں آ گئی۔ یہ خوشبو والی بات اسی گھر کی ہے۔

میرے بیٹے کاشف نے جس خوشبو کی بات کی تھی میں اس سے واقف تھی، مانوس تھی یہ describe کرنا مشکل ہے ایک بار شام کے وقت میں قرآن حکیم کا 30 واں سپارہ پڑھ رہی تھی یعنی قرآن پاک ختم ہونے والا تھا کہ اچانک خوشبو آ گئی...... اس وقت تک اوپر کی منزل پر صرف ایک کمرا ہی تھا اور چار دیواری پوری چھت کھلی تھی...... میں نے اپنی بہو اور بیٹی سے کہا جاؤ چھت پر جا کر دیکھو خوشبو اوپر ہی سے آ رہی ہے۔ یہ سب بھاگ کر چھت پر پہنچیں۔ پوری چھت خوشبو سے مہک رہی تھی۔ کاشف کا کمرا بھی خوشبو سے بھرا ہوا تھا اور اب میرا کمرا بھی معطر تھا۔ یہ خوشبو ہمیشہ آتی ہے۔ دو سال ہوئے میں نے اوپر کی منزل کرائے پر اٹھا دی۔ کاشف کینیڈا چلے گئے تو اب خوشبو نے آنا چھوڑ دیا۔

دوسرا قرآن حکیم 1973ء ہی میں مکمل کر لیا تھا پھر جلد موقع نہ مل سکا۔ 14 فروری 1974ء کو کاشف کی پیدائش اور پھر 10 مئی 1975ء کو عالیہ کی پیدائش گویا گھر کا جملہ کام، تین بچوں کی پرورش اور اب آصف کا نام کینٹ پبلک اسکول پریپ میں لکھوا لیا تھا۔ میں نے ہمیشہ اپنے گھر، بچوں اور شوہر کے کام کو اہمیت دی۔ پہلے یہ کام ہوں گے اس کے بعد لکھائی پڑھائی۔ خواہ وہ لکھائی قرآن حکیم ہی کی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ میں اپنے شوہر کی موجودگی میں سپارے بھی نہیں پڑھتی تھی مبادا انہیں کوئی مجھ سے کام ہو اور وہ مروت میں کہہ نہ سکیں۔ ان کا آفس صبح سے شام تک کا ہوتا تھا۔ دوسرے دن کے وقت لکھنے پڑھنے میں کبھی قباحت نہیں ہوتی۔ ان کے انتقال کو چھ سال گزر چکے ہیں۔ میں نے شادی شدہ زندگی کے بتیس سال بہت پُرسکون انداز میں گزارے اور کبھی رات کو نہیں لکھا کہ جیسے کہ دوسری افسانہ نگار خواتین کا معمول ہوتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد سے روٹین بدل چکی ہے۔ میرے لیے اب دن رات سب برابر ہیں۔ میرے

شوہر وقت کے بے حد پابند تھے۔ وقت پر ناشتا' چائے اور کھانا...... اس لیے میں نے ہمیشہ ان کے آرام کا خیال رکھا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہیں وقت پر کھانا نہ ملا ہو...... میں ان کے سامنے کبھی مصروف نہیں رہی...... میں نے اپنا پورا وقت انہیں دیا۔

میرے شوہر میری خواہشات' پسند ناپسند کا بے حد خیال رکھا۔ اپنا تن من دھن سب مجھ پر قربان کیا، میری جملہ ضروریات کے اخراجات انہوں نے خود اٹھائے۔ جب افسانوں اور ناولوں سے میری آمدنی شروع ہوگئی اور میرے پاس خاصے پیسے جمع ہوگئے تو میں نے اگر کبھی کچھ خریدنا چاہا تو سختی سے منع کر دیا اور اپنے پیسوں سے مجھے وہ چیز خرید کر دی۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے مگر کس وجہ سے؟ کوئی مرد یہ سوچے قرآنِ حکیم میں پڑھ کر دیکھے۔

وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط (۴:۳۶)

کہ یہ فوقیت اس لیے دی گئی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتا ہے کہ جن گھروں میں عورت کی کمائی پر گھر چلتا ہے۔ وہاں عورت کو فضیلت حاصل ہے اور جہاں دونوں مل کر خرچ کر رہے ہیں وہاں اس معاملے میں بھی فضیلت ختم ہوگئی۔ دونوں کے حقوق و فرائض برابر ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کمائی کرنے والی عورت شوہر کو مجازی خدا نہ سمجھے...... شوہر کا مرتبہ بڑا ہے۔ وہ عورت کا سائبان ہوتا ہے اس کا محافظ' اس کے بچوں کا باپ، وہ اس کے تمام جائز مطالبات اور خواہشات کو ماننے کی پابند ہے۔ اپنے شوہر کے مال اور اپنی عزت کی حفاظت کرنا اس پر لازم کر دیا گیا۔ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اسے کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ خواہ وہ خود بھی برابر کی کمائی کر رہی ہو۔

یہ بات یونہی نکل آئی...... اگر میں خود بھی جاب میں ہوتی تو بھی اپنے شوہر کی اتنی ہی تابعدار ہوتی جیسی کہ میں رہی...... ساری زندگی جس سے انہوں نے ملوایا تھا...... ان کے ساتھ گئی۔ میں تو ان کی انگلی تھام کر چلنے والوں میں سے تھی اور اب میرا ہاتھ خالی ہے۔ وہ انگلی جسے تھام کر میں آگے بڑھتی تھی مجھ سے چھوٹ گئی۔ عدت کے دنوں میں ہی میں نے یہ نظم لکھی۔

alone
look at me!
look at me!
can't you hear me?
can't You See?

یہ Poem انٹرنیٹ پر Poetry.com میں پڑی ہوئی ہے۔ انہوں نے مجھے جو سب سے بڑی چیز دی وہ اعتماد کی دولت ہے جو اکثر مرد حضرات اپنی بیویوں کو نہیں دے پاتے۔ قلم کار ہونے کے ناتے میرے پاس بے شمار خطوط آتے تھے۔ لوگ بھی ملتے تھے اگر وہ ذرا بھی شکی مزاج انسان ہوتے تو شاید میں اپنی موت آپ مر چکی ہوتی۔ میں نے بے شمار لو اسٹوریز لکھیں' ناولز لکھے' نظمیں لکھیں مگر انہوں نے کبھی کوئی منفی جملہ نہ کہا۔ وہ خوش ہونے والوں میں سے تھے انہوں نے مجھے ایم فل اور پی ایچ ڈی بھی کروایا...... کتنے مرد ہوں گے جنہوں نے اپنی بیوی کے لیے اتنا کچھ کیا ہوگا۔ ریسرچ میرا شوق تھا۔ میں ملازمت نہیں کرتی تھی کہ ڈگری سے گریڈ بڑھ جائے گا۔ میرے شوہر نے میرا یہ شوق بھی پورا کیا۔

ایک بات میں یہاں پر تمام شادی شدہ جوڑوں سے کہنا چاہوں گی خواہ وہ میری بات سے اتفاق کریں یا رد کریں کہ اصلی محبت صرف میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے کیونکہ محبت قربانی مانگتی ہے اور قربانی صرف میاں بیوی ہی ایک دوسرے کے لیے دیتے ہیں۔ دکھ سکھ ایک ساتھ جھیلتے ہیں۔ بڑھاپے میں ایک دوسرے کا سہارا وہی ہوتے ہیں۔ کبھی بھی کوئی تیسرا شخص باہر سے آ کر آپ کے لیے کچھ نہیں کرے گا۔ میری یہ بات گرہ میں باندھ لیں اور میاں بیوی دونوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے کا بے حد احترام کریں یہی محبت ہے۔

(جاری ہے)

قسط 5

آخری امید

قیصرہ حیات

مکاں فانی ، مکیں آنی ، ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تُو جاوداں تُو ہے

ایک ایسی لڑکی کی کہانی . . . جو حق کی جستجو میں اپنے سفر کا آغاز کرتی ہے اور اس ابدی، لافانی حقیقت کو پالینے کے اس سفر میں اسے جن مسائل، جن شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہماری مصنفہ نے اپنے ساحرانہ قلم سے اسے بہت خوب صورت اور پُراثر انداز میں اُجاگر کیا ہے۔

اس کہانی کی اشاعت نوجوان نسل کی اسلام کے بارے میں معلومات مطالعے اور علم کو مزید وسعت دے گی۔

مایہ ناز مصنفہ کے منفرد انداز بیاں کا

ایک اور شاہکار

دن کافی چڑھ چکا تھا اور لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ اردگرد سے بھانت بھانت کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کبھی کوئی پھیری باز محلے میں آ کر اونچی آواز سے چیزیں بیچنے لگتا تو کہیں بچوں کا شور شرابا...... آمنہ ان کی آوازیں سن کر ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور گھبرا کر عبدالرحمٰن کو ہلانے لگی...... باہر ایک سبزی فروش کی پاٹ دار آواز نے اسے بری طرح ڈرایا تھا۔ سبزی فروش کیا کہہ رہا تھا اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا مگر اس کی آواز اسے قدرے خوف زدہ کر رہی تھی۔

''عبدالرحمٰن یہ کیسی آواز ہے......؟ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' آمنہ نے گھبرا کر کہا تو عبدالرحمٰن نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اسے سمجھانے لگا، وہ حیران ہو کر اس کی باتیں سنتی رہی اور پھر بیڈ پر لیٹ گئی۔

باہر محلے کی سب عورتیں اکٹھی ہو کر جمیلہ کے پاس آئی تھیں۔ انہیں خبر ملی تھی کہ عبدالرحمٰن ایک میم کو بیاہ کر لایا ہے اور سب اس میم سے ملنے کے لیے بہت مضطرب ہو رہی تھیں...... جمیلہ صحن میں ان کے پاس چارپائیوں پر بیٹھی تھیں اور وہ متجسس ہو کر اس سے آمنہ کے بارے میں سوالات کر رہی تھیں۔

''اری جمیلہ...... تیری بہو کہاں ہے؟ بھیا اس کو بلا بھی لے تاکہ ہم بھی اس کو دیکھ لیں...... سچ اس کے بارے میں تو ہم اتنا کچھ سن، سن کر تھک گئے ہیں اور بڑا انتظار کر رہے تھے کہ کب وہ آئے اور ہم اس کو دیکھیں...... اب اسے بلاؤ تو سہی......'' درمیانی عمر کی ایک عورت نے آنکھیں مٹکا، مٹکا کر کہا تو سب اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

''ہاں، ہاں اسے جلدی بلاؤ......'' دوسری عورت نے بھی کہا۔

''ارے بھئی ساری رات کے سفر سے بیچاری تھک کر صبح نماز پڑھ کر سوئی ہے ابھی کیسے اٹھا دوں۔'' جمیلہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ...... لگتا ہے بڑی نمازی ہے، کیا شادی کے بعد مسلمان ہوئی ہے؟'' ایک عورت نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے نہیں...... وہ شادی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئی تھی، اسی لیے تو میرے عبدالرحمٰن نے اس سے شادی کی ہے۔'' جمیلہ نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

''واہ...... پھر تو ہم اسے ضرور دیکھیں گے کہ انگریز مسلمان کیسے ہوتے ہیں۔'' ایک اور ہمسائی نے قدرے متجسس انداز میں کہا۔

''کہاں ہے اس کا کمرا......؟'' ایک اور عورت نے قدرے بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا اور جیسے ہی جمیلہ نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا وہ اٹھ کر جلدی سے دروازہ پیٹنے لگی۔

''ارے...... ارے شمیم یہ کیا کر رہی ہو، ارے وہ سو رہی ہو گی، اسے تنگ مت کرو۔'' جمیلہ نے قدرے خفگی سے کہا۔

''ارے واہ خالہ، ہم سب آئے بیٹھے ہیں اور اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اب ہم بار، بار تو آنے سے رہے۔'' شمیم منہ بنا کر بولی۔ ایک دم دروازہ کھلا اور آمنہ سر پر حجاب لیے کمرے سے باہر آئی اور حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''ارے واہ...... بڑھیا ہی بڑھیا...... جمیلہ تمہارے تو پورے خاندان میں اتنی خوب صورت بہو کسی کی نہیں۔'' ایک ادھیڑ عمر عورت نے آمنہ کو سر سے لے کر پاؤں تک گھورتے ہوئے دیکھا اور پھر سب اس کی تعریفیں کرنے لگیں۔ اسی لمحے ہاجرہ اور شمیم بھی اپنے اپنے کمروں سے باہر نکلیں اور صحن میں عورتوں کا جمگھٹا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''ارے ہمیں تو جیسے ہی خبر ملی ہم عبدالرحمٰن کی دلہن دیکھنے چلی آئیں۔'' ایک عورت نے ہاجرہ سے کہا۔

''ارے خالہ...... دن تو چڑھ لینے دیتیں...... دلہن کون سی بھاگی جا رہی تھی۔ تم لوگ تو یوں کر رہی ہو جیسے کبھی کوئی دلہن دیکھی نہیں ہو۔'' ہاجرہ نے ناگواری سے منہ بنا کر کہا۔

''ہاں، ہاں دیکھی ہیں بہت دیکھی ہیں مگر انگریز دلہن ابھی تک نہیں دیکھی تھی۔'' دوسری عورت نے جلدی

سے جواب دیا۔
''اماں...... ایسا کرو اپنی بہو پر ٹکٹ لگا دو...... اس کے جانے تک بڑا پیسہ کما لوگی...... اور ان سب کا بھی شوق پورا ہو جائے گا۔'' ہاجرہ نے قدرے طنزیہ انداز میں جمیلہ سے کہا تو ان کو غصہ ہی آ گیا۔
''آئے ہائے...... ہاجرہ کیا اول فول بک رہی ہو، نئی دلہن کو تو سارے ہی چاؤ سے دیکھنے آتے ہیں۔ یہ کون سی بری بات ہے۔'' جمیلہ نے قدرے خفگی سے جواب دیا تو ہاجرہ منہ بنا کر رہ گئی اور آنکھیں مٹکا کر شبنم کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھنے لگی۔ آمنہ حیرت سے سب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شمیم اس کا ہاتھ پکڑ کر چارپائی تک لائی اور اسے سب عورتوں کے درمیان بٹھا دیا۔
''جمیلہ...... یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تیری انگریز بہو مسلمان ہے۔'' ایک عورت نے آمنہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
''ہاں...... اللہ کا شکر ہے۔'' جمیلہ نے مسکرا کر جواب دیا۔
''اری بہو...... تو نئی، نئی مسلمان ہوئی ہے ہمیں بھی تو کلمہ سنا...... دیکھیں تجھے کلمہ آتا بھی ہے یا نہیں......؟'' ایک عورت نے معنی خیز انداز میں آمنہ سے پوچھا۔ اسے ان لوگوں کی بات کی کچھ سمجھ نہ آئی مگر کلمے کا لفظ سن کر وہ چونکی، اس نے انگریزی لہجے میں لفظ کلمہ کہا۔ عربی حروف تہجی سے تو اسے آگاہی تھی مگر اس زبان میں کہی گئی باتیں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔ سب متجسس ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ آمنہ اس کے بعد کچھ نہ بولی سب اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگیں اور انتظار کرنے لگیں کہ وہ کلمہ پڑھتی ہے۔ مگر آمنہ خاموش رہی۔
''آئے ہائے...... یہ کیسی مسلمان ہے، جس کو کلمہ ہی نہیں آ رہا......'' ایک عورت نے منہ بنا کر ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔
''جسے کلمہ ہی نہیں آتا...... وہ کیسی مسلمان ہوگی یہ تو سب کو ہی پتا چل گیا ہے۔ لگتا ہے عبدالرحمٰن نے اس سے شادی کے لیے ہی وقتی طور پر اسے کلمہ پڑھایا ہوگا۔ جسے پڑھ کر وہ اسی وقت بھول گئی۔'' ایک اور عورت نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو ہاجرہ اور شبنم بھی اس کی بات سن کر ہنسنے لگیں اور سب بے ہنگم قہقہے لگانے لگیں۔ آمنہ پھٹی، پھٹی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔
''نہیں نہیں ماشاء اللہ یہ بڑی پکی مسلمان ہے، تم لوگوں کی بات اسے سمجھ نہیں آئی تو وہ کیا کرے، ورنہ صبح تو وہ نماز اور قرآن پڑھ کر سوئی تھی۔'' جمیلہ جلدی سے اس کے دفاع میں بولیں۔
اسی لمحے عبدالرحمٰن کمرے سے باہر نکلا تو سب کو دیکھ کر حیرت سے چونکا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔
''عبدالرحمٰن بیٹا...... تم ہی اپنی بیوی کو کہو کہ ان سب کو کلمہ سنا دے......'' جمیلہ نے قدرے جلدی سے کہا تو...
عبدالرحمٰن کو ایک دم غصہ آ گیا۔
''یہ کیا فضول حرکت ہے، کیا آپ لوگ اس سے ملنے آئی ہیں یا پھر اسے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دینے آئی ہیں۔'' عبدالرحمٰن غصے سے بولا۔
''ارے، ارے تم غصہ کاہے کو کر رہے ہو، ہمیں بھی تو خبر ہونی چاہیے کہ یہ مسلمان ہے یا نہیں...... کلمہ سن کر دل کو تسلی ہو جائے گی۔ ورنہ یہی شک رہے گا کہ تم کسی کافرہ کو بیاہ کر لے آئے ہو۔'' ایک عورت نے منہ بنا کر کہا۔
''خالہ...... میں تم لوگوں کا شک دور کرنے کے لیے اسے تم لوگوں کے سامنے کوئی شو پیس نہیں بنا سکتا، یہ تم سب لوگوں سے اچھی مسلمان ہے اور یہ میں جانتا ہوں۔ میرے دل کی تسلی کے لیے یہی کافی ہے۔ میں تم لوگوں کی کوئی تسلی نہیں کرنا چاہتا کہ یہ کیسی مسلمان ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ کرے گا تم لوگ نہیں۔'' عبدالرحمٰن نے قدرے غصے سے

سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور آمنہ کا ہاتھ پکڑ کر سب کے درمیان سے اسے اٹھا کر کمرے میں لے جانے لگا تو ساری عورتیں منہ بنا کر اس پر تاسف کا اظہار کرنے لگیں۔

''ارے بھئی حیرت ہو رہی ہے' یہ وہی عبدالرحمٰن ہے جس نے آج تک کبھی کسی کے سامنے اونچی آواز سے بات نہیں کی تھی اور اب کیسے تڑاخ، تڑاخ جواب دے رہا تھا۔ لگتا ہے انگریز بیوی کا حسن اس پر جادو کر گیا ہے۔'' ایک عورت نے قدرے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''ارے بھیا وہ کہتے ہیں ناں...... حسن ہو تو نزاکت آ ہی جاتی ہے یہاں حسن کو دیکھ کر منہ میں زبان آ گئی ہے۔'' دوسری عورت نے بھی بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو سب ان کا مذاق انجوائے کرنے لگیں۔

''ارے بھئی اب چھوڑ بھی دو...... تم لوگوں کو تو بس کوئی موقع ملنا چاہیے۔ کسی کے پیچھے ہی پڑ جاتی ہو...... اس بیچاری کو آئے ابھی پورا دن بھی نہیں ہوا کہ تم لوگ باتیں کرنے لگی ہو، اب جاؤ میں ولیمہ کروں گی تو پھر آ کر دلہن دیکھ لینا۔'' جمیلہ نے منہ بنا کر قدرے نرمی سے کہا اور اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔

☆☆☆

آمنہ نے کمرے میں جا کر عبدالرحمٰن سے باہر ہونے والے واقعے کے متعلق دریافت کرنا چاہا مگر وہ صرف ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے کن، کن مراحل سے گزر کر اور کیسے، کیسے ریسرچ کر کے اسلام قبول کیا تھا اور وہ ان نام نہاد مسلمانوں سے کتنی اچھی اور بہتر مسلمان تھی جو اس کے اسلام کے بارے میں مشکوک ہو رہی تھیں مگر عبدالرحمٰن اسے کچھ کہہ کر افسردہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں جو اسلام اور مسلمانوں کا ایک اچھا تصور بنا ہوا تھا وہ اسے خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے اندر بہت سے وسوسے اور خدشات جنم لینے لگے کہ کہیں ان لوگوں کے رویے اسے مسلمانوں کے بارے میں بدظن ہی نہ کر دیں...... اس نے آمنہ کو گول مول جواب دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن بعد میں موقع دیکھ کر اپنی ماں کو سمجھانے لگا کہ وہ آمنہ کو ایسے لوگوں سے دور ہی رکھے۔ دونوں ماں بیٹا آپس میں راز و نیاز کر رہے تھے جب اس کے دونوں بھائی اس کے پاس آئے اور دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر ان کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

''ہاں بھئی...... اب تم نے ولیمے کا کیا پروگرام بنایا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ لگے ہاتھ یہ سنت بھی ادا ہو جانی چاہیے۔ شادی تو تم وہاں خوب دھوم دھام سے منا آئے ہو۔'' اس کے بڑے بھائی عبدالوہاب نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہا۔

''ہاں وہاں پر سب مسلمانوں بھائیوں نے ہمارا بہت زبردست استقبال کیا اور بڑے اچھے طریقے سے شادی بھی ہوئی۔'' عبدالرحمٰن نے مسکرا کر بتایا۔

''بھیا تمہاری تو لاٹری نکل آئی ہے، خوب صورت بیوی بھی مل گئی، کل کو نیشنلٹی بھی مل جائے گی، تمہارا تو حال بھی سنور گیا اور مستقبل بھی سنہرا...... دکھائی دے رہا ہے۔'' اس کے دوسرے بھائی عبدالرب نے مسکرا کر کہا تو... عبدالرحمٰن نے چونک کر ایک دم اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے یہ شادی نہ تو نیشنلٹی حاصل کرنے کے لیے کی ہے اور نہ ہی اپنا مستقبل سنوارنے کے لیے۔ میں نے صرف ایک اچھی اور نیک عورت کو اپنا ہم سفر بنانے کے لیے شادی کی ہے۔'' عبدالرحمٰن نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بھیا...... تمہیں کیا معلوم کہ وہ کتنی نیک اور پاک ہے اور گورے لوگ تو ویسے بھی......'' انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑا، پھر ذرا سانس لے کر بولے۔

''یہ لڑکی آج تمہیں نیک معلوم ہو رہی ہے، ہمیں کیا پتا کہ اس کا ماضی کیا تھا اور پاکیزگی کے کون، کون سے ریکارڈ توڑ چکی ہے۔'' عبدالرب نے منہ بنا کر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو عبدالرحمٰن کو اس کی بات پر ایک دم غصہ آ گیا۔

''خدا کے لیے بھائی، آپ بات کرتے ہوئے اتنا تو سوچ لیں کہ اب وہ میری بیوی ہے...... میری عزت ہے...... اور کوئی بھی شوہر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی باتیں سننا پسند نہیں کرتا اور یہ آپ کی سوچ ہے کہ سارے انگریز برے ہوتے ہیں ان کی کوئی اخلاقیات نہیں ہوتیں...... لیکن میں آمنہ کو تب سے جانتا ہوں جب وہ میرے ساتھ کالج میں پڑھتی تھی۔ اس کا کسی کے ساتھ کوئی افیئر نہیں تھا۔'' عبدالرحمٰن نے خفگی سے جواب دیا۔

''اچھا، اچھا اب ان باتوں کو چھوڑو اور ولیمے کے بارے میں کچھ فیصلہ کرو۔'' عبدالوہاب نے قدرے درشت لہجے میں کہا تو دونوں خاموش ہو گئے وہ جمیلہ کے ساتھ مل کر ولیمے کے بارے میں پلان کرنے لگا۔

عبدالرحمٰن کو کمرے میں نہ پا کر ہاجرہ کی دونوں بیٹیاں فریحہ اور شبینہ اور شبنم کی بیٹی عاصمہ، آمنہ کے کمرے میں آ گئیں۔ تینوں کالج میں پڑھتی تھیں اور اپنے آپ کو تیس مار خان سمجھتی تھیں۔ وہ انگریزی اچھی طرح پڑھنا، لکھنا اور بولنا جانتی تھیں۔ تینوں نے بہت بے ڈھنگے فیشن کر رکھے تھے۔ تینوں نے انتہائی چست اور چھوٹی آستینوں والی قمیصیں پہن رکھی تھی اور دوپٹے گلے میں برائے نام جھول رہے تھے۔ جبکہ آمنہ اپنے کمرے میں مصلیٰ بچھائے نماز پڑھ رہی تھی...... تینوں نے آنکھیں مٹکا کر معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ آمنہ بہت خشوع وخضوع کے ساتھ بدستور نماز پڑھنے میں مصروف رہی۔ اس نے نماز پڑھنے میں بہت زیادہ دیر لگا دی تو وہ تینوں اکتا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''لگتا ہے، میڈم قضائے عمری ادا کر رہی ہیں۔'' فریحہ نے آمنہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا ہوگا کہ قضائے عمری کیا ہوتی ہے...... مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ ہم لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے اچھی اور نیک مسلمان بننے کی ایکٹنگ کر رہی ہے۔'' شبینہ نے بھی منہ بنا کر کہا۔

''لیکن جو کچھ بھی ہے، ہے بہت کیوٹ......'' عاصمہ نے اس کی حمایت میں بولتے ہوئے کہا۔

''لو...... اب چچا کی طرح تم بھی اس کے متاثرین میں شامل ہو جاؤ معلوم کرتی ہوں کہ ابھی اس کا کوئی بھیا ہے تو تمہیں اس کے حوالے کر کے اسلامی اخوت کو مضبوط بناتے ہیں۔'' فریحہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو عاصمہ منہ بنا کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ آمنہ نے نماز پڑھ کر جائے نماز اٹھائی اور مسکرا کر ان کی طرف دیکھنے لگی' فریحہ اس کے ساتھ انگلش میں باتیں کرنے لگی اور اسے اردو سکھانے کے بارے میں پروگرام بنانے لگی۔ آمنہ مسکرا، مسکرا کر ان کی باتیں سنتی رہی۔

دو دن بعد اس کے ولیمے کی رسم کو بہت اہتمام سے منایا گیا۔ لڑکیوں کی سہیلیوں اور عبدالرب کے سسرالی رشتے داروں اور محلے کے سب لوگوں نے خوب ہلا گلا کیا...... بہت ڈانس بھنگڑے ڈالے گئے اور سب بہت زیادہ انجوائے کر رہے تھے۔ آمنہ دلہن بنی کام والا غرارہ سوٹ پہنے اسٹیج پر بیٹھی تھی اور انتہائی حیرت سے سب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں جب محفل عروج پر تھی تو ظہر کی اذان ہونے لگی۔ وہ اذان ہوتے ہی نماز پڑھنے کی عادی تھی۔ اس نے چونک کر سب کی طرف دیکھا مگر کچھ نہ بولی کیونکہ عبدالرحمٰن نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ نماز اور اذان کے بارے میں کسی کو نہ ٹوکے سب مسلمان ہیں اور سب اسلام کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس لیے اس کو کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور جلدی سے اپنا کام دار دوپٹا جو کہ بیوٹیشن نے بہت پنوں کے ساتھ اس کے سر پر جمایا تھا اس نے بہ مشکل اتارا اور سر پر حجاب باندھ کر غرارہ سمیت ہی واش روم میں چلی گئی۔ اور وضو کرنے لگی آنکھوں پر لگا مسکارا اور آئی شیڈوز سب بری طرح پھیل گئے۔ اتنے زیادہ پیسے دے کر اسے پارلر سے تیار کروایا گیا

تھا اور ابھی اسے اسٹیج پر بیٹھے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس نے وضو کر کے سارے میک اپ کو خراب کر دیا تھا بلکہ مسکارے کی ساری کالک آنکھوں کے اردگرد پھیل چکی تھی۔ وہ سخت پریشان تھی کہ اتنا گہرا میک اپ آپ کیسے چھڑائے اس نے جلدی، جلدی لوشن اور روئی کی مدد سے چہرہ پھر صاف کیا۔ دوبارہ وضو کیا اور نماز پڑھنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ لوگ باہر منتظر بیٹھے تھے اور بار، بار اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے کہ دلہن کہاں گئی ہے۔

''نماز پڑھنے...... اب دنیا کو دکھانا بھی تو ہے کہ وہ بڑی پکی مسلمان ہوئی ہے تاکہ کسی کو اس کے اسلام کے بارے میں کوئی شک نہیں رہے۔'' ہاجرہ نے ایک مہمان خاتون کو منہ بنا کر قدرے طنزیہ انداز میں بتایا تو وہ عورت بھی اس کی بات سن کر حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے منہ بنانے لگی۔

''اوہو...... آج کے دن تو وہ اپنے اسلام کا اتنا دکھاوا نہ کرتی تو کیا فرق پڑ جاتا...... مگر یہ انگریز عورتیں بھی خوب سرپھری ہوتی ہیں۔ جو دل میں آئے وہی کرتی ہیں۔ تم لوگوں کو ہی اس کو کچھ سمجھانا چاہیے تھا اگر نماز لیٹ پڑھ لیتی تو کیا فرق پڑ جانا تھا۔'' اس عورت نے خفگی سے منہ بنا کر جواب دیا۔

''ارے نہ بابا...... نہ بابا...... ہم تو اس کے اسلام کو نہیں چھیڑتے، اس کا میاں تو ہمارے گلے کو ہی آجاتا ہے۔ پہلے تو بھیا کے منہ میں زبان نہیں تھی۔ اب جورو کو دیکھ کر تو زبان رکنے کو نہیں آتی۔ دو دن میں ہی اس نے ایسا بدل کر رکھ دیا ہے کہ وہ پہلے جیسا عبدالرحمٰن معلوم ہی نہیں ہوتا۔'' ہاجرہ نے منہ بنا کر کہا۔ اتنی دیر میں اور خواتین بھی اکٹھی ہونے لگیں اور ہر طرف شور ہونے لگا کہ دلہن کہاں ہے، اسے تو بلاؤ...... جمیلہ نے شبنم اور فریحہ کو اسے لانے کو کہا اور جب وہ اس کے کمرے میں گئیں تو وہ نماز سے فارغ ہو کر جائے نماز لپیٹ رہی تھی۔ اس کا سارا میک اپ دھل چکا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ شبنم نے تو اسے دیکھ کر انتہائی حیرت اور خفگی سے چیخ ماری۔

''ارے، ارے یہ تم نے کیا کر دیا...... سارے مہمانوں کے سامنے کیا اب اس منہ کے ساتھ جاؤ گی؟'' شبنم نے قدرے غصے سے کہا مگر آمنہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا تو فریحہ نے آگے بڑھ کر اسے انگلش میں کہا کہ اس نے یہ سب کیا، کیا ہے تو وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا نماز پڑھنے سے میک اپ زیادہ ضروری ہے؟'' آمنہ نے حیرت سے کہا تو فریحہ اسے دیکھ کر گہری سانس لے کر خاموش ہوگئی۔ اور خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ارے فریحہ...... تم ہی اس کا کچھ چہرہ ٹھیک کرو...... باہر مہمان آئے بیٹھے ہیں، لوگ باتیں تو ہمیں ہی سنائیں گے، اس کو کیا خاک سمجھ آنی ہے جو اس پر ان باتوں کا کچھ اثر ہوگا۔'' شبنم نے خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے فریحہ کو کہا تو فریحہ اس کا پھر سے میک اپ کر کے دوپٹا سیٹ کر کے باہر لائی اور باہر لا کر اسے اسٹیج پر بٹھایا تو تمام خواتین اسے دیکھ کر باتیں کرنے لگیں۔

''دلہن کو تو کسی نے ڈھنگ سے تیار ہی نہیں کیا۔'' جمیلہ کو بھی اسے دیکھ کر بہت رنج ہوا کہ اتنے ہزار کا میک اپ اس نے ایک منٹ میں دھو ڈالا۔ ہاجرہ اور شبنم اسے دیکھ، دیکھ کر علیحدہ کڑھ رہی تھیں مگر آمنہ بہت مطمئن بیٹھی تھی کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا...... اسی بدمزگی میں ولیمے کی رسم ختم ہوگئی۔ رات کو سب بیٹھے عبدالرحمٰن کو خوب باتیں سنا رہے تھے اور آمنہ کے اسلام اور اس کی مسلمانیت پر خوب تنقید کر رہے تھے۔

''بھیا...... ہم لوگ بھی مسلمان ہیں...... اب یہ کیا کہ ہر وقت اسلام کا ڈھول گلے میں ڈال کر اسے پیٹتے رہیں اور ساری دنیا کو بتاتے رہیں کہ ہم سے تو اچھا اور پکا مسلمان کوئی ہے ہی نہیں...... آخر...... دنیا داری اور اونچ نیچ کا کچھ خیال رکھنا چاہیے، اب تم ہی اسے سمجھاؤ...... اتنا اسلامی بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اتنے مہنگے میک اپ کا ستیاناس کر دیا...... اوپر سے خاندان بھر میں باتیں الگ ہوئیں۔'' اس کے بڑے بھائی عبدالوہاب اور ہاجرہ نے

قدرے خفگی سے کہا تو وہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔

''اور نہیں تو کیا...... آج کتنی شرمندگی ہوئی ہے جب سب پوچھ رہے تھے کہ اسٹیج خالی ہے دلہن کہاں چلی گئی۔ پتا چلا کہ دلہن صاحبہ نماز پڑھنے گئی ہیں تو سب طنزیہ انداز میں مسکرا، مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔'' شبنم نے منہ بنا کر کہا تو عبدالرحمٰن کو غصہ آ گیا۔

''وہ نماز پڑھنے ہی گئی تھی اور نماز پڑھنا کوئی برا فعل نہیں جس پر آپ لوگ یوں خفا ہو رہے ہیں۔ غیر مسلم لوگ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر جب مسلمان ہوتے ہیں تو انہیں آپ جیسے لوگوں کے رویے ہی اسلام سے متنفر کر دیتے ہیں۔ وہ تو اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اب میں اسے کیا یہ کہہ کر روکوں کہ اسلام پر عمل کرنے والے کو ہماری سوسائٹی قبول نہیں کرتی...... اس کے اعمال کو دکھاوا سمجھا جاتا ہے۔ اس کی باتوں کو مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا اسلام اور مسلمانیت دوسرے لوگوں سے ہضم نہیں ہوتی۔ اس نے تو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بہت اونچے تصورات ذہن میں بنا رکھے ہیں...... آپ ہی بتایئے میں اسے کیا کچھ کہہ کر روکوں؟'' عبدالرحمٰن ایک دم غصے سے پھٹ پڑا تو سب منہ بنا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆

فریحہ اور شبینہ نے آہستہ، آہستہ آمنہ کو اردو بولنا اور سمجھنا سکھا دیا تھا۔ یوں وہ کافی حد تک بات سمجھ جاتی تھی اور کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بولنے کی بھی کوشش کرتی۔ عبدالرحمٰن اپنے آرٹ اسکول میں کافی بزی رہتا اور آمنہ گھر میں جمیلہ، ہاجرہ اور شبنم کے ساتھ مصروف رہتی۔ وہ جمیلہ کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی تو ہاجرہ اور شبنم کو سخت ناگوار گزرتا کہ اسے آئے ہوئے ابھی چند دن ہوئے ہیں اور وہ گھر کی مالکن بننے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ انہوں نے تو کبھی ساس کے کہنے پر بھی کوئی کام نہیں کیا تھا۔ جب دل چاہتا تو اپنی مرضی سے کام کرتیں۔ ورنہ ساس خود ہی کچن میں مصروف رہتیں۔ جمیلہ بیگم ابھی خود صحت مند تھیں اور کام کرتے نہ تھکتی تھیں ان کے ساتھ، ساتھ ملازمہ بھی کام کرتی تھی۔ آمنہ کو اتنے کام تو نہ آتے تھے مگر وہ پھر بھی سارا وقت ان کے ساتھ کچن میں چھوٹے، چھوٹے کاموں میں مصروف رہتی۔ ان باتوں سے جمیلہ کے دل میں آمنہ کے لیے بہت محبت پیدا ہونے لگی تھی...... اور جب جمیلہ اس کی حمایت میں بولتیں یا کسی مہمان کے سامنے اس کی تعریفیں کرتیں تو وہ دونوں ناک منہ چڑھا کر ایک دوسرے کو دیکھتی ہوئی وہاں سے اٹھ جاتیں۔ آہستہ، آہستہ انہوں نے باقاعدہ طور پر آمنہ کے خلاف محاذ بنا لیا تھا۔ جس سے آمنہ بالکل بے خبر تھی۔ وہ تو ہر ایک کے ساتھ بہت محبت سے پیش آنے کی کوشش کرتی مگر ان دونوں کے دلوں میں اس کے لیے کدورت بڑھتی جا رہی تھی۔ جس کا اظہار وہ گاہے بہ گاہے اپنے، اپنے شوہروں کے سامنے کرتی رہتیں۔ عبدالوہاب قدرے سنجیدہ مزاج انسان تھا اور ویسے بھی گھر کا بڑا ہونے کے ناتے وہ مسائل کو الجھانے کے بجائے سلجھانے کی کوشش کرتا...... ہاجرہ جب اس کے کان بھرتی تو وہ نرمی سے اسے سمجھاتا کہ وہ ان باتوں کو ایشو مت بنائے۔ آمنہ یہاں مہمان بن کر آئی ہے جتنا عرصہ وہ یہاں رہے، اس کے ساتھ محبت سے پیش آؤ تاکہ وہ اس وقت کو ہمیشہ یاد کرے...... مگر ہاجرہ اس پر اُلٹا برس پڑتی کہ وہ خواہ مخواہ اس کی حمایت کر رہا ہے۔

''تمہیں کیا پتا وہ کوئی مہمان بن کر نہیں آئی بلکہ وہ تو اس گھر کی مالکن بننے کے منصوبے بنا کر آئی ہے۔'' ہاجرہ کی اس بات پر عبدالوہاب غصے میں آ جاتا اور اسے ڈانٹنے لگتا۔ اس پر ہاجرہ اور چڑ جاتی۔

''ہاں بھئی اپنے بھائی کی طرح تم بھی آمنہ کی گوری چمڑی والی شکل صورت پر مرنے لگے ہو۔'' عبدالوہاب کو اس کی جاہلانہ باتیں سن کر بے انتہا غصہ آتا اور وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا باہر چلا جاتا اور ہاجرہ غصے میں بڑبڑاتی رہ جاتی۔

عبدالوہاب شوقین مزاج اور دل پھینک طبیعت کا مالک تھا۔ وہ تو پہلے ہی آمنہ کو بھرپور نظروں سے دیکھنے کا

عادی تھا اور گا ہے بہ گا ہے شبنم کے سامنے عبدالرحمٰن کی خوش قسمتی کے قصیدے پڑھتا کہ عبدالرحمٰن کتنا خوش نصیب ہے کہ اتنی خوب صورت اور خوب سیرت بیوی اسے ملی ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ بھی باہر کے ملک جا کر کوئی میم لے کے آئے۔ شبنم پہلے ہی معمولی شکل صورت کی تھی مگر فیشن وہ بہتیرے کرتی ہر وقت اس کا چہرہ میک سے اٹا رہتا۔ وہ اپنی کم صورتی کو میک اپ کی رنگ برنگی شیڈز سے کور کرنے کی کوشش کرتی مگر پھر بھی آمنہ کے سامنے اپنے آپ کو کمتر محسوس کرتی تھی اور جب عبدالرب، آمنہ کے حسن اور سادگی کی تعریفیں کرتا تو وہ مزید کامپلیکس میں آ جاتی۔ وقتی طور پر تو وہ عبدالرب کے ساتھ لڑ جھگڑ کر اسے خاموش کرا دیتی مگر اندر ہی اندر آمنہ سے جلتی رہتی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کس طرح آمنہ کو گھر سے باہر نکال پھینکے اور یہی احساسات ہاجرہ کے بھی تھے۔ دونوں بیٹھ کر اس کے خلاف... چہ مگوئیاں کرتیں اور اس کے وہاں سے جانے کے لیے خوب دعائیں کرتیں۔

''بھابی...... خدا کے لیے کچھ ایسا کرو...... یہ بلا یہاں سے چلی جائے۔ ورنہ ہم اپنے گھروں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گی اور گھر والوں سے بھی...... ہر بندہ اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتا...... اماں کو دیکھو کیسی اس کی محبت میں پاگل ہو رہی ہیں...... انہیں ہم تو دکھائی ہی نہیں دیتیں...... عبدالرب الگ دیوانہ بنا بیٹھا ہے۔'' نادانستہ شبنم کے منہ سے نکلا تو ہاجرہ نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

''ہیں...... واقعی......'' ہاجرہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''اوہ ہاں...... مطلب ایسے ہی...... میرے منہ سے نکل گیا۔'' اس نے بوکھلا کر بات چھپانے کی کوشش کی۔

''مجھے تو پہلے ہی عبدالرب پر شک تھا۔ کئی بار میں نے خود اسے آمنہ کو گھورتے دیکھا، میں بھی شاید یہ میرا وہم ہے مگر اب یقین ہو گیا ہے۔'' ہاجرہ نے آہستہ سے کہا تو شبنم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

''بھابی خود سوچو...... جس عورت کا شوہر اس کے سامنے دوسری عورت کی شان میں قصیدے پڑھتا ہو...... اس کی خوب صورتی پر مرتا ہو تو اس عورت کے دل کی بھلا کیا حالت ہو گی۔ میں تو بہت بڑی آزمائش میں سے گزر رہی ہوں۔ جسے صرف میں ہی جانتی ہوں اور میرا دل۔'' شبنم نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... میں تمہارے دل کی حالت کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں پر کیا کروں......؟ عبدالوہاب بھی اس کی حمایت میں بولتا ہے۔'' ہاجرہ نے پُر تاسف لہجے میں کہا۔

''کیا...... وہ...... بھی؟'' شبنم حیرت سے چلائی۔

''ارے نہیں، وہ ہمدردی میں بولتا ہے، محبت تو وہ مجھ سے ہی کرتا ہے۔'' ہاجرہ نے معنی خیز انداز میں آنکھیں مٹکائیں۔

''ہاں، پہلے سب ہمدردی کرتے ہیں...... پھر ہمدردی، محبت میں بدلنے لگتی ہے۔ بھابی یہ لڑکی ایک سال یہاں رہی تو سمجھو میں اور تم اس گھر سے فارغ...... ابھی سے کچھ کر لو...... خدا کے لیے...... ورنہ ہم دونوں کہیں کے نہیں رہیں گے۔'' شبنم نے سر پر ہاتھ رکھ کر دہائی دیتے ہوئے کہا تو ہاجرہ نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

''ہاں...... اب کچھ کرنا ہی پڑے گا...... سن...... یہاں پیر صاحب کی جو درگاہ ہے۔ وہاں جا کر جو بھی منت مانگیں ضرور پوری ہوتی ہے، آج جمعرات بھی ہے، چل وہاں جا کر ہم دعا کرتے ہیں۔'' ہاجرہ نے رائے دی تو شبنم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''نہیں، میں نے ایک بار وہاں جا کر منت مانی تھی، وہ پوری نہیں ہوئی تو پھر میں کبھی نہیں گئی۔'' شبنم نے منہ بنا کر کہا۔

''تم نے نہ جانے کیسے دعا کی ہو گی۔ میں نے تو آج تک جتنی دعائیں کی ہیں اور منتیں مانی ہیں، سب پوری ہوئی ہیں۔ تم میرے ساتھ چلنا...... دیکھتی ہوں اب کی بار کیسے منت پوری نہیں ہو گی۔'' ہاجرہ نے قدرے رعب سے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر سہ پہر میں ہی چلتے ہیں۔ عبدالرب اور عبدالوہاب کو اس بات کی خبر نہ ہونے دینا...... خواہ مخواہ پیچھے پڑ جائیں گے کہ درگاہوں پر اکیلی کیا کرنے گئی تھیں۔'' ہاجرہ نے منہ بنا کر کہا۔

''ٹھیک ہے، میں تیاری کرتی ہوں۔'' شبنم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

آمنہ کچن میں جمیلہ کے ساتھ مصروف تھی اور ان سے روٹی بنانا سیکھ رہی تھی۔ وہ بار، بار روٹی کو خراب کرتی پھر اس کا پیڑا بناتی۔ پھر روٹی بیلتی...... جمیلہ اس کو دیکھ، دیکھ کر ہنس رہی تھیں اور آمنہ منہ بنا کر پھر روٹی بنانے لگتی۔ بالآخر اس نے چھوٹی سی روٹی بنائی جو نہ گول تھی نہ چوکور اور نہ ہی مثلث مگر جمیلہ نے اسے بہت سراہا اور اس کی حوصلہ افزائی کی اور مسکرا کر اس کے سر پر پیار دینے لگیں۔

''تم فکر نہیں کرو...... واپس جانے تک تم بہت اچھی روٹی بنانی سیکھ لوگی۔'' جمیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''واپس...... کہاں......؟'' آمنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''اپنے ملک...... جرمنی......'' جمیلہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر سوچتے ہوئے کہا۔

''جرمنی، واپس......؟ نہیں اماں، میں اب ہمیشہ تمہارے پاس یہاں رہوں گی۔'' آمنہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسی لمحے ہاجرہ اور شبنم برقع پہنے کچن میں آئیں اور دونوں نے آمنہ کی بات سن کر ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا اور منہ بنانے لگیں۔

''خیر ہے...... آج تم دونوں اکٹھی کہاں جا رہی ہو؟'' جمیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

''اماں...... ہم پیر صاحب کی درگاہ شریف پر جا رہے ہیں۔'' ہاجرہ نے تنک کر جواب دیا۔

''کیوں...... کون سی آفت آن پڑی ہے کہ تم دونوں اکٹھی جا رہی ہو؟'' جمیلہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

''اماں...... تم تو کھوج میں ہی پڑ جاتی ہو...... جا رہے ہیں، کوئی مسئلہ ہی ہے ناں...... مگر نہ بھیا...... یہاں تو تفتیش مکمل کراؤ، پھر کہیں جاؤ......'' ہاجرہ نے خفگی سے کہا۔

''ارے ہاجو، کاہے کو بگڑ رہی ہو، جاؤ بھئی جاؤ، میں کون ہوتی ہوں روکنے والی یا کچھ کہنے والی......'' جمیلہ نے منہ بنا کر کہا اور دونوں واپس مڑنے لگیں تو آمنہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''مجھے بھی تم لوگوں کے ساتھ جانا ہے۔'' آمنہ اچانک بولی تو دونوں نے حیرت سے گھور کر اسے دیکھا۔

''کہاں......؟'' ہاجرہ نے خفگی سے پوچھا۔

''جہاں تم دونوں جا رہی ہو، میں یہاں کی سب جگہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔'' آمنہ نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں...... بیٹی چلی جاؤ۔ بیچاری سارا دن گھر میں ہی بند رہتی ہے جاؤ، بیٹی چلی جاؤ۔'' جمیلہ نے مسکرا کر آمنہ کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے کہا تو دونوں کے چہروں پر انتہائی غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

''میں ابھی اپنا حجاب لے کر آتی ہوں۔'' آمنہ نے جلدی سے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے کہا تو دونوں غصے سے نتھنے پھیلانے لگیں۔

''وہاں کتنا ہجوم ہوتا ہے، اتنی بھیڑ میں اسے کچھ ہو گیا کہیں گم ہو گئی تو......؟'' شبنم غصے سے ساس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''آئے، ہائے ساری دنیا جاتی ہے، ایک اس نے ہی بھیڑ میں گم ہونا ہے اور اس کے جانے کا سن کر تم دونوں کے چہرے پر پیلیا کیوں پڑ گیا ہے۔ درگاہ جا رہی ہو...... یا پھر کہیں اور......؟'' جمیلہ نے منہ بنا کر معنی خیز انداز میں پوچھا تو دونوں انہیں غصے سے گھور کر رہ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد آمنہ حجاب لپیٹ کر باہر آ گئی اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف غصے اور بے بسی سے دیکھنے لگیں۔

''چلو، اب جاؤ اور سنو..... آمنہ کا خاص خیال رکھنا۔ یہ یہاں نئی نئی ہے.....اور سنو..... مغرب سے پہلے گھر آ جانا..... تینوں لڑکے گھر آ گئے تو میں سب کو سمجھانے سے رہی۔'' جمیلہ نے انہیں ہدایت دیتے ہوئے کہا تو وہ منہ بنا کر اس کے ہمراہ باہر چلی گئیں۔

درگاہ پر لوگوں کا کافی رش تھا اور لوگ جوق در جوق درگاہ پر حاضری کے لیے آ رہے تھے اور مزار پر پھول اور چادریں چڑھا رہے تھے۔ آمنہ، شبنم اور ہاجرہ کے ساتھ درگاہ میں داخل ہوئی تو ہاجرہ نے انتہائی عقیدت سے درگاہ پر ماتھا ٹیکنا شروع کر دیا۔ مزار کو چومنے لگی۔ اس کی چادر کو آنکھوں سے لگاتے ہوئے پھر سجدہ کرنے لگی۔ آمنہ حیرت سے اس کی طرف دیکھے گئی اور کچھ پریشان سی ہونے لگی۔ شبنم نے بھی جب سجدہ کرنا شروع کیا تو اس نے ایک دم شبنم کو پیچھے ہٹایا۔

''یہ..... یہ تم کیا کر رہی ہو..... کیا تم اسے سجدہ کر رہی ہو؟ یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔'' آمنہ قدرے بلند آواز سے چلائی تو سب لوگ حیرت اور غصے سے اسے دیکھنے لگے۔ شبنم کا تو خون ہی کھولنے لگا۔

''یہاں آئی ہو تو چپ چاپ کھڑی رہو۔ ورنہ باہر چلی جاؤ۔'' اس نے آمنہ کا بازو قدرے مروڑتے ہوئے کہا تو وہ گھبرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں، جاؤ، باہر جا کر بیٹھو.....'' ہاجرہ نے بھی غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ منہ بناتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''کافر..... کبھی مسلمان نہیں ہو سکتے..... ہونہہ..... آئی بڑی نیکوکار.....'' شبنم غصے سے بولی۔

''سارے موڈ کا بیڑا غرق کر دیا..... پیر صاحب..... آپ نے اب خود اپنی آنکھوں سے اس بدبخت کو دیکھ لیا ہے..... یہ آپ کی ہستی کی بے ادبی کرنے سے باز نہیں آئی تو ہمارے ساتھ کیا کرتی ہوگی۔ یہ بھی دیکھ لیں۔ سرکار کسی طرح اس مصیبت کو ہمارے گلے سے اتاریں، ہم سخت تنگ پڑے ہیں۔'' ہاجرہ نے ہاتھ جوڑ کر دعا کرتے ہوئے کہا اور زبردستی آنکھوں میں آنسو لانے لگی۔

''ہاں، سرکار..... میرا تو شوہر بھی ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے..... اس چڑیل کو ہمارے گھر سے نکال دیں۔ گھی کے چراغ جلاؤں گی، آپ کی درگارہ پر..... اور میٹھے چاول کی نیاز بھی دوں گی۔'' شبنم نے گڑگڑا کر روتے ہوئے التجا کی اور جب وہ درگارہ پر پیسے ڈال کر باہر آئیں تو آمنہ انہیں کہیں دکھائی نہیں دی۔ دونوں پریشان ہونے لگیں۔

''بھابی وہ مصیبت کہاں چلی گی، مغرب کا وقت ہو رہا ہے، اماں نے جلدی آنے کو کہا تھا۔'' شبنم نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا تو ہاجرہ بھی پریشان ہونے لگی۔

''چلو..... اسے ڈھونڈتے ہیں۔'' ہاجرہ نے کہا اور دونوں پریشان اور بدحواس ہو کر اسے اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگیں۔

ایک جانب نیاز کے چاول بانٹے جا رہے تھے اور لوگ تبرک لینے کے لیے ایک دوسرے پر پل رہے تھے۔ آمنہ انہیں حیرت سے دیکھتی ہوئی خود بھی وہاں چلی گئی۔ جب ہجوم قدرے کم ہوا تو ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں کاغذ پر گرم چاول رکھ کر اسے پکڑانے چاہے وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی تو آدمی نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑنا چاہا تو اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیچھے ہٹایا تو آدمی کے ہاتھ میں پکڑے چاول نیچے گر گئے۔

''یہ..... یہ تو نے کیا کر دیا..... کتنا بڑا گناہ کیا ہے..... تبرک کو نیچے گرا دیا۔ خدا کی پناہ..... تجھے خدا غارت کرے۔'' آدمی غصے سے بولا تو وہاں موجود لوگ بھی اسے برا بھلا کہنے لگے۔ آمنہ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ ہاجرہ اور شبنم گھبرائی ہوئی وہاں تک آئیں تو آمنہ کو وہاں دیکھ کر چونکیں۔

''تم..... یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟'' ہاجرہ نے گھبرا کر آمنہ سے پوچھا۔

''کیا یہ تمہارے ساتھ آئی ہے؟ اگر اسے ساتھ ہی لانا تھا تو درگارہ کے آداب تو سکھا کر لائیں۔ بدبخت نے تبرک کے چاول نیچے گرا دیے ہیں۔'' اس آدمی نے غصے سے کہا تو دونوں گھبرا کر اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ، توبہ کرنے لگیں۔

''اللہ معاف کرے..... اتنا بڑا گناہ..... توبہ..... توبہ۔'' دونوں نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے کہا تو وہ گھبرا گئی۔

''گناہ.....؟ میں نے کیا گناہ کیا ہے؟'' آمنہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''تم نے تبرک کے چاول نیچے کیوں گرا دیے؟'' ہاجرہ نے غصے سے پوچھا۔

''وہ کیا ہوتا ہے.....؟'' اس نے حیرت سے پوچھا تو وہ دونوں بوکھلا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''لو..... جس کو تبرک کا ہی نہیں پتا..... اسے درگاہ پر لے آئیں۔ ارے بی بی..... یہ نیاز کے چاول ہیں، اللہ کے نام پر پیر صاحب کی درگاہ پر بانٹے جاتے ہیں۔'' اس آدمی نے کہا۔

''کیوں.....؟'' آمنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''لو..... اب اس کا جواب بھی میں دوں..... جاؤ بی بی اسے گھر لے جاؤ، ایسے شوپیس کو گھر میں ہی رکھو تو بہتر ہے۔'' وہ آدمی خفگی سے بولا۔

''چلو..... آمنہ، یہاں سے، گھر چلو۔'' ہاجرہ نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا تو وہ دونوں اسے لے کر درگاہ سے باہر نکلیں۔

''اب گھر جا کر اللہ سے معافی مانگنا، توبہ کرنا..... جو گناہ تم نے کیا ہے۔'' شبنم نے خفگی سے اسے کہا۔

''گناہ میں نے نہیں..... اس آدمی نے کیا ہے، اس نے میرے ہاتھ کو چھونے کی کوشش کی تھی اور اسلام میں غیر مرد کا کسی غیر عورت کو چھونا جائز نہیں.....'' وہ خفگی سے بولی تو دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''لو بھیا..... پہلے گھر کے مرد کم تھے جواب بی بی رانی پر باہر کی دنیا بھی لٹو ہونے لگی ہے۔ اللہ کی پناہ..... نہ جانے اس حسن کا جادو کس، کس پر چلے گا؟'' شبنم نے سرگوشی کی۔

''سن..... اگر اس نے گھر میں یہ بات کہہ دی تو ہمارے شامت آجائے گی..... پھر گھر سے نکلنا بند..... اس کو ہم نے اپنے ساتھ لا کر بہت بڑی غلطی کی ہے، اب تو ہی اسے کچھ سمجھا۔'' ہاجرہ نے بوکھلا کر کہا۔

''ہجوم میں ایسا ہی ہوتا ہے، غلطی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ٹکرا ہی جاتے ہیں۔ اس بات کو دوسروں سے نہیں کہتے..... لوگ غلط مطلب سمجھ لیتے ہیں..... تم بھی گھر جا کر کسی سے مت کہنا..... عبدالرحمٰن سے بھی نہیں۔'' شبنم نے لہجے کو نرم کر کے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''او کے.....'' وہ کہہ کر خاموش ہو گئی لیکن شبنم اور ہاجرہ کے دل اندر ہی اندر خوفزدہ ہونے لگے۔ مغرب کی اذان سے پہلے ہی وہ گھر پہنچیں تو جمیلہ صحن میں تخت پر بیٹھی چھالیا کتر رہی تھیں۔ پاندان ان کے سامنے کھلا پڑا تھا۔ تینوں کو آتے دیکھ کر وہ خوش ہو گئیں۔

''اچھا کیا..... مغرب سے پہلے ہی لوٹ آئیں..... ابھی سب لوگ آنے ہی والے ہیں۔'' جمیلہ نے کہا تو آمنہ قدرے تھکے ہوئے انداز میں اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''اور سناؤ، بیٹی..... تمہیں درگاہ پر جانا کیسا لگا؟'' جمیلہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''بہت برا.....'' آمنہ نے منہ بنا کر جواب دیا تو تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیوں.....؟'' جمیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

''لوگ وہاں ایک قبر کو سجدہ کر رہے تھے..... اسلام میں، اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور بہت سے لوگ وہاں پر گناہ کر رہے تھے۔ کیا ان کو اس بات کا پتا نہیں۔'' آمنہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''ارے بی بی، سب مسلمان ہیں، تم سے زیادہ اسلام کو جانتے ہیں۔ دو دن ہوئے ہیں کلمہ سیکھے ہوئے..... لگی

ہیں اسلام کو سُو لنے.....'' ہاجرہ غصے سے بڑبڑائی تو اسی لمحے گھر کے تینوں مرد ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔

''اب کوئی ایسی ویسی بات نہ کرے، جاؤ سب اپنے، اپنے کمروں میں۔'' جمیلہ نے کہا تو سب اٹھ کر اپنے، اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ تینوں لڑکے ماں کے پاس کچھ دیر بیٹھے اور پھر اپنے، اپنے کمروں میں چلے گئے...

عبدالرحمٰن کمرے میں آیا تو آمنہ قدرے پریشان بیڈ پر بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا..... بہت اداس لگ رہی ہو؟'' عبدالرحمٰن نے اس کے قریب بیٹھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں..... عبدالرحمٰن..... میں بہت اداس اور الجھی ہوئی ہوں۔'' آمنہ نے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

''کیوں..... کیا ہو گیا؟'' عبدالرحمٰن نے مسکرا کر پوچھا۔

''عبدالرحمٰن میں نے اسلام کو صرف اس لیے قبول کیا..... کیونکہ اس کے concept of God نے مجھے بہت اٹریکٹ کیا..... اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں..... کوئی ہمسر نہیں..... وہ سب سے بڑا ہے۔ سب کچھ کرسکتا ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کے ہاتھ میں ہے..... اس لیے عبادت، نماز، روزہ، سجدہ، سب کچھ اسی کو جائز ہے۔ کسی اور کی عبادت کرنا اور اسے سجدہ کرنا حرام ہے۔ بہت بڑا گناہ ہے، اتنا سمپل اور صاف ستھرا تصور مجھے کسی اور مذہب میں نہیں ملا..... مگر.....'' وہ کہتے ہوئے رکی اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''مگر کیا.....؟'' عبدالرحمٰن نے چونک کر پوچھا۔

''میں آج ایک درگاہ پر گئی تھی..... اور وہاں لوگ قبر کو سجدہ کررہے تھے۔ دعائیں مانگ رہے تھے..... مرد اور عورتیں چاول لینے کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔ عبدالرحمٰن یہ سب کیا ہے..... کیا اسلام میں بھی وہ سب کچھ ہے جو دوسرے مذاہب میں ہے..... یہ سوچ کر میرا دل بہت پریشان ہونے لگا ہے۔'' آمنہ کہہ کر سسکنے لگی۔

''اسلام میں کوئی جھول نہیں اور نہ اس کی تعلیمات مبہم ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اسلام میں بدعتیں بھی ہیں جو لوگوں نے عقیدت اور محبت کے نام پر اپنے پاس سے نئی، نئی باتیں گھڑلی ہیں..اور ہر بدعت یعنی نئی راہ گمراہی ہے..... تم اپنے دل کو مطمئن رکھو..... مسلمانوں میں بہت سی خرابیاں اور گمراہیاں ہوسکتی ہیں لیکن دین اسلام میں خرابی نہیں ہوسکتی..... اگر اسلام میں خرابی ہوتی..... تو اسلام پھیلنے کے بجائے سکڑ کر ختم ہوجاتا..... کیا تم نے اسلام میں کوئی خرابی دیکھی ہے؟ اس کی تعلیمات میں کہیں کوئی flaw (کمزور پہلو) نظر آیا ہے؟'' عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

''نہیں.....'' اس نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا

''تو پھر تم پریشان کیوں ہورہی ہو؟'' عبدالرحمٰن نے مسکرا کر پوچھا۔

''سب لوگ مسلمان ہو کر بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ دیکھو سب لوگ نماز بھی نہیں پڑھتے..... جھوٹ بھی بولتے ہیں، آپس میں جھگڑتے بھی ہیں۔ ایک دوسرے کی برائیاں بھی کرتے ہیں۔ لڑکیاں حجاب بھی نہیں کرتیں..... غیر مردوں سے بے تکلف ہو کر باتیں کرتی ہیں..... عبدالرحمٰن میں ان لوگوں کو دیکھ کر بہت الجھنے لگی ہوں۔ یہ سب ایسا کیوں کرتے ہیں، کیا ان کے لیے اسلام کی باتوں اور احکامات پر عمل کرنا مشکل ہے.....؟'' آمنہ نے جھنجلا کر پوچھا۔

''اگر تم converted مسلم ہو کر اسلام کی تعلیمات پر آسانی سے عمل کرسکتی ہو تو ان کے لیے بھی عمل کرنا مشکل نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انہیں اسلام جیسی عظیم نعمت کی قدر ہی نہیں..... تم نے جس طویل عمل سے گزر کر اسلام قبول کیا ہے انہیں تو اس آزمائش کا اندازہ ہی نہیں..... یہ سب نسلی مسلمان ہیں کیونکہ ان کے باپ، دادا مسلمان تھے۔ اسلام ان کو ورثے میں ملا ہے۔ ان کے دلوں میں اسلام، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے محبت تو ضرور ہے مگر محبت کی بنیاد کیا ہے۔ یہ اس سے اصل میں بے بہرہ ہیں..... ان کے لیے اسلام محض عقائد کا نام ہے مگر نومسلموں کے

لیے یہ اللہ کی سب سے بڑی عطا ہے۔ یہاں تو سب کو اسلام سے زیادہ اپنے سوشل کلچر اور خاندانی روایات کی فکر ہوتی ہے۔ لوگ کیا کہتے ہیں اور کیا کہیں گے..... اس بات کی زیادہ ٹینشن ہوتی ہے..... بہ نسبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے..... ہر روز ہر گھر میں نہ جانے اسلام کے احکامات کی کتنی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں..... کتنی حدود توڑی جاتی ہیں، کبھی کسی کو دھچکا نہیں لگتا..... کسی کو فکر نہیں ہوتی..... کسی کو کوئی دکھ نہیں ہوتا..... اللہ اور رسول کی بتائی گئی کسی بات کو جھٹلا کر انہیں رونا نہیں آتا مگر کسی انسان یعنی رشتے دار کی کہی ہوئی بات کو دل سے لگا کر خوب رویا جاتا ہے..... آمنہ، تمہیں ہر جگہ کم و بیش ایسے ہی مسلمان ملیں گے، کہیں بھی کوئی بھی پرفیکٹ نہیں..... تم ان سب کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو، اگر سوچو تو صرف اسلام کے بارے میں..... اور اپنے بارے میں..... کہ تم اسلام کے احکامات پر مکمل عمل کر رہی ہو یا نہیں؟'' عبدالرحمٰن نے اس کی الجھن دور کرنے کی اچھی خاصی کوشش کر ڈالی۔

''عبدالرحمٰن، مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو..... کیا تم پرافٹ آف اسلام حضرت محمد ﷺ کی حدیث بھول گئے ہو کہ برائی دیکھو تو اسے روکنے کی کوشش کرو..... اور تم مجھے صرف اپنے اسلام کی حفاظت کرنے کو کہہ رہے ہو..... جب میں کرسچن تھی تو مجھے صرف اپنے آپ سے غرض ہوتی تھی، مجھے یہ بھی فکر نہیں ہوتی تھی کہ میری ماں کرسچن ہے یا نہیں..... وہ عیسائیت پر عمل کرتی ہے یا نہیں..... سب چرچ جاتے تھے اور prayer کر کے آجاتے تھے۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں ہوتی تھی مگر جب سے میں مسلم ہوئی ہوں تو نہ جانے کیا ہو گیا ہے کہ میں جب کسی کو اسلام کے خلاف عمل کرتے دیکھتی ہوں تو پریشان ہو جاتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ سب اسلامی اصولوں پر عمل کریں..... اس میں سب کے لیے کامیابی ہے..... معلوم نہیں میں کیوں دوسروں کے بارے میں اتنی جذباتی ہو کر سوچنے لگی ہوں..... مجھے اپنے ساتھ، ساتھ دوسروں کی فکر کیوں رہنے لگی ہے؟'' آمنہ نے ایک آہ بھر کر کہا تو عبدالرحمٰن مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

''this is the true spirit of Islam اس کا مطلب ہی ساری دنیا کے لیے امن اور سلامتی ہے۔ اور یہ تم جیسے سچے مسلمانوں کے دل و دماغ کو جب اپنے سحر میں جکڑتا ہے تو ان کی روحوں میں ایسا ہی احساس بھر دیتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اور سب بھی اسی احساس سے سرشار ہوں..... اور وہ احساس..... حقیقت میں اسلام کی انتہائی عظمت کی قدر دانی ہے..... اگر سب لوگ ویسا ہی محسوس کرنا شروع کر دیں جس طرح تم کر رہی ہو تو یہ دنیا یہیں جنت بن جائے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ ہر ایک کو ہدایت نہیں دیتا..... بعض لوگوں کے دلوں پر وہ ایسی مہریں لگا دیتا ہے کہ وہ سچ کو سچ جانتے ہوئے بھی قبول نہیں کرتے..... یہی حال آج کل کے مسلمانوں کا بھی ہے۔ ان کی اکثریت سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس پر عمل نہیں کرتی..... اب تم اسی گھر کی مثال لے لو..... سب تمہیں تو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں مگر خود پڑھنے کے لیے نہیں اٹھتے..... تمہیں دیکھ کر منہ بسورتے ہیں، باتیں بھی کرتے ہیں کہ تم نئی، نئی مسلمان ہوئی ہو اس لیے ایسا کر رہی ہو..... اور ایسی باتیں کرتے ہوئے انہیں ذرا سی بھی شرمندگی نہیں ہوتی کہ اگر تم مسلمان ہو تو وہ بھی تو مسلمان ہیں..... مگر.....'' عبدالرحمٰن نے افسردگی سے آہ بھری اور خاموش ہو گیا۔

''عبدالرحمٰن..... تم بہت افسردہ ہو رہے ہو؟'' آمنہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ہاں، بہت دکھ ہوتا ہے، اپنے لوگوں کی بے عملی، بداعتقادی اور مذہب سے دوری دیکھ کر.....'' عبدالرحمٰن نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''عبدالرحمٰن..... ہم دوسروں کو سمجھانے کی کوشش تو کر ہی سکتے ہیں ناں..... تم مایوس نہ ہو..... ہم اپنے گھر کے لوگوں کو سچا اور پکا مسلمان بنانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔'' آمنہ نے پُر امید لہجے میں کہا تو اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر امید دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیا۔

☆☆☆



فریحہ کے کالج میں فنکشن تھا اور وہ بہت اہتمام سے تیار ہو رہی تھی۔ اس نے پنک کلر کی سلیولیس شرٹ پہن رکھی تھی جو انتہائی چست تھی اور اس کے ساتھ ٹراؤزر...... لیکن دوپٹے کے بغیر وہ بہت ادھوری اور نامکمل لگ رہی تھی پتلے، پتلے سانولے بازوؤں کو اس نے ویکس کرنے کے بعد میک اپ سے نکھارنے کی بہت کوشش کی تھی مگر پھر بھی وہ بہت عجیب لگ رہی تھی۔ اس نے میچنگ جیولری نکال کر دیکھی تو منہ بسورنے لگی۔ وہ اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر وہ اپنے آپ کو خوب بنانے سنوارنے میں مصروف تھی۔ شبینہ بھی اپنے کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ وہ ڈریس چینج کر کے کمرے میں آئی تو فریحہ کو دیکھ کر چونکی۔

''اللہ خیر کرے آپا آج تو بڑی توپ لگ رہی ہو...... آج توپ نے کس، کس پر گولے داغنے ہیں......'' شبینہ نے مسکرا کر مذاق کرتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میرا موڈ آف ہو رہا ہے۔'' فریحہ نے منہ بنا کر جیولری باکس ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''کیوں...... کیوں...... کیا ہوا......؟'' شبینہ نے چونک کر پوچھا۔

''اس ڈریس کے ساتھ میچنگ جیولری نہیں مل رہی...... کیا کروں......؟'' فریحہ نے جیولری باکس پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''لاؤ...... میں دیکھتی ہوں......'' اور شبینہ جیولری باکس میں سے جیولری نکال کر دیکھنے لگی۔

''سنو...... آمنہ چاچی کے سلور ائر رنگز اس کے ساتھ بہت اچھے میچ کر جائیں گے۔ تم ان سے لے لو۔'' شبینہ نے اس کے ڈریس کو دیکھ کر رائے دی۔

''ہاں...... میرے بھی ذہن میں آ رہے تھے۔ اچھا میں ابھی پوچھتی ہوں۔'' اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

آمنہ اپنے کمرے میں بکھری چیزوں کو اٹھا کر کمرے کی صفائی کرنے میں مصروف تھی۔ فریحہ مسکراتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو آمنہ اس کے لباس کو دیکھ کر ایک دم چونکی۔

''ہائے، چاچی، کیسی ہیں آپ...... ایکچوئلی وہ مجھے آپ کے سلور ائر رنگز چاہئیں۔ وہ اس ڈریس کے ساتھ میچ کریں گے۔ آج میرے کالج میں فنکشن ہے ناں اس لیے......'' فریحہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو آمنہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اسے دیکھا اور اپنے بیگ میں سے ائر رنگز نکال کر اسے دیے۔

''تھینک یو......'' فریحہ نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے جانے لگی۔

''سنو...... فریحہ......'' آمنہ نے اسے پیچھے سے آواز دی تو فریحہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''کیا تم یونہی...... کالج جاؤ گی...... آئی مین حجاب کے بغیر......؟'' آمنہ نے پوچھا۔

''حجاب اور اس ڈریس کے ساتھ سونی...... میں نے تو اس کے ساتھ دوپٹا بھی نہیں بنایا...... حجاب کیوں لوں گی...... ساری بیوٹی خراب ہو جائے گی۔'' فریحہ نے ہنستے ہوئے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

''کیا تم ایک مسلم عورت نہیں ہو...... اور مسلم عورت کے لیے اللہ نے کیا حکم دیا ہے...... کیا تم نہیں جانتیں......؟'' آمنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''کم آن چاچی...... سب جانتی ہوں، پلیز میرا موڈ خراب مت کریں۔ ہر وقت اسلام، اسلام کی باتیں...... ہمیں بھی سب کچھ پتا ہے، پلیز آپ ہمیں اتنا سمجھانے کی کوشش مت کیا کریں...... آپ بہت ہی سخت ہیں۔'' فریحہ نے غصے سے کہا اور ائر رنگز بیڈ پر تھپک کر چلی گئی۔ آمنہ پریشان ہو کر دیکھنے لگی۔ اسے عبدالرحمٰن کی باتوں پر یقین آنے لگا...... یہ لوگ خود جان بوجھ کر اسلام پر عمل نہیں کرنا چاہتے اور جو عمل کرتے ہیں اسے اس طرح کہتے ہیں۔ اسلام پر صرف اس حد تک عمل کرتے ہیں جب تک وہ ان کی زندگیوں، ان کے فیشن ایبل لائف اسٹائل اور خواہشات میں رکاوٹ نہیں ڈالتا...... اسلام صرف ایک علامت...... ایک شناخت بن کر رہ گیا ہے...... اصل

اسلام کہاں کھو گیا ہے۔ وہ آہ بھر کر سوچنے لگی۔

فریحہ انتہائی غصے میں پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں گئی تو ہاجرہ وہاں کھڑی شبینہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ فریحہ کو منہ پھلائے دیکھ کر وہ چونکی۔

''کیا ہوا...... سج سنور کر اب منہ کیوں پھلا رہی ہو؟'' ہاجرہ نے حیرت سے پوچھا۔

''آمنہ چاچی کی اسلامی نصیحتوں نے ہماری زندگی عذاب میں ڈال دی ہے۔ یہ نہ کرو...... وہ نہ کرو...... یہ اسلام کے خلاف ہے، اُف خدایا...... ہم کہاں جائیں...... اب تو اپنے گھر میں ہی رہنا عذاب ہو گیا ہے...... انہوں نے مسلمان ہو کر ہمارے سر پر کوئی احسان نہیں کیا...... اب ہمیں کیوں اپنے جیسا بنانا چاہتی ہیں۔ حجاب لو...... دوپٹے کے بغیر کہاں جا رہی ہو...... امی آپ نے ہمیں کبھی منع نہیں کیا تو یہ کون ہوتی ہیں ہم پر حکم چلانے والی۔'' فریحہ نے غصے سے بولتے ہوئے ماں سے کہا تو اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

''اس نے تو سب کی زندگیوں کو عذاب میں ڈال رکھا ہے۔ میری اولاد پر یہ کون ہوتی ہے حکم چلانے والی ابھی پوچھتی ہوں میں اس سے۔'' ہاجرہ غصے سے بولتے ہوئے باہر جانے لگی تو شبینہ نے اسے روکا۔

''امی، بات بڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں...... چھوڑ دیں، دفع کریں۔'' شبینہ نے کہا۔

''تم اس کی زیادہ حمایتی مت بنو...... جانے دو امی کو۔'' فریحہ غصے سے بولی تو اسی وقت عبدالوہاب کمرے میں آ گیا۔

''تم لوگ اتنا شور کیوں کر رہی ہو...... کیا قیامت آ گئی ہے؟'' وہ خفگی سے بولا۔

''اپنے باپ کو بتاؤ...... یہ تو اسی کی حمایت میں بولے گا۔'' ہاجرہ غصے سے شوہر کو دیکھ کر بولی تو عبدالوہاب نے حیرت سے شبینہ سے وجہ پوچھی اور وہ اسے بتانے لگی۔ فریحہ منہ بنا کر رونے لگی۔

''کہا تو اس نے ٹھیک ہی ہے، تم اپنا لباس دیکھو..... کیا تم واقعی کسی مسلمان گھرانے کی بیٹی لگ رہی ہو......؟ تم لوگوں کو شرم آنی چاہیے کہ وہ ایک نو مسلم ہو کر تم لوگوں کو نصیحت کر رہی ہے۔ فریحہ تم نے آج مجھے بہت شرمندہ کرایا ہے اور ہاجرہ تم ماں ہو کر بیٹی کی لباس کے بارے میں تربیت نہیں کر سکیں۔ تم جیسی مائیں ہی بچوں کو مذہب سے دور بھی رکھ رہی ہیں اور بیزار بھی کر رہی ہیں۔'' عبدالوہاب نے غصے سے سب کو ڈانٹا۔

''ہاں، ہاں..... آپ کو تو موقع ملنا چاہیے۔ اس کی حمایت میں بولنے کا..... وہ خود وہاں نہ جانے کیا کچھ کر کے آئی ہے، آج ہمیں نیکی کے درس دینے بیٹھ گئی ہے۔ اور آپ اپنی بچیوں کا فیور کرنے کے بجائے اسے فیور کر رہے ہو۔ آج سے پہلے تو آپ نے ان بچیوں کی تیاری پر غور نہیں کیا تھا جو یوں آج کہہ رہے ہیں۔'' ہاجرہ غصے سے بولی۔

''ہاں ٹھیک ہے پہلے میں نے کبھی غور نہیں کیا مگر آج تو کہہ رہا ہوں ناں اور جہاں تک آمنہ کی بات ہے اس کا ماضی جو کچھ بھی تھا، ہمیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اب وہ جو کچھ ہے اسے دیکھ کر ہمیں شرم کرنی چاہیے اور رہی بچیوں کو فیور کرنے کی بات تو میں ان کی غلط باتوں میں کبھی حمایت نہیں کروں گا۔ اگر فریحہ کو فنکشن میں جانا ہے تو دوپٹا اوڑھ کر تمیز سے جائے اور یہ بغیر آستینوں کے جو چیتھڑا پہنا ہے اسے بدل کر جائے۔'' عبدالوہاب نے غصے سے فریحہ کا بازو پکڑتے ہوئے کہا تو فریحہ کو غصے کے ساتھ شرمندگی ہونے لگی۔ ہاجرہ کا پارہ بھی ہائی ہونے لگا۔

''آج تک آپ نے بچیوں کے ساتھ یہ رویہ نہیں اپنایا اور اب آپ......؟'' ہاجرہ نے غصے سے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہی تو میری غلطی تھی کہ کبھی تم لوگوں کو نہیں روکا ٹوکا اور آج تم نے میرا سر شرم سے جھکا دیا ہے۔ آج کے بعد تم میں سے کوئی بھی حجاب کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گا۔ یہ بات شبنم اور عاصمہ کو بھی بتا دینا۔'' عبدالوہاب نے غصے سے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

''میں فنکشن میں ہی نہیں جاتی۔ اتنے شوق سے پہلی بار سلیو لیس شرٹ سلوائی تھی مصیبت نے آج ہی لیکچر دینا تھا۔'' فریحہ غصے سے بولتے ہوئے کپڑے بدلنے واش روم کی طرف جانے لگی۔ ہاجرہ بھی غصے سے باہر چلی گئی۔

''افوہ آپا..... کیوں بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو، اس ڈریس کے اوپر بڑا سا دوپٹا لے لوگی تو کیا قیامت آ جائے گی۔'' شبینہ نے قدرے نرمی سے کہا۔

''اچھا..... جو رات بھر میں بازوؤں کو ویکس کر کے صاف کرتی رہی ہوں، یہ میچنگ چوڑیاں اور کڑے لائی، وہ سب بڑے دوپٹے میں چھپ جائیں گی..... اور اوپر سے حجاب لے کر بڑی اماں بن کر فنکشن میں جاؤں تو سب لوگ میرا کتنا مذاق اڑائیں گے۔ میں جاتی ہی نہیں۔'' وہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

''آپا..... تمہیں لوگوں کی..... دوستوں کی باتوں کی فکر ہے..... ابو کی ناراضی کی کوئی فکر نہیں.....'' شبینہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ابو..... تو خواہ مخواہ جذباتی ہو کر بھڑک اٹھے۔ اور وہ بھی اس گوری میم کی باتوں میں آ کر..... ورنہ آج تک ابو نے بھلا ہمیں کسی بات سے منع کیا ہے.....'' فریحہ غصے سے بولی۔

''ویسے آپا آپس کی بات ہے، ابو نے غلط باتیں کہی ہیں اور نہ ہی آمنہ چاچی نے..... تمہارے ننگے بازوؤں کو دیکھ کر تو مجھے بھی شرم آ رہی ہے اور شرٹ کی فٹنگ تو دیکھو..... معلوم نہیں تمہیں اس میں کیا اچھا لگ رہا ہے۔ سچ ابو جب تمہارا بازو پکڑ کر دکھا رہے تھے تو بس کیا بتاؤں..... میں نے تو شرم سے نظریں ہی نہیں اٹھائیں۔'' شبینہ منہ بنا کر خفگی سے بولی۔

''اچھا، اچھا اب تم بھی مجھے لیکچر مت دو..... میں بھی اپنا اچھا برا خوب جانتی ہوں..... سب کو میں ہی بے شرم اور بے پردہ دکھائی دینے لگی ہوں..... اگر تمہیں سلیو لیس شرٹ کبھی نہیں جچی تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' فریحہ نے

خفگی سے منہ بنا کر کہا تو شبینہ نے گھور کر اسے دیکھا اور اپنی کتابیں اٹھائیں، حجاب سر پر لیا۔ دوپٹے کو ٹھیک طرح سے لیا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ عاصمہ بھی کالج جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اس نے چھوٹا سادہ پٹا گلے میں ڈال رکھا تھا اور شبینہ کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں۔ ہاجرہ، شبنم کے ساتھ سرگوشی میں باتیں کر رہی تھی۔

''ارے... شبینہ...... آج تم نے حجاب کیوں لے لیا ہے؟ کیا تم بھی آمنہ چاچی کی نقل کرنے لگی ہو؟'' عاصمہ نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

''جناب...... تم بھی چادر یا حجاب اوڑھو...... ابو نے سختی سے حکم دیا ہے۔'' شبینہ نے مسکرا کر کہا۔

''ک...... ک...... کیا...... مگر کیوں......؟'' عاصمہ حیرت سے چلاتے ہوئے بولی۔

''ارے، بھیا، اس گھر میں نیا، نیا اسلام نازل ہوا ہے...... پہلے تو یہاں سب کافر رہتے تھے ناں...... اب باہر سے لوگ آ کر ہمیں مسلمان کریں گے۔'' شبنم نے قدرے طنزیہ انداز میں آمنہ کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ شبنم کی بات سن کر وہ چونکی مگر اسے کچھ زیادہ سمجھ میں نہ آئی اور ان کے قریب آ گئی۔

''شبینہ...... تم کتنی اچھی لگ رہی ہو...... اس حجاب میں۔'' آمنہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو......'' شبینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''عاصمہ...... کیا تم حجاب نہیں لو گی؟'' آمنہ نے اب عاصمہ سے پوچھا۔

''آپ کے ہوتے ہوئے اب سب کچھ کرنا پڑے گا......'' وہ کمرے میں چلی گئی اور چادر اوڑھ کر کمرے سے باہر آ گئی مگر اس کا موڈ سخت آف تھا۔

''اب چلو...... ورنہ کوئی نیا اسلامی حکم صادر ہو جائے گا۔'' عاصمہ منہ بنا کر سرگوشی میں بولی اور دونوں وہاں سے چلی گئیں۔

''بھابی! آپ دونوں کیا باتیں کر رہی ہیں؟'' آمنہ ان کے قریب آ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

''سوچ رہے ہیں...... کہ اس گھر میں اسلامی شریعت کیسے، کیسے نافذ کی جا سکتی ہے؟'' شبنم قدرے طنزیہ انداز میں بولی تو اس کی بات سن کر آمنہ مسکرا دی اور وہاں سے چلی گئی۔ دونوں اسے گھور کر دیکھنے لگیں۔

''بھابی یہ بڑی شاطر ہے، اب یہ اس گھر کی مالکن بنی ہی بنی...... ہم تم تو منہ ہی دیکھتے رہ جائیں گے۔ جو چاہ رہی ہے وہی کچھ ہو رہا ہے...... خدا معلوم ہمارے ساتھ کیا ہونا ہے؟'' شبنم نے آہ بھر کر افسردہ لہجے میں کہا۔

''ہار میں بھی ماننے والی نہیں ہوں۔'' ہاجرہ نے قدرے انتقامی لہجے میں جواب دیا۔ فریحہ کپڑے تبدیل کر کے اوندھے منہ بیڈ پر لیٹی رو رہی تھی جبھی ہاجرہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے قریب آ کر خفگی سے بولی۔

''تم نے سوٹ کیوں بدلا...... ارے تم نے اتنی جلدی ہار مان لی...... عورت جب انتقام پر آتی ہے تو بڑے، بڑے بادشاہ اس کے سامنے ہار مان جاتے ہیں۔ اب تو دیکھنا...... تیری چاچی کو میں کیسے ہراتی ہوں؟'' ہاجرہ نے نتھنے پھیلا کر غصے سے کہا۔

''کیا مطلب...... امی......؟'' فریحہ نے اٹھ کر حیرت سے پوچھا۔

''جا...... تو وہی سوٹ پہن کر...... تیار ہو کر کالج جا......'' ہاجرہ نے کہا۔

''میں حجاب نہیں لوں گی اور نہ ہی دوپٹا......'' فریحہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''تو...... مت لینا...... مگر گھر سے چادر لے کر چلی جا...... راستے میں اتار کر بیگ میں رکھ لینا......'' ہاجرہ نے کہا تو فریحہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''گڈ آئیڈیا...... میں نے تو اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔'' فریحہ نے خوش ہو کر کہا۔

''امی...... اگر ابو نے کہیں دیکھ لیا...... تو......؟'' فریحہ نے گھبرا کر پوچھا۔
''تب کی تب دیکھی جائے گی۔ ابھی تو، تو جا......؟'' ہاجرہ نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی اٹھی اور جلدی سے دوبارہ تیار ہونے چل دی۔

☆☆☆

شبینہ اور عاصمہ لوکل بس میں سوار کالج جا رہی تھیں۔ عاصمہ کا موڈ ابھی تک آف تھا۔ اس نے چادر کو گول مول کر کے انتہائی برے انداز میں اوڑھ رکھا تھا...... سر بھی آدھا ننگا تھا اور جسم کو بھی بس تھوڑا بہت ڈھانپا تھا۔ وہ غصے میں بھری بیٹھی تھی اور کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''عاصمہ...... تمہیں کیا پرابلم ہے...... کیوں اس قدر موڈ آف کر کے بیٹھی ہو۔ تم نے اور فریحہ آپا نے معمولی سی بات کو اتنا بڑا ایشو کیوں بنا لیا ہے...... بھئی ابو نے چادر ہی اوڑھنے کو کہا ہے...... اور اس میں عورت کے لیے بہت بھلائی ہے......'' شبینہ کا اپنا ذہن بھی قدرے اسلامی تھا۔ اسی لیے وہ ان باتوں کو اچھا سمجھتی تھی۔

''مجھ سے نہیں سنبھالی جاتی اتنی بڑی چادر...... پہلے بھی تو ہم یونہی کالج جایا کرتے تھے۔ اب تایا ابو کو...... آمنہ چاچی کے کہنے پر سب کچھ یاد آ گیا ہے۔ امی اور تائی اماں...... برقع پہنتی ہیں، کیا یہ کافی نہیں...... جو ہمیں بھی مصیبت ڈال دی...... شادی کے بعد ہم نے بھی تو برقع ہی پہننا ہے، یہ چند دن آزادی سے گزار لیں گی تو کیا قیامت آ جائے گی؟'' عاصمہ کا موڈ سخت آف تھا اسے یہ سب بہت برا لگ رہا تھا۔ جبھی بھری بیٹھی تھی۔

''عاصمہ تمہاری اس چادر سے اللہ کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ کوئی نقصان...... اور نہ ہی ابو کو...... یا چاچی کو...... اللہ کے احکامات میں انسان کے لیے فائدے ہی فائدے ہیں...... اگر انسان سمجھنے کی کوشش کرے تو......'' شبینہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

عاصمہ منہ بنائے بیٹھی رہی...... جب دونوں کالج کے اسٹاپ پر اترنے لگیں تو عاصمہ کی شرٹ بس کے دروازے کے ساتھ لگی کیل نما نوکیلی چیز کے ساتھ اٹک گئی اور کمر کے قریب سے جو پھٹی تو پھٹتی ہی چلی گئی...... عاصمہ کو ایک دم شدید شرمندگی اور پریشانی ہونے لگی۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے چادر کھول کر اوڑھی تو شرٹ کے پھٹے ہوئے حصے سے نظر آتا جسم چھپ گیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔

''شکر ہے، میں کالج تو آرام سے چلی جاؤں گی۔'' عاصمہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''عاصمہ، اگر تم اس بات کو سمجھو تو اللہ نے تمہیں اس طرح سمجھایا ہے کہ اس کے احکامات میں انسان کے لیے ہی بہتری ہے۔ سوچو...... اگر تمہارے پاس چادر نہ ہوتی تو تم اس وقت کتنی پریشان ہو رہی ہوتیں۔ شاید تمہیں گھر واپس جانا پڑتا...... پھٹی ہوئی شرٹ کے ساتھ...... تو تم کیسے جاتیں اور کیا فیل کرتیں؟'' شبینہ نے گہری سانس لے کر کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔'' عاصمہ نے آہ بھر کر کہا۔

''ہم سب آمنہ چاچی کے خلاف بولتے ہیں مگر وہ کچھ بھی غلط نہیں کہتیں۔ دراصل جو لوگ اسلام کو پڑھ کر اور سمجھ کر مسلمان ہوتے ہیں وہ ہم سے زیادہ عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے ہر قدم پر اسلام کی تعلیمات کو اپلائی کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ ان کے سامنے اس کے خلاف عمل کرتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ آمنہ چاچی بھی ہمیں دیکھ کر کنفیوز ہو جاتی ہیں۔ چلو اب جلدی چلو...... کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔'' شبینہ نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے کہا اور دونوں تیزی سے کالج کے اندر داخل ہو گئیں۔

(جاری ہے)

عظمیٰ آفاق سعید

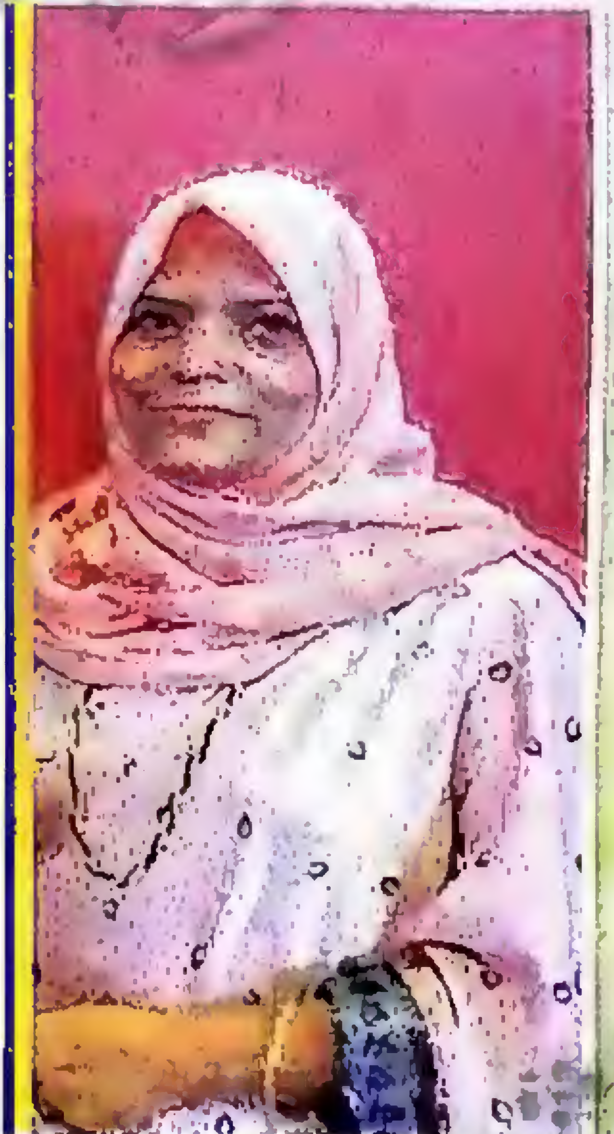
ملنے کو دل کرتا ہے



عظمیٰ آفاق سعید، عذرا رسول اور انجم انصار



ماہنامہ پاکیزہ کی
قابلِ صد احترام
مصنفات کو
خوش آمدید
عید ملن پارٹی مبارک ہو



نزہت اصغر اور آمنہ حماد رائٹرز کو خوش آمدید کہتے ہوئے

دائیں سے فرحانہ، نزہت جبین، حمیرا طارق، غزالہ عزیز، عذرا رسول، ناہید فاطمہ حسنین، انجم انصار اور نزہت اصغر



دائیں سے سکینہ فرخ، نگینہ ضیا بنگش، سعدیہ عزیز آفریدی، افسر سلطانہ، ناہید چوہدری، رخ چوہدری اور نگہت غفار



دائیں سے عقیلہ حق، رضوانہ پرنس، یاسمین رشید، انجم انصار، ڈاکٹر ممتاز ضیاء، شگفتہ شفیق، عذرا رسول، تسنیم ماپارا، شائستہ اعجاز اور آمنہ حماد





مزیدار احوال لکھنے والی عظمیٰ آفاق سعید

بڑے دنوں سے جی کر رہا تھا کہ اچھا سا تیار ہوں، ہائی ہیل کی سینڈلز پہنیں، ایک ہاتھ میں سینڈلز سے میچنگ پرس اڑائیں، سن گلاسز دماغ پر سجائیں، ڈارک سا میک اپ کر کے ٹُخ ٹُخ کرتے ہوئے کہیں جائیں۔ مگر بھئی قسم لے لیں کہ کوئی بلاوا آتو رہا ہو...... بلاوے آبھی رہے تھے تو بچوں کی پیرنٹ ٹیچرز میٹنگوں کے...... کہ جہاں جا کر مجھے ہمیشہ ایسا لگتا ہے کہ میں یہاں کیوں آ گئی۔

''آپ کے بچوں کی رائٹنگ اتنی گندی ہے کہ پتا ہی نہیں چلتا کہ اردو لکھی ہے یا انگریزی......'' ٹیچرز دہاڑتی ہوئی کہتی ہیں۔

اب ان نادانوں کو کون سمجھائے کہ بھیا! یہ تو ہمارے بچوں کی ایسی خوبی ہے کہ اگر کہیں سمندر پار ہوتے تو اس خوبی پر ساری دنیا سے ایوارڈز سمیٹ رہے ہوتے...... جس کو جی چاہے اردو سمجھے اور جس کو جی چاہے انگریزی (آخر ماں ہوں ناں، بچوں کی کمزوریوں پر ماں پردہ نہیں رکھے گی تو کون رکھے گا) یہ اور اس طرح کی مزید تعریفیں...... خیر بات نکلے گی تو بہت دور تک جائے گی...... بات ہو رہی تھی بلاوے کی۔ بس دل چاہ رہا تھا تیار ہونے کا، کہیں جانے کا، لوگوں سے ملنے کا کہ بلاوا آ ہی گیا......

ہمارے پیارے پاکیزہ ڈائجسٹ کی روحِ رواں پیاری سی آنٹی عذرا رسول نے رائٹرز کے اعزاز میں ایک شاندار عصرانے کا اہتمام کیا ہے۔ دعوت کی جگہ کراچی کا شاندار اور خوب صورت سن سیٹ کلب تھا جو ڈیفنس میں واقع ہے۔ ذیشان کی شادی کے بعد ساری رائٹرز سے ملنے کا ایک اور حسین موقع میسر آنے کو تھا۔ پارٹی میں جانے سے دو دن پہلے ناک پر ایک ایسا موٹا دانہ نمودار ہو کر کھڑا ہو گیا جو کسی صورت بیٹھنے کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔ اچھا خاصا منہ جو پہلے ایک کلو کا تھا بلاوجہ دو کا ہو گیا تھا...... کیا کیا جتن نہیں کیے مگر وہ بھی جوان کی اولاد تھا نہ ٹھیک ہونا تھا نہ ہوا......

''کیا نہیں جاؤں پارٹی میں؟'' میں نے اجیہ سے کہا جب پانچویں دفعہ اس پر کریم لگا چکی۔

''ایک طریقہ ہے امی، جس سے کسی کو بھی آپ کا دانہ نظر نہیں آئے گا۔'' وہ مجھے پریشان ہوتا دیکھ کر بولی۔

''کیا میری بچی جلدی بتاؤ۔'' میں نے بھی ہڑک کر پوچھا۔

''پرانے زمانے میں جیسے دولھا منہ پر رومال رکھ کر بیٹھتے تھے ناں...... آپ بھی منہ پر رومال رکھ کر ایسے ہی بیٹھ جائیے گا۔'' وہ بڑا قابل مشورہ دے رہی تھی۔

''ارے بے وقوف، وہ دولھا ہوتے ہیں، یہ تو دلہن ہیں۔'' یہ بڑے بیٹے صاحب تھے۔

''چپ کرو، شرم تو آ نہیں رہی، یہ نہیں کہ ماں کا خیال کریں الٹے سیدھے مشورے دے رہے ہیں۔'' میں نے بچوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

پھر جناب میں نے دل میں سوچ لیا، چاہے دانہ نکلے یا شانہ پارٹی میں ضرور جاؤں گی اور یوں سات ستمبر کی شام مقررہ وقت پر آپ کی باجی انجم انصار یعنی اپنی اماں کے ساتھ کلب پہنچ گئے۔ کلب کی پہلی منزل پر

عصرانے کا اہتمام تھا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی سامنے نظر پڑی جہاں ایک بڑا سا بینر آویزاں تھا جس پر تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہا جارہا تھا۔

عذرا آنٹی سب سے مل رہی تھیں۔ تقریب میں نزہت اصغر، ان کی بیٹی بنین، تسنیم ماپارا، سکینہ فرخ، شگفتہ شفیق اور عذرا آنٹی کی دوستیں، شائستہ اعجاز اور حمیرا پہلے سے موجود تھیں۔

''اب آئے گا پارٹی میں مزہ، عظمیٰ جو اب آئی ہے۔'' کسی نے لقمہ دیا۔

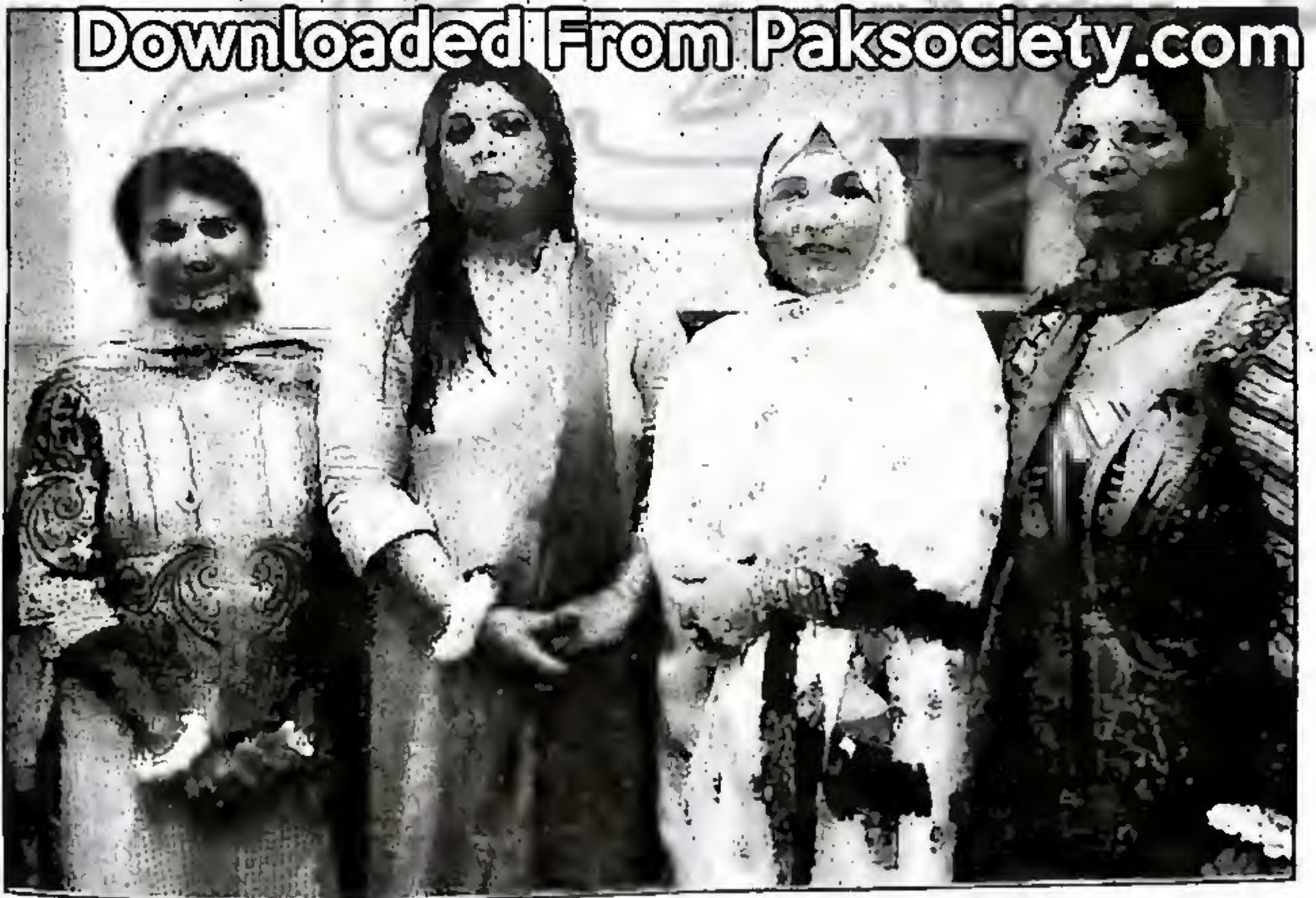
''ہائیں، ہائیں یہ کون بولا؟'' میں نے بھی ازراہِ مذاق پلٹ کر کہا۔

''بھئی یہاں تو ذرا سنبھل کر بولنا پڑے گا، کہیں تقریب کی روداد میں عظمیٰ لکھ دے۔'' تسنیم ماپارا مجھے دیکھ کر مخاطب ہوئیں۔

سب ایک دوسرے سے بڑی محبت اور احترام سے مل رہے تھے۔ ایک خوشی تھی لوگوں کی آنکھوں میں کیونکہ سب چوٹی کی لکھاری خواتین تھیں۔ نزہت اصغر تقریب میں ہر آنے والے کو موتیے اور گلاب کے گجرے پیش کر رہی تھیں۔ ہر طرف پھولوں کی مہکار تھی۔ امی سب سے ایک دوسرے کا تعارف کروا رہی تھیں۔ کئی تبصرہ نگار بہنیں بھی اس تقریب کی رونق بڑھا رہی تھیں کیونکہ کسی بھی رائٹر کی تعریف اس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک اس کی تحریر کو کوئی سراہنے والا نہ ہو۔

رخ چوہدری اپنی بہن، ناہید چوہدری اور اپنی بھابی کے ساتھ آئی تھیں۔ یہ چوہدری سسٹرز کو میں جب سے دیکھ رہی ہوں ان میں بال برابر بھی فرق نہیں پڑا ہے۔ ویسے ہی فریش اور ینگ ہیں۔ ماشاء اللہ۔ (ہاں ناہید، آپ نے ہمارے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا؟)

''بھئی عظمیٰ تم نے تو ہمارے میاں کو جیولر بنا دیا، جیولر تو میرے والد ہیں۔'' عقیلہ حق گلے لگ کر کہہ رہی تھیں۔ عقیلہ بہت اچھی ہیں اور بات چیت میں بھی ان کا لہجہ اپنائیت بھرا ہوتا ہے۔



دائیں سے شائستہ اعجاز، عذرا رسول، عقیلہ حق اور حمیرا طارق

ویسے صرف ایک بات عقیلہ حق کے بارے میں بتانے والی ہے کہ انہوں نے اپنا وزن کافی کم کرلیا ہے۔ان کے بال بھی بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔اسی لیے اس کا ہردم خیال بھی رکھتی ہیں۔چار دفعہ بالوں میں برش کرتے ہوئے تو میں نے خود دیکھا انہیں۔(قسم سے)

عذرا آنٹی بہت پیارے سے کریم کلر کے ملٹی ایمبر ائڈری کے سوٹ میں بڑی ڈیسنٹ لگ رہی تھیں۔ان کی چوڑیاں اور ان کی انگوٹھیاں ایسی لائٹیں مار رہی تھیں کہ کیا بتاؤں، اس وقت موقع نہیں تھا کہ میں تعریف کرتی سو آپ کیے دیتی ہوں۔

غزالہ عزیز اپنی بہن فرحانہ کے ساتھ موجود تھیں۔پرپل سوٹ میں غزالہ بہت سمپل اور معصوم سی لگیں۔

''آپ بہت اچھا لکھتی ہیں، آپ کی تحریریں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ موجود ہیں۔'' غزالہ مجھ سے مل کر کہہ رہی تھیں...... اور اب میں وہ جواب نامہ خاموش نظروں سے دیکھ رہی تھی...... جو میں نے آتے ہی ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔اور وہ کیا تھا...... اس کے پڑھنے سے پہلے میں آپ کو اتنا بتادوں کہ میرا ایک سمپل سا سوال تھا...... جس کے مجھے سمپل سے ہی جواب ملے...... بلکہ مجھے وہ جوابات پڑھ کر ایسا ہی لگا...... جیسے شائستہ زریں کا سروے پڑھ رہی ہوں...... مگر شائستہ تو اپنے سروے کا ابتدائیہ بڑی محنت سے لکھا کرتی ہیں۔مجھے تو خیر وہ سب نہیں لکھنا تھا...... مگر ان جوابات کو آپ کو تنقید کی چھلنی میں چھاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... اور نہ ہی ان کو سیاسی جوابات کہنے کی ضرورت ہے کہ سب نے سوال پڑھ کر فوراً جواب دیے...... مگر جب عذرا آنٹی سے بھی یہ ہی سوال پوچھا گیا تو انہوں نے مسکرا کر کہا خصوصاً...... آج میرا



میزبان پاکیزہ، گرانقدر مہمانوں کے منتظر

دل اس وجہ سے بہت خوش ہے کہ وہ ساری رائٹرز اور ریڈرز آئی ہیں جن کو بلایا گیا اور آج ہماری اس تقریب میں عظمیٰ بھی آئی ہے۔'' یہ عذرا آنٹی کی محبت ہے۔

میں اپنی مصنفات کی عید ملن کی تقریب میں پہلی مرتبہ شریک ہوئی تھی۔بلایا تو ہمیشہ ہی گیا مگر بچے چھوٹے تھے تو آنہیں سکی تھی۔اس لیے مجھے کچھ زیادہ ہی اچھا لگ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں پارٹی کا مزید احوال بتاؤں آپ میرے پوچھے گئے سوال کے جوابات پڑھ

لیجیے...... جو مصنفات کے ساتھ تبصرہ نگار بہنوں کے بھی ہیں پھر میں ڈاکٹر ممتاز ضیاء کی وہ خاص بات بتاؤں گی جو وہ مجھ سے مل کر کہہ رہی تھیں۔

کہتا ہے دل میرا......

(یعنی آج کی اس تقریب کے حوالے سے) آپ کا دل کیا کہتا ہے آپ سے...... پہلے اپنا نام...... اس کے بعد اپنے دل کی مختصر ترین بات سے آج ہمیں بھی آگاہ کریں جیسے......

☆ عظمیٰ آفاق (یعنی کہ میں خود) آج میں سب کی دل کی باتیں جاننے کے لیے بھی آئی ہوں۔

☆ شگفتہ شفیق: میرا نام ہے اور دل کی کیا بات کہیں کہ دل تو ہے ناداں جاناں...... بہت پیار سے کہتا



رضوانہ منظر کی خصوصی شرکت

ہے کہ ہم سب دل آزاری سے بچیں اور ہم سب سدا مسکرائیں...... (بہت خوب دل آزاری سے سب کو بچنا چاہیے)

☆ میں شائستہ اعجاز احمد ہوں...... ہمارا دل کہتا ہے یہ تو بالکل پاگل ہے پتا نہیں کیا، کیا چاہتا ہے لیکن دلی خواہش یہ ہے کہ سب خوش رہیں، خوش ہو کر ملیں دلوں میں کدورت نہ ہو۔ ہمیشہ مسکراتے رہیں۔

(آپ تو اتنی پیاری باتیں کرتی ہیں آپ کا دل بالکل بھی پاگل نہیں ہے)

☆ تسنیم ماپارا: کہتا ہے دل اور مچلتا ہے دل مورے ساجن لے چل مجھے تاروں کے پار لگتا نہیں ہے دل یہاں...... خوش رہیں، مسکراتے رہیں۔

(اگر کبھی انکل سے ملاقات ہوئی تو میں ضرور کہوں گی کہ آپ کو گھمانے پھرانے کے لیے پھر امریکا لے جائیں)

☆ غزالہ عزیز: دل کی باتیں اکثر دل سے ہی شیئر کرنا اچھا لگتا ہے مگر آج دل چاہ رہا ہے کہ رائٹرز کی اس محفل میں سب کو صرف ہنستا مسکراتا، خوش باش دیکھوں، خاص طور پر عذرا بھابی، انجم آپی اور نزہت آپی ہمیشہ مسکراتی رہیں۔ پُرخلوص دعائیں۔

(غزالہ آپ مجھے بے حد کم سخن سی لگیں آپ سے زیادہ باتیں تو میری آپ کی بہن کے ساتھ ہوئیں)

☆ سکینہ فرخ: آج کل تو دل یہی کہہ رہا ہے کہ ذرا ٹھہرو کچھ میری بھی سن لو۔ چند لمحے فرصت کے نصیب ہوں...... اور بس......

(آپ سنائیں، ہم سن لیں گے حالانکہ ہم تو کبھی اپنی بھی نہیں سنتے)

☆ ناہید فاطمہ حسنین: دل تنہائی چاہتا ہے اور کتاب...... (ارے آنٹی مجلس میں بھی آپ کو تنہائی کی طلب رہی)

☆ مسز نگہت غفار: یہ کہتا ہے دل میرا کہ اللہ تعالیٰ ایسی محافل سجانے والوں کو اور اس میں شرکت کرنے والوں کو لمبی عمر، مکمل صحت، دین و دنیا کی ہر کامیابی نصیب کرے۔ ہماری ملکۂ مزاح پیاری انجم باجی، عذرا رسول صاحبہ، نزہت اصغر اور دیگر اسٹاف پاکیزہ کو سدا سلامت رکھے اور ایسی محفلیں سجاتی رہیں ایسی رونقیں ان محفلوں میں بھی ہوں اور ہمارے پاکستان میں بھی...... (گڈ)



عذرا رسول اور رضوانہ پرنس

☆رخ چوہدری: میرا دل کہتا ہے دنیا پھول بن جائے اور میں محبت کی خوشبو بن کر ساری دنیا کی نفرت مٹادوں۔ (بہت خوب)

☆افسر سلطانہ: دل تو بہت کچھ کہہ رہا ہے ...... یہ بتائیں جو دل کہہ رہا ہے وہ پورا ہوجائے گا۔ دل کہتا ہے کہ پاکیزہ کی محفل سجانے والے اور اس میں شریک ہونے والے سدا خوش رہیں...... عذرا رسول یونہی اپنی خوب صورت مسکراہٹ لیے، خوب صورت چہرے کے ساتھ اپنی کیپٹن انجم انصار کے ساتھ ہمیں ہر ماہ اسی طرح انوائٹ کریں...... کھٹی میٹھی تحریروں والی عظمیٰ اپنا ایک عدد افسانہ بھی لکھے...... اللہ سلامت رکھے خوشیوں کے ساتھ پاکیزہ میں لکھنے والوں کو، پاکیزہ کو ہم تک پہنچانے والوں کو اور عذرا رسول، انجم انصار اور ہر اس شخصیت کو جو ہمیں رابطے قائم رکھنے میں مدد دیتی ہے...... اور ہماری ان قاری بہنوں کو جن کی تعریف اور تنقید ہمیں لکھنے کا حوصلہ دیتی رہی۔ (وری نائس)

☆عرشیہ جنید: میرا دل کہتا ہے کہ ہم سب خوش رہیں اور یہ دنیا خوشیوں کا گہوارہ بن جائے اور دنیا سے نفرتیں ختم ہوجائیں اور ہم سب خوشیوں کو انجوائے کریں۔ (اوکے)

☆ام البنین عباس: میرا دل کہتا ہے کہ ہم سب ہمیشہ شاد و آباد رہیں اور غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو اپنے دل سے ختم کردیں۔ خوش رہیں اور خوش رہنے دیں۔ (بالکل)

☆آمنہ حماد: مجھے یہاں آکر اور سب سے مل کر بہت اچھا لگا۔ (اب آتی جاتی رہنا)

☆رضوانہ منظر: میرا دل کہتا ہے یہ ادارہ اور زیادہ ترقی کرے۔ (آمین)

☆بینا عباس: میرا دل کہتا ہے کہ ہم سب ایسے ہی ملتے جلتے رہیں۔ (انشاءاللہ)

☆نزہت اصغر: بہت خوب، اچھا سوال ہے، میرا دل کہتا ہے کہ پاکیزہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے اور رائٹرز اور ریڈرز کو مل بیٹھنے کے ایسے ہی مواقع میسر آتے رہیں اور ساری دور رہنے والی رائٹرز بھی اس کا حصہ بنیں۔ (آمین ثم آمین)

☆مصنفہ سعدیہ عزیز آفریدی شاید دیر سے آئی تھیں یا ہم نے انہیں چلتے وقت دیکھا تھا...... اس لیے نہ تو ان سے کوئی بات چیت ہوئی...... اور نہ ہی میرا سوالنامہ ان تک پہنچا۔ (چلیں سعدیہ آئندہ سہی)

تقریباً چلتے وقت عذرا آنٹی کی ایک مسکراتے چہرے والی دوست عائشہ خاور سے بھی سب کا تعارف کرایا گیا۔ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ آئی تھیں اور کسی مصروفیت کے باعث تاخیر سے پہنچیں...... اس لیے ان سے کوئی بات نہیں ہوسکی۔

بات تو اور بھی کئی مصنفات سے نہیں ہوسکی۔ سب تصویریں بنانے میں لگے ہوئے تھے ناں اس لیے...... جن سے بات کرنے کو بہت دل بھی کررہا تھا...... خیر اس کی تفصیل پھر کبھی سہی......

ہاں تو بات ادھوری رہ گئی تھی...... ڈاکٹر ممتاز ضیا

کی ..... وہ ذیشان کی شادی کے احوال اور میرے سفر ناموں کی اتنی زیادہ تعریفیں کر رہی تھیں کہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بولتی رہیں خیر جب وہ تھک گئیں ..... تب میں نے ہنس کر زبردستی کہا۔ ”ارے زیادہ مت چڑھائیں مجھے، بس ایسا ہی اوٹ پٹانگ لکھتی ہوں۔“



(مصنفہ اور شاعرہ) ناہید فاطمہ حسنین (عزی)

اور وہ میری بات کو انکساری اور میں اپنی بات کو مجبوری سمجھ رہی تھی۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ عذرا آنٹی کی خاص الخاص دوست یاسمین رشید ذرا دیر سے تقریب میں پہنچیں اور آتے ہی بے حد پیار سے گلے لگالیا۔ (آپ بہت کیوٹ ہیں)

رضوانہ پرنس سخت بخار میں آئی تھیں ..... مگر وہ بھرپور محبت سے سب سے مل رہی تھیں۔

”دو دن پہلے ہی ہم لندن سے آئے ہیں پھر ہمیں بخار ہوگیا لیکن بخار کی وجہ سے ہم اس تقریب کو مس نہیں کر سکتے تھے۔“ رضوانہ آنٹی سب سے کہہ رہی تھیں۔

میں نے بھی دل میں سوچا کہ اچھا ہوا کہ میں بھی ناک کے دانے کے زیادہ چکر میں نہیں پڑی۔

ویسے رضوانہ آنٹی بہت ہی سوئٹ ہیں اور ان کا ہم، ہم کر کے بولنے کا انداز انہیں سب میں ممتاز بھی کر دیتا ہے۔

ارے ہاں ..... ایک سوئٹ سی خاتون اس تقریب میں اور بھی تھیں جو کیسے بھی حالات ہوں ہر وقت مسکراتی ہوئی نظر آئیں گی، حالات چاہے جیسے بھی ہوں وہ ان کا حوصلہ مندی سے سامنا کرنے کی ہمت رکھتی ہیں اور ان خاتون کا نام ہے شگفتہ شفیق ..... آج بھی وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ اپنے موبائل سے تصویریں بنا رہی تھیں ..... اور سب سے پہلے فیس بک پر بھی ڈالیں گی ..... دیگر رائٹرز بھی ایک دوسرے کے ساتھ گروپ فوٹوز بنوا رہی تھیں ..... سب لوگ عذرا آنٹی کو ذیشان کی شادی کی مبارک باد بھی دے رہے تھے ..... ذیشان اور فاطمہ کی شادی کا البم پوری تقریب کی جان تھا ..... جسے سب بہت شوق سے دیکھ رہے تھے۔ بہت ہی خوب صورت تصویریں تھیں کہ دل خوش ہوگیا دیکھ کر۔

ڈاکٹر ممتاز ضیا دوسری ٹیبل پر بیٹھی تھیں۔

”آپ یہاں بیٹھی ہیں، آپ بھی آیئے ناں تصاویر کے لیے۔“ وہ خود سے کبھی نہیں آیا کرتیں ..... بے حد ہی سوبر خاتون ہیں۔

سارا ہال کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ ظاہر ہے چالیس بیالیس مہمانوں کی خوب رونق تھی۔ افسر سلطانہ بھی پارٹی میں موجود تھیں چونکہ یونیورسٹی میں پڑھاتی ہیں، بزی بہت ہوتی ہیں، امی اور عذرا آنٹی کے انوائٹ کرنے پر چلی آئی تھیں۔ میں نے بہت دنوں بعد انہیں دیکھا تھا اور وہ مجھے ہمیشہ سے ہی بہت اچھی لگتی ہیں۔

”عظمیٰ فوراً افسانہ لکھو، کیا لکھا تھا تم نے ہیپر کے بارے میں، مزہ آ گیا تھا۔“ افسر سلطانہ ملنے کے بعد کہہ رہی تھیں۔

اختر شجاعت بھی تقریب کو رونق بخشنے کے لیے موجود تھیں۔ محبت تو جیسے ان میں کوٹ، کوٹ کر بھری ہوئی

ہے۔ جب ملتی ہیں ایک اپنائیت کا احساس ہوتا ہے.....
''ارے آ گیا میرا بچہ!'' کہہ کر گلے لگاتی ہیں۔ (اللہ ان کے دل میں ہمیشہ ایسی ہی محبت قائم رکھے، آمین)

نگینہ ضیا بنگش اپنی بیٹی کے ساتھ آئی تھیں، دونوں ماں، بیٹی خوب صورت چہروں کے ساتھ ہری، ہری آنکھوں کی مالک ہیں۔ شاید ان کو ہر چیز ہری نظر آتی ہو، ہماری ہے نہیں ناں اس لیے معلوم نہیں۔

نگہت غفار ساڑی میں ملبوس تھیں۔ قابلِ احترام شخصیت کی مالک ہیں۔ سوبر سی لگیں اور نزہت جبین ضیا بھی پیاری سی لگیں۔ ساتھ میں ان کی بیٹی بھی تھی۔ سکینہ فرخ اپنی لمبی سی بیٹی کے ساتھ موجود تھیں۔ میں تو ابھی تک اجیہ کو ہی لمبا سمجھتی تھی کہ پانچ فٹ سات انچ کی ہوگئی ہے مگر ان کی بچی بھی شاید اس سے کم نہیں تھی۔

نزہت اصغر سلک کی بہت خوب صورت بیج اور بلیک کلر کی ساڑی میں ملبوس تھیں (جوان پر بڑی جچ رہی تھی) ایک مسکراہٹ ان کے لبوں پر ہمیشہ رہتی ہے سو وہ آج بھی تھی اور وہ مہمانوں کا استقبال کر رہی تھیں۔
''بھئی بیماری سے اٹھنے کے بعد فریش نظر آنا کمال ہے۔'' نزہت کے لیے یہ جملہ کسی نے کہا۔ (نزہت اصغر کچھ دنوں سے بیمار تھیں) عذرا آنٹی کی دوست حمیرا طارق بھی بڑی ملنسار ہیں سب سے جا، جا کر مل رہی تھیں اور ہمیشہ کی طرح بہت اسمارٹ تیار ہوئی تھیں۔ (تصویریں سب بتا دیں گی)

امی بیماری رائٹرز سے مل رہی تھیں۔ سب ای کی تعریف کر رہے تھے کہ یہ ہیں جنھوں نے ساری رائٹرز کو جوڑے رکھا ہے اور آج ریڈرز کو بھی مل بیٹھنے کا موقع ملا ہے۔

''انجم کا حافظہ ماشاء اللہ! کتنے ہی عرصے بعد فون کرلو، ہیلو کہنے کی دیر ہوتی ہے فوراً نام بتا دیتی ہیں۔'' افسر سلطانہ کسی سے کہہ رہی تھیں۔
تسنیم ما پارا کسی کو بھنا گوشت پکانے کی ترکیب



(بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعرہ) شگفتہ شفیق اور عذرا رسول

بتا رہی تھیں۔ چونکہ بہت اچھا کھانا پکانا جانتی ہیں اسی لیے ترکیبیں بھی زوردار ہوتی ہیں۔

عذرا آنٹی کی بھابی رضوانہ منظر سے بھی ملاقات ہوئی ہنستی، مسکراتی سی رضوانہ منظر مجھے ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔ جب یہ ہنستی ہیں تو ان کی آنکھیں بھی ہنستی ہیں اور یہی مجھے پسند ہے۔

پاکیزہ کی معاون آمنہ حماد بھی آئی تھیں۔ سوبر لیکن کم عمر سی ہیں، اللہ انہیں خوش رکھے۔

عرشیہ جنید کافی دیر سے پہنچیں۔ دیر آید درست آید۔ یہ بھی بہت خوش مزاج ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ناشتے کے لیے بلایا جانے لگا۔ ویٹرز جلدی، جلدی ہر چیز ارینج کر چکے تھے۔ ناشتے میں حلیم، فرنچ فرائز، پیسٹری، کیک پیس، سموسے، سینڈوچز اور جناب گرم گرم گلاب جامنیں شیرے میں سوئمنگ کر رہی تھیں۔ آج چونکہ بچے ساتھ نہیں تھے اس لیے ناشتا لانے کا کام بھی ہم خود ہی کر رہے تھے۔ حلیم بہت

ہی لذیذ تھا اس کے ساتھ پلیٹ میں اس کے لوازمات بہت ہی طریقے سے پیش کیے جارہے تھے۔ کولڈ ڈرنکس اور چائے ٹیبل پر ہی سرد ہورہی تھی۔

''امی یہ کون ہیں؟'' ناشتا کرتے ہوئے میں نے امی سے ایک خاتون کا پوچھا جو سامنے بیٹھی نظر آرہی تھیں۔

''ارے یہ ناہید فاطمہ حسنین ہیں، ملی تو ہو تم ان سے پہلے بھی۔'' امی مجھے یاد دلارہی تھیں۔

''جب پہلے ان کو دیکھا تھا تو ان کے بال



سعدیہ عزیز آفریدی

بندھے ہوئے تھے، آج بال کھلے ہوئے ہیں تو ذرا چینج لگ رہی ہیں۔'' میں نے امی کے کان میں سرگوشی کی۔ ''یہ تو مجھے آرٹسٹ لگ رہی ہیں۔''

''لکھنے والوں کا تعلق آرٹ ہی سے تو ہوتا ہے ناں...... یہ تو شاعرہ بھی ہیں۔'' امی نے کہا۔

ایک دو مصنفات نے جوابات نہیں دیے تھے...... شاید ان کے دل ان کے پاس نہیں تھے کہ یہ دل ہی تو ہوتا ہے جو بے پر کی اڑاتا ہے اور بے پر کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ تقریب میں فوٹو گرافی کے فرائض عذرا آنٹی کی بھتیجی بنین عباس انجام دے رہی تھیں۔ اس کے علاوہ بیشتر مہمانانِ گرامی اپنے، اپنے موبائل کیمروں سے بھی تصویریں لے رہے تھے۔

تقریب میں چند اور رائٹرز بھی مدعو تھیں جو کسی نہ کسی مجبوری کے باعث نہ آسکیں جیسے آنٹی رفعت سراج کا خاصا انتظار تھا...... اور آج میں ان سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی...... مگر وہ نہیں آسکیں۔

آنٹی سیما یاسمین بجتلی بھی شاید اپنی مصروفیتوں میں مصروف تھیں۔

سعدیہ رئیس آنٹی نے تو پہلے ہی معذرت کرلی تھی کہ وہ طبیعت خرابی کی وجہ سے نہیں آسکیں گی...... اسی طرح عالیہ حرا بھی نہ آسکیں۔ ہاں آنٹی ہما بیگ نے پکا وعدہ کیا تھا کہ وہ ضرور آئیں گی بعد میں پتا چلا کہ وہ آشوبِ چشم میں گرفتار تھیں۔

(آپ سب کی کمی ہم سب نے بہت محسوس کی)

ناشتے کے بعد میں نے عذرا آنٹی سے اجازت چاہی کیونکہ گھر سے بچوں کے فون آنا شروع ہوگئے تھے کہ لائٹ چلی گئی ہے اور جنریٹر کام نہیں کررہا ہے...... کک کہیں گھومنے چلا گیا ہے اور مہمان آرہے ہیں۔

''مجھے آج تمہارے آنے کی بہت خوشی ہوئی کیونکہ تم پارٹیوں میں نہیں آتی ہو مگر اب ضرور آیا کرو گی سمجھیں!'' آنٹی عذرا واپسی پر پھر مجھ سے کہہ رہی تھیں۔ (کہ محبت کرنے والے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں)

یوں ایک بہت اچھی اور پُرلطف پارٹی سے فارغ ہوکر ہم گھر روانہ ہوئے اور دل میں یہ سوچ لیا کہ انشاءاللہ... جلد ایک پارٹی اپنے گھر میں بھی رکھوں گی کہ ہمارا بھی تو سب سے ملنے کو جی کرتا ہے۔

تو پیاری رائٹرز کس، کس کو میرے گھر آنے کو جی کرتا ہے۔ (پہلے سے بتادیں)



"توبہ ہے...... اماں نے بھی مجھے کس جنجال میں ڈال دیا ہے۔ اتنے بڑے کنبے میں میری شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بھائی کا گھر...... بھائی کا بیٹا...... ہونہہ......" ٹوکرے بھر، بھر کر محبت اماں کے دل میں لڑھک رہی تھی اور انہیں یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں ابا اپنے گھر کے، میرا مطلب ہے اماں کی سسرال کے کسی لڑکے سے میری شادی طے نہ کردیں۔ اگرچہ اپنی بھاوج سے اماں کی کبھی نہ بنی۔ خالص نندوں والا

مختصر کہانی

سیما سراج



کردار اماں نے ادا کیا تھا عمر بھر...... اب سات بہنوں کے اکلوتے بھائی سے مجھے بیاہ دیا۔ شروع، شروع میں تو بڑا اچھا لگا۔ نندوں نے اکلوتی بھاوج کے خوب ناز نخرے اٹھائے۔ ساس نے پاؤں زمین پر نہ رکھنے دیا کہ مہندی خراب ہو جائے گی۔ دعوتوں میں فرمائشی جوڑے پہنائے گئے۔ میرے حسن کی تعریفیں ہوئیں۔ میاں جی بھی قصیدے پڑھتے رہے اور رفتہ، رفتہ وقت گزر گیا۔ چولھے ہانڈی کی رسم ہوئی اور مجھ اکلوتی بہو کو کچن کی مالکہ بنا دیا گیا۔

''ارے بہو! اب یہ کچن تمہارے حوالے۔'' کہہ کر ساس جی نے جو کبھی میرے ممانی تھیں تخت سنبھال لیا۔ غیر شادی شدہ نند کتابیں لے کر کمرے کی نذر ہو گئی...... شادی شدہ نندیں...... اپنے، اپنے گھر سدھاریں۔ سسر صاحب ٹی وی اسکرین پر ایسے نظریں جماتے جیسے ان کی بیگم صاحبہ سامنے بیٹھی ہوں۔ اکثر ساس اور سسر میں اس بات پر جھگڑا ہوتا۔ ساس صاحبہ کوئی اہم خبر دیتیں اور سسر صاحب اچھا، اچھا کہہ کر دوبارہ مذاکرے پر متوجہ ہو جاتے اور ساس جلال میں آکر ٹی وی کو سوکن سمجھ کر اس کا منہ بند کر دیتیں۔ بس پھر ایک نیا پروگرام شروع ہو جاتا۔

''بولو ایسی کون سی اہم بات تھی جس کے لیے ہمیں مذاکرے سے محروم کر دیا گیا؟''

''شکر کریں کہ جھوٹ اور غیر ضروری گفتگو سے آپ کی قوتِ سماعت کو محفوظ کر دیا۔''

''واہ، واہ کتنا خیال ہے ہماری بیگم کو ہمارا۔''

''خیال تو ہمیشہ کیا احساس ہی نہ ہو تو اور بات ہے۔''

''تو گویا ہم بے حس ہیں؟''

''یہ سوال مجھ سے نہیں اپنے آپ سے پوچھیں۔''

بس کچھ نہ پوچھیں آپس میں گفتگو یا مکالمے کا ایک طویل سلسلہ...... اگر رقم کروں تو ایک اور کہانی تیار ہو جائے...... لیکن ابھی تو میں خود اپنی کہانی پر غور کر رہی ہوں۔ ممانی، ساس نے کچن کی حکمرانی تو مجھے دے دی تھی لیکن تجوری نہیں۔ گویا میں اپنی سسرال کے کچن کی بے اختیار ملکہ تھی۔ اخراجات کے لیے فہرست ممانی، ساس کی خدمت میں پیش ہوتی اور کٹوتی کے بعد سسر جی بازار سے سامان لاتے۔ لیکن جب ہفتے کی شب چھ بیٹیاں مع بچوں کی ٹیم کے میکے آتیں تو تجوری کے منہ کھل جاتے اور میری کمر کا درد بڑھ جاتا۔ ہائے چھ دن کی تھکی ہوئی نندیں ایک دن اماں کے یہاں آرام کرنے آتیں اور باتیں بنانے بھی...... پھر اپنی سسرال کے قصے سنائے جاتے اور اکلوتی بھاوج چولھے کی تپش میں اپنے منہ کے ساتھ کلیجا بھی جھلساتی۔

''اے دلہن اب تو یہ تمہارا گھر ہے۔ یہ بچیاں تو مہمان ہیں۔'' ایسا لگتا... کہ ممانی، ساس، اماں کا بدلہ مجھ سے اتار رہی تھیں۔

میاں جی، تو بہنوں پر فریفتہ تھے۔ اکلوتے ماموں بھانجی، بھانجوں کو گاڑی میں بھر کر سیر سپاٹے کے لیے لے جاتے ساتھ میں فرمائشی پروگرام کی فہرست بھی ہوتی۔ کبھی طویل فہرست دیکھ کر میں حیرت کا اظہار کرتی تو موصوف فرماتے۔ ''بچے ہیں۔'' میں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور میک اپ کے سامان کی ایک فہرست تھما دی۔

''یہ سامان...؟'' انہوں نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا۔

''گھر کے بچوں کے ساتھ بیوی کے نخرے اٹھانا بھی آپ کی ذمے داری ہے۔'' موقع وحالات دیکھ کر وہ خاموش رہے۔

''ذرا پانی تو پلا دو۔'' اچھا کہہ کر جو فریج کھولا تو تمام بوتلیں خالی رکھی تھیں۔

''توبہ بچوں کو یہ توفیق بھی نہیں ہوتی کہ پانی بھر کر رکھ دیں۔'' اب اگر یہ بات میں اپنے میاں جی سے کہتی تو شکایت ہوتی اسی لیے نل کا گرم پانی گلاس میں ڈال کر پیش کر دیا۔

''ارے اتنا گرم...... خیریت، فریج خراب ہے کیا؟'' مجھے اس سوال کی توقع تھی۔

''فریج بالکل صحیح ہے لیکن بوتلیں خالی ہیں، گری

کا موسم ہے اور ماشاء اللہ مہمان آئے ہوئے ہیں۔'' میں نے موقع دیکھ کر بات کہہ دی۔

''یار بھر کر رکھنی چاہئیں ناں۔''

''بالکل صحیح...... جو پیے وہ فوراً بھر کر رکھ دے تو ٹھنڈا پانی ملے گا، گرمی کا موسم ہے اور ماشاء اللہ مہمان بھی۔'' میں نے روایتی بیویوں کی طرح سمجھ داری کے ساتھ میاں جی کے کان بھرنے کی ابتدا کی۔

میاں جی کے جانے کے بعد میں نے روٹیاں پکانے کا ارادہ کیا۔ سب نندیں کمرے میں اماں کے گرد بیٹھی سسرال کی داستانیں سنا رہی تھیں۔ بچے شور پکار میں مصروف تھے۔ ٹی وی کی آواز سخت زہر لگ رہی تھی۔ یہ اچھی رہی اماں کے گھر ہر ہفتے آرام کے لیے آ گئیں۔ ابھی تو جون، جولائی میں گرمیوں کی چھٹیوں میں...... ہائے...... مجھے تو اب شور سے گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔ اب تو اپنے پکائے ہوئے کھانوں کی تعریف بھی اچھی نہیں لگتی۔ اب تو ممانی صاحبہ بھی جب بیٹیوں کے سامنے اکلوتی بہو کا قصیدہ پڑھتی ہیں تو زہر لگتی ہیں۔ توبہ اتنی سخت گرمی اور پرانے زمانے کا کچن...... پسینہ ہی پسینہ...... دم گھٹ جائے گا۔

شامت اعمال بڑی نند صاحبہ کچن کے سامنے سے گزریں تکلفاً پوچھ لیا۔

''بھابی میں روٹی ڈال دوں۔'' میں نے بھی موقع غنیمت جانا اور بیلن، چمٹا ہاتھ میں پکڑا دیا اور سر پر پٹی باندھ کر فل اسپیڈ میں پنکھا کھول مسہری پر جا کر لیٹ گئی۔ سر درد کی خبر پورے گھر میں پھیل گئی۔

''خیریت تو ہے دلہن؟'' ساس نے پوچھا۔

''بس گرمی سے چکر آ رہے تھے۔ گولی کھائی ہے، ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

''اللہ خیر کرے، دروازہ بند کر لو اور سکون سے سو جاؤ آرام ملے گا۔''

دروازہ بند ہوتے ہی میں نے اپنے بچپن کی سہیلی کو موبائل گھمایا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کھٹ، کھٹ کی آواز آئی۔ ''بھابی بشریٰ کو سوٹ چاہیے تھا۔ کزن کی سالگرہ ہے۔ ارے، ارے آپ آرام کریں۔ الماری تو کھلی ہوئی ہے ناں خود ہی اپنی پسند سے نکال لے گی۔''

جی جل کر رہ گیا۔ میری پسند کا سوٹ بشریٰ کے ہاتھ میں تھا جی چاہا کہ چھین لوں مگر بات خراب ہو جاتی۔ میرے میکے کے گھر میں کسی کی مجال نہ تھی کہ میری پسند کی چیز ہتھیا لے۔ خیر دل پر پتھر رکھ لیا۔ شام کو بشریٰ میرا ہی سوٹ پہنے تیار کھڑی تھی۔

''ماموں آپ مجھے چھوڑ آئیں گے؟'' ماموں ہزار جان سے بھانجی پر فریفتہ بھلا منع کیسے کرتے۔ خیر میرا تو پیٹ پھول جاتا اگر دل کی بھڑاس نہ نکالتی۔

''بشریٰ لگ ہی نہیں رہا ہے کہ یہ تمہارا سوٹ نہیں ہے بالکل صحیح فٹنگ آئی ہے۔''

''ارے تم نے کس کا پہن لیا۔ سہیلی سے مانگا ہے کیا؟'' میاں جی نے پوچھا۔

''نہیں، مامی کا ہے۔'' آخر بشریٰ کو کہنا پڑا۔ اور بشریٰ کی اماں چور بنی بن کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ تو گویا اب تھوڑی، تھوڑی بہوؤں والی چالاکی مجھ میں بھی آ رہی تھی۔ آخر کار نندوں کی ٹولی کا مقابلہ بھی تو کرنا تھا۔ ابھی میرے مقابلے کی تیاری جاری تھی کہ میری سب سے چالاک سہیلی کا فون آ گیا۔ میں نے تمام داستان اس کو سنا دی۔

''ارے اتنی پریشانی کی کیا بات ہے۔ تم اپنے میکے چلی جاؤ۔'' لو اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوٹ کیس تیار کیا۔

''خیریت تو ہے؟'' میاں جی نے پوچھا۔

''ہاں اماں نے بلایا ہے۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ لڑکیاں چھٹیاں اماں کے گھر گزارتی ہیں۔ جیسے آپ کی بہنیں...... میرا مطلب ہے میری نندیں۔ تو جناب میں تو چلی اماں کے گھر......'' سسرال والے حیرت زدہ...... اماں جی خاموش...... اور مسکراہٹ صرف میرے چہرے پر تھی۔

اعتبارِ وفا

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کبھی دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سجھائی تک نہیں دیتی۔

ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اولین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غنچے وہیں کھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے بنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رکے ہوئے ہیں



ایم ایم عالم روڈ پر وہ رکشے سے اتر گئی تھی۔ کھاڈی خاص سے ایک شرٹ خریدنے کے بعد وہ جا، وردہ، بریزے، مختلف ڈیزائنرز پر جا کر ٹرائی کرتی رہی۔ لائم لائٹ سے مزید ایک شرٹ خرید کر وہ راجا صاحب آگئی۔ وہاں سے کچھ ضروری اور غیر ضروری شاپنگ کی اور پھر کیفے page 102 میں آگئی۔ اسے یہ کیفے بہت پسند تھا۔ آج بھی جب اس نے کیفے کے اندر قدم رکھا تو اسے اس کی تھیم نے بے حد اٹریکٹ کیا...... جگہ جگہ کتابوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ وہ سیڑھیوں پر سے ہوتی ہوئی اوپر والے ہال میں آگئی۔ سیڑھیوں میں ریلنگ کے ساتھ کتابیں لٹک رہی تھیں کہیں، کہیں ڈوریوں کے ساتھ بھی کتابیں بندھی ہوئی لٹک رہی تھیں۔ مشہور مصنفین کی کتابوں کے نام پڑھتی ہوئی وہ ایک خالی ٹیبل کی طرف بڑھی...... ٹیبلز پر بھی کتابیں رکھی تھیں۔ اس کی ٹیبل پر بھی دو تین کتابیں تھیں۔ آرڈر دے کر اس نے ایک کتاب اٹھالی۔ آرڈر سرو ہونے میں بھی آدھے گھنٹے سے زیادہ لگ جانا تھا...... اس وقت ہال میں زیادہ لوگ نہیں تھے لیکن اسے کچھ وقت یہاں گزارنا تھا...... وہ کتاب کی ورق گردانی کرنے لگی۔ اسے پڑھنے سے کوئی خاص دلچسپی تو نہ تھی۔ تاہم وقت گزاری کے لیے کبھی نہ کبھی کچھ پڑھ لیتی تھی۔ شادی سے پہلے وہ محلے کی لائبریری سے اے آر خاتون اور رضیہ بٹ کے ناول کبھی کبھار لے کر پڑھا کرتی تھی، وہ بھی اس لیے کہ اسے پڑھتا دیکھ کر اماں اسے گھر کا کام نہ کہیں...... لیکن شادی کے بعد سوائے اخبار کے اس نے کبھی کچھ نہیں پڑھا تھا...... بابر اخبار باقاعدگی سے پڑھتا تھا سو اس کی عدم موجودگی میں اخبار والا اخبار دے جاتا تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ گھر میں اخبار آتا تھا اور اس کا کچھ وقت اخبار پڑھنے میں کٹ جاتا تھا۔ بعض اوقات تو وہ اشتہار تک پڑھ ڈالتی تھی...... ہر طرف سجی کتابیں اسے اچھی لگ رہی تھیں۔ کچھ دیر پہلے کی کوفت اور بیزاری یہاں آکر ختم ہوگئی تھی۔

بابر کا خیال ذہن سے نکال کر وہ کچھ دیر کتاب دیکھتی رہی۔ یہ کوئی انگلش ناول تھا...... لیکن اسے اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ یوں بھی اس کی انگلش بہت اچھی نہ تھی۔ اس نے کتاب رکھ دی باقی دونوں کتابیں بھی اسی مصنف کی تھیں۔ سو وہ ہال میں اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے بابر اور اس کے متوقع ردِعمل کے متعلق سوچنے لگی۔

کھانے کے بعد اس نے چائے منگوالی۔ چائے کے بعد بھی کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی اور یوں ہی بے مقصد کتابوں کے اوراق کھنگالتی رہی۔ یوں بہت سا وقت لگا کر وہ واپس گھر آئی تو اس کے گمان کے مطابق بابر گھر میں موجود تھا۔ جب وہ لاک کھول کر اندر آئی تو وہ لاؤنج میں کھڑا تھا اور اس کا بریف کیس صوفے پر پڑا تھا۔ غالباً وہ کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا۔ فلیٹ کی ایک چابی ہمیشہ اس کے پاس ہوتی تھی۔

''تم اچانک کیسے آگئے؟'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''فون ہی کر دیتے، میں شاپنگ کے لیے نہ جاتی۔''

''تم میرا فون نہیں اٹینڈ کر رہی تھیں مجبوراً آنا پڑا۔'' بابر اسے گھور رہا تھا۔

''تمہارا فون......؟'' اس نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔

''مجھے تو پتا ہی نہیں چلا، تم نے کب کال کی تھی؟''

اس نے شولڈر بیگ کو ٹٹولا۔

''اوہ کہاں گیا...... مائی گاڈ کہیں گر تو نہیں گیا۔'' اچھی طرح بیگ کھنگالنے کے بعد اس نے بابر کی طرف دیکھا۔ اور پھر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا...... پھر دونوں کی نظریں ایک ساتھ ہی ٹی وی ٹرالی پر پڑے فون پر پڑی تھیں۔

''اوہ...... شاید گھر ہی میں رہ گیا تھا......'' اس کے لبوں سے نکلا۔ بابر نے آگے بڑھ کر فون اٹھالیا۔

''لیکن میرے فون کرنے سے پہلے تم نے کراچی میرے گھر فون کیا تھا۔'' وہ logs میں سے dialled نمبر دیکھ رہا تھا۔

''ہاں لیکن میں فون کرنے کے بعد فوراً ہی گھر سے نکل گئی تھی۔ دراصل میں شاپنگ کے لیے جا رہی تھی۔ بس نکلنے ہی والی تھی کہ میرا جی چاہا کہ میں رتی کے لیے بھی کچھ خرید لوں۔ وہ مجھے بہت اچھی لگی تھی...... بالکل اپنی بیٹی جیسی...... میں نے کبھی اپنی بیٹی کے لیے شاپنگ نہیں کی تو میرا جی چاہا کہ......'' اس کی آواز بھرا گئی اور لمحہ بھر کے لیے وہ خاموش ہوگئی۔ بابر بہت گہری کھوجتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کیفے 102page...... میں بیٹھے، بیٹھے اس نے طے کیا تھا کہ اگر اس کے گمان کے مطابق بابر آجاتا ہے یا دوبارہ فون کرتا ہے تو اسے اس سے کیا بات کرنی ہے۔ اس وقت وہ بابر سے خوفزدہ ہو کر گھر سے نکل آئی تھی لیکن وہ ہمیشہ کے لیے تو نہیں چھپ سکتی تھی۔

''میں نے رتی سے بات کرنے کے لیے فون کیا تھا، اس روز جب وہ تمہارے ساتھ آئی تھی تو اس نے بتایا تھا کہ ستمبر میں اس کی برتھ ڈے پارٹی ہوتی ہے اور تم بہت دھوم دھام سے مناتے ہو۔ میں اس کی برتھ ڈے پارٹی میں شرکت تو نہیں کرسکتی لیکن اسے گفٹ تو بھجوا سکتی ہوں ناں......'' اس نے ذرا سے توقف کے بعد بات جاری رکھی۔

''میں تو بس کنفرم کرنا چاہتی تھی کہ اس کی برتھ ڈے پارٹی واقعی اگلے ماہ منعقد ہے اور کب، کس تاریخ کو...... لیکن پھر ایمل نے فون اٹھالیا تو میرا جی چاہا کہ میں اس سے بات کروں...... دوستی کرلوں اس سے شاید کبھی۔''

اس نے پھر بابر کی طرف دیکھا جس کی کھوجتی نظریں اب اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

''میں تمہارے گھر کا حصہ بننا چاہتی ہوں بابر...... میں تھک گئی ہوں اکیلے رہتے، رہتے...... میں تمہاری فیملی کے ساتھ تعلق بنانا چاہتی ہوں۔''

''اور تم نے میری آواز سنتے ہی فون بند کردیا۔'' بابر نے زہریلی نظروں سے اسے دیکھا۔

''سچ، سچ بتاؤ کس مقصد سے میرے گھر فون کیا تھا؟''

''تم میرا یقین کرو بابر، میں نے تمہاری آواز نہیں سنی تھی۔ میں نے دو تین بار ہیلو ہیلو کہا اور پھر فون بند کردیا کہ شاید ایمل مجھ سے...... میرا مطلب ہے کسی اجنبی خاتون سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ میرا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔ میں بس صرف بات کرنا چاہتی تھی۔ رتی میں مجھے اپنی بیٹی کی جھلک نظر آئی تھی۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھے کبھی اپنے گھر لے کر نہیں جاؤ گے...... اور میں بھلا ایمل سے کیسے دوستی کرسکتی ہوں...... کیسے اس کا سامنا کرسکتی ہوں اور اس ڈرامے کے بعد...... لیکن اس وقت میں بھول گئی تھی...... یہ تنہائی مجھے اندر سے کاٹ رہی ہے بابر۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی تھی۔

بابر نے ایک بازو اس کے گرد حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگالیا...... بابر کے اس التفات پر اس کا دل پگھل کر پانی ہوا۔ اب وہ سچ مچ رو رہی تھی۔

''بہت جلد وہ دن آنے والا ہے عنبرین جب تم اس گھر کا حصہ بنو گی...... ایمل کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہو گی۔ تب اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ تم نے کبھی ایمل کے ساتھ کوئی ڈراما کیا تھا...... بس تھوڑا انتظار اور میری جان۔''

وہ اور شدت سے رونے لگی تھی۔ کیا ایسا ممکن تھا کیا ایسا ہوسکتا تھا۔

بابر کچھ دیر یونہی اسے اپنے ساتھ لگائے ہولے، ہولے تھپکتا رہا پھر الگ کرتے ہوئے اس کے روئے،

روئے چہرے کو دیکھا۔
''آئندہ تم ایمل یا رتی کو فون نہیں کرو گی...... اور ہاں تم نے ہمارے گھر کا نمبر کہاں سے لیا؟''
''رتی سے۔'' وہ اب بھی ہولے، ہولے سسک رہی تھی۔
بابر نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بائیں ہاتھ میں پکڑے اس کے فون کو آن کیا اور contact چیک کرنے لگا پھر رتی ہوم کے نام سے سیو اپنے نمبر کو ڈیلیٹ کر کے موبائل سامنے والے صوفے پر پھینکا اور عنبرین کی طرف دیکھا۔
''بہت تھک گیا ہوں پلیز چائے پلوا دو۔'' ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے عنبرین نے بابر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے والے تناؤ اور غصے کی کیفیت نہ تھی۔
تھینک گاڈ بابر نے اس کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ وہ مطمئن سی ہو کر مڑی ہی تھی کہ بابر کے فون کی بیل ہونے لگی۔ بابر نے پاکٹ سے فون نکال کر اسکرین پر نظر دوڑائی۔ وسیم کا فون تھا۔ اس نے کچن کی طرف جاتی ہوئی عنبرین کی طرف دیکھا اور فون آن کرتا ہوا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔
''ہاں بولو وسو کیا بات ہے؟''
''سر وہ اس کا پتا چل گیا ہے۔'' اس کے لہجے میں دبا، دبا سا جوش تھا۔
''گڈ......!'' بابر کے لبوں سے نکلا۔
''اب کیا حکم ہے سر!''
''کچھ نہیں...... بس تم مجھے اس کا ایڈریس سینڈ کر دو۔''
''ویسے کیا بات ہے سر؟'' وسیم شوخ ہوا۔ ''سنا ہے بڑی طرح دار لڑکیاں ہیں اس کی...... کہیں کسی پر دل ول تو نہیں آ گیا۔''
''بعد میں آرام سے بات کرتے ہیں اس وقت میں ذرا بزی ہوں۔'' بابر نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''اور ہاں مجھے ابھی ایڈریس بھیج دو۔''
''او کے سر!''
فون آف کر کے وہ واپس لاؤنج میں آیا تو اس کے لبوں پر بڑی پُراسراری مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

فضا میں پھیلی خنکی سے بے نیاز وہ لان چیئرز پر بدن ڈھیلا چھوڑے بیٹھے تھے۔ جب خدا بخش نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ پورچ اور برآمدے میں جلنے والی لائٹ کی روشنی خدا بخش کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ بے حد فکر مندی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
''صاحب آپ اتنی ٹھنڈ میں باہر بیٹھے ہیں۔''
''اچھا مجھے تو نہیں محسوس ہو رہی ٹھنڈ...... اور پھر یہاں کراچی میں اتنی ٹھنڈ کا کیا تصور......''
وہ ہولے سے ہنسے لیکن خدا بخش سنجیدہ سا کھڑا رہا۔
''آپ کے لیے تو صاحب خنکی ہی ہے، کل رات بھی آپ کو ٹھنڈ لگ کر بخار چڑھ گیا تھا اور یوں بھی دو تین روز سے رات میں خنکی ہو ہی جاتی ہے۔'' اس نے ان کے سفید کاٹن کے باریک سوٹ پر نظر ڈالی۔ ''یوں بھی یہاں اس وقت مچھر بھی تو ہوں گے اور رات کے وقت باہر سبزے میں بیٹھنا بھلا کوئی عقلمندی ہے اور ہمارے بزرگوں نے تو ہمیشہ رات کے وقت درختوں کے نیچے بیٹھنے سے منع کیا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو خدا بخش۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''یونہی مغرب کے وقت دل گھبرا رہا تھا۔ نماز پڑھ کر باہر آ بیٹھا...... ہلکی سی یہ خنکی اچھی لگ رہی تھی۔ سو بیٹھا رہا۔''

''کیا ہوا ہے صاحب، کوئی پریشانی کی بات ہے؟''

''ارے نہیں خدا بخش کیا پریشانی ہوتی ہے۔'' ہلکے پھلکے سے انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے قدم آگے بڑھایا۔

''بچے کیا کر رہے ہیں؟''

''مجھے کیا معلوم صاحب، اپنے کمرے میں ہوں گے۔'' خدا بخش کے لہجے سے ناراضی جھلکتی تھی۔

''کیا بات ہے خدا بخش' ناراض لگ رہے ہو۔'' اس کے ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے برآمدے میں قدم رکھا۔

''نہیں تو...... میں بھلا کون ہوتا ہوں ناراض ہونے والا۔'' اس نے اسی لہجے میں کہا۔

''خدا بخش اِدھر دیکھو میری طرف۔'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''کیا مجھ سے یا رواحہ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے یا ہم نے انجانے میں تمہارا دل دکھایا ہے؟''

''نہیں صاحب' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' خدا بخش نے آنکھوں میں بے اختیار آ جانے والے آنسو چھپاتے ہوئے دروازہ دھکیلا...... وہ بھی اس کے پیچھے ہی لاؤنج میں داخل ہوئے۔ لاؤنج خالی پڑا تھا۔ رواحہ کے روم سے ٹی وی کی آواز آ رہی تھی۔ شاید کوئی ٹاک شو لگا ہوا تھا۔

''چلو کمرے میں چل کر آرام سے بات کرتے ہیں۔'' انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے۔

خدا بخش نے تو کبھی اس طرح کی بات نہیں کی تھی پھر ایسا کیا ہو گیا تھا جو وہ اتنا ناراض اور خفا سا لگ رہا تھا...... خدا بخش کا اور ان کا تو بہت پرانا ساتھ تھا۔ وہ پریشان سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

خدا بخش ان کے پیچھے تھا۔

''ہاں اب بتاؤ خدا بخش کیا بات ہے؟'' اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

''کیوں اتنے ناراض لگ رہے ہو...... کیا ہوا ہے؟''

''ہونا کیا ہے صاحب۔'' اس کی آنکھوں میں پھر آنسو چمکے تھے۔

''ہفتوں رواحہ صاحب اداس، غم زدہ پھرتے رہے۔ خدا بخش منہ ہی دیکھتا رہا کہ کچھ بتائیں کیا ہوا...... اور اب آپ ہیں کہ اداس و پریشان، ہفتوں سے گم صم...... اور خدا بخش کو خبر ہی نہیں کہ ہوا کیا ہے...... اتنا بیگانہ ہو گیا ہے وہ، رواحہ بیٹے کی تو خیر کوئی بات نہیں جوان آدمی ہیں، کوئی روگ لگا بیٹھے ہوں گے دل کو...... اور اب تو خیر کل سے قہقہے لگ رہے ہیں۔ اللہ کرے وہ ہمیشہ ایسے ہی ہنستے رہیں۔ لیکن آپ صاحب، آپ کو بھی کتنے دنوں سے کھویا، کھویا دیکھ رہا ہوں۔ لیکن آپ اب اپنا نہیں سمجھتے۔'' اس کے لہجے سے گلہ اور فکر مندی ایک ساتھ جھلک رہے تھے۔

''بیٹھ جاؤ خدا بخش...... ایسا نہیں ہے، تم سے بڑھ کر اور کون ہے ہمارا اپنا...... ایک تم ہی تو ہو میرے دکھوں کے ساتھی اور آشنا...... جب بھی دکھی ہوا تمہارے ہی کندھوں پر سر رکھ رویا ہوں۔''

''لیکن اب ایسا کیا ہے کہ مجھ سے بھی اپنے آنسو چھپائے پھرتے ہیں؟'' خدا بخش نے بے حد دردمندی سے کہا۔

''کچھ نیا تو نہیں ہے خدا بخش......'' وہ بے حد دلگرفتگی سے بولے۔ کیا کہتے کہ ڈرتے تھے ناں کہ دل کے چھپے جذبے عیاں ہوئے تو ضبط کے بند ٹوٹ نہ جائیں...... طلب بڑھ نہ جائے۔ وہ ٹھنڈی سانس لے

کر بولے۔
''بس ان دنوں ماضی بہت یاد آتا ہے۔ گزری ہوئی ایک، ایک بات ایک، ایک لمحہ یوں دل پر وارد ہوتا ہے جیسے کوئی بے دردی سے زخموں کے کھرنڈ اتار رہا ہو اور زخم چھلتے ہیں تو تکلیف تو ہوتی ہے ناں......''
خدا بخش...... بے حد دکھی ہوا...... اس معاملے میں وہ بے بس تھا...... اس کے پاس ان کے دکھ کا کوئی مداوا نہیں تھا...... بس تسلی بھرے لفظ تھے، دعائیں تھیں۔
''اللہ سے دعا کیا کریں صاحب......''
''کیا دعا کروں خدا بخش؟'' انہوں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''وہ دعا جو بار بار لبوں پر آکر دم توڑ جاتی ہے۔ جہاں دل اس کی قبولیت کے لیے مچلتا ہے۔ وہاں اس کی قبولیت سے ڈرتا بھی ہے۔'' اور ان کی اس مبہم سی بات کو سمجھنے میں خدا بخش کو ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا۔ وہ ان کا غم آشنا ان کی اذیت کا اندازہ کرسکتا تھا...... سمجھ سکتا تھا کہ وہ کس تکلیف میں ہیں۔
''اللہ سے اپنے سکون کے لیے دعا کیا کریں۔ اللہ چاہے تو کیا نہیں ہوسکتا۔''
''ہاں، اللہ چاہے تو...... لیکن خدا بخش اللہ چاہتا تو وہ سب......''
''بس صاحب آگے کچھ مت کہیے گا۔ اللہ اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کو خود بہتر سمجھتا ہے۔ ہم بندے تو بس ظاہر کو دیکھنے والے کیا جانیں اور سمجھیں۔''
''تم ٹھیک کہتے ہو خدا بخش......'' انہوں نے ایک گہری سانس لی۔
''تم بھی دعا کرنا خدا بخش یہ اضطراب، یہ بے چینی جو اچانک ہی دل میں پیدا ہوگئی ہے ختم ہوجائے۔''
''میرا تو رواں، رواں آپ کے لیے دعا گو رہتا ہے صاحب! مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ آپ کا دکھ آپ کا کرب۔ میں نے دیکھے ہیں آپ کے آنسو آپ کا رونا، کرلانا...... آپ کے رت جگے، برسوں بیت گئے آپ کے لیے دعا کرتے کبھی تو بارگاہِ الٰہی سے قبولیت کی نوید ملے گی۔ انشاء اللہ ایک روز ضرور آپ کی بے سکونی ختم ہوگی صاحب۔''
''انشاء اللہ......'' انہوں نے پاؤں بیڈ پر رکھے اور نیم دراز ہوگئے...... خدا بخش خاموشی سے کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔
''میں شاید سو جاؤں، تم مجھے کھانے کے لیے مت جگانا۔''
''ٹھیک ہے صاحب...... گرم دودھ دے جاؤں گا۔''
''نہیں یار...... دودھ پینے کو بھی جی نہیں چاہ رہا ہے، ایک اچھی سی نیند لے کر اٹھوں گا تو صبح تک فریش ہوجاؤں گا۔ کل رات ٹھیک سے سو نہیں پایا تھا اس لیے آنکھیں بند ہورہی ہیں۔''
خدا بخش سر ہلا کر باہر چلا گیا تو انہوں نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں لیکن آنکھوں میں تو جیسے کانٹے اُگ آئے تھے۔ بے چینی تھی، اضطراب تھا اور دل کو جیسے کوئی مٹھی میں لیے بھینچتا تھا...... کتنی بڑی غلطی ہوگئی تھی ان سے۔ مونا کا نمبر پھینکنے کی...... کیا رواحہ ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ کبھی تو اسے فون کرسکتے تھے۔ وہ اسے گھر نہ بلاتے رواحہ کو اس سے نہ ملاتے لیکن بات تو کرسکتے تھے اس سے۔ وہ اتنی گہری دوست تھی اس کی...... ضرور اس کا رابطہ ہوگا اس سے وہ جانتی ہوگی کہ وہ کہاں ہے...... اور کیا خبر اس نے اسے دیکھا بھی ہو...... پتا نہیں کیسی ہوگی وہ...... بہت سال پہلے وہ لاہور گئے تھے تو بے اختیار ہی اسے دیکھنے کو دل مچل اٹھا تھا۔
لیکن فون کرنے پر پتا چلا تھا کہ وہ کسی دوسرے شہر میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔

☆☆☆

فون ممی نے اٹھایا تھا۔

''کہاں......؟'' انہوں نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

''میں اس سے ملنا چاہتا ہوں......حق ہے میرا۔''

اور ان کا مدعا جاننے کے بعد ممی نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا کہ بہتر ہے کہ وہ انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔ اور اس بات کو بھی کتنے سال بیت گئے۔''چندا پتا نہیں کہاں ہے......اس ملک میں یا کہیں کسی اور ملک میں اور وہ......''

ان کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں اور ان پانیوں میں اس کا عکس جھلملانے لگا۔ گلابی کمبل میں لپٹا وہ منا سا وجود......

دل پر دباؤ سا پڑا تو بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔

''یا اللہ مجھے صبر عطا فرما۔ اتنے سال میں نے خود کو سنبھالے رکھا تو پھر اب یہ دل کیوں بے قابو ہوا جاتا ہے۔ یا اللہ مجھے اس جدائی کو برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرما۔'' انہوں نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

ماضی کی اس اذیت ناک رات کو تو وہ کبھی بھول نہیں سکے تھے۔ جب بھی اس رات کا خیال آتا ان کے اندر جیسے آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ ایسی آگ جو سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اس رات ان کے کانوں میں جیسے چندا نے انگارے اتارے تھے وہ بے یقینی سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ریسیور کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے لب ساکت تھے لیکن اندر طوفان مچا تھا۔ ایسا طوفان جو سب کچھ تباہ کر دیتا انہیں بھی اس رات ایسا ہی لگا تھا جیسے ان کے اندر سب کچھ تباہ ہوتا جا رہا ہو۔ وہ کیا کہہ رہی تھی ان کے کان سن تو رہے تھے لیکن دل قبول کرنے سے انکاری تھا۔ نہیں چندا اتنا بڑا الزام نہیں لگا سکتی ان پر...اتنی غلط بات نہیں کہہ سکتی۔ کیا وہ انہیں اتنا گھٹیا، اتنا گرا ہوا سمجھتی ہے......انہیں اپنے وجود پر شرمندگی ہوئی۔

کیا یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی انہیں زندہ رہنا چاہیے۔ انہیں لگا تھا جیسے زندگی ان کے لیے اس وقت اسی لمحے ختم ہو گئی ہے۔ ان کے چاروں طرف جیسے دھول اڑتی تھی اور آگ برستی تھی۔ وہ لڑکھڑائے تھے تب سامنے ہی صوفے پر بیٹھے ان کی طرف ہی تکتے ہوئے بابا جان، تیزی سے اٹھے تھے۔

''کیا ہوا؟''

''بابا جان!'' ان کے لبوں سے بہ مشکل نکلا تھا۔

''جان بابا......'' انہوں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

وہ انہیں بتانا چاہتے تھے کہ ابھی چند لمحے پہلے ان پر کیا قیامت ٹوٹی ہے۔ چندا نے کتنا بڑا الزام لگایا ہے ان پر۔ لیکن ان کی زبان لڑکھڑا گئی اور صرف زبان ہی نہیں لڑکھڑائی، دل نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ بابا جان انہیں بازوؤں میں سنبھالتے ہوئے خدا بخش کو آوازیں دینے لگے تھے۔ اور پھر جیسے ان کے اردگرد آوازیں مر گئی تھیں......اور پھر نہ جانے کتنے دن گزر گئے۔ انہیں بعد میں خدا بخش نے بتایا تھا کہ وہ پورے سات دن بے ہوش رہے تھے بھی، کبھی آنکھ کھولتے اور پھر غنودگی میں چلے جاتے اور پورے سات دن بابا جان ان کے لیے اللہ سے گڑگڑا کر رو، رو کر ان کی زندگی کی دعائیں مانگتے رہے۔ پوری، پوری رات جانماز پر بیٹھے نفل پڑھتے رہتے۔ اور پھر اللہ نے ان کی سن لی۔ اس روز جب وہ مکمل طور پر ہوش میں آئے تھے تو تب بھی اسپتال کے اس کمرے میں وہ جانماز پر بیٹھے تھے اور خدا بخش ان کے بیڈ کے پاس کھڑا تھا۔

''خدا بخش مجھے کیا ہوا تھا؟'' انہوں نے بابا جان کو سجدے میں گرے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''پتا نہیں صاحب...... آپ اچانک ہی بے ہوش ہو گئے تھے۔''
''اچانک؟'' انہوں نے ذہن پر زور دیا تھا اور انہیں یاد آ گیا تھا کہ چندا کا فون سننے کے لیے اٹھے تھے اور چندا نے کیا کہا تھا۔ انہیں یاد آیا تھا۔ اس کے لبوں سے نکلا ہر لفظ ان کے دل کو کاٹتا چلا گیا تھا۔ جیسے اس کے لبوں سے لفظ نہیں نکلے تھے۔ انگارے تھے جو جہاں، جہاں گرے تھے وہاں، وہاں کی زمین کو بھسم کرتے جاتے تھے۔
''بابا جان......!'' ان کی پکار میں کیسا درد تھا کہ بابا جان تڑپ کر جانماز سے اٹھے تھے۔
''جانم......'' ان کے بیڈ پر آ کر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے انہوں نے ان کے ہاتھ تھامے تھے۔ ان کی آنکھیں نم تھیں پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔
''اللہ کا شکر ہے بیٹا جس نے میری دعائیں سن لی۔''
''کاش میں ہوش میں نہ آتا بابا جان۔'' وہ ایک بار پھر اسی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ چندا نے صرف طلاق کا مطالبہ ہی نہیں کیا تھا انہیں جیسے کند چھری سے ذبح کر ڈالا تھا۔
''اس نے ایسا کیوں کیا بابا جان؟'' بابا جان کے گلے لگتے ہوئے انہیں چندا کے فون کے متعلق بتاتے ہوئے وہ رو پڑے تھے۔
''وہ ویسے ہی کہہ دیتی اسے نہیں آنا... میرے ساتھ نہیں رہنا...... مجھے یوں میری ہی نظروں میں تو نہ گراتی......'' اس روز وہ بابا جان کے گلے لگ کر بلک، بلک کر رو دیئے تھے اور بابا جان ہولے، ہولے انہیں تھپکتے رہے تھے۔
دکھ تھا جو کم ہونے میں نہیں آتا تھا، اضطراب تھا جس میں کمی نہیں ہوتی تھی۔ وہ تڑپ، تڑپ کر روتے تو ڈاکٹر انہیں سکون آور دوا دے دیتے تھے پھر دو دن بعد بابا جان انہیں گھر لے آئے تھے۔ بابا جان اور خدا بخش ہر لمحہ ان کے ساتھ تھے۔ ان کی دلجوئی کرتے رہتے تھے، انہیں تسلی دیتے...... بابا جان تو مسلسل ان کے کمرے میں ہی سوتے تھے خدا بخش بھی وہیں نیچے کارپٹ پر لیٹ جاتا تھا۔ بابا جان نے کالج سے چھٹیاں لے لی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں پشیمان ہوتے تھے کہ بابا جان ان کی وجہ سے پریشان ہیں خود کو سنبھالنے کی بھی کوشش کرتے تھے لیکن دل تھا کہ سنبھل ہی نہیں پاتا۔ چندا کہہ دیتی وہ ان سے نفرت کرتی ہے۔ اس نے کبھی ان سے محبت نہیں کی۔ کچھ بھی کہہ دیتی لیکن یہ نہ کہتی اور کتنے ہی اذیت ناک دنوں اور راتوں کے بعد اس روز وہ بیڈ پر لیٹے، لیٹے ایک دم اٹھ بیٹھے تھے۔ بابا جان بھی بیڈ کے پاس ہی کرسی بچھائے بیٹھے انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔
''بابا جان آج کیا ڈیٹ ہے؟''

''آج دس تاریخ ہے بیٹا۔''
''دس......'' انہوں نے بے حد مضطرب ہو کر انہیں دیکھا تھا۔
''بابا جان آپ کو پتا ہے ناں ڈاکٹر نے دس کی ہی ڈیٹ دی تھی چندا کو۔''
''ہاں......'' بابا جان نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
''تو...... بابا جان آج اسے اسپتال جانا تھا یا پھر وہ اسپتال میں ہوگی...... آپ پلیز ان کے گھر فون کر کے پتا کریں ناں تو پھر ہم اسپتال چلتے ہیں۔ چندا بھلے مجھ سے خفا سہی بدگمان سہی لیکن وہ میرے بچوں کی ماں بننے والی ہے۔ ہمیں اس وقت اسپتال میں ہونا چاہیے۔''
اور بابا جان کرسی سے اٹھ کر ان کے پاس بیڈ پر آ بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ جیسے اپنے شفیق لمس سے انہیں حوصلہ دے رہے ہوں۔

''اس رات جب تمہارا نروس بریک ڈاؤن ہوا؟'' انہوں نے ہولے، ہولے کہنا شروع کیا تھا۔
''تو اسی رات چندا کا بی پی اتنا ہائی ہوگیا کہ اسے اسپتال لے جانا پڑا تھا اور......''
''چندا اور بچے...... وہ ٹھیک تو ہیں ناں بابا جان؟'' ان کا دل جیسے ڈوب سا گیا تھا اور انہوں نے بابا جان کی بات کاٹتے ہوئے بے حد وحشت سے پوچھا تھا۔
''ٹھیک ہیں۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
''میں تین دن بعد گھر آیا تھا۔ تم تب تک بالکل ہوش میں نہیں آئے تھے...... مجھے گھر سے چیک بک لینی تھی تب میں نے چندا کے گھر فون کیا...... میں پوچھنا چاہتا تھا کہ آخر چندا نے تم سے ایسا کیا کہا تھا کہ تم ہوش کھو بیٹھے تھے اور جب مجھے پتا چلا تھا کہ وہ اسپتال میں ہے اور اس کا فوری آپریشن کرنا پڑا تھا لیکن اب وہ ٹھیک ہے۔''
''آپ گئے تھے بچوں کو دیکھنے...... کیسے ہیں وہ؟'' اُن کا چہرہ جگمگا اٹھا تھا اور لہجے اور آنکھوں سے اشتیاق جھلکنے لگا تھا۔
''نہیں......'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
''کیوں بابا جان؟'' ان کی آنکھیں بجھ گئی تھیں اور جگمگاتے چہرے پر دھول اڑنے لگی تھی۔
بابا جان نے نظریں چرائی تھیں۔
''کیوں بابا جان...... آپ کیوں نہیں گئے انہیں دیکھنے؟'' انہوں نے اپنی بات دُہرائی تھی۔ ان کے ٹوٹے ہوئے لہجے میں شکوہ در آیا تھا۔ ''مجھ سے زیادہ تو آپ کو بچوں کی آمد کا انتظار تھا۔''
''تمہاری حالت ٹھیک نہیں تھی...... اور پھر ڈاکٹر کوئی امید بھی تو نہیں دلاتے تھے۔ میں تمہیں اس طرح کیسے چھوڑ کر چلا جاتا؟''
''لیکن اب تو میں ٹھیک ہوں اور مجھے کتنے دن ہوگئے ہیں گھر آئے ہوئے اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں...... خیر اب چلتے ہیں...... اچھا وہ ابھی تک اسپتال میں ہی ہے یا گھر آگئی ہے......؟ آپ نے فون پر تو بات کی ہوگی ناں چندا سے۔''
وہ ابھی تک جانے کن خوش فہمیوں میں گھرے تھے۔ وہ بیڈ سے اترنے لگے تو بابا جان نے ایک بار پھر ان کا ہاتھ تھام لیا۔
''بیٹھو بیٹا، بیٹھ جاؤ...... ابھی تمہاری طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی۔''
''نہیں بابا جان، میں بالکل ٹھیک ہوں...... اتنے دن ہوگئے میرے بچوں کو دنیا میں آئے اور مجھے یہ تک نہیں پتا کہ میں بیٹوں کا باپ بنا ہوں یا بیٹیوں کا......؟'' وہ بیڈ سے اتر کر جوتوں کے ریک کی طرف بڑھے تھے...... ان کی ہر حرکت سے بے تابی اور بے چینی جھلکتی تھی...... جوتے اٹھاتے ہوئے انہوں نے مڑ کر بابا جان کو دیکھا تھا۔
''بابا جان آپ نے بتایا نہیں کہ میں......''
وہ انہیں کیا بتاتے انہیں تو خود علم نہیں تھا۔ بعد میں انہوں نے بتایا تھا کہ کتنی بار فون کرنے کے بعد ایک بار چندا کی ممی سے بات ہوسکی تھی اور چندا نے تو ایک بار بھی بات نہیں کی تھی...... بس اس روز ملازمہ سے انہیں اتنا ہی معلوم ہوسکا تھا کہ چندا کا سیزیرین ہوا ہے۔
وہ بیڈ پر بیٹھ کر شوز پہننے لگے تھے تب بابا جان نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔
''وہ دراصل تمہارے ہوش میں آنے کے بعد میں چندا اور بچوں کو دیکھنے کے لیے جانا چاہتا تھا لیکن چندا کی ممی نے منع کردیا؟ اور طلاق کی بات کرنے لگیں۔''

''منع کر دیا...... لیکن کیوں؟'' انہیں حیرت ہوئی تھی۔ ''وہ بھلا کیسے منع کر سکتے ہیں، وہ میرے بچے ہیں اور کوئی بھی مجھے ان سے ملنے اور دیکھنے سے منع نہیں کر سکتا۔'' ان کا رنگ سرخ ہوا تھا۔

''وہ چاہے مجھ پر جو بھی الزام لگائے' بھلے طلاق لے لے تب بھی وہ مجھے بچوں سے جدا نہیں کر سکتی۔'' وہ جذباتی ہو گئے تھے۔

اس وقت ان کے تصور میں صرف بچے تھے جنہیں انہوں نے ابھی تک دیکھا نہیں تھا۔ جن کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور جن کے لیے انہوں نے چندا کے ساتھ مل کر کتنے خواب دیکھے تھے۔

رواحہ نے آہستہ، آہستہ دروازہ کھولا تو انہوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اور دروازہ کھول کر اندر جھانکتا رواحہ انہیں آنکھیں کھولتا دیکھ کر اندر آ گیا تھا۔

''آپ جاگ رہے ہیں بابا؟''

''ہوں...... کوشش کر رہا تھا سونے کی لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔'' اندر کا درد چھپا کر وہ مسکرائے۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟ چاچا کہہ رہے تھے آپ کھانا نہیں کھائیں گے۔''

''ہاں طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے بس یونہی بھوک نہیں تھی اور پھر کچھ نیند بھی آ رہی تھی لیکن بستر پر لیٹا تو محترمہ نیند صاحبہ رخصت ہو گئیں۔'' انہوں نے زبردستی آواز میں شگفتگی پیدا کی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ رواحہ ان کے لیے پریشان ہو...... اسی لیے انہوں نے خدا بخش کو بھی منع کر رکھا تھا کہ وہ ان کی طبیعت کی خرابی کا ذکر رواحہ سے نہ کیا کرے۔

''پکی بات؟'' اس نے کھوجتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''پکی بات یار......'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے...... رواحہ جب بھی ان کے لیے متفکر ہوتا انہیں اس پر ٹوٹ کر پیار آتا۔

''پتا نہیں کیا بات ہے بابا، آپ ان دنوں مجھے کچھ بدلے، بدلے سے لگتے ہیں۔''

''سارا قصور تمہاری نظر کا ہے جان...... بدلاؤ تو تمہارے اندر آیا ہے۔'' انہوں نے بے حد گہری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ جھینپ گیا۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہے تھے۔ اس کے اندر تو واقعی کچھ تبدیلی آ گئی تھی۔ اندر جیسے پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے...... خوشبوئیں تھیں، رنگ تھے اور ارتقاع کی محبت کی چاندنی ہر سو بکھری ہوئی تھی۔

ارتقاع جو ہمیشہ اسے دور آسمان پر چمکتے تارے کی طرح لگتی تھی، اس کی دسترس سے بہت دور اس کی محبت ایک حسرت کی طرح اس کے دل میں اتری تھی لیکن اب ایسا نہیں تھا بہت تھوڑے عرصے میں وہ دونوں بہت قریب آ گئے تھے۔ ابھی کل ہی تو اس نے کہا تھا کہ وہ اسے اپنے پاپا سے ملوانا چاہتی ہے۔ بابا نے اس سے کہا تھا کہ وہ رتی سے کھل کر بات کر لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت آگے جا کر اس کے لیے واپس پلٹنا مشکل ہو جائے لیکن اس کے بات کرنے سے پہلے ہی رتی نے خود ہی اسے اپنے پاپا سے ملوانے کی بات کر دی تھی۔ اسے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اسے اپنے پاپا سے کیوں ملوانا چاہتی ہے۔ وہ جانتا تھا بھلے زبان سے رتی نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن کیا زبان سے کچھ کہنا ضروری تھا۔

''پاپا ان دنوں لاہور گئے ہوئے ہیں جیسے ہی وہ واپس آئیں گے، میں تمہیں اُن سے ملواؤں گی۔''

''کیا اُن سے ملنا ضروری ہے؟'' اس نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

''تم اگر ضروری نہیں سمجھتے تو نہ سہی۔'' اس نے بظاہر سنجیدگی سے کہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں مچلتی شرارت اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔

''کس سوچ میں پڑ گئے ہو جانم کیا میں نے کچھ غلط کہا۔'' وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

''میں سوچ رہا تھا کہ آپ کتنی خوب صورتی سے بات بدلنے میں مہارت رکھتے ہیں۔'' اس نے چونک کر کہا تو وہ بے اختیار ہنس دیے۔

''بھلا کیا بات بدلی ہے میں نے؟''

''آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔'' لمحہ بھر کے لیے وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

''نہیں یار، تم سے بھلا کیا چھپاؤں گا۔'' وہ دل ہی دل میں مسکرایا وہ اپنی طرف سے ان کا دھیان ہٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''اپنی پریشانی...... اپنی بیماری سب کچھ ہی تو چھپاتے ہیں آپ مجھ سے۔''

''ارے نہیں میری جان ایسا کچھ نہیں ہے...... میری عمر میں ایسے دورے پڑتے رہتے ہیں۔ کبھی خاموشی کے کبھی اداسی کے...... خیر تم لوگوں نے کھانا کھا لیا؟'' انہوں نے بات بدلی۔

''نہیں، خدا بخش کھانا لگانے لگا تھا میں دیکھنے آیا تھا کہ آپ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں...... دراصل عظام جا رہا ہے۔''

''کہاں......؟'' بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔

''اپنے گھر۔''

''اس وقت...... خیریت تو ہے ناں......'' انہوں نے سامنے دیوار پر لگے کلاک پر نظر ڈالی۔ ساڑھے دس بج رہے تھے۔

''ہاں خیریت ہے...... اس کے پاپا واپس آ گئے ہیں...... ابھی کچھ دیر پہلے ممتاز خان کا فون آیا تھا اور وہ فوراً ہی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے بہ مشکل کھانے کے لیے روکا ہے۔ میں نے کہا بھی تھا کہ صبح چلا جائے لیکن وہ اپنے پاپا سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہو رہا ہے۔'' اس کے لبوں پر ایک بھید بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''نیچرل بات ہے بیٹا...... بہت دن بھی تو ہو گئے ہیں ناں اسے اپنے پاپا سے ملے۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''تم چلو میں فریش ہو کر آتا ہوں۔''

وہ سر ہلا کر مڑا تو اس کے لبوں پر وہی بھید بھری مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ عظام کی بے چینی کا راز دار تھا...... بہت سارے دنوں سے وہ عظام میں جو تبدیلی محسوس کر رہا تھا وہ اب راز نہیں رہی تھی۔ عظام نے اعتراف کیا تھا کہ وہ بھی رواحہ کی طرح محبت میں گرفتار ہو گیا ہے...... لیکن وہ خود ہی اس محبت کی نفی کر رہا تھا۔ اپنے جذبوں کو جھٹلا رہا تھا۔ لیکن بالآخر اسے اس محبت کے آگے سر جھکانا پڑا تھا۔ اس نے پارک میں ہونے والی پہلی ملاقات کا سارا احوال رواحہ سے کہہ دیا تھا۔ اور رواحہ حیران سا رہ گیا تھا۔

''مجھے یہ شک تو تھا کہ تم کسی ایسی ہی واردات سے گزر رہے ہو لیکن میں منتظر تھا کہ تم خود ہی کچھ بتاؤ...... لیکن یہ جو کچھ تم نے بتایا ہے یہ کچھ افسانوی سی بات نہیں ہو گئی...... ایک لڑکی جسے تم نے صرف تین بار دیکھا اور دل میں اس کے لیے ایک انوکھا جذبہ محسوس کیا...... جبکہ وہ لڑکی تمہارے اس جذبے سے بے خبر ہے لیکن ایک روز اچانک وہ خود تم سے عمر بھر کے ساتھ کی آرزو کرتی ہے۔''

وہ ہولے سے ہنسا تھا۔

''اللہ تم پر بہت مہربان ہے دوست...... جیسے تم نے خیالوں میں سوچا۔ اللہ نے اسے تمہارے سامنے لا کھڑا کیا۔ لو یہ تمہاری مطلوب ہے...... اسے اپنا لو...... تم پر تو اللہ کا شکر واجب ہوا ناں......''

''ہاں یار، میں خود بھی ابھی تک اس حیرت کدے سے نہیں نکل پایا ہوں۔'' اس نے رواحہ کی بات کی تائید کی تھی۔ ''ایسا لگتا ہے جیسے کوئی خواب سا دیکھا ہے۔''

رواحہ یونہی...... عظام کے متعلق سوچتا ہوا لاؤنج میں آیا تو عظام فون پر بات کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے پاپا، میں ویٹ کر رہا ہوں۔'' اس نے فون آف کر کے رواحہ کی طرف دیکھا۔

''پاپا کا فون تھا، وہ ممتاز خان کو بھیج رہے ہیں گارڈ کے ساتھ...... منع کر رہے تھے کہ اس وقت اکیلا نہ آؤں حالانکہ ابھی صرف ساڑھے دس ہی بجے ہیں...... اور جب پاپا یہاں نہیں تھے تو تب بھی تو میں اکیلا ہی ڈرائیو کرتا تھا۔''

''یہ پاپا لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اپنے بچوں کے لیے اتنے ہی وہمی اور کیئرنگ......'' رواحہ اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ''میرے بابا بھی بالکل ایسے ہی ہیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے عظمی اس پس منظر کے ساتھ تمہارے پاپا سجل کو قبول کرلیں گے۔''

جب سے عظام گھر جانے کے لیے تیار ہوا تھا رواحہ کو تشویش ہورہی تھی کہ کہیں عظام کے پاپا انکار نہیں کردیں۔ وہ جانتا تھا کہ عظام پاپا سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔

''میرے پاپا سطحی سوچ نہیں رکھتے رواحہ...... مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کریں گے۔''

''اور سجل کی والدہ...... ان کے متعلق کیا خیال ہے وہ مان جائیں گی جبکہ انہوں نے بقول سجل اس کے پیدا ہوتے ہی اس کے فیوچر کے لیے پلاننگ کرلی تھی۔''

''میں ان کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... اور پھر یہ تو بعد کی بات ہے، پہلے پاپا سے بات کرلوں۔''

عظام کے تصور میں شاہجہان بیگم آگئیں۔ وہ سجل کے ساتھ جب گھر میں داخل ہوا تھا تو وہ اسے دیکھ کر ازحد حیران ہوئی تھیں تاہم انہوں نے بہت خوش دلی سے اس کا حال احوال پوچھا تھا۔ سجل نے انہیں بتایا تھا کہ وہ گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا تو اس نے اسے گھر آنے کی دعوت دی۔

''اچھا کیا......'' شاہجہان نے سر ہلایا تھا لیکن اس کی کھوجتی نظریں بار، باران دونوں کے چہروں پر پڑی تھیں۔ سجل کا چہرہ سپاٹ تھا ہر طرح کے تاثرات سے عاری جبکہ وہ ان کی کھوجتی نظروں سے کچھ کنفیوز سا ہوگیا تھا۔

''آپ پھر نہیں آئیں۔'' اس نے گھبراہٹ چھپاتے ہوئے کہا تو شاہجہان بیگم مبہم سا مسکرائیں۔

''معاف کرنا بیٹا تمہارے گھر کوئی عورت نہیں اس لیے مناسب نہیں لگا دوبارہ آنا...... اس روز بھی غلط فہمی میں چلے گئے تھے۔''

''جی......!'' وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوا تھا۔ پتا نہیں سجل کیوں اسے ساتھ لے آئی تھی۔

''میں چلتا ہوں اب......''

''ارے اب آئے ہو تو دو گھڑی بیٹھ جاؤ...... اور پروفیسر صاحب کیسے ہیں؟''

''جی بابا ٹھیک ہیں۔'' اس نے سجل کی طرف دیکھا جس کے سپاٹ چہرے پر لمحے بھر کے لیے نرماہٹ سی نظر آئی تھی۔ شاید وہ چاہتی تھی کہ وہ بیٹھ جائے۔

وہ بیٹھ گیا تھا۔

''موراں...... موراں۔'' شاہجہان بیگم آواز دینے لگی تھیں۔

''مہمان آئے ہیں کوئی چائے پانی لاؤ۔''

''نہیں...... نہیں شکریہ...... میں بس چلوں گا۔'' اس نے پھر گھبرا کر سجل کی طرف دیکھا تھا جو سیڑھیوں کی

طرف دیکھ رہی تھی اور وہ شوخ اور چلبلی سی لڑکی دو، دو سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی تھی۔
''یہ سنہری ہے...... میری بڑی بہن...... '' سجل نے لمحے بھر کے لیے ہی اسے دیکھا تھا۔
وہ عمر میں سجل سے کافی بڑی لگ رہی تھی لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک شرارت بھری مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں شوخی تھی اور وہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''اوہ...... آپ کا نام......؟''
''عظام......''
''کیا کرتے ہیں؟''
وہ اس کے بالکل سامنے والے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی تھی اور جیسے اس کا انٹرویو لے رہی تھی۔
''پڑھتا ہوں۔''
''کتنے بہن، بھائی ہیں؟''
''اکلوتا ہوں......''
''پھر تو موجیں ہی موجیں ہیں۔'' اس نے چٹکی بجائی تھی۔
''اماں، ابا کی سب محبتیں اکیلے، اکیلے ہی بٹورتے ہیں۔''
''میری امی کا میرے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔''
''اوہ...... پھر ابا نے دوسری شادی کر لی ہو گی؟''
''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
سجل انہیں باتیں کرتا چھوڑ کر لاؤنج سے نکل گئی تھی۔
اور وہ لاؤنج میں سنہری اور شاہجہان بیگم کے ساتھ اکیلا رہ گیا تھا۔
''موراں...... موراں......'' شاہجہان بیگم نے پھر آواز دی تھی تب موراں آئی تھی جھنجلائی ہوئی سی۔
''اے شاہجہان بیگم چھری تلے دم تو لیا کرو۔ پھلکے ڈال رہی تھی۔''
یہ وہی خاتون تھی جسے اس نے پہلی بار بک شاپ پر سجل کے ساتھ دیکھا تھا۔
''میں نے چائے، پانی کے لیے کہا تھا۔''
''یہ کون سا وقت ہے چائے کا؟'' موراں بھی خاصی بدلحاظ تھی۔
''تو ٹھیک ہے کھانا لے آؤ۔'' سنہری نے شاہجہان بیگم کے بولنے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا اور پھر اس سے مخاطب ہوئی تھی۔
''موراں نے قیمہ، کریلے پکائے ہیں اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ موراں جیسے قیمہ، کریلے کوئی اور نہیں پکا سکتا۔'' اور پھر یہ سنہری ہی تھی جس نے بے حد اصرار سے اسے کھانے پر روکا تھا...... موراں نے کچھ دیر بعد وہاں ہی سینٹر ٹیبل پر کھانا لگا دیا تھا۔ قیمہ کریلے اور گرم، گرم پھلکے...... اسے واقعی مزیدار لگے تھے...... سنہری نے کھانے کے وقت سجل کو بھی آواز دے لی تھی...... سجل سر جھکائے چپ بیٹھی رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ شاہجہان بیگم جلدی ہی اٹھ گئی تھیں۔
''معاف کرنا بیٹے...... میرے سر میں درد ہے۔ میں کچھ آرام کروں گی۔'' شاہجہان بیگم چلی گئی تھیں لیکن سنہری مسلسل بولتی رہی تھی...... اس کی گفتگو کا محور سجل تھی۔
اس کی عادات، اس کی دلچسپیاں اس کے شوق......

''یہ بچپن سے...... ایسی ہی ہے گپ چپ...... خاموش فلسفی سی...... مہاتما بدھ جیسی کسی گیان میں گم......''
سجل نے دو تین بار اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا بھی تھا لیکن اس نے اگنور کر دیا تھا...... وہ کھانا کھا کر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا...... اور اس نے سنہری کا شکریہ ادا کیا تھا۔

''اس میں شکریے کی کیا بات ہے، کسی روز تم ہمیں کھانا کھلا دینا حساب برابر......'' وہ زور سے ہنسی تھی۔
ایک لمحے کے لیے تو وہ اس کی بے تکلفی پر ہکا بکا رہ گیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خوش دلی سے کہا تھا۔

''ضرور جب دل چاہے تشریف لے آیئے گا۔'' وہ خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا تو سنہری نے سجل کو کہنی ماری تھی۔

''جا اپنے مہمان کو گیٹ تک تو چھوڑ آ......''

''کیا سوچنے لگے ہو یار......'' وہ اپنی سوچ میں گم تھا تبھی رواحہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''اگر تمہارے پاپا نہ مانیں تو ہم منالیں گے بے فکر رہو۔''

''نہیں...... یہ بات نہیں ہے، میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔''

''کیا! سجل نے پھر بات کی تم سے؟''

''نہیں...... اس کے پاس اپنا سیل فون نہیں ہے۔''

''کمال ہے، آج کل کے دور میں تو فقیروں نے بھی سیل فون اٹھا رکھے ہیں۔''

''وہ کہہ رہی تھی کہ اسے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی لیکن موتیا اور سنہری کے پاس ہے۔ وہ خود ہی تین چار روز تک مجھے فون کرلے گی۔ میں نے سنہری کو اپنا نمبر دے دیا تھا۔ جب وہ گیٹ تک مجھے خدا حافظ کہنے آئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ وہ سنہری سے نمبر لے لے گی...... اور میں چاہتا ہوں اس کے فون کرنے سے پہلے میں پاپا سے بات کرلوں۔''

''کھانا لگا دیا ہے آجائیں۔'' خدا بخش نے ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑے، کھڑے آواز دی تو دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

''مجھے پہلے پتا ہوتا کہ عظام صاحب جا رہے ہیں تو میں کچھ اسپیشل بنالیتا۔'' خدا بخش نے ان کے بیٹھنے کے بعد کہا۔

''میرا آنا جانا تو لگا ہی رہے گا چاچا...... اور پھر آپ کا پکا تو سب اسپیشل ہی ہوتا ہے۔''

''پھر بھی کچھ تو بنالیتا...... یہ کچھ شامی کباب پڑے تھے فریزر میں فرائی کرلیے...... ماش کی دال اور چکن تو پہلے ہی بنا چکا تھا۔'' اس نے کباب کی ڈش عظام کی طرف بڑھائی۔

''بابا بھی آرہے ہیں۔'' رواحہ نے خدا بخش کو بتایا تب ہی وہ لاؤنج میں داخل ہوئے۔

''آجائیں بابا......'' رواحہ نے آواز دی۔ گو انہیں بالکل بھوک نہیں تھی لیکن وہ عظام کی خاطر آکر بیٹھ گئے تھے اور ایک کباب اپنی پلیٹ میں رکھ لیا۔

''کیسا گھر بھرا بھرا سا لگنے لگا تھا، عظام میاں کے آنے سے اور اب پھر بے رونقی ہو جائے گی۔'' خدا بخش افسردہ سا لگ رہا تھا۔

''یہ تو ہے...... عظام کے آنے سے بہت رونق ہوگئی تھی۔'' انہوں نے بھی خدا بخش کی تائید کی اور عظام کی طرف دیکھا۔

''صبح چلے جاتے تو بہتر تھا لیکن ظاہر ہے تمہارے پاپا بھی تم سے ملنے کو بے چین ہوں گے اور تم بھی۔ خدا بخش کو ساتھ لے جانا، یہ واپس ٹیکسی پر آ جائے گا۔'' رواحہ نے مسکرا کر عظام کی طرف دیکھا۔

''میرے بابا تمہارے پاپا سے کچھ کم وہمی نہیں ہیں۔'' عظام کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''پاپا گاڑی بھیج رہے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''یہ اچھا ہے، مجھے فکر ہو رہی تھی۔''

''حالانکہ گیارہ بارہ بجے کوئی ایسی رات بھی نہیں ہوتی۔'' رواحہ نے خیال ظاہر کیا۔

''لیکن احتیاط اچھی بات ہے جبکہ دشمنی کا بھی خطرہ ہو۔'' انہوں نے کہا تب ہی ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔

''لو بھئی آ گئے تمہارے ممتاز خان۔'' رواحہ نے عظام کی طرف دیکھا تو عظام ایک دم ہی کھڑا ہو گیا۔

''ارے بیٹا کھانا تو کھا لو۔'' انہوں نے اسے روکا۔

''کھانا تو بس کھا ہی چکا تھا...... اب چلوں گا پاپا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''اچھا بیٹا اللہ حافظ...... آتے رہنا...... یہ نہ ہو کہ اپنے پاپا کو پا کر بھول جاؤ ہمیں۔'' وہ ہولے سے ہنسے۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے بابا...... پاپا کے بعد آپ لوگ ہی تو ہیں میرے...... اور یہاں میرا بہت اچھا وقت گزرا...... آپ، خدا بخش چاچا، رواحہ...... آپ سب بھی میری زندگی کا حصہ ہیں۔'' عظام تھوڑا جذباتی ہوا تھا۔

''ہم تو یہ دعا بھی نہیں کر سکتے کہ اللہ آپ کو پھر جلدی یہاں لے کر آئے۔'' خدا بخش نے جو افسردہ سا کھڑا تھا اس نے بھی بولنا ضروری سمجھا۔

''کیوں، دعا نہیں کر سکتے چاچا ضرور کریں دعا۔'' رواحہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتا ہوا اٹھا۔

''تو میاں کیسے دعا کریں اور کیوں کریں کہ ہمارے عظمی میاں کے پاپا پھر باہر چلے جائیں۔ ہم تو دعا کریں گے کہ وہ ہمیشہ ہمارے عظام صاحب کے پاس رہیں بہت تمہارہ لیے۔''

''اوہ...... ہاں......'' رواحہ اب ان کی بات سمجھا تھا۔

تب ہی بیل پھر ہوئی۔

''اچھا بابا، اللہ حافظ......'' عظام نے کہا تو انہوں نے بے اختیار ہاتھ پھیلا دیے اور عظام بھی ان کے بازوؤں میں سمٹ آیا۔ اس کی پیشانی چومتے اور اسے دعا دیتے ہوئے۔ ان کے دل کی عجیب سی کیفیت ہوئی اور وہ اپنی اس کیفیت کو نہ سمجھ سکے۔

عظام کی آنکھوں میں بھی نمی سی نظر آئی تھی لیکن اس نے نمی چھپانے کے لیے جھک کر بیگ اٹھایا اور خدا بخش کو بھی خدا حافظ کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ رواحہ اس کے ساتھ تھا۔

''بے شک ہماری یونیورسٹی میں روز ہی ملاقات ہو گی لیکن میں تمہیں یہاں گھر میں بہت مس کروں گا۔'' عظام سے بات کرتے، کرتے اس نے گیٹ کھولا تھا اور پھر یک دم پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ سے عظام کو پیچھے دھکیلا۔ گیٹ کے باہر کھڑے دونوں افراد اس کے لیے اجنبی تھے...... لیکن وہ ان کے لیے ہرگز اجنبی نہیں تھا۔

ایک نے تیزی سے آگے بڑھ کر رواحہ کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا جبکہ دوسرے نے یک دم ہی دایاں ہاتھ آگے کیا تھا جس میں ریوالور چمک رہا تھا۔ رواحہ کے پورے وجود میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی اس نے اسے پہچان لیا تھا۔

☆☆☆

شاہجہان بیگم لاؤنج میں بائیں طرف دیوار کے ساتھ لگے صوفہ کم بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ اس کے سامنے نقشین پاندان کھلا ہوا تھا۔ ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے ظہورا کھڑا شاہجہان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ تم نے پھر پان کھانا شروع کر دیا، یاد نہیں ڈاکٹر نے اُدھر لاہور میں کیا کہا تھا تجھ سے کہ کینسر ہو جائے گا۔''

''خواہ مخواہ میں میرا دل مت جلاؤ ظہورے میں تو بس یونہی ذرا سی چھالیا پھانکنے لگی تھی۔''

''یہ چھالیا ہی تو فساد کی جڑ ہے۔''

''اچھا چل مجھے نصیحت نہ کر۔'' شاہجہان نے ہتھیلی پر رکھی کتری ہوئی چھالیا منہ میں ڈالی اور کھٹاک سے پاندان کا ڈھکن بند کیا اور ناگواری سے اسے دیکھا۔

''میرے سر پر کیوں کھڑا ہے بیٹھ کر بات کر۔''

''کیا بات کروں؟'' ظہورے کو بھی کبھی کبھی اسے چڑانے میں مزہ آتا تھا۔

''جس کام کے لیے تجھے بھیجا تھا اس کا بتا۔''

''وہ کام تو نہیں ہوا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں...... کیا سیر کرنے کے لیے بھیجا تھا تجھے لاہور......؟''

''دیر ہو گئی شاہجہان بیگم...... وہ لڑکیاں تو باہر بھیج بھی دی گئیں۔''

''ہائے کمبخت زبان کر کے مکر گیا۔''

''آج کل سب پیسے کے یار ہیں، زبان کی کسے پروا ہے شاہجہان بیگم۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' شاہجہان بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''لگتا ہے ظہورے اپنا بڑھاپا تو خوار ہی ہوگا۔ سوچا تھا ایک دو تو جوان لڑکیاں مل جاتیں تو......؟'' اس نے پھر ٹھنڈی سانس بھری۔

''کرن اور چنبیلی بھی اب بس......''

''خیر...... اس دوسرے کام کا کیا ہوا؟''

''وہ بھی سمجھو نہیں ہوا...... صرف اتنا ہی پتا چلا کہ اس کا نام وسیم ہے۔ سب اسے وسو...... وسو کہتے ہیں اور اس نے تقریباً ہر گھر میں ہی جا کر تمہارا پوچھا تھا۔ اور یہ کہ وہ رادھا کے چوبارے پر اکثر جاتا تھا۔''

''تو...... رادھا نے تجھے کچھ نہیں بتایا...... بھول گئی میرا احسان......؟''

''نہیں...... رادھا...... سے ملاقات ہی نہیں ہوئی، وہ تو محلہ چھوڑ کر کہیں اور چلی گئی۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ سبزہ زار میں کوٹھی لی ہے اس نے اور کوئی کہہ رہا تھا کہ ڈیفنس چلی گئی ہے۔''

''ہاں بھئی اس کے نصیب......'' شاہجہان نے پھر پاندان کا ڈھکن اٹھایا۔ چند دانے چھالیا کے اٹھا کر منہ میں ڈالے اور ڈھکن بند کر کے ظہورے کی طرف دیکھا جو بدستور اسی طرح دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''اور تجھے کیا میں نے سیر کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ مٹھی بھر روپے خرچ کر کے دوبار لاہور بھیجا اور اسی طرح منہ اٹھائے چلا آیا۔ اتنا بھی نہ معلوم کر سکا کہ وہ کمبخت جو مجھے ڈھونڈتا پھر رہا ہے آخر ہے کون...... کس کا بندہ ہے؟''

''کون ہے...... یہ تو معلوم نہیں البتہ کس کا بندہ ہے اس کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ خانو استاد یا حیاتی دادا کا بندہ ہوگا۔''

''ہوگا سے کیا مطلب؟'' یکبارگی شاہجہان بیگم کا دل زور سے دھڑکا۔

''مطلب کہ میرا اندازہ ہے، بھلا اور کسے تمہاری کھوج ہو سکتی ہے؟'' ظہورے کے ہونٹوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ ابھری۔

''کسی کو بھی ہو سکتی ہے۔ پر حیاتی دادا کو نہیں۔ اور نہ ہی خانو دادا کو۔''

''اور کاش حیاتی دادا ہی اسے ڈھونڈ رہا ہوتا۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

''تجھے بہت یاد آتا ہے وہ؟'' ظہورے کا چہرہ حسد کی آگ سے جیسے لمحے بھر کے لیے تپ سا گیا تھا۔

''کتنی بار کہا ہے فضول بک، بک نہ کیا کر۔ پر تیری زبان کے آگے بھی خندق ہے بس جو منہ میں آئے اگلتا چلا جاتا ہے۔''

''اور تو حیاتی دادا کے نام پر اتنا تپنے کیوں لگتی ہے؟'' ظہورے کا انداز چڑانے والا تھا۔

اب کے شاہجہان بیگم نے صرف اسے گھورا۔ اسے حیاتی دادا کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات یاد آگئی تھی۔ ان دنوں طیفا بدمعاش نے ان کی زندگی تنگ کر رکھی تھی۔ جب جی چاہتا دندناتا ہوا آجاتا اور جب تک بیٹھتا اس کے آدمی نیچے سیڑھیوں کے پاس کھڑے رہتے اور کسی اور کو چوبارے پر نہ چڑھنے دیتے تھے حالانکہ یہ وہ دن تھے جب چوبارے میں سر شام ہی رونق لگنا شروع ہو جاتی تھی۔ بڑے، بڑے لوگ اس کی لڑکیوں کا گانا اور رقص دیکھنے آتے تھے اور فجر کی اذانوں تک محفل گرم رہتی تھی لیکن جب سے طیفے نے اس کے چوبارے پر آنا چھوڑ دیا تھا۔ ایک طرح سے چوبارہ ویران ہی ہو گیا تھا اور پھر اسی پر بس نہیں تھا جس لڑکی کو چاہتا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا۔ ایک دفعہ شیدے لمبے نے اسے روکنے کی کوشش کی تو ہاتھ تڑوا بیٹھا تھا۔ ایسے میں اسے خانو دادا کا خیال آیا تھا۔ خانو کبھی کبھار ہی گانا سننے آتا تھا لیکن کئی بار وہ شاہجہان بیگم کے کام آیا تھا۔ ایک بار تو ایک ایس ایچ او ایسا اس کے

پیچھے پڑا تھا کہ ہر دوسرے تیسرے دن لے تھانے بلوا کر خوار کرتا تھا...... تب خانو دادا نے ہی اس کی جان چھڑوائی تھی۔ تب سے خانو دادا کی ایسی دھاک بیٹھی تھی کہ کوئی اس کے چوبارے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔
لالہ رخ بہت کم سن اور خوب صورت تھی اور ابھی تو وہ باقاعدہ محفل میں بیٹھی بھی نہیں تھی کہ طیفا اسے ساتھ لے جانے کی باتیں کر رہا تھا۔ شاہجہان ہر روز کوئی بہانہ کر دیتی لیکن جانتی تھی کہ یہ بہانے زیادہ دن نہیں چلیں گے...... خانو دادا بہت دنوں سے اِدھر نہیں آیا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ کہاں رہتا ہے اس نے کہہ رکھا تھا کہ کوئی مسئلہ ہو تو بے دھڑک اس کی طرف چلی جائے۔ سو وہ برقع پہن کر اکیلی ہی اس کے ٹھکانے پر پہنچ گئی تھی...... اور وہاں پہلی بار وہ حیاتی دادا سے ملی تھی...... اور پہلی نظر ہی نے جیسے دل پر ضرب لگائی تھی...... پُرسوز آنکھوں اور شاندار شخصیت والا حیاتی دادا کسی بھی طرح اس قبیل کا نہیں لگتا تھا۔
''تو کتنا بھی چھپائے، ظہورا تیرے دل کا حال جانتا ہے۔'' ظہورا دیوار کے پاس سے ہٹ کر اس کے سامنے سنگل صوفہ گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔
''تو ایک بار اعتراف کر لے تو دیکھ زمین کھود کر حیاتی دادا کو نکال لاؤں۔''
شاہجہان نے چونک کر اسے دیکھا۔
''چل...... پرے ہٹ کہاں برسوں پرانی باتیں نکال کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ بتا پھر بلا بخاری صاحب سے کیا کہا انہوں نے؟''
''اسٹیشن سے سیدھا اِدھر آ رہا ہوں اور کیا کہنا ہے بخاری صاحب نے جو کہنا تھا اسی روز کہہ دیا تھا۔ تمہاری سجو نہیں بن سکتی اداکارہ، یہ خیال چھوڑ دے۔ ارے دس ڈائیلاگ دیے انہوں نے بولنے کو...... خود بول کر دکھائے پر تیری سجو نے ایک ڈائیلاگ بھی صحیح سے بول کر نہ دیا...... نہ آنکھوں میں نمی، نہ ہونٹوں پر مسکراہٹ ارے رونے دھونے کی اداکاری تو ہر عورت کر لیتی ہے پر سجو سے تو وہ بھی نہیں ہوئی۔ پتھر ایسا سپاٹ چہرہ اور بے تاثر جملے...... تو نے تو اسے پڑھا لکھا کر وقت اور پیسہ ہی ضائع کیا...... مکالمے یوں بولتی تھی جیسے سبق سنا رہی ہو...... آواز میں نہ اتار نہ چڑھاؤ۔ خالی خولی شکل سے تو کام نہیں چلتا شاہجہان بیگم! اب بھلے بخاری صاحب کتنا بھی اس کی شکل صورت پر مر مٹے ہوں لیکن اپنی عزت و شہرت تو داؤ پر نہیں لگانے والے...... ہیروئن کے کردار سے تو چھٹی ہوئی کہہ رہے تھے۔ ہیروئن کی سہیلی وغیرہ کا کردار دیکھتے ہیں اس کے لیے یا کوئی اور چھوٹا موٹا کردار۔''
شاہجہان بیگم خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھیں۔ جب خاموش ہوا تو بولیں۔
''بس کر چکا اپنی بکواس تو اب میری بھی سن لے...... جا کر بخاری صاحب سے کہہ دے کہ ٹھیک ہے فی الحال کوئی سا بھی کردار دے دیں لیکن اپنا وعدہ یاد رکھیں اور اسے ایکٹنگ کرنا سکھا دیں۔ سیکھ لے گی تو پھر بڑے کردار بھی مل جائیں گے...... بہت ذہین ہے میری سجو......''
''سیکھتا بھی تو وہی ہے ناں شاہجہان بیگم جسے سیکھنے کی حب ہو۔ ارے جو سیکھنا ہی نہ چاہے وہ کیا خاک سیکھے گا۔'' ظہورے نے بار بار پیشانی پر بیٹھنے والی مکھی اڑائی ''میں تو کہتا ہوں سجو کو اداکارہ بنانے کا خیال چھوڑ دے اور سنہری کو ڈال اس کام میں...... پیدائشی اداکارہ ہے وہ تو...... کبھی غور سے اسے موتیا، موران یا سجو سے باتیں کرتا دیکھ کیسے غضب کے ایکسپریشن دے رہی ہوتی ہے...... اور یہ سجو...... اس نے تم سے بھی کچھ نہ سیکھا۔ شاید باپ پر چلی گئی ہے۔ کیا اس کا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ سچ بتا اتنا ہی صم بکم اور سپاٹ چہرے والا۔''
''تجھے کیوں اس کے باپ کے متعلق اتنا تجسس ہے۔'' شاہجہان نے ناگواری سے اسے دیکھا۔
''اور تجھے پتا نہیں کیوں...... اس کے باپ کے نام پر چپ لگ جاتی ہے۔ آخر کون تھا؟''

''ظہورے جا دفع ہو جا۔'' شاہجہان کا موڈ خراب ہوا تو ظہورے نے فوراً کان پکڑ لیے تو شاہجہان کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''چل ناٹک نہ کر......'' شاہجہان بیگم نے ہاتھ مار کر اس کے ہاتھ نیچے کیے۔

''قسم سے سچ کہتا ہوں شاہجہان بیگم تو سجو کو چھوڑ اور سنہری کے لیے بات کر بخاری صاحب سے......نہیں تو چلو لاہور واپس......موتیا کو تو تم نے وقف کر دیا صاحبزادہ صاحب کے لیے......اور صاحبزادہ صاحب کا دل بھر گیا تو ہم بھیک مانگیں گے سڑکوں پر، ابھی تو ان کے طفیل رہنے کو ٹھکانا بھی ملا ہوا ہے اور پیٹ بھرنے کو روٹی بھی مل جاتی ہے......لیکن کب تک۔''

''ہاں اسی لیے تو سجو کے لیے کوشش کر رہی ہوں ایک بار آ جائے شوبز میں تو بس وارے نیارے ہو جائیں۔''

''سجل کو تو تم نے شہزادی بنایا ہوا ہے نہ ناچنا گانا سکھایا اور اداکارہ وہ بن نہیں سکتی تو بس ایک ہی کام کر سکتی ہے وہ۔''

''زیادہ بک بک نہ کیا کر۔'' شاہجہان بیگم کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ ''بات کروں گی میں موتیا سے سنہری کے لیے بات کرلے صاحبزادہ صاحب سے۔''

''ہاں یہ تو نے اب عقل کی بات کی' ویسے شیدا کہہ رہا تھا کہ سجو کسی لونڈے کو گھر لے کر آئی تھی۔ کون تھا وہ؟'' ظہورا تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

''ارے کوئی نہیں......وہ انہی پروفیسر صاحب کا بیٹا تھا جن کے گھر اس روز گئے تھے۔ باہر سے گزر رہا تھا سجو نے مروتاً گھر آنے کی دعوت دی تو وہ چلا آیا۔''

''محتاط رہنا شاہجہان بیگم، کہیں کوئی اور چکر ہی نہیں چل پڑے پروفیسر کا لونڈا اسے لے اڑے اور تو خالی ہاتھ بیٹھی رہ جائے۔''

''بس کر ظہورے میرا دماغ پکا کر رکھ دیا ہے تو نے جا اب جان چھوڑ......اور آرام کر کے ذرا بخاری صاحب کی طرف بھی چکر لگا آنا۔''

ظہورا سر ہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا......تب ہی سنہری دو، دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آئی اور آخری سیڑھی پر کھڑے ہو کر اس نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے دونوں کی طرف دیکھا۔

''بھا......ظہورے کے ساتھ کیا میٹنگ چل رہی تھی اماں؟''

وہ کبھی کبھی ظہورے کو یونہی بھا......ظہورا کہہ کر بلاتی تھی جس پر وہ بہت چڑتا تھا۔

''کچھ نہیں......''

ظہورے نے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر شاہجہان کی طرف متوجہ ہوا۔

''میری بات پر غور کرنا ضرور......''

''کس بات پر غور کرنا ہے اماں، مجھے بھی بتا میں غور کرنے میں تیری مدد کروں گی۔'' سنہری آخری سیڑھی سے اتر کر شاہجہان کے پاس آ بیٹھی اور پاندان کھول کر میٹھی سونف نکال کر ہتھیلی پر رکھی اور ایک، ایک دانہ اٹھا کر منہ میں ڈالنے لگی۔

''کچھ نہیں سنہری ایسے ہی الٹے سیدھے مشورے دیتا رہتا ہے۔ بول رہا تھا سجو نہیں کر سکے گی اداکاری اس کے بجائے تیرے لیے بات کروں بخاری صاحب سے۔'' شاہجہان بیگم بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔

''سچ اماں......!'' اس نے باقی ماندہ سونف ایک ساتھ ہی منہ میں ڈالی اور شاہجہان بیگم کا گھٹنا دبانے لگی۔
''صحیح ہی تو کہتا ہے ظہورا...... بجو کو کہاں شوق ہے اداکاری کا اور میں...... مجھے تو جنون ہے اداکاری کا پر تو نے تو ہمیشہ سوتیلی بیٹی کا سا سلوک کیا مجھ سے بس ہر اچھی بات بجو کے لیے۔'' وہ فوراً ہی آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی۔
''دیکھا...... دیکھا...... اپنی بیٹی کو...... کتنی زبردست اداکارہ ہے۔'' ظہورے نے اس کی طرف اشارہ کیا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ شاہجہان نے ظہورے کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔
''ٹھیک ہے تو جا اب دو گھڑی کمر ٹکا لے سفر کر کے آیا ہے...... پھر تجھے بخاری صاحب کی طرف بھی جانا ہے۔'' ظہورا باہر نکل گیا تو سنہری سنجیدہ ہو گئی۔
''اماں اگر بجو اداکارہ نہیں بننا چاہتی تو تم کیوں خواہ مخواہ کی ضد کرتی ہو۔''
''تو کیا کروں؟ موتیا کب تک سب کا پیٹ بھرے گی۔ تجھے سوائے باتیں بنانے کے اور کچھ نہیں آتا۔''
''توبہ ہے اماں، اتنا سفید جھوٹ تو نہ بولو...... کس غضب کا رقص کرتی ہوں...... اور گانا تو ایسا گاتی ہوں کہ سماں بندھ جاتا تھا۔''
''لیکن تم سے اس موئے ملکو کا دل تو نہ لبھایا گیا۔''
''سچ پوچھو تو اس کا دل تیری بجو پر آ گیا تھا، میں کیا اس کا دل لبھاتی۔''
''دفعہ کر کمبخت بڈھا...... بارہ سال کی میری بجو کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اچھا کیا جو جوتے مار کر اتار دیا بالا خانے سے۔'' شاہجہان کا موڈ بحال ہو چکا تھا۔
''اماں ایک بات کہوں؟'' سنہری پھر شاہجہان کے گھٹنے دبانے لگی تھی۔
''بجو کو ناچ، گانا نہیں آتا اداکاری وہ نہیں کر سکتی۔ پڑھا لکھا کر تو نے ویسے ہی اسے کسی کام کا نہیں رہنے دیا تو ایسا کر اس کی شادی کر دے۔''
''شادی کر دوں؟'' شاہجہان نے قہقہہ لگایا۔
''کس سے کیا کوئی بٹھار کھا ہے تو نے؟''
''وہ...... وہ ہے ناں پروفیسر کا بیٹا...... اسی سے کر دے بجو کی شادی اس روز آیا تھا ناں بجو کے ساتھ...... کیسا بانکا سجیلا ہے بالکل اپنی بجو جیسا۔''
''کیا...... بجو نے تجھ سے کہا؟'' شاہجہان کا ماتھا ٹھنکا اس کے کانوں میں ظہورے کے الفاظ گونجے اور اس نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔
''توبہ ہے اماں، بجو بھلا کیوں کہے گی۔ وہ تو میں خود کہہ رہی ہوں۔ دونوں ساتھ کھڑے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے تھے۔''
''چل دفع کر موا ماسٹر کا بیٹا کھانے کو چار پیسے مشکل سے کماتا ہوگا...... میری بجو تو شہزادی ہے، کسی محل کی رانی بنے گی دیکھ لینا ایک بار اسکرین پر آ جائے پھر کیسے اونچے، اونچے لوگ اس کے پیچھے آتے ہیں۔''
''اور تیری یہ محلوں کی رانی تیرے دروازے پر ہی رُل جائے گی۔'' سنہری کا موڈ خراب ہوا تھا۔
''ہماری طرح نہ محفل میں بیٹھے گی نہ جسم بیچے گی پھر کیوں نہ اس کی شادی کر دو۔'' اس نے شاہجہان کے گھٹنے پر دباؤ ڈالا۔
''پتا ہے اماں، آج کل یہ استاد، پروفیسر بھوکے نہیں مرتے لاکھوں روپے تنخواہ ہوتی ہے ان کی اور پھر ٹیوشن پڑھا، پڑھا کر کروڑ پتی تو بن ہی جاتے ہیں۔''

''چل اٹھ موراں سے کہہ ایک پیالی چائے بنا دے اور مجھے یوں ہی فضول کے خواب نہ دکھا۔ چوبارے والیوں سے کوئی شادی نہیں کرتا بس صرف دل ہی بہلاتے ہیں۔''

''اور اگر کوئی شادی کے لیے تیار ہو جائے تو کیا تو کر دے گی سجو کی شادی؟''

''چل سنہری میرا دماغ نہ خراب کر...... پہلے ہی وہ کمبخت ظہورا میرا بھیجا کھا کر گیا ہے۔'' شاجہان نے پاندان اٹھا کر نیچے فرش پر رکھا اور سر کے نیچے کشن رکھتے ہوئے لیٹ گئی اور آنکھوں پر دوپٹا رکھ لیا۔

''ہوں......''

سنہری کندھے اچکا کر کھڑی ہو گئی۔

''لگتا ہے اماں چاہتی ہی نہیں ہیں کہ ہم میں سے کسی کا گھر بسے...... یہ کوئی روایتی ماں تو ہیں نہیں کہ انہیں بیٹیوں کا گھر بسانے کی فکر ہو...... کوٹھے والی مائیں کب سوچتی ہیں۔ بیٹیوں کی شادیوں کا...... وہ تو بس مردوں کو پھنسانے کے غم میں مبتلا رہتی ہیں، ہوں......'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے زمین پر پاؤں مارا اور دھم دھم کرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اوپر جا کر پہلے وہ اپنے کمرے میں گئی۔ موتیا بے سدھ سو رہی تھی...... رات دیر سے آئی تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے ائیر پورٹ سے ہی گھر بھجوا دیا تھا۔ اس نے جھک کر دیکھا کیسا پیلا زرد رنگ ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کتنی تھکی ہاری آئی تھی اسے ایک دم موتیا پر پیار آیا۔

''بیچاری موتیا، مجھے بخاری صاحب کسی ڈرامے میں کام دے دیں تو پھر موتیا کو کچھ نہ کرنے دوں۔ کل ہی ظہورے سے کہتی ہوں مجھے لے جائے آڈیشن کے لیے۔'' وہ آہستہ سے دروازہ بھیڑ کر باہر آئی اب وہ سجل کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

سجل اپنے بیڈ پر دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے سر گھٹنوں پر رکھے بیٹھی تھی۔ سنہری نے دروازہ کھولا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''کیا ہوا سجو؟'' سنہری تڑپ کر اندر آئی۔ ''تم رو رہی ہو۔''

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر یوں اس طرح بیٹھی کیا سوچ رہی ہو...''

''کچھ نہیں۔'' اس نے سر پھر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ وہ اب سنہری کو کیا بتاتی کہ پچھلے چند دنوں سے وہ ایک ہی بات سوچے جا رہی ہے کہ یہ اس نے کیا، کیا کیسے منہ پھاڑ کر عظام سے کہہ دیا کہ وہ اس سے شادی کر لے کیا معتبر ہونے کی خواہش اتنی زور آور تھی کہ اس نے اپنی عزتِ نفس کی بھی پروا نہیں کی...... پتا نہیں کیا سوچتا ہو گا وہ۔

''سجو!'' سنہری اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ''سن ابھی میں نے اماں سے کہا کہ وہ تیری شادی عظام سے کر دے پر مجھے لگتا ہے کہ اماں تیری شادی نہیں کرنے والی...... تو ایسا کر بھاگ جا اس کے ساتھ۔'' سنہری ایسی ہی تھی جو منہ میں آتا کہہ دیتی تھی۔ سجل نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر سنہری کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں سے اس سے اتنا کرب جھلکتا تھا کہ سنہری کے دل کو کچھ ہوا...... اس کا چہرہ اس وقت درد کی تصویر بنا ہوا تھا، اور وہ ظہورا کہتا ہے سجو کے چہرے پر کوئی ایکسپریشن نہیں ہوتے نہ خوشی کے نہ دکھ کے...... ہوں......'' اس نے سر جھٹک کر سجل کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''سچی سجو، وہ مجھے بہت اچھا لگا تھا میں نے سوچا کہ تیری اگر اس سے شادی ہو جائے تو کتنا اچھا ہو...... ظہورا کہتا ہے تو اداکاری نہیں کر سکتی...... ناچنا، گانا تجھے نہیں آتا تو پھر کیا کرے گی...... اچھا نہیں ہے کہ تو شادی کر لے۔ اماں کی پروا نہیں کر...... میں اور موتیا سنبھال لیں گے اور پھر اماں تجھ سے خفا ہو ہی نہیں سکتی۔ میں جانتی ہوں اماں

کو اچھی طرح سے۔ میں نے اس لڑکے کی آنکھوں میں تیرے لیے بڑا الوہی، بڑا پاکیزہ جذبہ دیکھا ہے۔ ہم کوٹھے والیاں مردوں کی ہر نظر پہچانتی ہیں بجو...... اس کی نظروں میں تیرے لیے احترام بھی تھا اور محبت بھی لیکن ہوس کہیں نہیں تھی۔ چلو اگر تم بھی اس سے محبت کرتی ہو تو اماں کی فکر نہیں کرو۔ بس اس سے بات کرو، میں نے اس سے فون نمبر لے کر تمہیں دیا تھا ناں...... تمہارے پاس ہے؟'' اس نے صرف سر ہلایا۔

پتا نہیں وہ اس سے محبت کرتی تھی یا نہیں پھر بھی اس نے اس سے بات کی تھی اسے خود سے شادی کے لیے کہا تھا۔

''بتاناں بجو کیا تیرا دل چاہتا ہے اس سے شادی کرنے کو؟'' اسے خاموش دیکھ کر سنہری نے پھر پوچھا۔

''میرا دل......؟''

اس نے زخمی نظروں سے سنہری کو دیکھا اور سنہری کانپ گئی۔

''میں نے کبھی شادی کے متعلق نہیں سوچا تھا سنہری۔'' اس نے نظریں جھکالی تھیں اور یوں ہی گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ہولے، ہولے کہہ رہی تھی۔

''بلکہ میں نے کبھی کسی چیز کے متعلق نہیں سوچا تھا، میرا خیال تھا میری زندگی یوں ہی گزر جائے گی تم ہے، موتیا سے اور اماں سے لاڈ اٹھواتے ہوئے۔ میں جانتی تھی، ہماری شادیاں نہیں ہوتیں اور گھر نہیں بستے...... پھر اماں نے کہا کہ انہوں نے میرے لیے کیا سوچ رکھا ہے۔ میں نے سوچا تھا اماں نے مجھ پر اتنا احسان کیا ہے تو میں بھی اماں کی بات مان لوں گی لیکن اس روز جب بخاری صاحب اور صاحبزادہ صاحب آئے تھے اور......'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''اس روز مجھے لگا میں چوراہے پر ننگے سر کھڑی ہوں اور سب مجھ پر ہنس رہے ہیں، میری طرف انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب کی تمسخر اڑاتی آواز ابھی میرے کانوں میں گونجتی ہے۔ اس روز میں نے سوچا تھا کہ مجھے میرے باپ کا نام معلوم نہیں جو مجھے معتبر کرے لیکن اگر میرے نام کے ساتھ میرے شوہر کا نام لگ جائے تو میں آپوں آپ معتبر ہو جاؤں گی، مجھے باپ کا نام جاننے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ تب اس روز میں نے شادی کا سوچا، میں شادی کرلوں تو......''

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

''شاید میں نے غلط سوچا مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے تھا۔''

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ وہ سنہری کو یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس نے عظام سے کیا کہا تھا اور یہ کہ اس نے عظام کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اپنے متعلق، سنہری اور موتیا کے متعلق پھر بھی وہ گھر تک آ گیا پھر بھی اس نے کہا وہ اس سے شادی کرے گا۔

سنہری نے ایک دم اس کے گرد بازو حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''نہ رو میری جان...... میری پیاری...... مجھے بے شک اپنے باپ کا نام نہیں معلوم لیکن مجھے تمہارے باپ کا نام معلوم ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گی۔'' اس کے گرد بازو حمائل کیے، کیے سنہری نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو یک دم روتے، روتے نجل نے سر اٹھا کر سنہری کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی، شوق تھا اور تجسس...... اس کے آنسو جیسے آپوں آپ خشک ہو گئے تھے...... سنہری نے اسے یوں حیرت سے اپنی طرف دیکھتا پا کر اثبات میں سر ہلایا اور مسکرانے لگی۔

(جاری ہے)

بھوک

عالیہ توصیف



''آپ کو پتا ہے ناں ماما مجھے چکن بروسٹ نہیں پسند، میں یہ نہیں کھاتی۔ آپ نے پھر میری پلیٹ میں .... یہی ڈال دیا۔'' انعم نے منہ بناتے ہوئے اپنی ماما مسز جمال سے کہا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے ماما پھر میں زبردستی کیوں کھاؤں... ہونہہ مجھے نہیں کھانا یہ سب۔'' اور ساتھ بیٹھے مسز انوار کے بیٹے نے بھی ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے اپنی ماما سے کہا اور پلیٹ پیچھے دھکیل دی جس میں انواع و اقسام کے لذیذ کھانے تھے۔

''کتنے المیے کی بات ہے ٹیبل پر اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی ہمارے بچوں کے نخرے .... کھانے کو اتنا کچھ ہے اور انہیں بھوک نہیں۔ ہے ناں عجیب بات۔'' مسز انوار نے کچھ شرمندہ ہوتے ہوئے ٹیبل پر بیٹھی معزز خواتین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے بھئی اب میری بیٹی للی ہی کو دیکھ لو جس دن چکن روسٹ بنے کہتی ہے میں نے مٹن کڑاہی کھانی ہے، اور جس دن کڑاہی بن جائے اس دن کہتی ہے میں نے تو شوارما کھانا تھا۔ ہونہہ.... اور کھاتی کچھ

بھی نہیں، سب ضائع ہی جاتا ہے۔ جب پوچھو بنوایا تھا تو کھایا کیوں نہیں تو کہتی مجھے بھوک نہیں تھی۔''

''ویری اسٹرینج۔'' ان کے ساتھ ہی ٹیبل پر بیٹھی مسز ریحان نے ایک ادا سے لقمہ دیا۔

''ویسے آپ کی بیٹی کو چکن بروسٹ پسند نہیں لیکن آپ تو کھا سکتی ہیں، آپ ہی کھالیں۔'' مسز انوار نے مسز جمال کو ہاتھ باندھے بیٹھے دیکھ کر اپنا ساڑی کا پلو ایک ادا سے گھماتے کہا۔

''بھئی میں نے اس کے لیے پلیٹ میں ڈال تو دیا تھا مگر اب یہ بیکار ہی جائے گا کیونکہ میں آج کل بھوک کنٹرول رکھنے والے شیک پی رہی ہوں تو میری بھوک متوازن ہے، کافی وزن بڑھ رہا تھا، اس لیے میں تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔ ابھی ملازم آتا ہے تو کہتی ہوں اسے باہر بلی کو دے دے۔'' مسز جمال نے جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

''بیٹا آپ نے کھانا کھایا؟ یہ لو اِدھر بیٹھو اور یہ بریانی کھاؤ بہت مزے کی ہے۔'' مسز ریحان نے اپنی بیٹی کو اپنی طرف آتا دیکھ کر کہا۔

''نہیں ماما آپ کو بتایا ہے ناں میں ڈائٹنگ کر رہی ہوں۔ مجھے بھوک نہیں ہے، آپ کے پاس آجاؤ تو بس آپ تو...... میں اپنا موبائل لینے آئی تھی یہاں۔'' ان کی بیٹی اپنا موبائل اٹھا کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ پُررونق لان کی گہما گہمی میں گم ہوگئی۔

''اُف...... یہ بدتمیز لوگ.... پتا نہیں کہاں سے منہ اٹھا کر چل پڑتے ہیں۔ جہاں کوئی تقریب ہوتی دیکھی وہاں بھوکوں کی طرح کھڑے ہو کر ماحول کو بدصورت بنانے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ ایڈیٹ کہیں کے۔'' مسز ریحان نے اپنی بیٹی کے جملوں کی خفت مٹانے کے لیے مسز جمال کی دو ہزار گز پر بنی کوٹھی کے بیرونی دروازے سے جھانکتے دو بچوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کی تقلید میں باقی خواتین نے بھی مڑ کر دیکھا۔ ان کے چہروں سے بدمزہ ہونے کا تاثر صاف ظاہر ہوا۔

''ہاں بھئی آپ سب لوگ انجوائے کر رہے ہیں، سب ٹھیک ہے ناں؟'' مسٹر جمال نے میزبانی کے فرائض انجام دیتے ہوئے ان خواتین کے ٹیبل کے پاس آکر اپنی مسز کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بھئی تقریب تو خوب عالیشان ہے، باقی تو سب ٹھیک ہے بس ایک کمی لگ رہی ہے۔'' مسز انوار نے بیرونی دروازے کی سمت دیکھا، ساتھ ہی مسز جمال اور جمال صاحب نے بھی...... وہاں وہ بچے کسی عجوبہ مخلوق کی طرح آنکھوں میں حسرت لیے ہنوز موجود تھے۔ پتا نہیں یہ مسز انوار کا طنز تھا، حقارت یا جو بھی تھا۔ مسٹر جمال نے برابر والی ٹیبل سے برتن سمیٹتے ملازم کو بلایا اور چوکیدار کو ایک گالی دیتے ہوئے سختی سے ملازم کو چوکیدار کی کلاس لینے کو کہا۔

''یہ بھی باہر پھنکوا دیں۔'' مسز جمال نے اپنے شوہر کی طرف بروسٹ کی پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ملازم سر جھکا کر پلیٹ اٹھا کر چل پڑا۔

''اوئے بچہ لوگ کیا کر رہے ہو یہاں، چلو بھاگو یہاں سے، اب اِدھر نظر نہیں آنا مالک بہت غصہ کرے گا چلو بھاگو یہاں سے۔'' اس کے ساتھ ہی بچے بنگلے سے چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ملازم نے بنگلے کے سامنے بنے کچرے کے ڈرم میں بروسٹ پھینکا مگر اس کا نشانہ چوک گیا اور مرغی کا بڑا سا پیس زمین پر گر گیا۔ جس پر وہ دونوں بچے کسی چیل کوے کی طرح جھپٹے تھے۔ وہ دونوں مرغی کے اس ٹکڑے کو پکڑے جھگڑ رہے تھے۔

''اسے میں نے پہلے اٹھایا اسے میں کھاؤں گا۔''

''نہیں، میں زیادہ بھوکا ہوں، اسے میں کھاؤں گا یہ میں نے پہلے اٹھایا تھا'' اور اسی کھینچا تانی میں وہ ٹکڑا ان کے ہاتھ سے دور جا گرا پھر پتا نہیں کہاں سے ایک کتا کس سمت سے نکل کر اس پر جھپٹا تھا۔ کتا بڑی مہارت سے پنجوں میں جکڑے اپنے نوکیلے دانتوں سے اسے کترتا ہوا اپنی بھوک مٹا رہا تھا۔ تقریب کی چمک اور آب وتاب اپنے عروج پر تھی۔

سترہ برسوں کے خواب کی تعبیر روزِ روشن کی طرح سامنے آگئی تھی۔ کس قدر صاف شفاف، اجلی، نکھری...... اپنا گھر...... (بھلے کرائے کا ہی کیوں نہ ہو!) اپنی مرضی، اپنے پروگرام...... اِک حسرت تھی جو آج اللہ نے پوری کر دی...... خواہش جب تکمیل کا چولا پہن لے تو کیا کیفیت ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے؟ آج کوئی نازیہ بیگم سے پوچھے۔ نئے شہر، نئے گھر میں قدم رکھتے ہوئے اس کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ آنکھیں بھیگنے



بلکہ چھلکنے کو بے تاب......

''اللہ تیرا کتنا کرم ہے مجھ گناہ گار پر......'' اس نے آنسو ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتے ہوئے سوچا۔

سترہ برس......ایک، دو نہیں سترہ برس......جس میں دو سو چار مہینے اور چھ ہزار دو سو پانچ دن شامل تھے۔ ہر دن میں چوبیس گھنٹے اور ہر گھنٹے میں ساٹھ سیکنڈ...... ہر سیکنڈ اِک مسلسل عذاب......دیورانیوں، جیٹھانیوں، ساس، نندوں کے مسائل سے لے کر جسمانی مشقت کے مسائل تک پہنچتے، پہنچتے اس نے زندگی کے ہر مسئلے کا ذائقہ انہی دنوں میں چکھا۔

دن کا آرام، رات کا سکون، سب ختم......شخصی آزادی کسے کہتے ہیں، کون جانے......ان سترہ سالوں میں اس کے لقمے تک گنے گئے...... آزادی سلب کرلی گئی جیسے رنگ برنگے پروں والی تتلی کے کوئی پر کاٹ ڈالے۔

نازیہ نے جھرجھری لیتے ہوئے سوچا۔

یادیں تھیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آئے چلی جارہی تھیں۔

''گھر تھا کہ بوچڑ خانہ......'' کھٹاک سے ایک سوچ اور آئی چار مرلے کا گھر......لیکن مرغی کا ڈربا بھی شاید زیادہ کھلا ہو......ایک ماہ سے لے کر بچاسی سالہ دادی ساس تک ہر عمر کے لوگ یہاں رہتے تھے......

پانچ نندیں، تین دیور، دو جیٹھ، ساس، سسر اور دادی ساس، پوپلے منہ سے بھی ہر کام پر تبصرہ کرنا نہ بھولتیں......نازیہ کی بیٹی اکثر زچ ہو کر کہتی۔'' بڑی دادی فیس بک پر اکاؤنٹ کھلوالیں۔ایمان سے آپ کا ہر کمنٹ اعلیٰ پائے کا ہوگا۔''

ایک نند کا میاں کسی عرب ملک میں تھا، وہ دو بچوں کے ساتھ وہاں ہی ہوتی...... ملنے کے لیے آتی اور......اور ایسی آتی کہ کئی، کئی ماہ جانا بھول جاتی......

باقی دیورانیوں، جیٹھانیوں کے بیس پچیس بچے تو ضرور تھے......گھر کے جس کونے کھدرے میں منہ کرلو اوپر دیکھ لو دائیں، بائیں جھانک لو......کوئی نہ کوئی بچہ ضرور موجود ہوگا......کسی نہ کسی جگہ سے بلند آواز میں رام کتھا بھی سنائی جارہی ہوگی۔

وہ اکثر حیران ہوتی کہ کیا باقی افراد کو اس پُرہجوم میلے سے کوفت نہیں ہوتی......؟ اور خود ہی جواب دے لیتی کہ یہ بہویں بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، ان کے لیے یہ ماحول کا ہے کو اجنبی ہوگا...... فرق اور اجنبیت تو ساری کی ساری اسی کے حصے میں آئی تھی کہ وہ بالکل ہی غیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ ماسٹر محمد شریف کی اکلوتی بیٹی بلکہ یوں کہیے اکلوتی اولاد......

ماسٹر صاحب اسکول کے بعد ٹیوشن سینٹرز کا رخ کرتے اور ماں بیمار، اپاہج، مُردوں میں نہ زندوں میں......دس مرلے کا گھر ایسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ وہ روتی اللہ جی اتنا بڑا گھر دیا ہے تو کوئی بہن بھی دے دیتا۔ گھر کے کسی کونے سے تو چہکار سنائی دیتی...... ساری زندگی باپ کے گھر دوسراہٹ کے لیے ترستی رہی......

یہاں چھوٹا گھر اور اوپر تلے کے چالیس افراد......گھر کی ہر اینٹ پتھر پر کوئی ٹیپی یا چڈی پڑی نظر آتی......وہ شروع میں تو شور سے تنگ آکر دروازہ بند کرلیتی مگر دروازہ بند کر کے اپنے بیڈ پر قدم بھی نہ دھرتی تھی کہ دروازہ دھڑ، دھڑ پیٹنے کی آواز سنائی دیتی۔

''بابی جان، دروازہ کھولیے ہماری گڑیا یہاں دھری ہے۔''

''اے بہو...... شریفوں کی بہو بیٹیاں دن دہاڑے دروازہ بند کر کے نہیں بیٹھتیں......'' دوسری آواز آتی۔

''ارے بھابی کیا ہوا؟ خیر تو ہے طبیعت تو خراب نہیں؟'' تیسری آواز آتی۔ گھر کے چھوٹے بڑے ہر فرد کے سامنے وضاحت کر کر کے سر تو کیا پورے دماغ کا بھی خانہ خراب ہوجاتا...... یوں نازیہ بیگم نے دروازہ بند کرنا چھوڑ دیا۔

آہ......زندگی تھی یا آزمائشوں کا کوہِ گراں......نازیہ مشرق کی بات کرتی جواب مغرب کا ملتا......دال ماش پکانے کی ترکیب پوچھتی جواب میں چنے کی دال کا حلوا بنائے جانے کا لیکچر سننے کو ملتا۔ اگر کاتبِ تقدیر نے نہ لکھا ہوتا تو نازیہ اس محلے سے ساری

عمر گزرنا تو کجا اس کا نام سننا بھی پسند نہ کرتی..... اگر گزرنا بھی پڑتا تو ناک پر ململ کا دوپٹا رکھ کر گزرتی۔

سارے شہر کے نائی، قسائی اسی محلے میں تو آباد تھے اور جو گھر ان نائیوں قسائیوں سے بچے تھے تو سارے شہر کے تیلی بیلی یہیں رہتے تھے۔

راہ چلتی لڑکیوں پر آوازے کسے جاتے، سیٹیاں بجائی جاتیں، وہ ہو ہو کار مچتی کہ توبہ ہی بھلی......

یہ سب تو نوجوان نسل کی جانب سے ہوتا، جن کی عمریں زیادہ ہو چکی تھیں یا یوں کہیے جن کے بچے برسرِ روزگار تھے ان مردوں کا کام طیفے کے کھوکھے پر بیٹھ کر گلی محلے سے شروع ہو کر بین الاقوامی حالات و واقعات پر تبصرے کرنا تھا...... تاش کھیلتے جاتے...... حلق سے قل قل کرتے قہقہے برآمد ہوتے، ہاتھ پر ہاتھ مار کر گالیاں دی جاتیں، پان کی پیک پندرہ گز کے فاصلے پر پچکاری مار کر تھوکی جاتی۔

اگر نازیہ اسی محلے کے کسی لوہار، ترکھان کی بیٹی ہوتی تو یہ سب اسے ہرگز گراں نہ گزرتا...... وہ بھی اماں فضلاں کے چوبارے پر محلے کی درجن بھر لڑکیوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی، یہ سب کچھ دیکھتی رہتی۔

پر وہ تو اسی شہر کے نواحی قصبے کے واحد بھائی اسکول کے ماسٹر محمد شریف کی اکلوتی بیٹی تھی۔

سات سال کی عمر میں قرآن پاک اور سترہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کرنے والی۔

اس شہر کے ہر لڑکے کو ماسٹر محمد شریف کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ بجلی کا بٹن دبانے سے بلب کی روشنی کی طرح ماسٹر جی کے پیار اور علم کی روشنی چار سو پھیل جاتی۔ اس شہر کا تحصیل دار سول اسپتال کا ایم ایس، تحصیل ناظم، سول جج سمیت سب اسی ماسٹر محمد شریف کے شاگرد رہ چکے تھے جن کی اکلوتی اولاد نازیہ تھی۔ کچھ ماسٹر جی کو علم دینے کی علم بانٹنے کی لگن تھی کچھ طور اطوار، عادات اخلاق بہت اچھے تھے لہٰذا جو تحصیل علم سے فارغ ہوتا، کوئی ڈگری حاصل کرتا یا کسی منصب پر فائز ہوتا، پہلا مٹھائی کا ڈبا ماسٹر جی کو ہی دیا جاتا......

محمد شریف نام کے ہی نہیں واقعی محمد شریف تھے۔ وضعدار، ملنسار، بامروت، ہنس مکھ، ایثار و مروت کا پیکر...... مطالعہ وسیع، دل اس سے بھی کشادہ......

انہی ماسٹر محمد شریف کی بیٹی کا نام نازیہ تھا۔ ماسٹر محمد شریف جن کی محبت ہر نوجوان کے دل میں تھی...... کے دل کی رانی، مہارانی نازیہ بیگم تھی۔

تعلیم اسے دس کلاسوں تک ماسٹر جی نے ہی دلوائی مگر تربیت کسی ادارے یا کلاس کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ تو شہر بھر کے مربی تھے بھلا نازیہ کی تربیت بھلا دیتے۔

اکلوتی بیٹی کی ایسی تربیت کی کہ مائیں مثال دیا کرتیں۔ تعلیم تو چار سے چھ گھنٹے ملتی، تربیت کے لیے ہر لحہ وقف تھا سو وہ صالح فطرت بچی گھر کے ہر کام میں ماہر تھی...... کھانا بنانے رینڈھنے سے کپڑوں کی کٹائی، سلائی تک اسے منہ زبانی آتی تھی۔

یہ ماسٹر محمد شریف کی دی ہوئی تعلیم اور تربیت تھی کہ وہ اپنے جنگلی، اجڈ سسرال میں نہ چاہتے ہوئے بھی سترہ سال کہ جس کا نصف آٹھ سال چھ ماہ ہوتے ہیں گزار چکی تھی۔

ہاں ایک بات سوچنے اور پوچھنے کی ہے کہ بھلا اتنے وضعدار اور مرنجاں مرنج انسان نے اپنی اکلوتی بیٹی ایسے لوگوں کے سپرد کیوں کی...... کیا بیٹی میں کوئی عیب تھا یا سر سے بوجھ اتارنا چاہتے تھے؟ نہیں، اس کا میاں محمد یونس ماسٹر جی کا شاگرد تھا بہت ہونہار و تابعدار شاگرد، ہیر پھیر سے کوسوں دور، سچا، راست گو...... نہ ہر وقت بک بک کرتا، نہ گونگے کا گڑ کھا کے بیٹھتا...... ناپ تول کے بولتا اور جو بولتا وہ خوب بولتا...... سگریٹ، پان، حقے کے نشے سے کوسوں دور...... ماسٹر جی کے اکثر کام وہی کرتا...... ماسٹر جی کا ایکسیڈنٹ ہوا تو وہ اپنی بائیک ایک طرف رکھ کے گاڑی پر اسپتال لے گیا...... عید، بقرعید پر ماسٹر جی کو اپنی دکان سے سوٹ مع رومال تحفے میں دینا نہ بھولتا...... اگر اسے ماسٹر جی سے محبت تھی تو ماسٹر جی کے دل میں بھی اس کی محبت کا سمندر

موجیں مارتا تھا..... یہ تو اللہ ہی جانے اس کا نام دامادی کے لیے ماسٹر جی کے ذہن میں کس نے ڈالا لیکن کئی دن ماسٹر جی اس کے نام کی مالا جپتے رہے..... ماسٹر جی کی طرف سے کس نے بر دیکھنے جانا تھا ہاں اُدھر سے ہر طرح کی عورت آئی..... چھوٹی، بڑی، گوری، کالی، ایک یونس کی ماں تھی تو دوسری بہن..... تیسری بھابی تھی تو چوتھی چچی..... جاتے، جاتے کسی نے سو اور کسی نے پچاس کا نوٹ بھی اس کے ہاتھ پر دھر کر شگن پورے ہونے کا اعلان کر دیا..... نازیہ کی ماں نے بسترِ مرگ پر بھی کئی سوال کیے۔

''ماسٹر جی عورتیں بہت چالاک تھیں۔ بہت باتونی تھیں۔''

سو سوالوں کا ایک جواب..... ''اگر لڑکا اچھا ہے تو ماں، باپ، بہن بھائیوں میں بھی اچھائی کی رمق ضرور موجود ہوگی۔ ویسے بھی میاں کا اچھا ہونا ضروری ہے۔'' انہوں نے بے نیازی سے کہا۔ ''اگر ہر رشتہ ہر طرح سے اچھا ہونے لگے تو زمین، جنت نہ بن جائے۔'' وہ سمجھاتے۔

''اور بھلے لوگ اگر ساس، نندیں، دیورانیاں، جیٹھانیاں اچھی ہوں، میاں اچھا نہ ہو تو زندگی اچھی گزر سکتی ہے؟''

سو نازیہ اور اس کی معذور ماں خاموش ہوگئیں۔ چپ ہی بھلی، چپ ہی میں عافیت ہے۔

اِک خاموشی ہزار شکوؤں کا
کتنا حسین جواب ہوتی ہے

اسی چپ کے عالم میں رشتہ باقاعدہ طے پا گیا..... قبول ہوا..... قبول ہوا..... کی صدائیں آئیں اور نازیہ، یونس کی گھر والی بلکہ کمرے والی بن کر رخصت ہوگئی..... ماسٹر جی نے جاتے، جاتے آخری نصیحت کی۔

''نازیہ پتر، نازیہ محمد شریف ہی رہنا، مرد کو بڑی چاہ ہوتی ہے اپنا نام ساتھ لگوانے کی..... لیکن نہ آقائے نامدارؐ کی محترم ازواج نے انؐ کا نام ساتھ لگایا نہ انؐ کی پاک بیٹی نے اپنے شوہر کا.....'' نازیہ سر جھکائے سنتی رہی۔

جب نازیہ نے پہلے، پہلے پھولوں سے سجی گاڑی میں قدم رکھا تو ماسٹر جی کا کانپتا ہاتھ اندر آیا اس کے سر پر دیر تک رکھ کے رندھی آواز میں بولتے رہے..... گاڑی کے ڈرائیور نے اکتا کر ہارن بجایا تو پیچھے ہٹتے ہوئے منہ یونس کی ماں کی طرف کر کے کہا۔

''بہن جی، آپ کو میری بیٹی سے کبھی شکایت نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ یہ جانتی ہے بے ادب بے نصیب اور باادب بانصیب ہوتا ہے۔''

گاڑی چل پڑی..... نازیہ کی زندگی کا سفر بھی شروع ہوا..... نازیہ کی عمر بالی عمریا ہی سہی..... سینے میں دل میٹھے جذبوں سے لبریز سہی لیکن باپ کی طرح تھی سمجھدار اور حقیقت پسند..... خیر جتنی بھی وہ حقیقت پسند ہوتی ازدواجی زندگی کی شروعات اتنی تھکا دینے والی اور زمین اتنی سنگلاخ ہوتی ہے یہ اس بیچاری کو اب پتا چلا..... شادی کے دو ہفتوں بعد ساس نے کھیر میں ہاتھ ڈلوایا..... وہ دیگ بھر کی کھیر میں چمچ چلاتے، چلاتے تھک گئی۔ پھر کیا تھا، ناشتے میں پراٹھے تلتے، تلتے دوپہر ہو جاتی، دوپہر کی چپاتیاں، پھلکے بناتے، بناتے شام سر پر آ جاتی..... اس بیچاری کو کیا علم کھانے میں اس کے میاں کے کبھی مہمان آتے تو دو چار ہی ہوتے۔

''اُف.....'' وہ سر تھام لیتی۔ بولتی، شکوہ کرتی۔

''ارے یہاں ساتھ ہی تو نانی بستے ہیں، ناشتے میں چائے کی دیگ اور دوپہر کا سالن بنوالیا کریں۔''

بس میاں بھی تو اسی کا میاں تھا..... ہنس کے مسکرا دیتا یا مسکرا کے ہنس دیتا۔ سمجھو بات ختم..... شروع، شروع میں وہ سونے کے لیے لیٹتی تو آدھے درجن مردوں کے خراٹے برآمدے یا دوسرے کمرے سے سنائی دیتے۔

وہ باپ کے پاس آ کر بے بسی سے شکوہ کرتی۔

''ابا جہاں کے مکین سوچتے بھی بہ آواز بلند ہوں وہ خراٹے کیسے لیتے ہوں گے آپ خود ہی اندازہ لگالیں۔''

ابا بھی اسی کے ابا تھے، ماسٹر محمد شریف ہنس کے

مسکرا دیتے یا مسکرا کر ہنس دیتے۔

قصہ مختصر نازیہ کے گزشتہ سترہ سالوں کی ازدواجی زندگی کا خلاصہ سننا چاہو تو ''توبہ استغفار'' سے شروع ہو کر ''توبہ استغفار'' پر ہی ختم ہو جاتا۔

اب خدائے رب رحیم نے بندوں پر کرم کرنے والے نے کتنا کرم کیا کہ مکھن میں سے بال کی طرح اسے اس ماحول سے اس گھر سے، اس محلے سے اس شہر سے نکال باہر کیا..... اس گھرانے کی تو سات پشتوں نے بھی نہ سوچا ہوگا کہ کبھی مرد چلتا کاروبار چھوڑ کر عیش کی شاہی زندگی چھوڑ کر نوکری کر سکتے ہیں..... غلامی اور وہ بھی سرکار کی؟ اخ تھو.....

کپڑوں کی دکان چھوڑ کر سسر کی طرح اس نے اسکول میں ٹیچر بننے کے لیے اخبار میں اسامی دیکھی ڈھونڈ ڈھانڈ کے کاغذات نکالے۔ اللہ کا نام لے کر پوسٹ کر دیے..... اگلے مرحلے میں انٹرویو کے لیے بلاوا آیا..... اور آخری مرحلے میں ستر اسی کلو میٹر کے فاصلے پر ملازمت بھی مل گئی۔ اسکول میں ملازموں کے لیے ایک دو کوارٹر بھی موجود تھے لیکن روپے پیسے کی کمی نہ تھی اس نے بغیر بتائے کرائے کے مکان کا بندوبست کیا، سب کام نبٹا کر کے گھر والوں کو اطلاع دے کر نازیہ سے کہا۔

''چلو نازیہ بیگم سامان پیک کرو، میں نے لوڈر والے کو شام کا وقت دیا ہے۔''

کوئی چیخا نہ چلایا گھر والوں پر تو سکتہ طاری ہو گیا..... رہی نازیہ..... اس پر تو ویسے ہی شادیِ مرگ کی کیفیت طاری تھی..... جلدی، جلدی بیٹوں اور بیٹی کو چھت سے بلایا، تایا کے کمرے میں پڑا کمپیوٹر ہی جکڑے رکھتا تھا..... بچے ماں کی بلند آواز سے گھبرا کر نیچے آئے..... منظر ہی کچھ اور تھا..... سب کو سانپ سونگھا ہوا تھا..... ماں کے چہرے پر خوشیاں ہی خوشیاں..... اگر ماسٹر محمد شریف کی بیٹی نہ ہوتی تو شاید کہیں دھمال ڈال رہی ہوتی..... نئے گھر میں پہلا قدم رکھتے ہی نازیہ نے دل کی گہرائیوں سے کہا ''الحمد اللہ.....''

آج اس کارواں، رواں شکر گزار تھا..... نہ سفر کی تکان، نہ سامان اتارنے رکھنے کا مسئلہ دونوں کام منٹوں میں نبٹ گئے..... میاں سودا سلف لینے بازار گیا ہوا تھا اور وہ ہلکی پھلکی ہو کر..... تتلی کے پر بن کر کمروں میں چکراتی پھر رہی تھی۔

رات گئے میاں کسی ریسٹورنٹ سے کھانا پیک کروا لایا..... چائے پہلے ہی دم پر رکھی تھی..... گھر کے پانچوں افراد چٹائی پر ہی بیٹھے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر نازیہ کو پھر رونے کا دورہ پڑ گیا.....

یہ منظر، سہانا منظر آنکھوں نے کتنا سوچا تھا..... اپنی مرضی، اپنا اختیار..... جو چاہو کرو..... کیا میری زندگی میں ایسے ہو سکتا ہے؟ کتنی دفعہ نازیہ یہ سوچتی تھی اور سوچ کر چپ کی چپ رہ جاتی تھی۔

آج اوپر والے نے گھر بھی دیا..... اور مرضی کا مالک بھی بنا دیا۔ وقت ضائع کیے بغیر اس نے بچوں کو شہر کے اچھے اسکول میں داخل کروا دیا۔ مارکیٹ جا کر ضروری سودا سلف مہمانداری کے لیے درکار لوازمات اور بچوں کے لیے سیکنڈ ہینڈ لیپ ٹاپ خرید لائی۔

دن گزرنے کا پتا بھی نہیں چلتا..... بچے اسکول سے آ کر لیپ ٹاپ کھولتے، ہوم ورک کرتے، تھوڑی دیر پارک میں اچھل کود کر کے آتے تو آنکھیں نیند سے سرخ ہو رہی ہوتیں..... بستر میں گھستے اور سو جاتے، کسی کے خراٹوں کی آواز نہ شور شرابا.....

گھر بدلا، ماحول بدلا تو حالات بھی بدل گئے..... وہاں چالیس چور کے کنبے میں (بقول نازیہ) میاں بھی لیے دیے سے رہتا۔ بات کرنے کو زبان ترس جاتی اب وہی میاں تھا اور باتوں کا طور مار کہ لپٹنے میں ہی نہ آتا..... مسکراہٹ تو جیسے گم لگا کر ہونٹوں سے چپک گئی..... کبھی آتے ہوئے پھولوں کے گجرے لاتا تو کبھی آئس کریم کا پیک ساتھ ہوتا..... اکثر فرمائشیں بھی ہونٹوں پر دھری رہتیں۔

''نازی، یہ سی گرین تم پر کتنا اچھا لگتا ہے۔''

''یہ شرٹ تھوڑی سی لمبی کروا لو..... میں اچھی

سی لیس لا دوں گا۔''

اب سترہ سال خواب تھے اور یہ تعبیر......وہ نازیہ جو سسرال میں ہر وقت بیزار، جھلائی نظر آتی یہاں آتے ہی طور اطوار بدل گئے......نازیہ نے یونس کا نام تو ساتھ نہ لگایا ہاں مسز یونس بن کر وہاں کی سوشل گیدرنگ میں داخل ہوگئی...... اچھے کھاتے پیتے خوشحال لوگوں کا محلہ تھا......خواتین کے پاس دس، دس کام والی ماسیاں تھیں اس لیے تقریبات کا بہانہ ملتا ہی رہتا کبھی میلاد کروالیا تو کبھی حج، عمرے پر جانے والوں کو مدعو کر لیا کبھی کسی کی منگنی کا فنکشن ہے تو کبھی کسی نے بچے کی کامیابی پر پارٹی منعقد کر ڈالی......گویا جشنِ بہاراں سارا سال جاری رہتا......اس کے سسرالی محلے میں رات کے بارہ ایک بجے تک ہنگامے جاری رہتے اس کے برعکس یہاں کے لوگ سرِ شام اپنی کوٹھیوں میں بند ہو جاتے......رات گئے تک گاڑیوں کی آمد و رفت جاری رہتی......یہ تو ہر ذی روح کا بنیادی حق ہے آنے جانے کا کوئی وقت طے نہیں ہوتا......سو نازیہ ہر طرح سے مطمئن تھی۔

سب سے پہلے اس نے اپنی ڈریسنگ کی طرف توجہ دی، سلائی کڑھائی کا ہنر ہاتھ میں تھا۔ معمولی سے کپڑوں کو اس انداز سے تیار کیا کہ مسز چٹھہ کے ہاں بیٹے کی شادی میں گئی تو ہر ایک نے اس کے لباس کی تعریف کی۔

''واہ بھابی...... زبردست بھابی...... کیا بوتیک آئیڈیا ہے...... آپ تو کسی ڈیزائنر کو بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔'' جیسے دلکش فقروں نے کئی دن تک کانوں میں رس گھولے رکھا......

اس کے بعد اس نے کھانے بنانے اور نت نئی ترکیبوں سے ڈشز بنائیں......بچوں کے فرسٹ ٹرم پر اچھے نمبروں کی خوشی میں ویسے ہی پارٹی بنتی تھی سو اس نے ہر چیز خود سے بنائی...... شاندار، لاجواب بنائی...... ہر کوئی کھانا لے رہا تھا اور تعریفی کلمات انڈیل رہا تھا......''مان لیا آپ ہر فن مولا ہیں۔''

اس کے بعد اپنی تعلیم کم لگی تو پڑھائی جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا......ذرا سی فرصت ملتی تو گھر میں ہی کتابیں کھول کر نوٹس بنانا شروع کر دیتی۔

محلے کی چند خواتین کے کہنے پر بی سی بھی ڈال لی، آئی فون لے لیا...... گھر کے لیے نیا قالین خریدا...... یوں چار چھ ماہ پہلے کی نازیہ اور اس نازیہ کو کوئی دیکھتا تو پہلی کیا دوسری نظر میں بھی پہچان نہیں پاتا۔

اس کی سسرال میں ڈائجسٹ، رسالے پڑھنے والی خواتین معتوب رہتی تھیں یہاں آ کر اس نے ہاکر کو از خود ہی فہرست دے دی۔

''بھائی یہ رسالے بھی اخبار کے ساتھ ڈال جایا کرو......'' رسالے پڑھنے کا شوق جو ازدواجی زندگی کے سترہ سالوں میں سینے میں دبائے رکھا تھا آتشِ شوق بن کر بھڑک اٹھا......رسالے پڑھتی، تبصرہ بھجواتی جب چھپ جاتا تو ہمارے محلے میں پتا چل جاتا......

کیا زندگی اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے؟ وہ سوچتی، سات مہینوں میں اس نے من چاہی زندگی کا ہر ذائقہ چکھ لیا......

''یہ تمہارے صبر کا پھل ہے......اس لیے کہ تم اور طرح کے ماحول سے آئی تھیں۔''

یہ تو نازیہ کی قسمت تھی کہ جلد ہی ایف اے کا امتحان دے کر پاس بھی کر لیا...... رہا بچوں کا ذکر......ان کا تو حال بھی مت پوچھو......ماں گھر سے نکل کر پارٹیوں کی رونق بنی تو بچے کیوں پیچھے رہتے...... سب سے پہلے سولہ سالہ ارسلان یونس اپنے دوستوں کو گھر لے آیا۔

''مما جی میرے فرینڈز آئے ہیں۔'' اس نے ماں کے کان میں سرگوشی کی۔

نازیہ نے پہلے فریش جوس ڈائننگ روم میں بھجوایا پھر برگر، چپس، نوڈلز...... بھجوائے...... بچے شکل صورت سے اچھے گھرانوں کے تھے لیکن وہ کن انکھیوں سے دیکھتی رہی جس طرح اپنی پلیٹیں لبالب بھر کر کھا رہے تھے خرمستیاں کر رہے تھے......وہ اتنا ہی خوش ہو رہی

تھی.....اور اشیا بکھوار ہی تھی۔ ماضی کا وہ مکروہ چہرہ اب بھی نظروں میں تھا..... جب کبھی مدت بعد کوئی بھولا بھٹکا مہمان آ بھی جاتا..... اسے بیٹھک میں بٹھایا جاتا پھر اس کے بعد مہمان کی وہ درگت بنتی کہ الامان الامان..... پچاسی سالہ دادی ساس سے لے کر دو سالہ پٹھ تک..... ''کون آیا ہے'' کے سوال کے ساتھ مہمان کے روبرو حاضر ہوتے..... سر سے پیر تک مہمان کا بغور جائزہ لیا جاتا، خواتین کھڑکی اور دروازے کی درزوں سے جھانکیاں مار، مار کر مہمان کا ایکسرے لیتیں..... میزبانی کے نام پر پتلی پتنگ کالی پیلی چائے شیدے کے کھوکھے سے سات سالہ پرانے نمکو، پاپڑ اور بسکٹوں کے ساتھ پیش کی جاتی..... اگر آنے والا مہمان خاص ہوتا کسی رشتے کے سلسلے میں حاضر ہوتا تو فانٹ بھا جیرے کے ہوٹل سے سیون اپ آتی اور شرن کی آواز کے ساتھ اس کا ڈھکن کھولا جاتا..... مہمان بوتل منہ کو لگاتا تو پچپن آنکھیں (دادی ساس کی ایک آنکھ کانی تھی) اس بوتل کو ساتھ، ساتھ اوپر نیچے ہوتا دیکھتیں۔

آج ارسلان کے دوست کھا پی رہے تھے، موج میلا کر رہے تھے اندر تک اطمینان کی لہر اس کے اندر دوڑی..... چند ہی دنوں بعد حمنہ اس کی اکلوتی بیٹی حمنہ عرف مانو بھی گھس پھس کرتی اس کے کان میں گھسی۔

''مماجی، بھیا نے اپنے دوست گھر میں بلائے تھے..... میں بھی اپنی سہیلیوں کو بلا لوں؟''

اگر یہ جملہ حمنہ پرانے گھر میں ماں سے کہتی جب وہ صرف ای تھی تو شاید اس کا خون بھی پی جاتی مگر اب تو وہ مماجی تھی..... اس کی فیورٹ مماجی نے سر ہلا کر فوراً او کے کر دیا..... ''بھئی میں ٹیکسٹ کر رہی ہوں تم جس، جس کو انوائٹ کرو گی، مجھے بتا دینا۔''

''افوہ آپ تو کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی ہیں کبھی کوکنگ، کبھی بک ریڈنگ اب ٹیکسٹ کرنے لگ گئی ہیں، مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' حمنہ جھلا کر بولی۔

پتا نہیں سیل فون کی اسکرین پر کیا لکھا آیا تھا کہ مما

جی مسکرائیں...... پھر کھلکھلا کر ہنسیں۔

حمنہ نے انہیں دیکھا...... اس کی پندرہ سالہ زندگی میں مما جی اس گھر میں صرف چار پانچ دفعہ مسکرائی تھیں پر یہاں ہر وقت گنگناتی رہتی تھیں، مسکراتی رہتی ہیں......

''مما جی...... میری بات سنیں......'' پھر سے آواز دی۔

''اُفوہ کیا بات ہے؟'' واٹس اپ پر زید علی کا کلپ دیکھتے ہوئے مما جی نے کہا۔

''مما جی آج میری دوست کی برتھ ڈے ہے، میں کیا گفٹ لے کر جاؤں؟''

''کون سی دوست کی برتھ ڈے ہے؟'' مما جی نے پوچھا۔

''رشنا کی...... ہاؤسنگ کالونی میں رہتی ہے۔ مما جی وہ میری دوست بہت اچھی ہے اس کے بابا جرمنی میں رہتے ہیں بہت رچ لوگ ہیں۔'' حمنہ کی آنکھوں میں چمک سی تھی۔

''کیسے جاؤ گی؟ ارسلان کو لے جاؤ......'' نازو نے نظریں پھر آنے والے نئے میسج کی طرف گاڑتے ہوئے کہا۔

''او کے مما جی......'' حمنہ خوشی سے باہر بھاگی۔

''فائیو ہنڈرڈ لے لوں آپ کے بیگ سے گفٹ کے لیے؟'' اس نے سوال کیا۔

''لے لو، جلدی آنا تمہارے بابا ناراض ہوں گے۔'' نازیہ نے سرسری سے لہجے میں کہا۔

''اچھا...... اچھا مما جی......'' منٹوں میں وہ تیار ہو کر چلی گئی۔ نازیہ۔ نازیہ کا کمپیوٹر اس کا ایف بی پر اکاؤنٹ جسے وہ ہر گھنٹے کے بعد اپ ڈیٹ کرنا نہ بھولتی۔

ارسلان...... ارسلان کے دوست، کرکٹ کے میچز...... حمنہ۔ حمنہ کی سہیلیاں، پارٹیاں، تحفے تحائف...... چھوٹا ذکوان، بہت چھوٹا تھا، چھ سات سال کا...... اسکول سے آکر کھلونوں یا کارٹون نیٹ ورک پر بھی خوش رہتا۔

نازیہ کی نند کسی کام سے اس کے ہاں آئی...... مارے حیرت کے وہ گنگ ہوگئی......

''ارے بھابی یہ آپ ہیں؟'' میک اپ کیا تازہ، تازہ فیشل کیا چہرہ، کیا دمک تھی اس کے چہرے پر کہ وہ لمحے بھر کے لیے نہ دیکھ سکی...... اس کا لب و لہجہ بلبل دینا کی سی داستان مہارانیوں کی سی شان بان......

''واہ...... بھابی بڑا رنگ روپ نکالا یہاں آکر......'' دل ہی دل میں اس نے بھابی کو سراہا۔ اور مکمل سراپا جانچا۔

ستر ہزار چھپی صلاحیتیں جو سسرالی گھر میں سینے کے قبرستان میں دفن تھیں یہاں پوری آب و تاب کے ساتھ جیب دکھلا رہی تھیں۔

کوئی اس کی مسکراہٹ کو مہتاب چندا کی سی اسمائل قرار دیتا تو کسی کا مشورہ کوئی کوکنگ چینل جوائن کرنے کا ہوتا......

ایک، ایک کر کے پورے تین سو چالیس دن اس نے اس گھر میں گزار دیے، ہر دن شوخ، ہر لمحہ دھنک کی طرح رنگ بکھیرتا آتا اور لہجوں میں کھنک دے کر چلا جاتا۔

ارسلان کا قد باپ سے اور حمنہ کا ماں سے بھی ڈیڑھ دو انچ اوپر چلا گیا تھا...... وہ حمنہ جسے بچپن میں...... سوکھا کریلا اور بھنڈی کہا جاتا تھا اب قندھاری انار بن گئی...... اوڑھنے پہننے کا سلیقہ آیا تو دل جیتنے کا فن بھی آگیا...... آئے دن ماں کے گلے میں بانہیں ڈالتی چٹ پٹ بلائیں لیتی۔

''مما جی آج میری فرینڈز آرہی ہیں، اچھی سی چائے ہونی چاہیے...... نگٹس، پزا اور آپ کے ہاتھ کے بنے کیک کے ساتھ......''

مما جی نے اس وقت بیوٹیشن سے ٹائم لیا ہوا تھا...... اس لیے سنی ان سنی کرکے آگے بڑھیں۔

''مما جی......'' حمنہ نے شاؤٹ کیا...... نازیہ حیرانی سے۔ وہیں کھڑی ہوئی...... گنگ، قدم زمین پر چپک گئے، آواز گلے میں گھٹ گئی۔

یہ حمنہ تھی...... وہی حمنہ، جس پر ایک نظر ڈال کر دوسری نظر ڈالنا کوئی گوارا نہیں کرتا...... خوشبوؤں میں بسی، آئی لائنز اور مسکارا کے ساتھ آنکھوں کی خوب صورتی کے تمام لوازمات کے ساتھ...... وہ حمنہ جو من، من کر کے بات یوں کرتی کہ پاس کھڑے بندے کو سنائی نہ دے اب ماں کے ساتھ کس لہجے میں بات کر رہی تھی؟ کئی منٹ لگے نازیہ کو اپنے اوپر قابو پانے میں۔ پھر وہ قدرے سخت لہجے میں بولی۔

''کیا بات ہے؟ کیوں اتنا چلا رہی ہو؟''

''میں نے آپ کو بتایا تو ہے میری فرینڈ زرشنا اور آسیہ آرہی ہیں آج ہمارے ہاں......''

''پھر میں کیا کروں؟'' نازیہ کھردرے لہجے میں بولی۔

''مما جی میری فرینڈ رشنا بہت امیر ہے، اس کی الگ سے گاڑی اور ڈرائیور ہے، اس کے بابا جرمنی میں بہت بڑا بزنس کرتے ہیں اور وہ پہلی دفعہ میرے ہاں آرہی ہے اور آپ گھر سے باہر جارہی ہیں؟'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

نازیہ ایک دم ڈھیلی پڑ گئی۔

''ٹھیک ہے جو تم کہو گی میں بنا دوں گی بس میں بیس پچیس منٹ میں واپس آجاؤں گی...... اس عرصے میں اگر وہ آبھی گئیں تو تم جوس یا کولڈ ڈرنک سرو کر دینا...... اچھا اللہ حافظ......'' نازیہ تیزی سے گیٹ سے باہر نکلی۔

آدھے گھنٹے کے بعد جب وہ گھر لوٹی تو سڑک پر ایک گاڑی موجود تھی...... گیٹ سے داخل ہوتے ہی تیز آوازوں کے شور نے بتا دیا کہ حمنہ کی فرینڈز آچکی ہیں۔

نازیہ نے چائے کی ٹرالی اندر دھکیلی، حمنہ کی خوش شکل دوست حمنہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹی تھی، دونوں تینوں سیدھی ہو کر مؤدب انداز میں بیٹھ گئیں۔

''السلام علیکم آنٹی......!'' سب نے بیک وقت کہا۔

نازیہ کو ایک نظر میں اندازہ ہو گیا کہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

بظاہر سب کچھ درست ہوتے ہوئے بھی درست نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے اندر کوئی الارم سا بجا۔

''آپ لوگ چائے لیں، کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا حمنہ......'' انہوں نے بیٹی سے کہا۔ نازیہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا غلط ہے۔

''اوکے مما جی......'' حمنہ نے جواب دیا۔

عادت کے برعکس نازیہ ڈرائنگ روم کے باہر کھڑی ہو گئی...... اندر سے آواز آئی۔

''یار تیری ماں کس قدر قیامت ہے...... پتا نہیں کتنے مرد دل قابو کرتے ہوں گے۔ جب یہ باہر نکلتی ہوں گی......'' کھی، کھی، کھی ہنسنے کی آواز تھی کہ صورِ اسرافیل......

☆☆☆

کمپیوٹر کا کی بورڈ خراب ہو گیا تھا یا کر دیا گیا تھا۔ مانیٹر ڈسٹ بن میں پھینک دیا گیا تھا۔ ایل سی ڈی او نے پونے کسی کو دے دیا۔

تمام اخبار، رسالے ہاکر سے کہہ کر بند کروا دیے گئے۔ حمنہ کو فی الحال اسکول جانے سے روک دیا گیا تھا۔ کال بیل آف کر دی گئی تھی۔ گھر کے تمام سیل فون کی سمیں نکال دی گئی تھیں۔ خوشیوں بھرے کھنکتے لہجے ماتم زدہ آواز میں بدل گئے، ہنستے ہچکیوں میں اور الحمدللہ ... پھر سے توبہ استغفار میں......

پچھلے تین دن اور تین رات سے وہ اپنے بیڈ روم میں قید تھی۔ سر جھاڑ منہ پہاڑ...... اسے تو منہ دھونے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ سوالات کی سوئی بس ایک ہی سوال پر اٹک جاتی۔

''اتنی بڑی غلطی......؟ اتنی بڑی کوتاہی......؟''

گھر کا ہر فرد پوچھ، پوچھ کر تھک گیا۔

''آخر ہوا کیا ہے؟ بتاتی کیوں نہیں ہو؟'' بچے بیزار ہو گئے۔

''مما جی آپ ہمیں کہیں جانے بھی نہیں دیتیں۔ نہ ہمارے فرینڈز کو آنے دیتی ہیں۔''

''بکواس بند کرو اپنی......'' بھوکی شیرنی کی

طرح نازیہ غرائی..... بس ایک حسنہ تھی، ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کی عملی..... تصویر..... اسے پتا تھا کہ گڑ بڑ ہوئی ہے تو کہیں اس کی وجہ سے ہوئی ہے..... کیا غلطی کیا گڑ بڑ.....؟ یہ اسے نہیں علم تھا بس وہ پلک جھپکائے بغیر ماں کو دیکھے جارہی تھی..... دیکھے جارہی تھی۔

☆☆☆

جونہی سترہ دنوں کی ڈیوٹی کے بعد محمد یونس، نازیہ کا میاں گھر آیا اور گھر کا حال چوپٹ دیکھا تو اس نے پوچھا..... پہلے تو نازیہ خوب روئی پھر آہستہ، آہستہ ایک، ایک کرکے پوری بات سنائی۔

ساری گفتگو سن کر یونس نے لمبی سانس خارج کی..... ''شکر کرو اللہ نے بچایا..... شکرانہ دو اپنے رب کو.....'' حسنہ دروازے کی اوٹ سے دیکھ رہی تھی..... یہ تو اسے بھی پتا تھا کہ اسے رب نے بچالیا ہے مگر کس سے بچایا کیسے بچایا..... مما جی کو کیسے پتا چلا..... اسے سارے قصے کی الف ب سمجھ میں نہیں آرہی تھی.....

اس نے یونہی سرسری ساذکر کیا تھا کہ مما مجھے رشنا کی طرف جانا ہے..... مما جی نے کیسے تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا..... چٹاخ کی آواز اور انگلیوں کے نشان اب بھی چہرے پر ثبت تھے۔

''خبردار جو اس کا نام لیا، میں ٹانگیں توڑ دوں گی اگر آئندہ اس کے ہاں گئی یا اس کو اپنے گھر بلایا.....''

''مما آپ کو کیا ہوا ہے؟ کیا مجھ سے غلطی ہوئی ہے؟'' وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔

''میں نے کہا ہے آئندہ تم اس اسکول بھی نہیں جاؤ گی..... بلکہ ہم لوگ یہ اسکول، یہ محلہ یہ شہر ہی چھوڑ کر جارہے ہیں؟'' اس نے دھماکا کیا۔

''ک..... کیا.....؟'' تینوں بچے چلائے۔

''کہاں جارہے ہیں؟'' ارسلان منمنایا۔

''پرانے گھر..... دادا ابو والے.....'' نازیہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

''مما جی..... کیا کہہ رہی ہیں آپ.....؟'' ارسلان حیرانی سے بولا۔

''ہاں بیٹے..... یہی بہتر ہے اور اب مزید سوال مت کرنا.....'' نازیہ بیٹے کو بتا کر اپنے بیڈ روم میں واپس آگئی۔

''تم نے فیصلے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا؟'' یونس نے بیوی سے سوال کیا۔

''نہیں، میں نے جو کیا درست کیا ہے اور سوچ سمجھ کر کیا ہے۔'' وہ بدستور اپنے فیصلہ پر قائم تھی اور قائم کیوں نہ ہوتی اگر اس دن اس کا چھوٹا بیٹا باتوں، باتوں میں معصومیت سے ذکر نہ کرتا اسے کیسے پتا چلتا؟ حسنہ کی فرینڈز کو چائے دے کر وہ لاؤنج میں آئی تو اس کا چھوٹا بیٹا بولا۔

''مما جی آپ نے رشنا باجی کو دیکھا ہے کتنی کیوٹ ہیں وہ.....'' نازیہ ہنس پڑی..... بچے کو بڑے، بڑے لفظ بولنے کا شوق تھا۔

''اور ان کے گفٹ آپ نے دیکھے ہیں؟'' بیٹے نے کہا۔

''کون سے گفٹ.....؟'' سرسری انداز میں نازیہ نے سیل فون پر میسج پڑھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ جو اُن کی فرینڈز انہیں دیتی ہیں اتنے مہنگے..... جب میں حسنہ آپی کے ساتھ ان کے گھر گیا تھا تو ان کے بیڈ روم میں بہت مہنگا والا لیپ ٹاپ تھا، وہ بتارہی تھیں کہ ان کے فرینڈ نے دیا ہے اور وہ جو انہوں نے گولڈ کی رنگ پہنی ہے وہ دوسری فرینڈ نے دی تھی..... اس دن انہوں نے اسی خوشی میں حسنہ آپی کو ٹریٹ بھی دی تھی.....'' نازیہ چونکی ہوئی..... اندر ممتا کے تقاضے تھے..... ایک دم چھوٹے نے بڑی معصومیت سے کہا۔

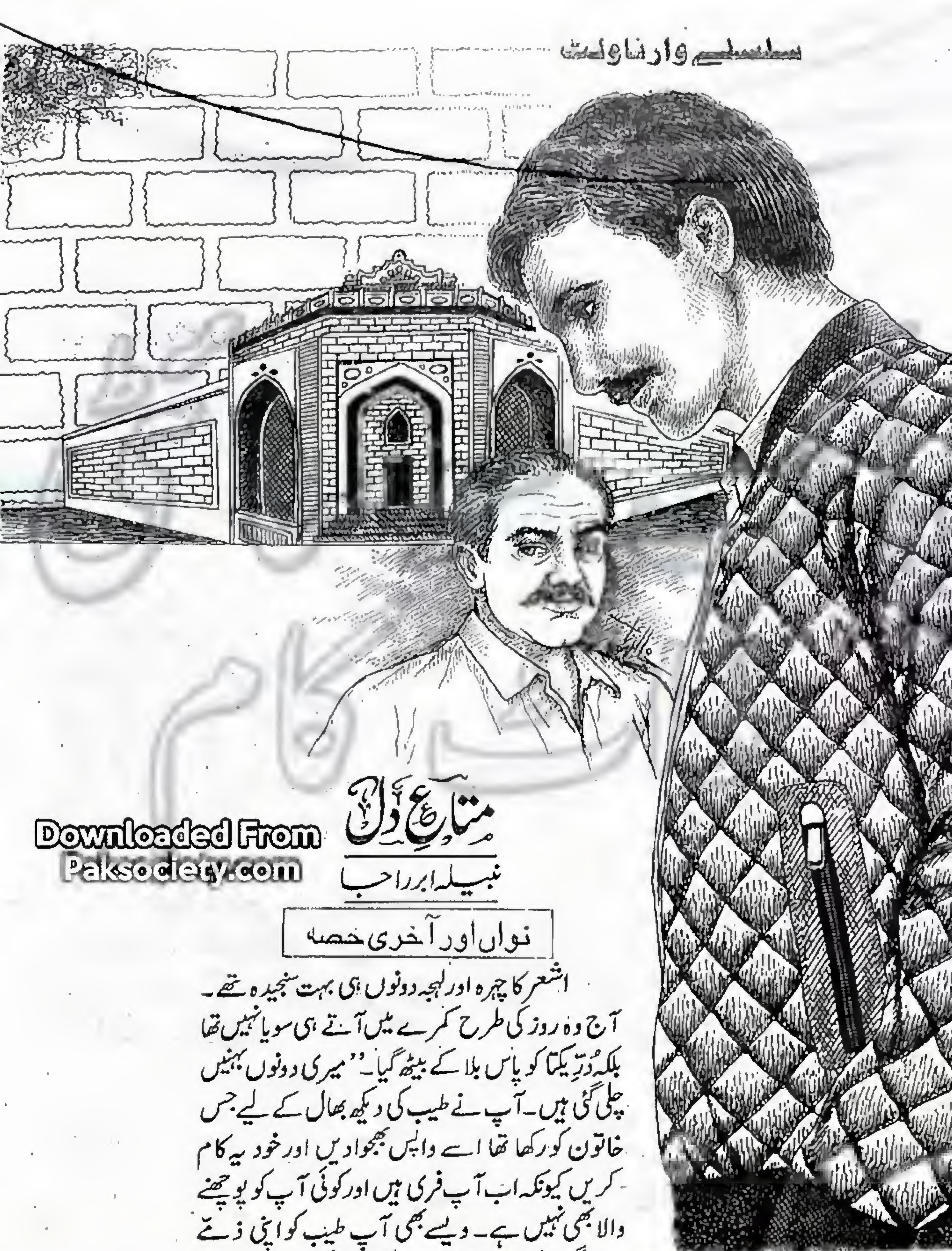
''مما جی ان کا گھر تو بڑا ہی شاندار تھا بہت بڑا..... بہت ہی بڑا.....'' وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا..... ''اتنے بڑے، بڑے کمرے ہیں، ہر کمرے میں ایل سی ڈی اور لیپ ٹاپ ہے..... ہر کمرے میں بہت پیارے والا اونچا، اونچا سا بیڈ بھی ہے..... مما

جی آپ بھی ضرور دیکھیں ہم ایسا ہی گھر بنوائیں گے..... لیکن مما جی.....'' وہ کچھ کہتے، کہتے رک گیا..... ''مما جی ان کا گھر تو بہت پیارا ہے لیکن.....''
وہ ہچکچا رہا تھا..... ''ان کے کمرے کا دروازہ نہیں ہے.....''

نازیہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کا کیا مطلب ہے اس نے سوال کیا۔
''نیا بنا ہوا ہوگا گھر اس لیے رشنا کے کمرے کا دروازہ نہیں ہوگا.....''
''نہیں مما جی، ان کے گھر میں سات کمرے تھے، میں نے گنے تھے کسی کا بھی دروازہ نہیں تھا..... نہ ان کی ماما کے کمرے کا نہ ان کے اتنے سارے بھائیوں کے کمروں کا..... کسی کا بھی دروازہ نہیں تھا۔''
''کیا.....؟'' آواز نازیہ کے حلق میں پھنس گئی۔
''تم کیا کہہ رہے ہو بیٹے.....؟'' اس کی آنکھیں باہر آنے کو تھیں۔
''ہاں مما جانی..... میں نے حمنہ آپی سے بھی پوچھا تھا، ان کی فرینڈ رشنا سے بھی پوچھا تھا..... بس وہ چپ ہوگئی تھیں اور ان کے گھر میں رشنا آپی سمیت..... سب لوگ ان کی ماما کو پتا ہے کیا کہہ رہے تھے؟ میڈم..... بھلا ماما کو کوئی میڈم کہتا ہے۔''
نازیہ کے گلے میں پھندا لگ گیا۔
اس کے قدم زمین پر جم گئے۔
اس کے ہوش و حواس سلب ہوگئے۔ ساتوں آسمان ساتوں زمینیں گڈمڈ ہوگئیں..... اس کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہوگئیں..... اس کے دل و دماغ پر زلزلے کی سی کیفیت تھی جیسے دنیا کے کسی ریکٹر اسکیل پر نہیں ناپا جاسکتا تھا..... دروازوں کے بغیر کمرے..... بھاری بھرکم قیمتی تحائف اور میڈم..... اسے سمجھنے کی ضرورت تھی نہ سمجھانے کی۔
دائرہ..... دائرہ در دائرہ..... ہر چیز گھوم رہی تھی..... وہ بولے جا رہا تھا.....
''مما جی میں نے دیکھا تھا ان کے ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا ان کے کچن کا بھی دروازہ تھا..... بس وہ تاں صرف کمروں کے دروازے نہیں تھے.....''
''خاموش ہوجاؤ.....'' انہوں نے بیٹے کو منہ پر تھپڑ مارا، بچہ بری طرح سہم گیا..... حمنہ بھاگی، بھاگی آئی۔
''کیا بات ہے مما جی.....''
خبردار مما جی کی بچی..... چپ ہو کے بیٹھ جاؤ.....'' نازیہ چیخی۔
حمنہ نے سوالیہ نظروں سے بھائی کو دیکھا جو اپنا گال سہلا رہا تھا.....
''آپی میں نے تو مما جی کو بس یہ بتایا تھا کہ رشنا آپی کے دس بارہ بھائی ہیں، ان کے گھر میں دروازے نہیں لگے..... ماما نے مجھے اتنی سی بات پر مارا.....'' وہ بے سمجھی سے بولا۔
''کوئی بات ہے ضرور.....'' حمنہ بھی سہم گئی۔

☆☆☆

''سامان کچھ تو پیک ہوگیا ہے کچھ ویک اینڈ پر آپ لیتے آئیے گا.....'' نازیہ نے شوہر سے کہا۔ بچے حسرت زدہ نظروں سے گھر کو دیکھ رہے تھے..... بچے تھے..... ناسمجھ..... لیکن نازیہ کی چھکار سنائی دے رہی تھی۔
''ارے دادی بول بلارا کرے گی تو تمہارے ہمارے بھلے میں ہی ہوگا..... پھوپیاں، چچیاں ہر چیز، ہر کام، ہر آنے والے پر تبصرہ کریں گی تو ٹھیک ہی کریں گی۔ بھلے ان کی آنکھیں ایکسرے مشین سے تیز ہوں مگر اندر کا گند صاف کردیں گی ناں..... دل کیوں برا کررہی ہو.....؟'' حمنہ کو ماں، باپ دونوں سمجھایا۔
''توبہ استغفار.....'' اس نے پھر سے اپنے کلے پیٹے۔
محمد یونس کھلکھلا کر ہنسا..... سترہ سال پرانی توبہ استغفار اور آج کی توبہ استغفار میں زمین آسمان کا فرق تھا۔



متاعِ دل

نبیلہ ابرراجا

نواں اور آخری حصہ

اشعر کا چہرہ اور لہجہ دونوں ہی بہت سنجیدہ تھے۔ آج وہ روز کی طرح کمرے میں آتے ہی سویا نہیں تھا بلکہ دُرِ یکتا کو پاس بلا کے بیٹھ گیا۔ ''میری دونوں بہنیں چلی گئی ہیں۔ آپ نے طیب کی دیکھ بھال کے لیے جس خاتون کو رکھا تھا اسے واپس بھجوادیں اور خود یہ کام کریں کیونکہ اب آپ فری ہیں اور کوئی آپ کو پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔ ویسے بھی آپ طیب کو اپنی ذمے داری گردانتی ہیں۔ آپ طیب کو یہاں کمرے میں لے

آئیں، میں ساتھ والے بیڈ روم میں شفٹ ہو رہا ہوں۔ آپ اور طیب آرام سے یہاں رہیں۔ یہ کمرا آپ کا ہے، میں ڈسٹرب نہیں کروں گا۔'' وہ اسے اپنے تئیں خوشخبری سنا کر وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالنے لگا۔

دُرِ یکتا اس کی حرکات کو دیکھ رہی تھی اتنی انسلٹ، اتنی توہین، اشعر نے اس کے ساتھ اجنبی سے بھی گیا گزرا برتاؤ کیا تھا جیسے وہ کچھ بھی نہیں ہے، کہیں بھی نہیں ہے۔ کوئی رشتہ ہی نہیں...... بس اتنی اہمیت ہے اس کی کہ اشعر اسے جیت کے یہاں لے آیا ہے۔ اب وہ کونے میں پڑے کاٹھ کباڑ جیسی ہے کیونکہ اشعر کی دلچسپی اسے اپنے گھر میں لانے تک کی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی اور آنکھوں میں نمی پھیلتی جا رہی تھی۔

اشعر اپنے کپڑے لے کر چلا گیا۔ وہ دوبارہ باتھ روم سے اپنی کچھ چیزیں لینے آیا تو دُرِ یکتا اسی طرح بت بنی بیٹھی تھی۔

''آپ طیب کو ابھی لے آئیں۔ اپنے پاس سلائیں۔'' دُرِ یکتا نے غصے سے اس کی طرف دیکھا پر اشعر کی پیٹھ اس کی طرف تھی ورنہ وہ اس کا غصیلا چہرہ ضرور دیکھ لیتا۔ جس پر شکایات ہی شکایات رقم تھیں۔

زرین اگلے دن واپس چلی گی۔ طاہر انکل نے ایک اور کل وقتی نوکرانی کا بندوبست کر دیا تا کہ دُرِ یکتا کو بھی تھوڑی آسانی ہو اشعر الگ بیڈ روم میں شفٹ ہو گیا تھا۔ طاہر انکل کے سامنے وہ اس سے بات کر لیتا اور اکیلے میں سامنا ہوتا تو اجنبی بن جاتا۔

دُرِ یکتا کو خوش ہونا چاہیے تھا پر وہ خوش نہیں تھی۔ جانے کیوں؟

☆☆☆

باسط دو ماہ بعد بغیر بتائے آیا۔ اس بار وہ مائرہ کو ساتھ لے جانے کے لیے آیا تھا۔ ایک ہفتہ پاکستان میں قیام کرنے کے بعد وہ مائرہ کو ساتھ لے کر واپس آ گیا۔ وہ یہاں آ کر بہت خوش تھی۔ باسط پورا ہفتہ دن، رات اس کے پاس رہا۔ اس نے مائرہ کی پور، پور اپنی محبت کی بارش سے بھگو دی تھی۔ ایک دم سے اس کے رویے میں جو سرد مہری در آئی تھی اس کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ وہ شادی کے ابتدائی دنوں والا باسط تھا پروانہ وار نچھاور ہونے والا۔

نواز نے یہ آیا تھا تو اس کی جھولی بھر دی تھی، مائرہ کا حسن کچھ اور بھی نکھر آیا تھا۔ وہ پہلے سے بڑھ کر دلفریب لگ رہی تھی۔

اس دن مائرہ کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی۔ باسط اسے پُرسوچ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ مائرہ الٹیاں کر کر کے بے حال تھی۔ وہ واش روم سے واپس آ کر بے حال سی بستر پر گر گئی۔

''اٹھو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔''

باسط نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ وہ پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھ سے نہیں جایا جاتا...... باسط پلیز......'' وہ تکیے میں منہ چھپانے لگی۔

''میں کہہ رہا ہوں ناں اٹھو...... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں اور مجھے تو کوئی اور ہی شک ہو رہا ہے۔''

باسط کی بات کا مطلب سمجھ کر مائرہ سرخ پڑ گئی اور پھر اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

ڈاکٹر نے مائرہ کا چیک اپ کیا اور دوائیں دے کر گھر بھیج دیا۔ مائرہ کی طبیعت کسی خوشخبری کی وجہ سے خراب نہیں تھی اسے کوئی انفیکشن ہو گیا تھا۔ باسط بہت بجھا، بجھا سا تھا۔ اس کی اداسی مائرہ نے بھی محسوس کر لی تھی۔

''باسط کیا ہوا ہے، کیوں اداس ہو؟'' اس نے باسط کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تمہیں تو پتا ہے مجھے کتنا شوق ہے کہ میں ڈھیر سارے بچوں کا باپ بنوں...... اور تم ہو کہ میری یہ خواہش پوری ہی نہیں کر رہی ہو۔'' وہ نروٹھے پن سے گویا ہوا اور اس کا بازو کندھے سے ہٹا دیا۔

''باسط ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے ہماری شادی کو ایک سال بھی پورا نہیں ہوا۔ اور آپ مایوسی کی باتیں کرنے لگے ہیں۔''

''مجھے جلدی سے باپ بناؤ بس۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔ مائرہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

دُرِیکتا، طیب کو سلا رہی تھی جب دھیرے سے دروازہ کھول کے اشعر اس کے پاس آیا۔ وہ آج گھر پر ہی تھا اور کمرے میں بند آفس کے ضروری کام نمٹا رہا تھا۔ دُرِیکتا کے کمرے میں وہ بغیر کسی ضرورت کے نہیں آتا تھا اس لیے وہ حیران سی تھی۔

''میں عمر انکل کے پاس اسپتال جا رہا ہوں۔ آپ نے جانا ہے تو تیار ہو جائیں۔'' وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں آتی ہوں دس منٹ تک......''

''اوکے، میں اپنے روم میں ہوں، مجھے بتا دیجیے گا۔'' وہ پلٹ گیا۔ دُرِیکتا تیزی سے اٹھی۔ اس کے قدموں میں پھرتی تھی۔ شادی کے بعد وہ پہلی بار پپا کو دیکھنے جا رہی تھی۔ اپنا فیورٹ کلر کا سوٹ پہنا...... ہونٹوں پر لپ اسٹک لگائی، خود کو آئینے میں دیکھ کر وہ مطمئن تھی۔ کھلے بالوں کو کیچر میں جکڑے اسے اپنا آپ بہت اچھا لگا۔ چہرے اور آنکھوں میں خوشیوں کی چمک تھی۔

تیار ہو کر اس نے اشعر کے کمرے کا دروازہ ناک کیا۔ وہ اسی کے انتظار میں تھا۔ طاہر لغاری دونوں کو اکٹھے جاتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ دُرِیکتا کے لیے اشعر نے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا تو وہ جھجک سی گئی۔

''بیٹھیں جلدی۔'' وہ اسے تذبذب میں دیکھ کر بیزار سا ہوا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

اسپتال جا کر اشعر سب سے پہلے ڈاکٹر سے ملا اور عمر زیب کی پروگریس کے بارے میں پوچھا۔

''آپ کا مریض امپروو کر رہا ہے، یہ آپ کے لیے خوشی کی بات ہے۔'' ڈاکٹر عمران کی خاص توجہ عمر زیب پہ تھی۔ کیس سے وہ بخوبی واقف تھے، انہوں نے ہی اشعر کو یہ حوصلہ افزا اور خوش کن خبر سنائی۔

''میرے پپا ٹھیک ہو جائیں گے ناں؟'' دُرِیکتا نے بے تابی سے پوچھا تھا۔ ڈاکٹر عمران مسکرا دیے۔

''جی ہاں، میں بہت پُرامید ہوں، ان کی حالت میں بہتری کے آثار ہیں۔ خدا نے چاہا تو وہ بہت جلد مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے۔ آپ جائیں ان کے پاس...... دیکھ لیں خود۔'' ڈاکٹر عمران ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے تو دُرِیکتا تیزی سے کرسی سے اٹھ گئی۔

عمر زیب آج بیڈ پر تکیوں کی مدد سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ دُرِیکتا ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے اس کی سمت دیکھا، آج ان کی آنکھوں میں ہوش مندی کے آثار تھے۔ وہ بولے تو نہیں پر دیکھ رہی ڈاکٹر عمران کا کہا سچ لگ رہا تھا۔ اشعر، عمر زیب کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ دُرِیکتا خود ہی ان سے باتیں کرنے لگی۔

''پپا آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، میں پھر آپ کو یہاں سے لے جاؤں گی۔ طیب بھی بڑا ہو رہا ہے۔ آپ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ وہ بالکل آپ کے لاڈلے شاہ زیب کی طرح ہے۔''

''شاہ زیب......'' عمر زیب آہستہ سے بڑبڑائے۔

''ہاں پپا شاہ زیب......'' دُرِیکتا کی آواز خوشی سے لرز رہی تھی۔ عمر زیب نے مدھم لہجے میں کچھ اور بھی کہا جو دُرِیکتا کی سمجھ نہیں آیا۔ وہ بالکل ان کے قریب ہو کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں نرس آ گئی۔ ان کی میڈیسن کا ٹائم ہو رہا تھا۔ دوا کھلانے کے بعد وہ انہیں اپنے ساتھ ایک ٹسٹ کے لیے لے گئی تو دُرِیکتا اور اشعر واپسی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

طیب نے آہستہ، آہستہ پہلا قدم اٹھایا تھا۔ اس سے پہلے اس نے دُرِیکتا کے سہارے کچھ قدم اٹھائے لیکن یہ پہلا قدم اس نے خود سے اس کے سہارے کے بغیر اٹھایا تھا۔ دُرِیکتا نے چوم، چوم کر اس کا منہ سرخ کر دیا، وہ بہت خوب صورت اور صحت مند ہو گیا تھا۔ اور کچھ لفظ بھی بولنے لگا تھا۔ ہر نیا آنے والا دن طیب

کے حوالے سے اس پر خوشیوں اور حیرتوں کے در وا کر رہا تھا۔ آج طیب ہنسا، آج طیب نے اس کی انگلی پہ کاٹا، وہ طاہر انکل کو دیکھ کر خوش ہوا۔ آج طیب کا ایک اور دانت نکلا۔ آج اس نے اتنے قدم اٹھائے۔ ایسی کتنی باتیں اور حرکتیں تھی طیب کی جو دُرّیکتا کو سارا دن مسرور رکھتیں۔ وہ ایک سال کا ہو رہا تھا۔ دُرّیکتا اس کی سالگرہ منانے کی تیاری کر رہی تھی۔ طاہر انکل جوش و خروش سے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ دُرّیکتا نے گاؤں سے تینوں چچا اور چچیوں اور سب کزنز کو بھی انوائٹ کیا تھا۔ کچھ آس پاس کے ملنے جلنے والے تھے۔ یہ تو اچھی خاصی تقریب بن گئی تھی۔

☆☆☆

طاہر لغاری نے طیب کے لیے بہت سے کھلونے خریدے۔ اشعر نے بھی اس کے لیے کافی مہنگی شاپنگ کی۔ طاہر لغاری نے اسپیشل کیک بنوایا تھا۔ سب مہمانوں کی موجودگی میں دُرّیکتا نے طیب کا ہاتھ پکڑ کے کیک کاٹا۔ سی گرین اور کاپر کلر کے کپڑوں میں ملبوس وہ خاصی توجہ سے تیار ہوئی تھی۔ ورنہ شادی کے بعد اس کے حلیے میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی جو بیاہتا عورتوں کا حصہ ہوتی ہے۔ آج تو سونے کی چوڑیاں' کڑے، بندے اور لاکٹ بھی اس کی گردن کی زینت بنا ہوا تھا۔ لمبے بالوں کو پشت پر پھیلائے وہ بڑی جاذب نظر لگ رہی تھی۔

سائرہ بھی ٹیبل کے نزدیک کھڑی تھی۔ اس نے کیک کاٹ کر سرو کیا۔ اشعر، طیب کے قریب تھا۔ سائرہ نے کمال بے تکلفی سے کیک کا بڑا سا ٹکڑا اشعر کی طرف بڑھایا تو ناچار اس نے منہ کھول دیا۔ تھوڑا سا حصہ سائرہ کے ہاتھ میں رہ گیا تو اس نے خود کھالیا۔ اچانک دُرّیکتا کی نظر پڑی۔ اسے سائرہ کی یہ حرکت اچھی نہیں لگی۔ وہ اشعر کے خاصے قریب کھڑی تھی۔ وہ اس سے خوش دلی سے باتیں کر رہا تھا۔ مہمان چلے گئے، سائرہ، اشعر کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔ جانے کون سے موضوعات زیرِ بحث تھے۔ جو ختم ہی نہیں ہو رہے تھے۔

''مجھے اپنا گھر تو دکھائیں۔'' اس نے اشعر سے فرمائش کی جو اس نے جھٹ پوری کردی۔ اس نے سائرہ کو پورا گھر دکھایا۔ آخر میں بیڈ روم کی باری آئی تو وہ دُرّیکتا اور طیب کے کمرے میں اسے لایا۔ وہ تنقیدی نگاہ سے ایک، ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔

دُرّیکتا، طیب کو سلانے ان کے پیچھے، پیچھے آگئی۔ اس کی نگاہوں اور چہرے پر غصے کی سرخی بڑی واضح تھی۔ سائرہ کو تو سمجھ نہیں آئی، وہ مزے سے تبصرہ کر رہی تھی ایک، ایک چیز پر...... دُرّیکتا نے طیب کو بیڈ پر لٹا دیا۔

اشعر، سائرہ کی طرف مڑا۔

''آؤ سائرہ دوسرے کمرے میں، یہاں طیب سو رہا ہے۔ ڈسٹرب ہوگا۔'' یہ الفاظ اس نے بڑی بے تکلفی سے ادا کیے تھے۔ جیسے سائرہ سے بڑی ذہنی ہم آہنگی ہو۔ دُرّیکتا نے مشکل سے اپنا غصہ قابو کیا وہ اس سے کہنا چاہتی تھی 'طیب ڈسٹرب نہیں ہوگا بلکہ آپ ڈسٹرب ہو رہے ہیں، میری موجودگی سے......' پر وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ سائرہ کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''دھوکے باز، ڈرامے باز انسان......'' وہ بڑبڑا کے رہ گئی۔

سائرہ جب جانے لگی تو اشعر نے کچھ اور دیر رکنے پر اصرار کیا۔ دُرّیکتا کے تو تلوؤں تک میں آگ لگ گئی۔ جانے یہ سب کیا ہو رہا تھا، کیوں ہو رہا تھا۔ اسے غصہ کیوں آ رہا تھا۔ وہ سائرہ کے ساتھ بات کرتا ہے تو کرے...... اسے کیوں اتنی جلن ہو رہی ہے۔ وہ اسے توجہ کے قابل ہی نہیں تصور کرتی تو کیوں اسے ذہن پر سوار کر رہی ہے۔

'یہ وہی شخص ہے جس سے میں لاکھ کوشش کے باوجود خلع نہیں لے پائی تھی۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں مجبوری کی حالت میں اس شخص کے گھر ہوں۔ مجھے اسے کوئی لگاؤ نہیں ہے' دریکتا نے خود کو باور کرایا...... پر کاش یہ آسان ہوتا...... اسے سکون

نہیں مل رہا تھا۔ طیب تو سو گیا تھا پر اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ساتھ والے بیڈروم میں سکون کی نیند سوئے ہوئے اشعر کو زبردستی اٹھادے...... اس کا حشر نشر کردے۔ اس کا حلیہ تک بگاڑ کے رکھ دے کہ وہ خود کو پہچان ہی نہیں پائے۔

پر یہ آسان نہیں تھا۔ وہ ایک مضبوط قد آور جوان تھا اور دُرِ یکتا میں سچ مچ اتنا دم نہیں تھا جو اس کا حلیہ بگاڑ سکتی۔

☆☆☆

باسط بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔ اس کی بات سن کر مائرہ خاموش ہوگئی۔ بالآخر اسے باسط کی بات ماننا پڑی۔ وہ کہہ رہا تھا ہم دونوں کو ہی اپنا چیک اپ کروانا چاہیے۔ میں ابھی تک باپ کیوں نہیں بنا ہوں۔ اس کے ذہن پر باپ بننے کا بھوت سوار تھا۔ دونوں نے ایک مہنگے اور اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا۔ اس کے بعد باسط اسے ایک اور گائنا کالوجسٹ کے پاس لے گیا۔ وہاں بھی ان دونوں نے چیک اپ کرایا پھر لیڈی ڈاکٹر نے ان دونوں کے مختلف... ٹسٹ کیے۔

اسی ایک دن میں باسط ایک تیسرے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ تینوں ڈاکٹرز مہنگے ترین تھے اور اپنی فیلڈ میں کامیاب تھے۔

مائرہ کو اس کی دیوانگی سے خوف آرہا تھا۔ پتا نہیں یہ کیسا جنون سوار ہوگیا تھا اس پر...... اس نے چند دن کے لیے باسط سے پاکستان چلنے کو کہا۔ خلافِ توقع وہ راضی ہوگیا۔

''چلو وہاں سے بھی دونوں اپنا چیک اپ کروائیں گے۔'' اس نے تجویز دی تو مائرہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

تینوں ڈاکٹرز نے رپورٹس دینے کے لیے بعد میں بلایا تھا۔ باسط اسے پاکستان لے آیا۔ ٹسٹ کی رپورٹس کی بابت جاننے کے لیے وہ فون بھی کرسکتا تھا اس لیے مطمئن تھا۔

☆☆☆

اشعر کا انتظار اسے بے تابی سے تھا۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ گیٹ کے پاس ٹہل رہی تھی۔ اس نے شکر ادا کیا جب اشعر کی گاڑی کا مخصوص ہارن بجا۔ چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا۔ اشعر نے گاڑی پورچ میں روکی۔ وہ اس کے قریب پہنچ گئی۔

''مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

اس نے سلام دعا کا تکلف نہیں کیا...... چھوٹتے ہی بولی۔ اس کے اضطرابی تاثرات اور اندرونی ہیجان سے سرخ ہوتا چہرہ بتا رہا تھا کہ بات بہت اہم ہے ورنہ وہ اس کے انتظار میں یوں گیٹ کے آس پاس چکر نہ لگا رہی ہوتی۔

''اگر آپ مجھے چینج کرنے کی اجازت دے دیں اور ساتھ میں کچھ کھالوں پہلے...... پھر اس کے بعد بات کریجیے گا۔ کیا خیال ہے؟'' اشعر نے اپنے یونیفارم کی طرف اشارہ کیا تو دُرِ یکتا شرمندہ سی ہوگئی۔

''ٹھیک ہے، آپ پھر فارغ ہوجائیں میں بعد میں بات کرلوں گی۔'' وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

اشعر اس کی ضروری بات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جو دُرِ یکتا کو کرنی تھی۔ پہلے اس نے یونیفارم تبدیل کیا پھر پپا کے ساتھ کھانا کھایا، کچھ دیر ان کے ساتھ گپ شپ کی۔ اتنے میں اس کے دوست کی کال آگئی۔ کوئی ضروری کام تھا اسے گھر سے باہر جانا پڑ گیا۔ دُرِ یکتا کو بہت غصہ آیا۔ اسے اب پھر نئے سرے سے اس کا انتظار کرنا تھا۔ اشعر کا انتظار کرتے، کرتے اس کی آنکھ ہی لگ گئی۔ مگر پھر ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سے وہ چونکی۔ اب وہ پوری طرح بیدار ہوگئی تھی۔ اسے یاد آگیا کہ اشعر سے بات کرنی تھی۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا اِدھر طیب بے خبر سو رہا تھا۔ وہ دبے قدموں اشعر کے کمرے کے دروازے تک آگئی۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔ ہاتھ کے ہلکے سے دباؤ سے کھل گیا۔

اشعر یقیناً باتھ روم میں تھا۔ پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ دھیرے، دھیرے چلتی ہوئی آئی اور آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد شاور بند ہوگیا...... اور

دروازہ کھلا وہ کمرے میں آ گیا۔ اور اسے یاد آیا کہ دُرّیکتا نے کسی ضروری بات کا کہا تھا تو گویا اسی بات کے لیے وہ اس وقت اس کے پاس آئی تھی۔ وہ صرف ٹراؤزر پہنے تولیے سے جسم پونچھتا باہر آیا تھا۔

''خیریت؟'' وہ گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتا اس کے پاس ہی صوفے پر ٹک گیا۔ دُرّیکتا پچھتانے لگی۔ صبح بات کر لیتی تو اچھا تھا۔

''آپ نے شام میں کسی ضروری بات کا کہا تھا۔ مجھے کام سے جانا پڑ گیا۔ خیر آپ بات کریں۔'' وہ اسے تولتی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''میں صبح بات کر لوں گی، آپ آرام کریں۔'' اس کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اشعر نے اس کا ہاتھ پیچھے سے پکڑ لیا۔ وہ گرتے، گرتے بچی...... اشعر کی مضبوط مردانہ گرفت اس کے حواس مختل کر گئی۔

''بات کریں جو بھی ہے۔'' وہ شاید اس کی نروس نیس کی وجہ جان گیا تھا۔ اس نے تولیا ایک طرف رکھا اور وارڈ روب سے شرٹ نکال کر پہنی اور پھر اس کی طرف آیا۔ گھڑی کی ٹک، ٹک دُرّیکتا کو اپنی دھڑکنوں کی طرح کانوں میں گونجتی محسوس ہو رہی تھی۔ اتنی خاموشی سی طاری تھی۔ کچھ کہتی، بولتی، راز ان سے بھید کھولتی، کچھ تو تھا اس خاموشی میں جو دُرّیکتا دھڑکنوں کے شور سے گھبرا گئی تھی۔

''بولیں...... میں سن رہا ہوں۔'' وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

''نہیں...... کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ ایک دم سے واپسی کے لیے مڑی تو اشعر کندھے اچکا کے رہ گیا۔

''آپ ایک دم سے پریشان ہو گئی ہیں...... کچھ بتائیں تو سہی۔'' وہ اتنی اپنائیت سے بولا کہ دُرّیکتا کو رونا آ گیا۔ اس نے حوصلہ پیدا کر ہی لیا۔

''اصل میں، میں طیب کو قانونی طور پر اپنانا چاہتی ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ میں طیب کو پکا، پکا لے لوں مائرہ بھابی سے...... وہ مجھے لکھ کے دے دیں کہ اب طیب پہ ان کا کوئی حق نہیں ہے۔''

''ہاں تو آپ کر لیں ایسا۔''

''آپ کو یا طاہر انکل کو اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' وہ امید بھری نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔

''یہ بہت بڑا فیصلہ ہے، میرا نہیں خیال کہ آپ کی بھابی اس کے لیے راضی ہوں گی۔''

''اگر وہ راضی ہو جائیں تو آپ منع تو نہیں کریں گے ناں؟ کیا طیب کو باپ کا پیار دیں گے۔''

''آپ نے مجھ گناہ گار انسان سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر لی ہیں۔ خیر آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔ ویسے میں ایک بات واضح کر دوں، میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں۔''

''میں مائرہ بھابی سے بات کرتی ہوں۔ وہ پاکستان آئی ہوئی ہیں۔ آپ طاہر انکل سے بات کر لیں۔ پپا جلد ٹھیک ہو جائیں گے پھر میں طیب کو ان کے سپرد کر دوں گی۔'' اس نے یہ پروگرام پہلے سے ترتیب دیا ہوا تھا۔

''طیب کو جب آپ نے عمر انکل کے سپرد ہی کرنا ہے تو پھر اپنی بھابی سے اس طرح ان کی اولاد کیوں لینا چاہ رہی ہیں۔ خون کو خون سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ میری بات مانیں تو ایسا مت کریں...... طیب ویسے بھی تو آپ ہی کے پاس ہے اگر آپ کی بھابی کو ذرا بھی خیال ہوتا تو وہ اسے آپ کے پاس نہ چھوڑتیں...... وہ آپ سے اسے نہیں لیں گی، بے خوف ہو جائیں۔ طیب آپ کے پاس ہی رہے گا۔'' اشعر کی بات دُرّیکتا کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ ایک بوجھ جو ذہن و دل سے لپٹا ہوا تھا۔ وہ اب اتر گیا تھا۔

دُرّیکتا کے ہونٹوں پر پہلی بار نرم سی مسکراہٹ آئی۔ طیب کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ جاگ گیا تھا۔ دُرّیکتا، اشعر کی طرف دیکھے بغیر اپنے بیڈ روم میں چلی آئی۔ اشعر کو جانے کیا ہوا کہ وہ بھی اس کے پیچھے وہیں آ گیا۔ طیب جاگ کے حیران آنکھیں اِدھر اُدھر گھما رہا تھا۔ اشعر اس پر جھک گیا اور اس کا ماتھا چوما۔

طیب خوشی سے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ اشعر نے اپنے بازو اس کی سمت بڑھائے تو وہ اس کی طرف ہمکنے لگا۔ اگلے ہی پل وہ اس کی گود میں تھا۔ دریکتا کو یہ سب بہت اچھا لگا۔ تھوڑی دیر بعد اشعر نے اسے واپس بیڈ پر لٹا دیا۔

''چلتا ہوں اب...... گڈ نائٹ......'' جاتے، جاتے اس نے پھر طیب کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

'یہ تو بہت نرم ہے...... یہ سخت دل نہیں ہو سکتا۔ تایا کو اس کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔' دریکتا کو تایا کی باتیں یاد آرہی تھیں اور وہ خود ہی ان کی نفی بھی کرتی جارہی تھی۔ اس کی سوچوں میں انقلاب آرہا تھا...... ایک خوشگوار انقلاب......

☆☆☆

باسط نے دبئی میں اور پھر یہاں بھی مختلف ڈاکٹرز سے اپنا اور مائرہ کا چیک اپ کروایا۔ جس تواتر سے وہ ڈاکٹرز کے پاس خود بھی جارہا تھا اور مائرہ کو بھی لے کے جارہا تھا اس سے نہ جانے کیوں بینا پریشانی محسوس کررہی تھی۔

اس نے دو جگہ سے رپورٹس اور مختلف ٹسٹ کی بابت معلوم کرایا تھا۔ دونوں جگہ سے ایک ہی بات علم میں آئی تھی کہ بظاہر مائرہ، جوان اور تندرست ہونے کے باوجود بھی دوبارہ ماں نہیں بن سکتی۔

آج اس نے ایک اور ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔ یہ ایک مشہور گائنا کولوجسٹ تھیں۔ اس نے مائرہ کے ساتھ باسط کو بھی بلوایا تھا۔

اب وہ دونوں ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ مائرہ اور باسط کی رپورٹس ٹیبل پر موجود تھیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر فرخندہ نے بتایا تھا کہ پہلے بچے کی پیدائش کے بعد مائرہ میں ایک اندرونی پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے۔ جس کے باعث اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی پھر بھی اس نے باسط اور مائرہ کا دل رکھنے کے لیے کہا کہ آپ ناامید نہ ہوں دعا کرتے رہیں شاید کوئی معجزہ رونما ہوجائے۔

باسط خالی، خالی نگاہوں سے ڈاکٹر فرخندہ کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو۔ وہ مایوس ہوکر وہاں سے اٹھ آئے۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر باسط ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ بڑی مشکل سے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ مائرہ ڈر گئی کہ کہیں وہ کوئی حادثہ ہی نہ کر بیٹھے۔ لیکن وہ خیریت سے گھر پہنچ گئے۔

بینا ان کا انتظار کررہی تھی۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے......؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا تو جواباً باسط نے مائرہ کی رپورٹس ان کی طرف بڑھا دیں اور خود اندر بڑھ گیا۔ مائرہ اتنی دیر سے برداشت کررہی تھی اب سب برداشت اور صبر کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ بینا کے گلے لگ گئی اور پھوٹ، پھوٹ کے روئی۔

''خالہ میں اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ ہاں کبھی نہیں، باسط کو وہ خوشی نہیں دے سکتی جسے وہ میرے وجود میں تلاش کررہا ہے۔ میں بنجر دھرتی ہوں۔'' بینا کے آنسو بھی بہنے لگے۔ باسط کے حوالے سے وہ بھی کسی خوشخبری کے انتظار میں تھی۔

مائرہ اس کے بعد کمرے میں جا کے لیٹ گئی۔ بیڈ کے دوسرے سرے پر باسط لیٹا ہوا تھا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ سانسوں کی سرسراہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مائرہ کا جی چاہ رہا تھا کہ باسط کے گلے لگ کے اتنا روئے کہ اس کا سارا وجود تک بھیگ جائے پر وہ اجنبی بنا لیٹا ہوا تھا۔ وہ سو نہیں پا رہا تھا۔ اس کے بے آواز آنسو بھی اس کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کو نہیں روک سکے تھے۔ اس کی آنکھوں کے ساتھ، ساتھ دل بھی جل رہا تھا۔ اور اس آگ میں سب کچھ راکھ ہورہا تھا۔ مائرہ کے ساتھ عشق و محبت و زندگی بھر کے وعدے، قسموں کا بھرم سب کچھ ختم ہورہا تھا۔

اپنی، اپنی جگہ پہ وہ دونوں ہی ختم ہورہے تھے۔

☆☆☆

اندرونی کش مکش اور اس جذباتی صدمے نے مائرہ کو اسپتال پہنچا دیا۔ اسے شدید قسم کا نروس بریک

ڈاؤن ہوا تھا۔

باسط چند گھنٹے مارے باندھے وہاں اس کے پاس رکا اور پھر دبئی جانے کا مژدہ سنا کر گھر آ گیا۔ اسے پیکنگ کرنی تھی۔ مائرہ اس کے ساتھ نہیں جارہی تھی۔ وہ اکیلا ہی جارہا تھا۔ وہ مائرہ کو عام سے انداز میں بتا کر اور مل کر رخصت ہوا۔ اس میں گزشتہ پُرجوش وارفتگی ندارد تھی۔ جس کا تجربہ مائرہ کو دبئی میں اس کے ساتھ ہوا تھا۔ مائرہ کا احساسِ زیاں کچھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔

دکھ کے اتھاہ سمندر میں اسے اکیلا چھوڑ کر باسط چلا گیا۔ وہ اکیلی تھی اپنی بے بسی اور تنہائی پہ اس نے کتنے ہی آنسو چپکے، چپکے خاموشی سے دل میں اتار لیے۔ بینا خالہ اس کے ساتھ تھی پر پھر بھی اس کی تنہائی حد سے سوا تھی۔

☆☆☆

طلاق کے پیپرز باسط کے سامنے پڑے تھے۔ دبئی واپس آتے ہی اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا تھا..... سائن کر کے اس نے پیپرز لفافے میں ڈال دیے تھے۔

مائرہ سے علیحدگی کا فیصلہ کرتے ہوئے اسے دکھ تو ہوا تھا مگر اب اس کے فیصلے میں کسی بھی تبدیلی کی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے خوب سوچ سمجھ کر اور خود کو مزید کرب واذیت سے بچانے کے لیے یہ انتہائی قدم اٹھایا تھا۔

مائرہ کے ماں نہ بننے کا جان کہ اس کا کرب حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اس نے محبت کو پانے کے لیے مائرہ سے شادی تو کر لی پر اس احساس سے پیچھا نہ چھڑا سکا کہ مائرہ، شاہ زیب کی تنہائیوں اور قربتوں کی ساتھی رہی ہے۔ یہ احساس اس کا دل چیرتا تھا، کچوکے لگاتا تھا، اندر ہی اندر مارتا تھا۔ مائرہ کو پانے کے بعد بھی اس کی پیاس ادھوری تھی اس کا وجود ادھورا تھا۔ مائرہ اس کی بھرپور جذباتی قربت کے بعد بھی اسے باپ نہ بنا سکی۔ وہ خود ادھوری عورت تھی۔ جسے شاہ زیب نے مکمل کیا تھا اور مرنے کے بعد اپنی نشانی اس کی کوکھ میں چھوڑ گیا۔

سب کچھ تو اس نے پہلے ہی شاہ زیب کو دے ڈالا تھا۔ باسط کے مقدر میں صرف آبلہ پائی اور تشنہ لبی تھی۔ مائرہ اور شیریں خالہ کا جرم ناقابلِ معافی تھا۔

اس نے مائرہ کو شادی کے بعد طیب کے ساتھ ہر قسم کے تعلق سے منع کر دیا تھا۔ وہ پھر بھی اسے لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔ جب وہ ناراض ہوا تو شیریں خالہ ان کے گھر لڑنے پہنچ گئیں۔ ورنہ وہ حقیقت بھی اس پر کبھی نہ کھلتی کہ بینا اس کی سگی ماں نہیں ہے۔ اس زہریلے سچ نے اسے پہلی بار رُلایا تھا اور دوسری بار وہ ڈاکٹرز کی رپورٹس دیکھ کے رویا۔

مائرہ کے ساتھ وہ مزید نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر وہ ماں بن جاتی تو شاید وہ اس کے ساتھ زندگی گزار ہی دیتا لیکن اب ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مائرہ کے ساتھ وہ ویسے بھی ایک اذیتِ مسلسل میں تھا۔ شیریں خالہ نے نادانستگی میں جو کڑوا سچ بولا تھا۔ وہ باسط کو ان سے بہت دور لے گیا تھا۔ کاش وہ اس سچ سے آگاہ نہ ہوتا یونہی بے خبری میں زندگی گزر جاتی۔

مائرہ کے ساتھ، ساتھ شیریں خالہ کو بھی تو سزا ملنی چاہیے تھی۔ وہ کون سی اس کی سگی خالہ تھیں۔ مائرہ کی ماں تھیں اور مائرہ اب اس کے لیے پرائی ہو گئی تھی۔ صرف ایک اجنبی عورت..... اب باسط کا اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا۔

☆☆☆

کوریئر والا دوپہر میں وہ لفافہ دے گیا تھا۔ بینا نے اسے ٹیبل پر رکھ دیا اور مائرہ کو آواز دے کے دیکھنے کے لیے کہا۔ وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ بینا خالہ کے بلانے پر آ گئی۔ انہوں نے ٹیبل پر پڑے لفافے کی طرف اشارہ کیا۔

''دیکھ..... لو پتا نہیں کہاں سے آیا ہے، کس نے بھیجا ہے۔'' ان کے لہجے سے ہی لفافے سے متعلق ان کی عدم دلچسپی ظاہر ہو رہی تھی۔ مائرہ نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ یہ اسی کے نام تھا اور باسط کی طرف سے آیا تھا۔ وہ وہیں کرسی گھسیٹ کے بیٹھ گئی۔ انجانے وسوسوں اور

خیالات سے اس کا دل کانپ رہا تھا۔ جانے اس لفافے میں کیا تھا جو باسط نے بھیجا تھا۔ اس کی خاموشی سے بینا بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''کیا ہے...... کس نے بھیجا ہے؟''

''پتا نہیں، کھول کے دیکھتی ہوں۔'' اس کے خیالات اس سے جانے کہاں، کہاں جارہے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے لفافہ چاک کیا۔ اندر موت کا پروانہ تھا اس کے لیے۔ باسط نے بڑی بے دردی سے اسے اپنی زندگی سے علیحدہ کردیا تھا۔

وہ تیورا کر اُدھر ہی گر پڑی۔

بینا کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔ اس نے مشکل سے مائرہ کو سیدھا کیا اور گھبرا کر سب کو زور، زور سے آوازیں دینے لگی۔ سب سے پہلے حمزہ اور ایاز باہر نکلے...... بینا اور ایاز نے مائرہ کو اٹھا کے کاؤچ پر لٹایا۔ بینا پانی لے آئی اور مائرہ کے منہ پر چھینٹے مارے۔

''ہوا کیا ہے؟'' حمزہ پریشانی سے بولے۔

''کوریئر کوئی لفافہ دے گیا تھا۔ میں نے کہا دیکھو کس کا ہے۔ اس نے کھولا۔ اس کے بعد سے یہ حالت ہے اس کی۔''

''کہاں ہے لفافہ؟''

''وہ ٹیبل پر ہے۔'' بینا نے اٹھا کے پہلے خود دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ لفافہ پیپرز سمیت اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ حمزہ نے اٹھایا۔ مائرہ کی طلاق کے کاغذات ان کا منہ چڑا رہے تھے۔ مائرہ کی بے ہوشی کا راز اسی لفافے میں بند تھا۔ طلاق کے کاغذات کے ساتھ ایک چھوٹا سا خط بھی تھا۔ حمزہ نے وہ بھی پڑھ لیا۔ باسط کو آخر کار پتا چل گیا تھا کہ بینا اس کی سگی ماں نہیں ہے۔ شیریں کا انجانے میں کھولا گیا راز ان کے ساتھ، ساتھ ان کی لاڈلی بیٹی کی زندگی کو بھی تباہ کر گیا تھا۔ حمزہ نے خط پڑھنے کے بعد پرزے، پرزے کردیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اور بھی یہ خط پڑھے اور باسط کے دکھ سے آگاہ ہو۔ جن کو پتا نہیں تھا ان کا لاعلم رہنا ہی بہتر تھا۔

باسط نے اگر شور نہیں مچایا تھا تو انہیں بھی خاموش رہنا چاہیے تھا۔ جو ہونا تھا ہو گیا تھا۔ وقت سے نکلا تیر کمان میں واپس نہیں آسکتا تھا۔

☆☆☆

عمر زیب آہستہ، آہستہ صحت یاب ہو رہے تھے۔ طاہر لغاری انہیں دیکھنے گئے تو اس بار انہوں نے کچھ باتیں بھی کیں جن میں ہوش مندی کا تاثر واضح تھا۔ دوسری بار دُرِ یکتا بھی ان کے ساتھ گئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا وہ طیب کو بھی ساتھ لے جائے پر طاہر انکل نے اسے آرام سے منع کردیا۔ دُرِ یکتا نے دوبارہ ضد نہیں کی۔ طیب کی حرکتیں روز بروز بہت پیاری ہوتی جارہی تھیں۔ اب اس کی چال میں ڈر اور خوف نہیں تھا۔ وہ توتلی زبان میں ماما، ماما کی گردان بھی کرتا تب دُرِ یکتا کو اس پر ٹوٹ کر پیار آتا۔ وہ چیزوں کو ہاتھ میں پکڑنے کی کوشش کرتا۔ پنجرے میں بند رنگ برنگے طوطوں کو دیکھ کر خوش ہوتا، ہوا میں ٹانگیں چلاتا، قلقاریاں مارتا...... اس کی سب معصوم حرکتیں دل موہ لینے والی تھی۔

☆☆☆

اشعر بڑی دیر سے بیدار ہوا۔ چھٹی کا دن تھا۔ وہ جی بھر کے سویا تھا۔ کسی نے ڈسٹرب بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی آنکھ خود ہی کھلی۔ اس نے بیڈ سے اتر کے گلاس ونڈو سے پردے ہٹائے تو خوشگوار دھوپ کی کرنیں کمرے میں در آئیں۔ سامنے لان کا منظر واضح تھا۔ پپا کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ دُرِ یکتا نیچے گھاس پر بیٹھی طیب کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہ چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتا گر جاتا پھر گرتا پھر اٹھتا۔ دُرِ یکتا تالیاں بجا کر اس کی حوصلہ افزائی کررہی تھی۔ اشعر بھی نیچے لان میں آگیا۔

سلام کرکے وہ باپ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ اشعر کی توجہ طیب کی ہی طرف تھی۔ وہ آہستہ، آہستہ اس کی طرف آنے لگا۔ دُرِ یکتا اس کے پیچھے، پیچھے تھی۔ اشعر نے آگے بڑھ کر

طیب کو گود میں اٹھالیا۔ وہ اس کے پاس آ کے خوش تھا۔ اس کی شرٹ کے بٹنوں اور رسٹ واچ کو بار، بار چھیڑ رہا تھا۔ کبھی اس کے بال پکڑ لیتا اور کبھی اپنی چھوٹی انگلی اس کی آنکھوں میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اشعر اس کی شرارتوں اور معصوم حرکتوں کو انجوائے کر رہا تھا۔ دُرِّ یکتا بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ طیب اب اس کی گود میں جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میرے کپڑے نکال دو اور پھر ناشتا بنواؤ، پہلے میں فریش ہولوں۔'' اشعر کا مخاطب سونی صد دُرِّ یکتا ہی تھی۔ لہجے میں شوہرانہ تحکم بڑا واضح تھا۔ طاہر انکل سامنے بیٹھے تھے۔ ورنہ وہ جی بھر کے حیران ہوتی...... لیکن اب تو اس نے حیران ہونا ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ طاہر انکل کے سامنے ہی تو ''شوہر پنا'' جتاتا تھا۔ وہ اپنی بات کرنے کے بعد منتظر تھا کہ کب حکم پر عمل درآمد ہوتا ہے۔

''آپ طیب کو دیکھیں، میں جا کے نکالتی ہوں کپڑے۔'' وہ بھی بڑے گھریلو انداز میں بولی۔ وہ ملازم کو ناشتے کی ہدایات دے کر اوپر آ گئی تھی۔ دُرِّ یکتا نے اس کی وارڈ روب کھول کر ایک پینٹ شرٹ نکال دی۔ وہ بھی طیب کو بازوؤں میں جھلاتا پیچھے آ گیا۔ دُرِّ یکتا نے کپڑے بیڈ پر رکھ دیے۔

''میچنگ ٹائی اور موزے بھی نکال دو۔'' آج اس کا لہجہ سادہ اور آپ جناب کے تکلف سے مبّرا تھا۔ اس بار اسے سچ مچ حیرت ہوئی۔ ایک کونے میں ٹائیاں اور موزے ترتیب سے رکھے تھے۔ اس نے اپنی پسند سے ایک ٹائی اور موزوں کا جوڑا الگ کر دیا۔ اس کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ دُرِّ یکتا نے طیب کو لینے کے لیے بازو آگے بڑھائے۔ طیب، اشعر کے ساتھ سختی سے چمٹ گیا۔ اس کا موڈ نہیں تھا دُرِّ یکتا کے پاس جانے کا۔ تب ہی وہ اشعر کے سینے میں منہ چھپانے لگا۔ وہ جھلا سی گئی۔

''طیب میں کہتی ہوں چلو میرے پاس آؤ۔'' اس نے طیب کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی...... پر وہ شرارت کے موڈ میں تھا۔ اس نے اشعر کی شرٹ مضبوطی سے پکڑ لی۔

''آپ تو ہمارے پاس آتی نہیں ہیں مگر یہ ہماری محبت کو پہچان گیا ہے، تب ہی تو دامن نہیں چھڑا پا رہا ہے۔'' اشعر کا لہجہ اور مسکراہٹ بلا کی معنی خیز تھی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور چہرے سے نادیدہ پسینے کے قطرے صاف کرنے لگی۔ طیب کو شاید خود ہی اس کی حالتِ زار پر رحم آ گیا اب وہ اس کی طرف بازو بڑھا رہا تھا۔

''جاؤ طیب۔'' اشعر نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔ دُرِّ یکتا نے اسے اٹھایا اور باہر جانے کے لیے پلٹی۔ اشعر آگے راستے میں حائل تھا۔ طیب پھر اس کی طرف جانے کے لیے مچل رہا تھا۔ دُرِّ یکتا کو جانے کیوں طیب پر غصہ آ گیا۔

''چلو طیب شاباش۔'' طیب صاحب پر اس کے نرم لہجے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ مزے سے دوبارہ اشعر

کے پاس چلا گیا۔

''آپ جائیں، میں اپنے بیٹے کے ساتھ کھیل رہا ہوں۔ ناشتا بنوائیں میرے لیے۔'' اشعر نے اسے بالکل ہی نظر انداز کر دیا پر دُرِ یکتا خوشگوار حیرت میں گھری ہوئی تھی۔ اشعر کا جملہ نظر انداز کرنے والا نہیں تھا۔ ''میں اپنے بیٹے کے ساتھ کھیل رہا ہوں۔''

اس کے لب مسکرانے والے انداز میں کھل گئے۔ ایک سرمستی کی حالت میں وہ سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔ اس کا تو انگ انگ جیسے جھوم اٹھا تھا اور دل ایک ہی جملے کی گردان کر رہا تھا۔ ''میں اپنے بیٹے کے ساتھ کھیل رہا ہوں۔''

اشعر کی سمت جانے والے راستوں کا فاصلہ اور بھی کم ہو رہا تھا۔

''یہ تو بہت ہی اچھا ہے، نیک دل شہزادے کی طرح۔'' اس کے دل نے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔

☆☆☆

ایسے ٹوٹے ہیں تمناؤں کے پندار کہ بس
میں نے جھیلے ہیں محبتوں میں وہ آزار کہ بس
اک دھماکے سے زمانے میرے ہاتھوں سے گئے
اس قدر تیزی ہوئی وقت کی رفتار کہ بس
کل بھی صدیوں کی مسافت سے پرے تھے دونوں
درمیاں، آج بھی پڑتی ہے وہ دیوار کہ بس

مائرہ کا ہنسنا بولنا سب ختم ہو گیا تھا۔ وہ لمحوں میں اجڑ گئی تھی۔ ایک اداسی اور کرب تھا جس نے دل میں ڈیرے ڈال لیے تھے۔

شیریں اور اورنگزیب کے لیے جوان بیٹی کے دوسری بار اجڑنے کا صدمہ بہت بڑا تھا۔ اورنگزیب تو بیمار پڑ گئے تھے۔ شیریں، مائرہ کو دیکھ، دیکھ کے روتیں۔ وہ بجھ کے رہ گئی تھی۔ وہ خوشگوار ہنسی، وہ تازگی اور اس کی شخصیت کا جادو جو سر چڑھ کر بولتا تھا سب ماضی کا حصہ بن کے رہ گیا تھا۔

شیریں، مائرہ کی طلاق کے بعد بہن اور بہنوئی سے لڑنا چاہتی تھی ان سے جواب طلب کرنا چاہتی تھیں جو کچھ باسط نے اس کے ساتھ کیا...... پر مائرہ نے روک دیا تھا۔ لڑائی کرنے سے جھگڑنے سے جانے والے کارواں پلٹ نہیں سکتے تھے۔ اس کے پاس بھی تو ماتم کرنے کے لیے کچھ ہونا چاہیے تھا۔

مائرہ کے سامنے آئینہ تھا۔ اس آئینے میں سب کچھ واضح تھا۔

شاہ زیب کے ساتھ شادی، اس کی والہانہ محبت، باسط کے ساتھ زندگی کا دوسرا دور، باسط کی دُہری شخصیت اسے ذہنی اذیت دینا اور بالآخر محبتوں کی حد...... اس نے شاہ زیب کی قدر نہیں کی اور باسط نے اسے قدر کے قابل نہیں جانا۔ مکافاتِ عمل کتنا مکمل اور واضح تھا۔ اس میں کہیں کوئی جھول اور کمی نہیں تھی، انصاف تک مکمل تھا۔

☆☆☆

طاہر لغاری اور اشعر ان دنوں بڑی باقاعدگی سے عمر زیب کو دیکھنے اسپتال جا رہے تھے۔ اشعر نے دُرِ یکتا کو پھر کبھی ساتھ چلنے کے لیے نہیں کہا۔

دُرِ یکتا کو طاہر انکل سے بڑی شکایتیں تھیں۔ ویسے تو وہ اسے بہت چاہتے تھے بالکل لائبہ اور ثمرہ آپی کی طرح...... لیکن ایک پھانس اس کے دل میں گڑی ہوئی تھی۔ اشعر اسے کتنی اہمیت دے رہا تھا، کیا کر رہا تھا، کیا سمجھ رہا تھا۔ سب کچھ طاہر انکل کے علم میں تھا اس کے باوجود انہوں نے کبھی اشعر سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی اسے سمجھایا تک نہیں کہ تم بیوی کو بیوی کا مقام دو، وہ کوئی بچے تو نہیں تھے...... سب کچھ جانتے بوجھتے انجان بنے ہوئے تھے۔ ان کی اعلیٰ درجے کی بے حسی پہ دُرِ یکتا کو ان دنوں بہت غصہ آنے لگا تھا۔

اشعر کا بیڈ روم علیحدہ تھا کیا یہ انہیں نظر نہیں آتا تھا؟ جانتے بوجھتے یہ خاموشی کیا معنی رکھتی تھی۔

وہ اب منفی انداز میں سوچنے پر مجبور ہو رہی تھی۔

☆☆☆

مائرہ خاموش بیٹھی تھی، شیریں اسے کتنی دیر سے سمجھا رہی تھیں۔

''ہنسا بولا کرو بیٹی...... جو ہوا بھول جاؤ، تمہارے سامنے پوری زندگی پڑی ہے۔ اس غم کو سینے سے لگا کے کب تک بیٹھی رہو گی؟''

''امی کیسے بھول جاؤں سب کچھ...... میں ماں بھی نہیں بن سکتی، جس وجہ سے مجھے باسط نے چھوڑا ہے۔'' وہ دھیرے، دھیرے پھر سے سلگنے لگی کسی شمع کے مانند......

''تم بانجھ تو نہیں ہو، بیٹے کو جنم دیا ہے تم نے، اولاد ہے تمہاری، حقیقت ہے وہ...... جا کے لے آؤ اسے۔ تمہاری اپنی سگی اولاد ہے، اس میں کھو کے بھول جاؤ گی سب کچھ۔'' شیریں اس وقت پرانی باتیں بھول گئی تھیں۔ انہوں نے تو مائرہ کو طیب کے زیادہ قریب ہونے ہی نہیں دیا تھا۔ وہ روتا رہتا ماں کی آغوش کے لیے...... کبھی زبین اور کبھی دُرِ یکتا کی گود میں ہوتا...... مائرہ نے تین چار دن کے علاوہ اسے کبھی اپنے پاس تک نہیں سلایا۔ اسے خود فیڈ بھی نہیں کروایا۔ اب شیریں اسی اولاد کو واپس لانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔

مائرہ کا دل خود تڑپ رہا تھا۔ بیٹے کی محبت ٹھاٹھیں مار رہی تھی، دل کے سمندر میں۔ پر اسے کس منہ سے واپس لاتی؟

سائرہ نے طیب کی سالگرہ کا آنکھوں دیکھا حال اسے سنایا تھا۔ جو دُرِ یکتا نے چند ماہ پہلے منائی تھی۔ وہ طیب کی صحت مندی، اس کی خوب صورت حرکتوں، معصوم شرارتوں کا تذکرہ کرتی تو مائرہ کا دل طیب کو اپنی آغوش میں لینے کے لیے مچل، مچل جاتا۔ زندگی کتنی بے رنگ اور بوجھل تھی۔ طیب اس کے پاس آجاتا تو زندگی پھر سے خوب صورت اور امنگوں سے بھرپور ہو جاتی۔ مائرہ کو اس بات کا مکمل یقین تھا...... اب رات کی تنہائیوں میں طیب کے معصوم وجود کی کمی اسے بری طرح محسوس ہوتی۔ بچے کے چھوٹے، چھوٹے بازو اسے اپنے گرد لپٹے محسوس ہوتے تو خوشی ہی خوشی اس کے وجود میں اتر جاتی۔

☆☆☆

اشعر، طیب کو بازوؤں میں لیے ہوا میں اچھال رہا تھا۔ بچہ ڈر تو رہا تھا پر اسے اس کھیل میں مزہ آرہا تھا۔ دُرِ یکتا صوفے پر بیٹھی بڑی محویت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے اشعر خود طیب کو اس کے پاس سے اٹھا کے لے گیا تھا۔ طیب کی قلقاریاں اس کی...... بے پناہ خوشی کا مظہر تھی۔

اشعر اسے دُرِ یکتا کے پاس چھوڑنے آیا مگر وہ اس کی گود سے اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ گویا اسی دن والا حساب تھا، وہ اس کے سینے سے لپٹ گیا تھا۔

''میں اسے اپنے بیڈ روم میں لے کے جا رہا ہوں۔ جب سو جائے تو اپنے پاس لے آیئے گا۔'' اشعر، طیب کو اٹھائے اس کے پاس سے گزرا تو دُرِ یکتا کو رونا آگیا۔ 'میرا کسی کو کوئی خیال ہی نہیں ہے۔ میں کس کے پاس جا کے شکایت کروں۔ آخر مجھے کیوں اتنا دکھ ہوتا ہے۔ جب اشعر لغاری مجھے اگنور کرتا ہے۔ تایا اورنگزیب، تائی شیریں اور میرے خاندان کے کچھ اور لوگ اشعر کا امیج کچھ اور ہی بناتے رہے۔ نہ یہ جارحیت پسند ہے اور نہ انتقامی مزاج رکھتا ہے اور نہ ہی میں نے ابھی تک اس میں کوئی آوارہ مزاجی دیکھی ہے۔ نہ ہی عیاش طبع ہے...... سائرہ تو خود دلچسپی لیتی رہی ہے۔ مرتی ہے اس پر۔' دُرِ یکتا نے دلیل بھی ڈھونڈ رکھی تھی۔

'تو، تو پھر یہ سب کیوں کیا ان لوگوں نے۔ کیوں اشعر کا غلط امیج میرے سامنے پیش کیا گیا تا کہ میں برگشتہ ہو جاؤں، وہ خلع بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی۔' کل رات ہی تو طاہر انکل نے اسے کتنی حقیقتوں سے آگاہ کیا تھا۔

شاہ زیب کے کاروبار کی عاشر اور تایا اورنگزیب کے ہاتھوں تباہی...... عمر زیب کے کاروبار اور حسابات میں گڑبڑ...... اس کے بینک اکاؤنٹ کا خالی ہونا...... اسے اور عمر زیب کو منظر سے ہٹانے کے لیے گاؤں بھیج دینا...... اور عمر زیب کی صحت اور پھر اشعر لغاری کی فرضی فائرنگ کو جواز بنانا...... مائرہ کے گھر کی نیلامی......

عمر زیب کے وفادار ملازموں کو کاروبار سے

الگ کرنا..... اسے اشعر لغاری سے خلع دلوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا..... عاشر بھائی اور شیریں تائی کی معنی خیز باتیں......

سائرہ کا اظہار افسوس اور طنزیہ اندازِ گفتگو........ عمر زیب کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے سے کترانا..... سب کچھ واضح تھا۔

طاہر انکل نے کم و بیش سب کچھ اسے بتادیا تھا۔غم و غصے کا ایک طوفان اسے ساتھ بہا لے جانے کے لیے بے قرار تھا۔

اس کی نگاہوں کے سامنے سے کتنے پردے سرکے تھے۔اس روشنی میں پردوں کے ہٹنے کے بعد سب کچھ نظر آرہا تھا۔

ان میں اشعر لغاری بھی واضح تھا۔اور اس سے وابستہ وہ مبہم سا جذبہ بھی اپنا آپ منوار ہا تھا۔شور مچا رہا تھا، احتجاج کررہا تھا۔زور شور سے ایک ہی بات کررہا تھا کہ یہی تو محبت ہے۔'' اب تو دل کے دروازے کھول دو..... اب کا ہے کا ڈرنا..... اب کیسا شرمانا..... کھل کے اقرار کرلو.....مگر نہیں..... ابھی نہیں..... نظر انداز کیوں کرتا ہے۔گریز اں کیوں ہے اور طاہر انکل بھی کچھ نہیں کہتے اپنے لاڈلے سپوت کو..... پہلے میں سارے سوالوں کے جواب حاصل کروں گی۔اس کے بعد ہی بہاروں کی وادی میں قدم رکھوں گی۔میں اتنی گئی گزری نہیں۔اشعر لغاری کو بھی تو معلوم ہونا چاہیے۔''

☆☆☆

مائرہ، شیریں اور اورنگزیب کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرچکی تھی۔'' میں طیب کو دُرِ یکتا سے واپس لے آؤں گی۔نوید اور ہارون چاچا بتارہے تھے کہ عمر چاچا صحت یاب ہورہے ہیں۔میں ان کے پاس جاؤں گی اور اپنے گھر میں طیب اور عمر چاچا کے ساتھ رہوں گی۔میں اپنی غلطیوں کی تلافی کروں گی، میں نے سب کچھ کھودیا ہے، کچھ محبتیں بچی ہیں، انہیں کھونے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے۔میرا گھر خالی کروادیجیے ابو۔'' مائرہ، باپ سے مخاطب تھی۔

ان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا کہ مائرہ کو سچائی سے کیسے آگاہ کریں..... وہ گھر انہوں نے نیلام کردیا تھا یہ کہہ کر اسے میں نے کرائے پر دے رکھا ہے۔مائرہ کو ابھی تک یہی خوش فہمی لاحق تھی کہ وہ شاہ زیب کے چھوڑے ہوئے کاروبار کی مالک ہے۔

اورنگزیب سر جھکائے شرمندہ، شرمندہ سے اسے بتارہے تھے۔وہ مائرہ سے آنکھیں نہیں ملا پارہے تھے۔مائرہ کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ ابو اس کے ساتھ ایسا بھی کرسکتے ہیں۔عمر چاچا اور دُرِ یکتا کی جائداد پر قبضہ کرنے کا پلان اس کے سامنے ہی تو بنایا تھا پر ابو اور عاشر بھائی اس کی جائداد بلکہ شاہ زیب کی چھوڑی ہوئی جائداد کے ساتھ ایسا کرچکے تھے۔سگے رشتوں پر اندھا اعتبار تھا اسے۔کس بری طرح یقین ٹوٹا تھا اس کا..... ابھی تو باسط کے لگائے ہوئے زخم بھی نہیں بھرے تھے۔اپنوں نے اسے بالکل خالی ہاتھ کردیا تھا۔

اسے دُرِ یکتا کا خیال آیا۔اس نے بھی تو تایا اورنگزیب پہ..... اپنوں پہ اندھا اعتبار کیا تھا۔اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔مائرہ کو وہیں سے سبق لینا چاہیے تھا۔دُرِ یکتا تو اورنگزیب کے بھائی کی بیٹی تھی..... پر مائرہ تو ان کی اپنی بیٹی تھی۔بیچ دریا میں اس کا سفینہ ڈوبا تھا۔کچھ بھی تو نہیں بچا تھا۔

اورنگزیب اور شیریں تو اپنی سگی اولاد سے آنکھیں ہی نہیں ملا پارہے تھے۔مائرہ کی آنکھوں میں نفرت تھی، سرد مہری تھی۔وہ اب ایک پل بھی حویلی میں رہنے کی روادار نہیں تھی۔

وہ اپنے پرانے ٹھکانے پر لوٹنا چاہتی تھی..... ہاں اپنے مرحوم شوہر کے گھر..... آج بڑے دنوں بعد اسے اپنا احتساب کرنے کا موقع ملا تھا۔وہ شاہ زیب کی قبر پر جاکے دل کھول کے روئی۔مٹی میں مٹی ہوکر شاہ زیب سے معافی مانگی پر معافیوں اور آنسوؤں سے یہ آگ کہاں بجھنے والی تھی۔

پچھتاوے سے زندگی بھر کی ندامت کہاں ختم

ہونے والی تھی۔ وہ شاہ زیب کی موت کی، اپنی خوشگوار زندگی کے خاتمے کی اور اپنے جگر کے ٹکڑے کو خود سے ...... دور کرنے کی خود ہی ذمے دار تھی۔ مائرہ بری طرح رو رہی تھی، بلک، بلک کر رو رہی تھی۔ مائرہ، دُرِیکتا کے پاس جانے کے لیے تیار تھی۔ وہ اکیلی ہی جارہی تھی۔ شیریں شرمندہ تھیں پر وہ بھی اس کے ساتھ جانا چاہ رہی تھیں۔ اکیلے میں دُرِیکتا کا سامنا کرنا ان کے لیے محال تھا۔ مائرہ کے ساتھ انہیں بھی کچھ حوصلہ مل جاتا۔ وہ گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھیں تو مائرہ عدم توجہی کا مظاہرہ کرتی رہی، وہ ماں کی طرف دیکھ تک نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

عمر چاچا کا گھر خالی پڑا تھا۔ بہت اجنبی اور پرایا، پرایا سا لگ رہا تھا۔ اورنگزیب، عاشر کے ساتھ گاؤں چلے گئے تھے۔ عمر زیب صحت یاب ہو رہے تھے یہ خبر ہارون اور نوید نے سنائی تھی جو اُن کے لیے پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ انہیں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا خوب اندازہ تھا اور عمر کو جواب دہی کا احساس بھی۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی عمر سے معافی مانگ لیں گے۔ آخری حل ان کے پاس یہی تھا۔ عمر کا ظرف بڑا تھا۔ وہ انہیں معاف کردے گا۔ اورنگزیب کو یقین تھا۔ ہارون اور نوید متواتر عمر کے پاس اسپتال جارہے تھے لیکن اورنگزیب کو ابھی تک ہمت نہیں ہوئی تھی عمر کا سامنا کرنے کی۔

☆☆☆

مائرہ، شاہ زیب کے بیڈ روم میں کھڑی تھی۔ اسی کمرے میں وہ دلہن بن کے آئی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے کمرے میں اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ کسی کی سانسوں کی ہلکی آواز محسوس ہو رہی تھی۔ یہ آواز صرف اس کے محسوس کرنے کی حد تک تھی۔ حقیقت میں اس کا وجود نہیں تھا۔

شاہ زیب کے کپڑوں کی سرسراہٹ بھی واضح تھی۔ اس کی خوشبو یہیں کہیں موجود تھی وہ بول رہا تھا، آہستہ آہستہ...... مائرہ کان لگا کے سننے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ شاہ زیب کی آواز ہی تھی۔

”مائرہ تم ہار گئی ہو...... میرے ساتھ تم نے اچھا نہیں کیا...... مجھے وہ محبت نہیں دی جس کا میں حقدار تھا۔ مائرہ میں نے تو تم سے ٹوٹ کر محبت کی، اپنے پپا کے سامنے کھڑا ہوگیا...... پھر بھی...... پھر بھی تم نے میری آرزوؤں کو میراب نہیں ہونے دیا...... تم نے میرے طیب کو اکیلا چھوڑ دیا۔ تم مطلبی اور خود غرض ہو مائرہ...... تمہیں اپنے کیے کی سزا مل گئی ہے، تم اکیلی رہ گئی ہو، اپنی خود غرضی اور سفا کی سمیت اکیلی رہ گئی ہو۔“ اب آواز کے ساتھ، ساتھ شاہ زیب کا وجود بھی واضح ہوگیا تھا۔ شاہ زیب نے وہی کپڑے پہنے ہوئے تھے جو مرنے سے پہلے آخری بار اس کے جسم پر موجود تھے۔

مائرہ نے وحشت سے اس کی طرف دیکھا۔

”نہیں، نہیں میں اکیلی نہیں ہوں۔“ وہ چیختی چلی گئی۔ نیچے سے شیریں سیڑھیاں چڑھ کے بھاگتی اس کی طرف آئیں۔ مائرہ پوری قوت سے چیخ رہی تھی۔ اب شاہ زیب غائب ہو چکا تھا وہاں کچھ نہیں تھا۔ نہ اس کے کپڑوں کی سرسراہٹ، نہ سانسوں کی مہک، نہ اس کی آواز...... کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف اور صرف مائرہ کا اندرونی خوف اور پچھتاوے تھے۔

☆☆☆

مائرہ اور شیریں کو طاہر نے عزت سے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور ساتھ ہی دُرِیکتا کو آواز دی۔ مائرہ ...... بے تابی سے دروازے کی سمت دیکھ رہی تھی کچھ ہی دیر کے بعد دُرِیکتا، طیب کو اٹھائے اندر داخل ہوتے، ہوتے وہیں ٹھٹک کے رک گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ مائرہ بھابی یہاں آسکتی ہیں...... بے اختیار اس نے طیب کو سینے سے چمٹالیا جیسے اس کے چھن جانے کا اندیشہ ہو۔

”آؤ آگے دُرِیکتا...... تمہارے گیسٹ آئے ہیں۔“ دُرِیکتا کی گھبراہٹ وہ بھانپ گئے تھے۔

طیب دو اجنبی عورتوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ مائرہ اس کی طرف بڑھی۔ دُرِیکتا نے بے بسی سے طاہر

انکل کی طرف دیکھا۔ جیسے ان سے مدد مانگ رہی ہو۔ مائرہ نے جھپٹ کے طیب کو اچک لیا اور اپنے سینے سے چمٹالیا۔ وہ اس اچانک افتاد پر گھبر کے رونے لگا۔

''ماما، ماما، ماما......'' وہ امداد طلب نگاہوں سے دُرِیکتا کو دیکھتا مسلسل ماما، ماما کی گردان کیے جا رہا تھا جبکہ مائرہ اسے دیوانوں کی طرح چوم رہی تھی۔

''میرا بیٹا، میرا طیب، میرا شہزادہ، میں ہوں ناں اپنے بیٹے کی ماما......'' بہت عرصے کے بعد سب کچھ گنوا کے اسے یاد آیا تھا کہ وہ طیب کی ماما ہے۔

دُرِیکتا نے بڑی مشکل سے اسے مائرہ کی گود سے الگ کیا تو وہ رونے لگی۔

''طیب میرا ہے، میں اسے لینے آئی ہوں، پلیز اسے مجھ سے جدا نہ کرو...... میں مر جاؤں گی۔''

''اس وقت آپ کہاں تھیں جب اسے آپ کی ضرورت تھی، یہ صرف میرا ہے، میرے پیا کا ہے، میں نہیں دوں گی اسے۔'' دُرِیکتا ضد میں آگئی تھی۔

''پلیز دُرِیکتا، میں طیب کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی، میں نے بہت سزا پالی ہے، مجھے معاف کردو۔ طیب مجھے دے دو۔'' وہ گڑگڑا رہی تھی۔

ڈرائنگ روم سے رونے، چیخنے کی آوازیں سن کر اشعر بھی اسی طرف آگیا تھا۔ اندر کا منظر بڑا حیران کر دینے والا تھا۔

مائرہ، دُرِیکتا سے طیب کو لینے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر ہو رہی تھی۔

''نہیں، نہیں میں نہیں دوں گی۔'' شیریں خاموش تماشائی بنی ہوئی تھیں۔ وہ بے بسی سے کبھی مائرہ اور کبھی دُرِیکتا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ طاہر لغاری کا بھی یہی حال تھا۔ دُرِیکتا نے ایسے وقت میں طیب کو اپنایا تھا جب اس کی جنم دینے والی ماں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس کے لیے راتوں کو جاگی تھی۔ اپنے آرام کی قربانی دی تھی...... اس گھر میں اپنے ساتھ لے کے آئی تھی کہ وہاں حویلی میں کوئی اس کی ذمے داری لینے کے لیے تیار نہیں تھا...... سگی ماں اور نہ نانی...... نانا حتیٰ کہ خالہ بھی نہیں...... طیب کے لیے دُرِیکتا ہی سب کچھ تھی۔

دوسری طرف مائرہ تھی۔ طیب کو جنم دینے والی ماں...... وہ اس کا خون تھا جسے بہر حال انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

بچہ اس کش مکش سے گھبرا کے بری طرح رو رہا تھا۔

اشعر آگے بڑھ آیا۔ اس نے طیب کو دُرِیکتا سے لے لیا۔

''میرا بیٹا میرے پاس آئے۔'' اس نے طیب کو پیار سے چمکارا۔ مائرہ اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ طیب، اشعر کے پاس جا کے پُرسکون ہوگیا۔

''آپ سب بیٹھیں......'' اس نے مائرہ اور شیریں اور دُرِیکتا کو اشارہ کیا۔

ملنے ملانے سلام دعا کے مرحلے اب طے ہو رہے تھے۔ مائرہ شرمندہ سی تھی۔ دُرِیکتا البتہ رو رہی تھی۔ اسے شاید آنے والے لمحات کا اندازہ ہوگیا تھا۔

''طیب آپ ہی کا بیٹا ہے اور آپ ہی اس کی ماں ہیں...... اسے آپ سے کوئی الگ نہیں کرسکتا۔ دُرِیکتا نے پھپھو ہونے کے ناتے...... اس کی دیکھ بھال کی لیکن یہ آپ کا خون ہے۔ آپ آج اِدھر ہی رکیں۔ کل صبح طیب کو لے جایئے گا اپنے ساتھ...... تب تک اس کی اجنبیت بھی ختم ہو جائے گی۔ کیوں دُرِیکتا؟'' وہ تائیدی نگاہ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کیا بولتی، اس کے گلے میں آنسوؤں نے پھندا ڈال دیا تھا۔ مزید سننے کی اس میں تاب نہیں تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ گئی اور تقریباً بھاگ کے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئی۔

اشعر، طیب کو مائرہ کے پاس چھوڑ کے اس کے پیچھے، پیچھے آیا۔

وہ بستر پر اوندھی لیٹی بری طرح رو رہی تھی۔

اشعر نے کندھے سے پکڑ کر اسے سیدھا کیا۔ دُرِیکتا کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ مائرہ کو اپنا فیصلہ سنا چکا تھا اور دُرِیکتا کو پتا تھا اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اشعر نے اس کے بال سہلائے۔

''مائرہ ہی طیب کی ماں ہے...... بھلا اسے اپنی ماں سے دور کرنے کا ظلم کیوں کیا جائے۔ خون کی اپنی کشش ہے، ایک دن طیب کو اپنی ماں کے پاس لوٹنا تھا۔ وہ آپ کے پاس امانت تھا۔ ہنسی خوشی اس حقیقت کو تسلیم کرلیں تو دل مطمئن ہوجائے گا۔ طیب اپنی ماں کے پاس جارہا ہے، کسی غیر کے پاس نہیں۔'' اشعر بہت نرم لہجے میں بات کررہا تھا۔ وہ دُرِّ یکتا کے بہت پاس بیٹھا تھا۔ اس سے پہلے ایسا موقع نہیں آیا تھا۔ وہ رو رہی تھی ورنہ ضرور محسوس کرتی۔

☆☆☆

طیب، مائرہ کے پاس ہی سویا۔

اس کے روم، روم میں سکون اتر آیا تھا۔ اس کے لیے وہ دُرِّ یکتا کی شکر گزار تھی۔

☆☆☆

باسط نے سب کچھ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس کے پارٹنر اس کا فیصلہ خوش دلی سے مان لیا تھا۔

باسط نے اب کینیڈا شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ فی الحال وہ پاکستان واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ نہ سوال جواب کا سامنا کرسکتا تھا کیونکہ حمزہ احمد اور بینا سمیت مائرہ کے گھر والے بھی اس سے ناراض تھے۔

کچھ عرصے بعد حالات معمول پر آجاتے تو اس نے واپس اپنے ملک آکے نئی زندگی نئے سرے سے شروع کرنی تھی۔

وہ تیزی سے اپنے سارے کام نمٹا رہا تھا۔ اس نے سیٹ بھی بک کروالی تھی۔ باسط تیار ہو کے باہر نکلنے ہی والا تھا جب ڈور بیل بجی۔ اس نے خود بڑھ کر دروازہ کھولا۔

باہر چار مسلح پولیس والے مخصوص یونیفارم میں ملبوس اس کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ واپسی کے راستے اور فرار کی راہیں مسدود ہوگئی تھیں۔ اس کا اندازہ بہت پہلے سے تھا باسط کو ہوگیا تھا... پر اسے عین وقت پر شکست ہوئی تھی اس سے پہلے وہ ہر بار صفائی سے پولیس کی نگاہوں میں دھول جھونکتا آیا تھا جو ایک عرصے سے اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ کالے دھندوں اور کالے کرتوتوں کا یہی انجام ہونا تھا۔ باسط کو ایک لمبا عرصہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنا تھا۔ ایک پولیس والے نے ہتھکڑیاں اس کے ہاتھوں میں پہنائیں اور دوسرے نے ٹہوکا دے کے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ باسط تھکے ہارے قدموں سے پولیس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا۔

☆☆☆

اب مائرہ، دُرِّ یکتا کے ساتھ مل کے عمر زیب کے گھر کو سجانے سنوارنے میں لگی ہوئی تھی۔ عمر زیب... رو بصحت ہو رہے تھے اور ان دونوں نے خود مل کے سارے کمروں کی سیٹنگ کی تھی۔

عمر کا کمرا ٹھیک کیا تھا۔ نئے پردے اور نیا قالین بچھایا تھا۔ دُرِّ یکتا نے تازہ پھول توڑ کے گل دان میں سجا کے چھوٹی تپائی پر رکھے۔ طیب ان تمام سرگرمیوں کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مائرہ کا دوپٹا پکڑے اس کے

پیچھے، پیچھے گھوم رہا تھا۔ خون کی کشش تھی یا مائرہ کا والہانہ انداز طیب اس سے مانوس ہو چلا تھا۔ نوید، ہارون، اورنگزیب تایا، اشعر اور طاہر سب عمر کو اسپتال سے گھر لانے کے لیے گئے تھے۔ گاؤں سے سب رشتے داران کے گھر آئے ہوئے تھے۔ عمر زیب اتنے ماہ اسپتال میں رہ کے اب اپنے گھر واپس آرہے تھے۔

دُرِ یکتا کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ وہ دو دن سے اِدھر پپا کے گھر پر ہی تھی۔ طاہر انکل نے ہی اسے خوشخبری سنائی تھی۔

''عمر بالکل صحت یاب ہوگیا ہے، تم تیاری کرو اسے خوش آمدید کہنے کی۔'' تب سے وہ اور مائرہ گھر کی حالت خوب ٹھیک کرنے میں لگ گئی تھیں۔ وہ دونوں..... بے تابی سے انتظار کررہی تھیں کہ کب عمر گھر آتے ہیں۔ مائرہ نے نہلا دھلا کے طیب کو نئے کپڑے پہنائے تھے۔ وہ بہت صحت منداور پیارا لگ رہا تھا۔

باہر گیٹ پہ ایک سے زائد گاڑیوں کے رکنے کی آواز آئی تو دُرِ یکتا اور مائرہ کے ساتھ، ساتھ فوزیہ اور فرح بھی گیٹ کی طرف بڑھیں۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ دو گاڑیاں اکھٹے اندر داخل ہوئیں۔ سب سے پہلے طاہر انکل اترے اور دوسری طرف کا دروازہ کھلا۔ عمر گاڑی سے نیچے اترے۔ سامنے، مائرہ، طیب کو گود میں لیے کھڑی تھی۔ وہ بھاگ کے عمر چاچا کے گلے لگ گئی۔ اتنے میں اشعر بھی دوسری گاڑی سے اتر آیا اور طیب کو اس سے لے لیا۔ مائرہ رو رہی تھی، آنسو عمر کی آنکھوں میں بھی تھے۔

''یہ لیں، طیب کو بھی تو اٹھائیں کیسے آپ کی طرف دیکھ رہا ہے۔'' اشعر نے طیب کو ان کی طرف بڑھایا۔ طاہر اسپتال میں عمر کو سب کچھ بتا چکے تھے۔ عمر مکمل صحت یاب ہو چکے تھے۔ انہوں نے طیب کو سینے سے چمٹا لیا۔

''میرا بیٹا، میرا شاہ زیب.....'' ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے پھوٹ پڑے۔ اس بار دُرِ یکتا، مائرہ، فوزیہ، فرح کے ساتھ شیریں تائی بھی رو رہی تھیں۔ طاہر کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

قدرت نے غم کے بعد اتنی خوشی دی تھی۔ سب خوش تھے۔ عمر زیب نے طیب کو گود میں اٹھایا ہوا تھا اس کے ساتھ لاڈ کررہے تھے۔

''اے اللہ عمر کے گھرانے کی خوشیوں کو ہمیشہ قائم رکھنا۔'' طاہر نے دل کی گہرائی سے دعا دی تھی۔

☆☆☆

طاہر بہت خوش تھے۔ عمر صحت یاب ہو کے گھر آگئے تھے۔ ان کے گھر کی خوشیاں لوٹ آئی تھیں۔ زندگی کا ٹوٹا سرا وہیں سے جُڑ گیا تھا۔ شاہ زیب کی جگہ مائرہ اور طیب نے لے لی تھی... شاید قدرت کی منشا اور مرضی اسی میں تھی۔ مائرہ نے بھی قسمت کے لکھے کو قبول کرلیا تھا۔ قدرت کے فیصلوں کی مصلحت وہ جان چکی تھی۔

اور یقیناً شاہ زیب کی روح بھی اب سکون میں تھی کیونکہ رات اپنے بیڈ روم میں سوتے ہوئے اسے بالکل بھی ڈر نہیں لگا تھا۔

☆☆☆

عمر اپنے پوتے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ مائرہ صبح ناشتے کے وقت کبھی دودھ کا مگ کبھی آملیٹ اور کبھی بریڈ عمر کی طرف بڑھاتے ہوئے۔ کھانے پر اصرار کرتے ہوئے، مکمل طور پر ذمے دار بہو کے روپ میں نظر آرہی تھی۔

دُرِ یکتا کو اس کی یہ تبدیلی بہت خوشگوار لگی تھی۔ وہ اب ذہنی طور پر ان حالات سے سمجھوتا کر بیٹھی تھی۔

اسے اب پپا اور طیب کی طرف سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ مائرہ ان کی دیکھ بھال بہتر طور پر کرسکتی تھی۔

مائرہ نے عمر زیب سے بہت ساری معافیاں مانگی تھیں۔ انہوں نے کھلے دل سے سب کچھ معاف کردیا تھا۔

عمر کو پوتے کے ساتھ بہو پھر سے مل گئی تھی۔ ایک نئی زندگی کی امید..... ایک نئی امنگ وہ سب کچھ پرانے زخم، پرانی تلخیاں بھول گئے تھے۔

ان کا آج ان کے بیٹے کے بیٹے... طیب کی

صورت میں سامنے تھا۔ اس کے ساتھ ہنستے مسکراتے، شرارتیں کرتے وہ خود بھی بچہ بن گئے تھے۔ وہ خوشیوں بھرے دن لوٹ آئے تھے۔ ان کی دسترس میں تھے جو کچھ عرصہ قبل بچھڑ گئے تھے۔ عمر اپنے رب کے شکر گزار تھے۔ جس نے طویل سیاہ رات کے بعد روشن چمکدار اجلا دن نصیب کیا تھا۔

اب طیب اور مائرہ ہی ان کی زندگی تھے۔

☆☆☆

سات دن ہو چکے تھے دُرِ یکتا کو پپا اور مائرہ کے ساتھ خوشیاں سمیٹتے ہوئے...... اس دن اسے وہیں بیٹھے، بیٹھے ہی طاہر انکل اور اشعر کا خیال آیا۔ جب سے وہ ان لوگوں کے ساتھ آئی تھی اس دن کے بعد سے دونوں میں سے کسی کا فون نہیں آیا تھا۔ وہ خود ہی اب گھر جانے کے لیے پر تولنے لگی۔

اپنے کمرے میں آ کے کپڑے وغیرہ بیگ میں ڈالے اور پپا کو بتایا، وہ اور مائرہ بھی ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ شام ڈھل رہی تھی جب وہ پپا اور مائرہ کے ساتھ سبز بیلوں سے ڈھکے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ طاہر لغاری ان سب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ موسم خوشگوار تھا۔ وہ اِدھر لان میں ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اشعر گھر میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ طاہر انکل نے دُرِ یکتا کو کھانے میں خصوصی اہتمام کرنے کا کہہ دیا۔ عمر زیب، مائرہ کے ساتھ پہلی بار ان کے گھر آئے تھے۔ رات کے کھانے سے کچھ دیر پہلے اشعر کی واپسی ہوئی۔ اسے گھر میں بڑی چہل پہل سی محسوس ہوئی۔

طیب اسے دیکھتے ہی اس کی سمت بڑھا تھا۔ طیب کو گود میں اٹھائے وہ عمر انکل اور دُرِ یکتا کی طرف آیا۔ عمر زیب بڑی خوشی، خوشی اس سے ملے۔ دُرِ یکتا نے البتہ ایک اچٹتی ہوئی نظر ہی ڈالی۔ اشعر نے بھی زیادہ دھیان نہیں دیا۔

عمر اور مائرہ کھانا کھا کے گھر واپس چلے گئے تھے۔ طاہر انکل نے دُرِ یکتا کو اپنے پاس بٹھالیا تھا۔ پہلے وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر اصل بات کی طرف آ گئے۔

"جب وہ خلع کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا تو تمہیں پتا ہی ہو گا کہ تمہارے تایا اور نگزیب نے کون، کون سے ہتھکنڈے استعمال نہیں کیے۔" وہ پہلو بدل کے رہ گئی۔ جانے طاہر انکل پرانی باتیں کیوں دُہرا رہے تھے۔ "تمہارے ذہن میں بہت سارے شکوے اور شکایتیں ہوں گی۔ ان ساری باتوں کا تعلق تمہارے تایا کے نامناسب رویے سے ہے۔ اشعر تمہیں بیاہ کے لے تو آیا پر وہ تمہیں موقع دینا چاہ رہا تھا کہ تم خود سے اسے پرکھو، جانو اور تب خود فیصلہ کرو آیا وہ کس طرح کا انسان ہے۔ کیا وہ ویسا ہی ہے جیسا تم سے بیان کیا گیا ہے یا ویسا ہے جیسا تم نے اسے پایا ہے۔ تمہارے ذہن پہ بہت زیادہ بوجھ تھا۔ تم مجبوری میں رخصتی کے لیے راضی ہوئی تھیں، وہ اس مجبوری سے فائدہ اٹھانے والوں میں سے نہیں ہے۔ اب تو تمہیں پتا چل گیا ہو گا کہ وہ کس قسم کا انسان ہے۔ سو اپنے دل کو ہر قسم کے

خیالات سے پاک کرلو۔ مجھے اشعر نے بتایا تھا کہ تم آج کل بہت غصے میں ہو، میں نے سوچا اس سے پہلے کہ میں بھی اس غصے کی لپیٹ میں آ ؤں، تمہیں سب کچھ صاف، صاف بتادوں۔'' آخر میں وہ اسے شرارتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے تو وہ شرمندہ ہوگئی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دل میں ان کی سمجھداری کی بھی قائل ہوگئی تھی۔ واقعی اس وقت طاہر انکل یا اشعر میں سے اس سے کوئی کچھ کہتا تو وہ غلط ہی سوچتی۔ اب درست، غلط سب کچھ اس کے سامنے تھا۔

''اب جاؤ آرام کرو، رات کافی ہوگئی ہے، میری دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔'' اسے سونے کا کہہ کر وہ خود بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ وہ دُرِ یکتا کو اپنے سامنے مزید شرمندہ ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

☆☆☆

اشعر اپنے پرانے بیڈروم میں تھا جو اس نے کبھی دُرِ یکتا اور طیب کے حوالے کردیا تھا۔ وہ دو تکیے سر کے پیچھے رکھے نیم دراز تھا۔ دُرِ یکتا اندر آتو گئی تھی پر تذبذب کا شکار تھی۔

اشعر نے اس کی مشکل آسان کردی۔ وہ بیڈ سے نیچے اتر آیا۔

''میں اب مزید دوسرے بیڈروم میں اکیلا نہیں سوسکتا۔ پپا نے آپ کو سب کچھ بتادیا ہوگا۔ میں نے کہا تھا اپنی بہو کو آپ خود ہی سمجھائیں۔ میں اس کے ساتھ دماغ نہیں کھپا سکتا۔'' اشعر نے مسکراہٹ ہونٹوں میں ہی دبالی اور اس کا بازو پکڑا۔ دُرِ یکتا نے چھڑانا چاہا پر اشعر نے دوسرا بازو بھی پکڑلیا۔

''اب نہیں...... میں دوسرے بیڈروم میں سوتا تھا تو تم چپکے، چپکے روتی تھیں، مجھے بتاتی نہیں تھیں پر......'' اشعر کھل کے ہنسا۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں...... بس مجھے اپنی انسلٹ فیل ہوتی تھی اس لیے رونا آتا تھا۔'' وہ اشعر کی قربت سے خائف ہو رہی تھی۔

''میں تو چاہ رہا تھا کہ تم مجھے خود جانو، خود پرکھو، ورنہ تم تو میری بیوی تھیں، نکاح کے بعد ایسے ہی تھیں تمہارے جملہ حقوق میرے نام تھے اور ہیں...... لیکن میرے کردار کی مضبوطی کی گواہ تم خود ہو، ہے ناں......؟'' اشعر نے اچانک اسے خود سے قریب کرلیا۔ دُرِ یکتا نے پیچھے ہٹنا چاہا مگر اشعر کی گرفت مضبوط تھی۔ ''اب بھی بھاگو گی......؟'' اشعر نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو اس کی مزاحمت کمزور پڑ گئی۔ ''پاگل لڑکی میں بھی تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ پہلے تم میری غیرت پھر ضد بن گئیں اور اب میری محبت ہو۔''

''سچ......؟'' دُرِ یکتا نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں سو فیصد سچ۔''

''اشعر میں بھی آپ سے محبت کرنے لگی ہوں۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ مجھے آپ سے کب سے محبت ہوگئی ہے۔'' وہ بیچارگی سے بولتی اسے بہت اچھی لگی۔

''اب تو کچھ نہیں ہوسکتا کیونکہ تمہیں مجھ سے محبت جو ہوگئی ہے۔'' اشعر اسے محبت لٹاتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

دُرِ یکتا نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے بھی اشعر کی محبت کو قبولیت بخش دی تھی۔

اشعر نے بڑی نرمی سے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹتے ہوئے محبت بھرے جذبوں کو پزیرائی بخش دی تھی۔ اس نے شکوے شکایتوں کی نوبت ہی نہیں آنے دی تھی۔ اس کا ہم سفر کتنا حساس اور سمجھدار تھا۔

دُرِ یکتا نے بڑے غرور سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اشعر اس کا مان، انا، خودداری سب کچھ ہی تو تھا۔

صد شکر کہ وہ اسے پہچان گئی تھی۔

اشعر کی شریر نگاہیں، کچھ نئی کہانیاں رقم کرنے کی دعوت دے رہی تھیں اور دُرِ یکتا میں انکار کی ہمت نہیں تھی۔ اس کی اپنی مرضی بھی تو یہی تھی۔ دونوں کی متاعِ دل ایک ہی تو تھی۔



ٹھپا

نگہت اعظمی

وہ مہکتی ہوئی سیج پر دلہن بنی بیٹھی آنکھوں میں بے شمار خواب سجائے اُس کی منتظر تھی۔ عالیان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ وہ اس کے قریب آیا بیڈ پر بیٹھنے کے بعد اس نے سلام کیا۔ عافیہ نے سلام کے جواب میں سر اور جھکالیا، عالیان کی آواز اور لہجہ بہت دلکش تھا۔ درمیان میں چند لمحوں کی خاموشی کا وقفہ آگیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر ٹہلنے

لگا پھر بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کا پورا وجود عالیان کا اگلا جملہ سننے کا منتظر تھا۔

''مجھے اپنی اماں سے بہت محبت ہے، میری اماں دنیا کی سب سے بہترین عورت ہیں، انہوں نے ساری زندگی بڑی محنت اور مشقت سے گزاری ہے...... تم نے اماں کو دیکھا ہے ناں...... وہ کتنی سلیقہ مند اور محنتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم بھی ان کے جیسی بن جاؤ، میں نے تم سے شادی بھی اماں کی خواہش پر کی ہے......'' وہ دم سادھے عالیان کی زبان سے اس کے مہکتے اور دلکش خوابوں کے بجائے اماں کا قصیدہ سن رہی تھی اور اس قصیدے میں اتنی روانی تھی کہ درمیان میں نہ کہیں فل اسٹاپ آ رہا تھا اور نہ کامہ...... عالیان کا بیان جاری تھا۔

''میں تم سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم مجھے خوش رکھنا چاہتی ہو تو اماں کو خوش رکھنا۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن اماں کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتا۔ اماں تمہاری بہت تعریفیں کر رہی تھیں۔ انہیں تم سے بہت سی توقعات ہیں اور مجھے امید ہے کہ تم ان کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کرو گی۔'' عالیان کی زبان سے اماں کا پہاڑا جاری تھا۔ اس نے دوبارہ نظریں اٹھائیں۔ اس کے بیڈ کے بالکل سامنے ڈریسنگ ٹیبل تھی جس میں اسے اپنا عکس واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ وہ کتنی خوب صورت تھی اور کتنی خوب صورت دلہن بنی تھی۔ اس کی حسین غلافی آنکھیں میک اپ کے بعد کچھ اور قیامت ڈھا رہی تھیں۔ ہونٹوں کا خوب صورت کٹاؤ لپ اسٹک سے کچھ اور دلکش ہو گیا تھا۔ ستواں کھڑی خوب صورت ناک میں ہیرے کی لونگ کی چمک پورے چہرے کو روشن کیے ہوئے تھی۔ سر سے پاؤں تک پور پور سجی سنوری دلہن نہ جانے کیا کیا سوچ بیٹھی تھی۔ وہ جس کے لیے اتنا وہ تیار ہوئی تھی اس نے تو اسے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں وہ تو جب سے کمرے میں آیا تھا اماں ہی اماں کیے جا رہا تھا۔

''میں گھر میں سب سے چھوٹا ہوں اس لیے اماں مجھے بہت چاہتی ہیں۔ یقین کرو چھٹی کلاس تک اماں مجھے اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا کر کھانا کھلاتی تھیں۔'' عالیان کے اس جملے پر اس کا دل چاہا وہ ساری شرم و حیا بالائے طاق رکھ کر ابھی اور اسی وقت عالیان کو اس کی ماں کے حوالے کر آئے اور کہے۔

''پہلے آپ اپنے لاڈلے کو فیڈر دے دیں پھر میرے کمرے میں بھیجیے گا۔''

''تم بور تو نہیں ہو رہیں......'' عالیان کو اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ، کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔

''نہیں، نہیں مجھے آپ کی اماں کی باتیں سننا بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' اس نے دل پر پتھر نہیں بلکہ لوہے کی سل رکھ کر بہ مشکل یہ جملہ ادا کیا جسے عالیان نے حرف بہ حرف سچ سمجھ لیا۔

''مجھے پتا تھا...... میں پہلی دفعہ تمہیں دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ اماں نے تمہیں کیوں پسند کیا ہے...... اصل میں اماں کی کوئی بیٹی نہیں ہے، تم میں انہیں اپنی بیٹی کی جھلک نظر آ رہی تھی اور انہوں نے مجھ سے بھی یہی کہا تھا کہ اس دفعہ میں بہو نہیں بلکہ بیٹی لے کر آ رہی ہوں۔''

''جی...... جی...... ہاں......'' اسے لگا اس نے یہ تین لفظ زبان سے نہیں بلکہ کسی گہرے اندھے کنویں سے کھینچ کر نکالے ہیں۔

''ویسے تم ہو بھی بہت خوب صورت......'' عالیان کی نظریں اماں کا ذکر کرتے، کرتے غلطی سے اس پر پڑیں تو ایک لمحے کے لیے وہ ٹھٹک سا گیا۔

وہ سمٹ گئی تھی پر...... اسے قدرے سکون ہوا تھا کہ شاید اب وہ اس کی طرف متوجہ ہو۔

''اماں ٹھیک کہتی تھیں کہ تمہاری صورت جتنی اچھی ہے تمہاری سیرت اس سے کہیں زیادہ اچھی ہے...... اماں جو چیز پسند کرتی ہیں وہ لاجواب ہوتی ہے۔'' عالیان کا یہ جملہ سن کر اس کے دل میں شدت

سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش وہ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا ریوالور بھی لے آتی اور اس وقت اپنی کنپٹی پر رکھ کر اماں نامے سے نجات پالیتی۔

''آپ کی اماں بہت اچھی ہیں، اتنی اچھی کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی تعریف کیسے کروں...... ویسے میں بہت تھک گئی ہوں، تین گھنٹے پارلر۔ چار گھنٹے فوٹو سیشنز، دو گھنٹے تقریب...... میں بیٹھے بیٹھے مجھے شدید نیند آرہی ہے......'' جب عالیان کی گفتگو اس کی برداشت سے باہر ہوگئی تو بالآخر وہ بیڈ سے اتر کر کھڑی ہوگئی۔

''ارے ......ارے تم کھڑی کیوں ہو گئیں......ابھی تو میں نے تمہیں تحفہ ہی نہیں دیا۔'' وہ جو اماں کی محبت میں پور، پور ڈوبا ہوا تھا ایک دم ہی بوکھلا گیا۔

''چھوڑیں ...... تحفے میں کیا رکھا ہے۔ صبح ہی دے دیجیے گا۔'' اس نے اپنی نازک سی ناک سکیڑی۔

''نہیں، نہیں ایسا کیسے ہوسکتا ہے...... اماں کتنے ہفتوں تک جیولر کے چکر لگاتی رہیں تب انہیں یہ......'' وہ بریسلٹ کا نام بھول گیا تھا...... ''اماں پتا نہیں کیا کہتی تھیں......شاید b سے شروع ہوتا تھا آخر اسے کیا کہتے ہیں......؟'' وہ یاد کرنے کی کوشش میں ہکلا سا گیا تھا تو وہ سمجھ گئی اور اس نے مسکراتے ہوئے اس کی مشکل آسان کر دی۔

''بریسلیٹ......''

''ہاں......ہاں...... بر......یسلیٹ......'' اس نے اتنے اکھڑپن سے بریسلیٹ کہا کہ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

''تم تو ہنستی ہوئی بھی بہت اچھی لگتی ہو......'' اس نے اسے بریسلیٹ پہناتے ہوئے بغور دیکھا اور اس طرح بے ربط الفاظ میں اس کی تعریف کی کہ اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''اماں صحیح کہتی تھیں......'' وہ جملہ پورا بھی نہیں کرسکا کہ اس کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔

''کیا آپ ایک جملہ ایسا بول سکتے ہیں جس میں لفظ ''اماں'' نہ آئے۔'' اس نے تھوڑا سا بے تکلف ہونے کی کوشش کی۔

''اماں کے بغیر تو میں سانس بھی نہیں لے سکتا...... اماں ہی میری زندگی ہیں، اگر تم نے کبھی یہ سوچا بھی کہ تم اماں کو میری زندگی سے نکال دوگی تو یہ تمہاری بھول ہوگی۔'' وہ اس کے مذاق پر ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔

''سوری، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں مذاق کررہی تھی۔'' وہ اس کے سنجیدہ ہوجانے پر گھبرا گئی۔

''مجھے امید ہے تم میری بات سمجھ گئی ہوگی۔'' اس نے امید بھری نظروں سے عافیہ کی طرف دیکھا۔

''جی...... بہت اچھی طرح سمجھ گئی۔'' اس نے اسکول کے بچوں کی طرح سر ہلایا۔ شاید اس کا کہا ہوا جملہ قبل از وقت تھا۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی......'' عافیہ نے شکر ادا کیا کہ پچھلے دو جملوں میں لفظ اماں نہیں آیا تھا۔

''میری بڑی دونوں بھابیوں نے اماں کے ساتھ بڑی زیادتیاں کی ہیں، انہوں نے بہت دکھ دیے ہیں...... اماں کی کوئی بیٹی نہیں تھی اس لیے اماں اپنے سارے دکھ مجھ سے بیان کرتی تھیں...... بیچاری سارا، سارا دن کمرے میں اکیلی پڑی رہتیں۔ کوئی ان سے بات تک نہیں کرتا تھا۔'' عالیان کی آواز بھرّانے لگی۔ آہستہ، آہستہ اماں کی مظلومیت کا احساس اسے بھی ہونے لگا۔

''واقعی اماں کتنی مظلوم ہیں۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''آپ فکر نہ کیجیے، میں آپ کی اماں کو اتنا خوش رکھوں گی کہ انہیں لگے گا جیسے وہ جہنم سے نکل کر جنت میں آگئیں۔'' عافیہ نے اپنے نمبر بنانے کے لیے اپنے حساب سے بڑا زبردست جملہ بولا پھر فخریہ

نظروں سے عالیان کو دیکھا..... اسے اس کے چہرے پر کوفت سی محسوس ہوئی۔

''خدا نہ کرے میری اماں جہنم میں رہ رہی ہوں.....اب میری بھابیاں اتنی بھی ظالم نہیں.....''

''عجیب انسان ہے پل میں تولہ پل میں ماشہ ابھی تو اماں کی مظلومیت کا بیان کرتے ،کرتے آواز میں رقت طاری ہوگئی تھی اور جو میں نے خوش کرنے کے لیے افسانوی سا جملہ بول دیا تو فوراً بدک گئے۔ امی صحیح کہتی ہیں مرد کا کوئی بھروسا نہیں..... کچھ نہیں پتا کس بات پر خوش ہوجائے اور کس بات پر ناراض.....'' اس نے دل ہی دل میں ہزاروں ایسی باتیں سوچ کر خود پر لعنت ملامت کی اور تہیہ کرلیا کہ اب وہ ایک لفظ نہیں کہے گی چاہے بول، بول کر اس آدمی کی زبان اکڑ جائے یا حلق میں کانٹے پڑ جائیں.....اس نے کچھ نہیں کہنا.....اپنے اس عہد پر وہ اگلے دو یا تین منٹ تک قائم رہی لیکن جب عالیان اماں کا ذکر کرتے ہوئے دوبارہ آبدیدہ ہوگیا تو پھر اس کی زبان پھسل گئی۔

''آپ اداس نہ ہوں، میں آپ کی اماں کی دل و جان سے خدمت کروں گی، ان کو بستر سے پاؤں تک نہیں اتارنے دوں گی۔ ان کو بیڈ پر ہی ناشتا اور کھانا دیا کروں گی۔''

''کیوں.....؟ کیا خدا نہ کرے اماں چل پھر نہیں سکتیں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اماں کتنی ایکٹو ہیں، اب بھی وہ گھر کا سارا کام خود کرتی ہیں۔ بھابیوں کو تو وہ کچن میں قدم نہیں رکھنے دیتیں۔''

اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی کاش کوئی چھری، چاقو، چوہے مار دوا، سائنا ئیڈ یا اس سے ملتی جلتی چیز نظر آجائے جس سے وہ فوری طور پر اپنا خاتمہ کرسکے۔

''تمہیں نیند آرہی ہے.....؟'' غالباً اس کی آنکھیں ضبطِ گریہ کی وجہ سے سرخ ہورہی تھیں اور عالیان سمجھا وہ نیند میں ہے۔

''نہیں، نہیں نیند کیسی.....آپ بولیں، میں سن رہی ہوں، مجھے آپ کی باتیں بہت اچھی لگ رہی ہیں، آپ بہت اچھا بولتے ہیں، جی چاہتا ہے آپ بولتے رہیں، میں سنتی رہوں اور اسی طرح آپ کی اماں کی باتیں سنتے، سنتے اس جہانِ فانی سے کوچ کرجاؤں۔'' وہ شاید غنودگی میں تھی اسی لیے اس کی زبان سے بلاارادہ یہ جملے نکلتے رہے۔ایک لمحے کے لیے عالیان کو اس کی ذہنی حالت پر شک سا ہوا۔

''کہیں اس پر جن تو نہیں آگئے.....'' اسے یاد آیا اماں کہتی تھیں کہ خوب صورت لڑکیوں پر جن آجاتے ہیں۔

''تم ٹھیک تو ہو..... کہیں تم پر کوئی جن تو نہیں آگیا۔'' عالیان نے گھبرا کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔وہ فوراً ہی ہوش میں آگئی۔

''آپ پریشان نہ ہوں، کسی جن کی مجال نہیں کہ اس گھر میں آسکے یہاں آپ کی اماں موجود ہیں..... یہاں کوئی نہیں آسکتا ہے۔ جہاں اماں جیسی جناتی موجود ہو وہاں کوئی جن کیسے آسکتا ہے۔ اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا۔'' وہ دل ہی دل میں یہ جملے سوچ کر مسکرا کر بولی تھی اور اس لمحے وہ عالیان کو اتنی اچھی لگی کہ وہ اماں کو بھول کر اس کی تعریفوں میں زمین اور آسمان کے قلابے ملانے لگا۔

''واقعی یہ شخص تھوڑا، تھوڑا پاگل ہے لیکن ہے اتنا پیارا کہ اس کا پاگل پن بھی گوارا ہے۔'' اس نے محبت بھری نظروں سے عالیان کو دیکھا اور عالیان کا دل چاہا کہ وہ ابھی اور اسی وقت جا کر اماں کے پاؤں چوم لے۔انہوں نے کتنے مہینوں کتنے گھروں میں جا، جا کر اس کے لیے اتنی پیاری لڑکی ڈھونڈی تھی۔

☆☆☆

صبح دروازے پر ایسی دل ہلا دینے والی دستک ہوئی کہ اس کی سانس رکنے لگی۔ اس نے آنکھیں

کھولنے کی کوشش کی۔ سامنے ہی وال کلاک پر نظر پڑی تو اس کی آنکھیں مکمل طور پر کھل گئیں۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ ''میں کہاں ہوں؟'' اس کا دماغ سوتی جاگتی کیفیت کے زیر اثر تھا لیکن اگلے لمحے یہ کیفیت خوف کی صورت میں بدل گئی۔ جب عالیان خوفزدہ ہو کر بیڈ سے نیچے اتر گیا۔

''باپ رے باپ، دن کے گیارہ بج رہے ہیں، ہمارے گھر میں اتنی دیر تک سونے کا رواج نہیں ہے۔ اماں بہت ناراض ہوں گی، میں باہر جا رہا ہوں۔ تم اماں کو بتا دینا کہ بیوٹی پارلر والوں نے تمہیں تین گھنٹے تک بٹھائے رکھا تھا۔ اس لیے تھکن کی وجہ سے تمہاری آنکھ نہیں کھلی۔ اور میرا تو انہیں پتا ہے کہ میں سویرے اٹھنے کا عادی ہوں۔'' وہ جلدی، جلدی اسے سبق پڑھا کر کمرے کے دوسرے دروازے سے جو باہر برآمدے میں کھلتا تھا باہر نکل گیا۔

دروازے پر دستک مسلسل ہو رہی تھی۔ وہ جلدی، جلدی الٹا سیدھا تیار ہوئی اور عالیان کو ہزاروں باتیں سناتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر عالیان کی کزنز اور بھابی اس بے قراری سے دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہی تھیں جیسے دروازہ کھلتے ہی نئے ماڈل کی گاڑی ان کو انعام میں مل جائے گی۔

جیسے ہی دروازہ کھلا وہ سب ہنستی مسکراتی کمرے میں داخل ہو گئیں تو اس کی جان میں جان آئی کہ اس قافلے میں اماں موجود نہیں تھیں۔

''جلدی سے تیار ہو جاؤ، نیچے خاندان کی بزرگ خواتین تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔'' بڑی بھابی نے ناقدانہ نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی تیاری کو ریجکٹ کر دیا۔

''کیا پھر تیار ہونا پڑے گا......؟'' وہ اپنے حساب سے مکمل تیار تھی۔

''تو اور کیا ابھی تو پورا خاندان جمع ہے۔''

''پھر کیا پہنوں......؟''

''میرا خیال ہے بری کا گرین غرارہ سوٹ پہن لو۔ اس پر اماں نے اپنے ہاتھوں سے گوٹے کا کام بنایا ہے...... ظاہر ہے اماں بھی تو چاہیں گی کہ ان کے ہاتھ کا بنایا ہوا جوڑا پہنو تاکہ سارے خاندان میں ان کی واہ، واہ ہو جائے۔'' بھابی کا جملہ اچھا خاصا طنزیہ تھا۔

''اتنا بھاری......'' وہ جوڑا دیکھتے ہی گھبرا گئی...... جسے بھابی نے وارڈ روب سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اسے تو اپنا پہنا ہوا سوٹ بھی بہت بھاری لگ رہا تھا۔ جس پر بہت ہلکا سا و بکے کا کام بنا ہوا تھا وہ تو ہمیشہ سے جینز اور کرتیاں پہننے کی عادی تھی۔ اتنے بھاری کپڑے تو اس نے خواب بھی نہیں پہنے تھے۔

''تم اماں کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بہو ہو، وہ تم پر اپنے سارے ارمان نکالیں گی۔ اس لیے تم اس قسم کے بھاری کپڑے پہننے کی عادت ڈال لو۔'' بھابی نے بہت دھیمے اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا پھر اس نے بھابی کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے وہی غرارہ پہنا، جو اماں کی ہنرمندی اور ہاتھ کی صفائی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ دھنک کا اتنا نفیس کام اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ عالیان کی کزن اس کا میک اپ کرتے ہوئے اسے چھیڑ رہی تھی۔

''تم کتنی خوب صورت ہو، عالیان بیچارہ تو کسی کام کا نہیں رہے گا۔''

''اب یقین ہو گیا کہ عالیان، مامی صاحب کا سب سے چہیتا اور لاڈلا بیٹا ہے۔ جبھی تو اس کے لیے وہ جنت کی حور ڈھونڈ کر لائی ہیں۔''

''عالیان تو تمہیں دیکھتے ہی ہوش و حواس کھو بیٹھا ہوگا۔'' ایک اور کزن نے سرگوشی کی۔

وہ دھیمے سے ہنس دی اور اب وہ کیا بتاتی کہ وہ رات بھر کس کے قصیدے سنتی رہی ہے۔

وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آئی تو اماں بڑے والے صوفے پر بیٹھی تھیں اور ان کے دائیں بائیں ان کی دیورانی اور جیٹھانی منکر نکیر کی طرح براجمان تھیں۔

''آؤ، آؤ اِدھر بیٹھو......'' جیٹھانی نے اس کے سلام کا جواب دے کر برابر والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''بھابی آپ کی یہ بہو ساری بہوؤں سے زیادہ خوب صورت ہے۔'' دیورانی نے اماں کی طرف ہمدردانہ نظروں سے دیکھا گویا کہنا چاہ رہی تھیں کہ دونوں بیٹوں کی طرح عالیان بھی آپ کے ہاتھ سے گیا۔

''صورت کا کیا ہے، اصل چیز سیرت ہے اور مجھے لگتا ہے جیسی صورت ہے ویسی ہی سیرت بھی ہوگی۔'' اماں کی جیٹھانی زبان سے جو کہہ رہی تھیں ان کا دل سو فی صد ان کے الفاظ کی نفی کر رہا تھا۔ دونوں نے اس طرح میدان سنبھالا تھا کہ اماں کوشش کے باوجود کچھ بول نہیں پا رہی تھیں۔

''بھابی آپ نے کچھ سنا بین بھیا کی بہو نے الگ گھر لے لیا ہے۔'' جیٹھانی نے پہلا گولہ داغا...... وہ بین بھیا کی بہو کی کزن تھی۔

''ہاں، میں نے بھی سنا ہے بیچاری بین بھائی کی بیوی کتنا ڈھونڈ کر حسین بہو لائی تھیں، ایک سال بھی ساتھ نہ رہ سکی۔ ساس سسر کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر باہر کیا۔'' دیورانی نے جیٹھانی کے پہلے حملے کے بعد توپ پر قبضہ کر لیا اور مسلسل گولہ باری شروع کر دی۔ وہ برسوں سے عالیان کو داماد بنانے کی حسرت دل میں چھپائے بیٹھی تھیں۔ عالیان کو بھی ان کی بیٹی سے شادی کرنے پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر اماں نے کہہ دیا تھا کہ اگر اظفر کی دلہن (دیورانی) سونے کی بھی بن کر آ جائیں گی تو بھی وہ عالیان کی شادی ان کی بیٹی سے ہرگز نہیں کریں گی۔ اور جب عالیان نے اس کی وجہ پوچھی تو اماں کو اپنی ہچکیوں اور سسکیوں پر قابو پانا مشکل ہو گیا...... اس دیورانی کی وجہ سے انہوں نے کیسے، کیسے دکھ سہے تھے۔ یہ تو ان کا صبر تھا کہ انہوں نے خاموشی سے صدمے برداشت کیے اور کسی کو اس کی ہوا نہ لگنے دی۔ بھلا یہ دکھ کم تھا کہ ہر شام ان کے دیور اپنی بیوی کے لیے پھولوں کے گجرے لاتے اور وہ انہیں جلانے کے لیے اترا، اترا کر وہ گجرے پہن کر پھرتی رہتیں اور وہ دل مسوس کر رہ جاتیں کہ ان کے میاں آج تک ان کے لیے چنبیلی کی کلی تک نہیں لائے تھے۔ انہوں نے اس پر بھی صبر کر لیا لیکن نند کی بیٹی کے عقیقے پر جو اُن کی بے عزتی ہوئی تھی، وہ انہیں آج تک نہیں بھولی تھیں۔ انہوں نے نند کی بیٹی کو سونے کی بالیاں دی تھیں اور ان کی دیورانی نے بالیوں کے ساتھ ایک فراک بھی دی تھی جبکہ انہوں نے بالیاں بنوانے سے پہلے اس سے پوچھا بھی تھا کہ وہ عذرا کی بیٹی کو کیا دے گی۔ اس وقت تو اس نے ٹالنے کے لیے کہہ دیا کہ اس نے ابھی کچھ سوچا ہی نہیں...... وہ بھی مطمئن ہو گئی تھیں کیونکہ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ آج کل ان کے دیور کا کاروبار اچھا نہیں چل رہا ہے اس لیے وہ کوئی قیمتی چیز نہیں دے سکتے لیکن جب اس کا گفٹ کھلا اور اس میں سونے کی بالیوں کے ساتھ ایک عدد فراک بھی تھی تو وہ مارے شرمندگی کے جیسے گڑ ہی گئیں۔ پھر ان کی نند کا بڑے فخریہ انداز میں اپنے سسرال والوں کو اپنی چھوٹی بھاوج کا تحفہ دکھانا...... ان کے کلیجے پر سانپ لوٹ گئے تھے اور آج تک انہیں ان سانپوں کی سرسراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔

وہ کس، کس دکھ کا ذکر کریں...... جب ان کی دیورانی کے گھر بیٹی پیدا ہوئی تھی تو بیٹی کی پیدائش پر دیور نے اپنی بیوی کی پوری چار سونے کی چوڑیاں بنوا کر دی تھیں۔ جس کے بارے میں انہیں آج تک شبہ تھا کہ وہ سونے کی نہیں تھیں لیکن ان کے میاں نے بیٹے کی پیدائش پر بھی انہیں ایک چھلا تک بنوا کر

نہیں دیا۔ شکایتیں تو انہیں اپنی جیٹھانی سے بھی بہت تھیں جو روزانہ شام کو میاں کے ساتھ واک پر جاتی تھیں اور واپسی میں میٹھا پان کھا کر آتی تھیں اور ان کو جلانے کے لیے ایک میٹھا پان ان کے لیے بھی لے آتیں جسے وہ آنکھ بچا کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا کرتیں پھر انہوں نے ان کے ساتھ یہ بھی زیادتی کی تھی کہ اپنے بیٹے کی شادی میں انہیں سستا جوڑا دیا تھا اور دیورانی کو مہنگا جبکہ وہ قسمیں کھا رہی تھیں کہ انہوں نے دونوں کے لیے ایک ہی برانڈ کے ایک ہی قیمت کے جوڑے خریدے تھے۔

''بیٹا تمہارے گھر سے ابھی تک ناشتا نہیں آیا۔'' دیورانی نے اماں کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر ایک اور روزنی گولہ داغا۔

''جی......جی......'' وہ دشمنوں کے نرغے میں گھری بیٹھی تھی کچھ بول ہی نہ سکی۔

''بعض گھروں میں ناشتا لانے کا رواج ہی نہیں ہوتا۔ ہن بھیا کے بیٹے کی شادی میں بھی ہم سب دوپہر تک بھوکے بیٹھے رہے پھر ان کا بیٹا بازار سے حلوا، پوری لے کر آیا تو ہم نے ناشتا کیا۔''

ہن بھیا کی بہو اس کی کزن ضرور تھی لیکن ساری زندگی وہ لوگ ملک سے باہر رہے تھے اس نے ایک آدھ بار ہی اس کی شکل دیکھی تھی لیکن آج اپنی ساسوں کی گفتگو سے اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہن بھیا کی بہو اور وہ دو جڑواں بہنیں تھیں جو بچپن میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئی تھیں۔

''ہمارے خاندان میں تو لڑکی والوں کے گھر سے ایسا ناشتا آتا ہے کہ صرف گھر والے ہی نہیں محلے والے بھی پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔'' اب اماں کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا تھا۔

''بھابی آپ کو تو یاد ہو گا میرے گھر والوں نے کیسا ناشتا بھیجا تھا، ہر قسم کی چیز ناشتے میں شامل تھی۔ حلوا پوری، جام، جیلی، انڈے، ڈبل روٹی، شہد، مکھن، نہاری، روٹی......'' اور ناشتے کی اتنی، اتنی لمبی فہرست پر وہ حواس باختہ ہو گئی۔ اس کے میکے میں تو ناشتے میں اتنی چیزیں نہیں بھیجی جاتی تھیں اور تھوڑی دیر بعد جب اس کے بھائی اور بھابیاں حلوا، پوری، ڈبل روٹی اور انڈے لے کر آئے تو اس نے شرمندگی سے ساس کی طرف دیکھا ان کے چہرے پر ویسے ہی تاثرات تھے جو شکست کھائی ہوئی فوج کے کمانڈر کے چہرے پر ہوتے ہیں۔

☆☆☆

خدا، خدا کر کے ولیمے کے بعد مہمان رخصت ہوئے۔ گھر میں وہ، اماں اور عالیان رہ گئے۔ اس نے سکھ کی سانس لی کہ اب گھر میں اس کی حکمرانی ہو گی۔ وہ اپنی مرضی سے سوئے گی، اپنی مرضی سے اٹھے گی، اپنی مرضی کا کھانا پکائے گی، اپنی مرضی سے گھومے پھرے گی اور ان چند دنوں میں اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر اسے عالیان کے دل میں جگہ بنانی ہے تو پہلے اسے اماں کے دل کو تسخیر کرنا ہو گا۔ اسی لیے اس نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ جب بھی عالیان، اماں کی تعریفیں کرے گا وہ انتہائی ذوق شوق سے سنے گی اور جہاں تک ہو سکے گا اماں کی خدمت کرے گی۔ اماں کے سارے دکھ دور کر دے گی۔ اماں کو سگی بیٹی بن کر دکھائے گی......وغیرہ...... وغیرہ......لیکن اگلے چند ہفتوں میں اس کا یہ عہد ریت کی بھر بھری دیوار کی طرح زمین بوس ہو گیا۔

اماں کے ساتھ رہنا اور ان کی مرضی کے مطابق خود کو ڈھالنا ایسا ہی تھا جیسے کسی برفیلی چٹان کو کسی سہارے کے بغیر سر کرنا۔

ایک تو اماں نفاست پسند اتنی تھیں کہ انہیں ذرا سی گرد یا مکڑی کا جالا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہر دوسرے، تیسرے دن اپنے کمرے کا بیڈ کھسکا کر بیڈ کے نیچے سے ساری مٹی اور جالے صاف کرواتیں

اسی طرح کچن میں اتنی صفائی ہوتی کہ لگتا ہی نہیں کہ یہاں کھانا پکتا ہے۔ دیگچیاں اس طرح چمکتیں کہ اس میں اپنی شکل نظر آجائے۔ مجال ہے جو کہیں میل یا چکنائی کا کوئی دھبا دکھائی دے جائے۔ برتنوں کو دھو کر پہلے صحن میں دھوپ میں خشک کیا جاتا پھر اسٹینڈ پر رکھا جاتا۔ ٹائلز پر روزانہ پہلے وم سے پھر خوشبو دار کلینز سے پوچا لگتا۔

ان کے گھر میں ہر روز اس طرح صفائی ہوتی جیسے لوگوں کے گھروں میں عید، بقر عید یا تہواروں کے موقع پر ہوتی ہے۔

ولیمے کے بعد جب سب مہمان رخصت ہوگئے تو اس نے پہلی مرتبہ اس طرح صفائیاں ہوتے دیکھیں تو حیرانی سے عالیان سے پوچھا۔

''کیا آج پھر کوئی تقریب ہے؟''

''نہیں بھئی، تین دن پہلے تو ولیمہ ہوا ہے، ابھی کیسی تقریب۔''

''تو پھر اماں اس طرح صفائیاں کیوں کروا رہی ہیں؟''

''اوہو......'' عالیان زور سے ہنسا ''ہمارے گھر میں روزانہ ہی اسی طرح صفائیاں ہوتی ہیں۔''

''روزانہ......'' اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے ہی رہ گئی۔

''جبھی تو ہمارا گھر آئینے کی طرح چمکتا رہتا ہے۔'' عالیان نے فخر سے گردن اکڑائی۔

''کیا واقعی......؟'' اسے حسبِ معمول عالیان کی دماغی حالت پر شک ہوا۔

''کیوں، کیا تمہارے گھر میں صفائی کا رواج نہیں ہے؟''

''صفائی ستھرائی تو خیر ہمارے گھر میں بھی ہوتی ہے لیکن اس طرح قیامتِ صغریٰ بپا نہیں ہوتی۔'' وہ جل کر بولی۔ سارا گھر تتر بتر ہو رہا تھا اور بیچاری ماسی صفائیاں کر کر کے ہلکان ہو رہی تھی۔

''تمہیں اماں کے ساتھ اسی طرح کام کرنا ہوگا، ورنہ تم اماں کو خوش نہیں رکھ سکو گی۔'' عالیان کا لہجہ قدرے تشویش زدہ ہوگیا۔

''آپ فکر ہی نہ کریں، میں ایسی صفائی کروں گی کہ آپ کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔'' اس نے دل پر جبر کر کے انتہائی خوش مزاجی سے یہ جملہ کہا۔

''مجھے تم سے یہی امید ہے۔''

''آپ کی اماں تو صرف وم اور کلینز سے پوچھا لگواتی ہیں، میں پہلے سرف سے لگواؤں گی پھر وم سے پھر بلیچ سے اور آخر میں سوفٹنر بھی ڈالا کروں گی تاکہ فرش نرم بھی رہے اور اس میں سے خوشبو بھی آئے۔''

''واقعی اماں کا انتخاب لاجواب ہے۔''

عالیان کے اس جملے کے بعد اسے ذرہ بھر بھی شک نہیں رہا کہ عالیان ضرور وقت سے پہلے پیدا ہوگیا تھا، شاید اسی لیے اس کے دماغ کے کچھ خلیوں کی نشوونما صحیح طور پر نہیں ہوسکی تھی۔ بات صرف صفائی تک ہوتی تب بھی قابلِ برداشت تھی۔ وہاں تو اماں کے کھانا پکانے کا طریقہ ایسا انوکھا تھا کہ اس نے کبھی اس طرح سے کھانا پکانے کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ کباب بننے ہوں تو سارے گھر میں تہلکا سا مچ جاتا، پہلے قسائی سے گوشت کے پارچے بنوائے جاتے پھر گھر میں لاکر ان پارچوں کو خود صاف کیا جاتا پھر اسے دھویا جاتا پھر جالی میں ڈال کر قطرہ قطرہ پانی نچوڑا جاتا پھر اس میں پپیتا، ادرک، لہسن، پیاز پیس کر ملایا جاتا پھر دو تین گھنٹے بلکہ اکثر ساری رات میرینیٹ کرنے کے بعد اس میں ایسے، ایسے مسالے ڈالے جاتے جو اس نے اپنی تئیس سالہ زندگی میں سنے ہی نہیں تھے۔ خیر اسے تو عام کھانوں کے مسالوں کا بھی کچھ پتا نہیں تھا۔ اس نے کون سا شادی سے پہلے کچن میں جھانکا تھا۔ جب دادی اسے سمجھاتیں...... ''پڑھنا لکھنا اپنی جگہ لیکن کھانا پکانا بھی ایک ہنر ہے۔ سسرال جانے سے پہلے ہر لڑکی کو کھانا

پکانا اور سینا پرونا آنا چاہیے۔'' تو بڑی بے پروائی سے کہتی۔

''جب وقت آئے گا تو سیکھ لوں گی۔'' اور مما دادی کی مخالفت میں اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتیں۔

''اور کیا...... آج کل لڑکیاں اتنی مشکل، مشکل پڑھائیاں پڑھ رہی ہیں، یہ کھانا پکانا کون سا مشکل کام ہے، وودن میں سیکھ لے گی۔'' اب مما بیچاری کو کیا پتا تھا کہ ان کی بیٹی کا عالیان کی ماں جیسی ساس سے واسطہ پڑے گا جو ہر کام میں گرامر کی اعلیٰ ترین ڈگری پر فائز ہوں گی اور جو ہر قسم کے دیسی بدیسی کھانے پکانے کی ماہر تھیں۔

شادی کے بعد جب وہ پہلی دفعہ کچن میں گئی تو کچن کی صفائی اور ایک، ایک برتن کو جگمگاتا دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، ہر چیز ایسے چمک رہی تھی کہ لگتا تھا کبھی ان برتنوں میں کھانا ہی نہیں پکا ہو۔

اس نے نیٹ سے بریانی کی ترکیب ڈاؤن لوڈ کی تھی اور شام سے ہی اعلان کر دیا تھا کہ صبح چھٹی کے دن بریانی وہ پکائے گی اور پھر وہ پوری رات اس کے لیے لیلۃ القدر بن گئی۔ جس میں وہ بریانی اچھی بننے کی دعائیں مانگتی رہی لیکن اس کی دعائیں بے اثر ہی رہیں کہ اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود بریانی کے چاول بیٹھے اور ایسے بیٹھے کہ پھر ہزار کوششوں کے بعد بھی وہ کسی سہارے پر بھی کھڑے نہ ہو سکے۔ وہ گھبرا گھبرا کر اس نمکین کھیر کو دیکھ رہی تھی اور اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے بریانی پکانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کے کانوں میں بار، بار دادی کے جملے گونج رہے تھے۔

''کتنا بھی پڑھ لکھ لو لیکن سسرال میں یہ ڈگریاں کوئی نہیں دیکھے گا وہاں سب سے پہلے تمہارا سلیقہ اور ہنر دیکھا جائے گا۔ عورت کی ساری تعلیم اور صلاحیتیں ایک طرف اور گھر کو سنبھالنے کا سلیقہ ایک طرف۔ جو عورت سلیقے سے گھر کو نہ سنبھال سکے وہ گھر سے نکل کر آفس کو کیا سنبھالے گی۔''

''اب کیا ہوگا......؟'' اس نے ہول زدہ ہو کر وہ بریانی نما شے ڈش میں نکالی۔ یہ شکر تھا کہ اماں نے کچن میں آ کر اس کے کاموں میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔

اس نے بریانی کانپتے ہاتھوں سے ٹیبل پر رکھی جہاں عالیان اور اماں کھانے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

''خوشبو تو بڑی زبردست آ رہی ہے۔'' عالیان نے بریانی دیکھے بغیر ہی تعریف شروع کر دی۔

اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا جب اس نے دیکھا کہ اماں بغور بریانی کو دیکھ رہی تھیں۔

''چاول تھوڑے سے بیٹھ گئے......'' اس نے سوچا کسی کے کہنے سے پہلے خود ہی کہہ دوں۔

''بیٹھے نہیں ہیں بلکہ لیٹ گئے ہیں اور ایسے لیٹے ہیں کہ اب انہیں دنیا کی کوئی طاقت اٹھا نہیں سکتی۔ ان کی روح اس دارِ فانی سے کوچ کر چکی ہے۔'' عالیان نے بریانی پلیٹ میں نکالتے ہوئے بے لاگ تبصرہ کیا۔

''کوئی بات نہیں شروع، شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے۔'' اماں کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی اور وہ مارے شرمندگی کے نظر اٹھانے کے قابل ہی نہیں تھی۔

''خیر مزے میں بہت اچھی ہے۔'' اماں نے اس کی شرمندگی کو کم کرنے کی کوشش کی۔

''اور زود ہضم بھی ہے مجھے تو اپنا بچپنا یاد آ گیا جب بیماری میں اماں اسی طرح نرم، نرم چاول پکایا کرتی تھیں۔'' اسے عالیان کے اس فضول سے جوک پر ذرا بھی ہنسی نہیں آئی بلکہ اس کا دل چاہا کہ یہ گرم، گرم بریانی اس کے سر پر انڈیل دے۔

اسے بہت دکھ ہوا جب اس نے بچی ہوئی بریانی ماسی کو دینی چاہی تو ماسی نے بھی صاف، صاف انکار کر دیا کہ 'باجی میرے بچے بڑے دماغ

والے ہیں وہ ایسے چاول نہیں کھاتے آپ اسے پرندوں کو ڈال دیجیے۔''

وہ ماسی کے کہنے پر ساس سے نظریں بچا کر باقی بچے ہوئے چاول گھر کے پچھلی طرف ایسی جگہ رکھ کر آئی جہاں اماں کی نظر نہ پڑے لیکن ایسا کیسے ممکن تھا۔ اماں کی نظریں تو عقاب کی نظروں سے زیادہ تیز تھیں۔ ان کی نظروں سے تو گرد کا کوئی ذرہ نہیں بچتا تھا، اتنی ساری بریانی کیسے بچ سکتی تھی۔ شام کو جب وہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر گھر کے چاروں طرف گھوم پھر کر ہر چیز کا جائزہ لے رہی تھیں تو اتنے بہت سارے چاول پرندوں کے برتنوں میں دیکھ کر تھرا کر رہ گئیں۔ قریب ہی دیوار تھی جس کا انہوں نے فوراً سہارا لیا، وہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ انہوں نے زندگی میں کبھی اتنے مہنگے چاول پرندوں کے آگے نہیں ڈالے تھے۔ پتا نہیں کس طرح دل کو تھام کر وہ اندر داخل ہوئیں۔ ایک گلاس ٹھنڈے پانی میں لیموں اور چینی ڈلوا کر سکنجبین پی تو ذرا دل کو قرار آیا اور پھر اسے بلا کر پیار کی شیرینی میں بھگو، بھگو کر ایسے تیر چلائے کہ وہ پور، پور زخمی ہوگئی۔

''بیٹا کیا تم نے تین افراد کے لیے تین کلو چاول پکائے تھے؟'' سوال نہیں تھا بلکہ توپ کے دہانے سے نکلا ہوا گولہ تھا جو ٹھک سے جا کر اس کے دل پر لگا۔

''نہیں، نہیں تین تو نہیں صرف ایک کلو ہی پکائے تھے۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

''جب تمہیں اندازہ نہیں تھا تو کم از کم مجھ سے ہی پوچھ لیتیں۔ بھلا تین افراد کے لیے ایک کلو چاول اور وہ بھی گرائنڈ کیسے ہوئے ایسے پکے ہوئے چاول تو ایک پاؤ بھی بہت تھے۔'' انہوں نے بھی مبالغہ آرائی کی حد کر دی۔

''سوری..... آئندہ خیال رکھوں گی۔'' اس نے مزید لعن طعن سے بچنے کے لیے سوری کر لی۔

''بیٹا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں، آج کل مائیں بچیوں کو کچھ سکھاتی ہی نہیں ہیں جبھی ان کے سسرالوں میں پریشانی ہوتی ہے اور پھر تم نے مجھ سے پوچھے بغیر اتنی بریانی مع چکن کے پھینک دی۔ رزق کا احترام کرنا سیکھو، چیزوں کو اس طرح ضائع نہیں کرتے۔ ان چاولوں سے چکن نکال کر چائنیز بناتیں تو اس میں ڈال دیتیں اور چاولوں کو فریز کر دیتیں جب حلیم بناتیں تو اس میں ڈال دیتیں۔''

اماں اسے زریں مشوروں سے نواز رہی تھیں اور وہ دل میں سوچ رہی تھی۔

''ان کا دل کتنا چھوٹا ہے اگر ذرا سے چاول پرندوں نے کھا لیے اور مرغی بلیوں کے معدے میں اتر گئی تو کون سی قیامت آگئی۔ انسان اتنا بھی کنجوس نہ ہو کہ ایک، ایک چاول اور بوٹی کا حساب رکھے۔''

''تمہاری ماں اور دادی کو دیکھ کر تو لگتا تھا کہ تم بھی ان ہی کی طرح کھانے پکانے میں ماہر ہوگی...... مگر..... خیر..... کوئی بات نہیں، اب میں تمہیں سب سکھا دوں گی.....'' اماں نے بظاہر پیار سے یہ جملے کہے تھے لیکن انہیں کیا پتا کہ ان کے ان جملوں نے اس کے اندر کیسی آگ بھڑکائی تھی۔

اس دن کے بعد اس نے کئی دن تک اس قسم کا رسک لینے کی جرأت نہیں کی لیکن جب ہر روز عالیان کھانے کے بعد مسلسل کھانے کی تعریفیں کرتا رہتا اور اماں فخریہ نظروں سے اسے دیکھتی رہتیں تو بالآخر ایک دن پھر اس کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اس دفعہ اس نے بہت آسان سی ڈش پکانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

''اماں آج میں آلو گوشت کا سالن بنا لوں۔'' اماں سلائی مشین پر بیٹھی اپنی پوتی کے لیے فراک سی رہی تھیں تو اس نے ڈرتے، ڈرتے پوچھا۔

''ہاں، ہاں ضرور.....'' انہوں نے بڑی گرم جوشی سے اسے اجازت دے دی۔

اس دفعہ اس نے نیٹ پر بھروسا نہیں کیا بلکہ

فون پر مما سے پوری ترکیب پوچھ لی اور پھر بڑے اہتمام سے سالن تیار کرنا شروع کیا۔

''آج تو روٹیاں بھی خود ہی پکاؤں گی۔ بھلا روٹیاں پکانا بھی کوئی کام ہے میں نے کمپیوٹر سائنس میں بی سی ایس کیا ہے کوئی معمولی بات ہے۔ میں اتنا معمولی کام بھی نہیں کر سکتی جو گھر بیٹھی جاہل اجڈ عورتیں کرتی ہیں۔'' کچن میں داخل ہوتے وقت اس کا مورال آسمان سے باتیں کر رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ آج ایسا کھانا پکائے گی کہ اماں کی فخریہ مسکراہٹ کرب ناک مسکراہٹ میں تبدیل ہو جائے گی اور ان پر وہ شعر صادق آئے گا۔

تم اتنا جو مسکرا رہے ہو
کیا غم ہے جس کو چھپا رہے ہو

سالن تیار ہو گیا تھا لیکن اس سے پھر بھول ہو گئی۔ مٹن کا گوشت اور آلو ساتھ ڈال دیے اور پھر سالن کا رنگ ایسا جیسے یرقان زدہ مریض کا چہرہ اس پر رونق اور شادابی لانے کے لیے اس نے مرچیں ڈالنی شروع کر دیں جس کی وجہ سے شکل تو بارونق ہو گئی تھی لیکن آلوؤں کا کیا کرتی جو بالکل بھرتہ بن گئے تھے۔ اس کا دل چاہا پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگے۔

''مما بھی ہمیشہ ادھوری باتیں کرتی ہیں۔ پوری ترکیب بتا دی، یہ نہیں بتایا کہ آلو گوشت گلنے کے بعد ڈالے جاتے ہیں۔'' اس نے جلدی سے دوبارہ مسالہ تیار کر کے اس میں گوشت ڈال دیا اور آلوؤں کے بھرتے کو کیاری کھود کر اس میں دفن کر دیا...... اس دفعہ سالن تو اچھا بن گیا لیکن شوربہ اتنا پتلا رہ گیا کہ لگ رہا تھا جیسے گوشت اور آلو سوئمنگ پول میں سوئمنگ کر رہے ہیں۔

''مما اگر شوربہ پتلا ہو جائے تو اسے گاڑھا کیسے کرتے ہیں؟'' اس نے پھر مما کو فون کیا۔

''اس میں تھوڑا سا آٹا پانی میں گھول کر ڈال دو۔''

''اتنی آسان بات......'' آگے کوئی اور سوال

کیے بغیر ہی اس نے فون بند کر دیا۔ اس نے بڑے اعتماد سے ایک پیالے میں آٹا گھولا اور اسے سالن میں ڈال دیا بس پھر کیا تھا سالن اتنا گاڑھا ہو گیا جیسے آلو کی کھیر......

''خیر یہ کوئی مسئلہ نہیں، میں پانی اور ڈال دوں گی۔'' وہ بہت اعتماد سے کام کر رہی تھی اور اس نے سالن کے گاڑھے پن کو ختم کرنے کے لیے اس میں تین گلاس پانی کے ڈال دیے۔ شکر ہے سالن کی شکل بہتر ہو گئی لیکن ایک پاؤ گوشت اور ایک پاؤ آلوؤں کے سالن میں اتنی برکت ہو گئی تھی کہ کم از کم چھ سات آدمی پیٹ بھر کر کھا سکتے تھے۔

''آج اماں کتنا خوش ہوں گی کہ میں نے اتنے کم گوشت اور آلوؤں میں کتنا بہت سارا سالن تیار کر لیا ہے۔''

سالن پکا کر وہ روٹیاں پکانے کی تیاری کرنے لگی۔ آٹا پرات میں نکالنے تک وہ مسلسل گنگنا رہی تھی۔ آٹا تو اچھا خاصا گوندھ لیا تھا لیکن نہ جانے کس کی بد دعا تھی کہ کوئی روٹی توے تک پہنچ ہی نہیں پا رہی تھی بیچاری راستے ہی میں داغِ مفارقت دے جاتی۔ خدا، خدا کر کے پانچویں روٹی توے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تو اسے تو اتنا پسند آیا کہ اس سے اترنے کا نام ہی نہ لے اس پر ہر چیز استعمال کر لی چھری، کانٹا، چمچ، چمٹا لیکن وہ تو توے سے ایسی چمٹی جیسے برسوں بعد کوئی ماں اپنے بچھڑے ہوئے بچے سے ملتی ہے وہ تو جب روٹی کے جلنے کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی تو اماں نے کچن میں جھانکا۔

''کیا ہوا...... کیا روٹی جل گئی......؟'' انہوں نے دل جلانے والی مسکراہٹ سے پوچھا۔

''ہاں، ذرا چولھے کی آنچ تیز ہو گئی تھی......''

اس کی جان پر بن گئی کہ کہیں اماں کچن میں نہ آ جائیں اور اس کا کارنامہ نہ دیکھ لیں وہ توے کے سامنے کھڑی ہو گئی لیکن وہ بہت باریک بین تھیں۔ ان کی نظروں سے کچھ نہیں چھپ سکتا تھا۔

''ہٹو، میں روٹیاں پکا دیتی ہوں...... آج کل کی بچیوں کو روٹی پکانا نہیں آتی۔'' وہ کچن میں داخل ہو چکی تھیں اور اب اس کے پاس کوئی جائے اماں نہ تھی اور پھر وہ حیران رہ گئی جب انہوں نے منٹوں میں اس کے آٹے کو مزید آٹا ڈال کر ٹھیک کیا اور گول، گول پوریوں کی طرح پھولی ہوئی سنہری روٹیاں پکائیں۔ اس نے اطمینان کی سانس لی لیکن اس کا سارا اطمینان اس وقت غارت ہو گیا جب کھانے کی میز پر عالیان نے سالن کی ڈش میں گوشت اور آلو تلاش کرتے ہوئے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

''کاش میں نے غوطہ خوری کی تربیت حاصل کی ہوتی تو آج اس سوئمنگ پول سے آلو اور گوشت نکالنے میں مجھے اتنی مشکل نہ ہوتی۔'' عالیان کے اس جملے پر اماں کے چہرے پر جو مسکراہٹ رینگی اس نے اس کے چہرے کو دکھ سے سانولا کر دیا۔

''کوئی بات نہیں آہستہ، آہستہ سیکھ جائے گی......'' اماں کا میٹھا لہجہ بھی اسے زہر کی طرح کڑوا لگ رہا تھا۔

''انشاء اللہ...... انشاء اللہ وہ دن ضرور آئے گا لیکن آج کیا ہوگا......''

''آج شکر کر کے یہی کھا لو......''

''یہ مت کہیے کہ کھا لو، یہ کہیے کہ پی لو، ایسا کرو مگ یا گلاس لے آؤ، آج ہم آلو گوشت کا سوپ پئیں گے۔'' عالیان مسکرا، مسکرا کر اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہا تھا۔

اس نے تہیہ کر لیا کہ اب وہ کبھی کچن میں قدم نہیں رکھے گی۔ اماں کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ صرف کھانا ہی اچھا نہیں پکاتی تھیں، کپڑے بھی ایسے سیتی تھیں کہ کیا کوئی ٹیلر سیے گا۔ وہ اپنی پوتیوں کی اتنے خوب صورت فراک سیتیں کہ ان کی بڑی دونوں بہویں چاہنے کے باوجود بھی ان میں کوئی خامی

نہیں نکال پاتی تھیں۔ یہ اور بات تھی کہ وہ اماں کو جلانے کے لیے کبھی ان کے سیے ہوئے کپڑے بچوں کو نہیں پہناتی تھیں۔ اس کے برعکس ہمیشہ بازار کے خریدے ہوئے ریڈی میڈ کپڑے پہناتیں، چاہے وہ کوالٹی اور ڈیزائن میں اماں کے ہاتھ کے سلے ہوئے کپڑوں سے کہیں زیادہ خراب ہوتے۔ ویسے اماں بھی کوئی کم نہ تھیں...... جب بھی ان کے بیٹے ماں سے ملنے آتے وہ بیٹوں کے سامنے اپنے ہاتھ کی سلی ہوئی فراکیں رکھ کر بیٹوں سے خوب داد وصول کرتیں اور اس وقت ان کی بہوؤں کے چہروں پر ایک عجیب سی کوفت چھا جاتی۔

''اماں آپ خواہ مخواہ ہی اتنی محنت کرتی ہیں، آج کل کون گھر کے سیے ہوئے کپڑے پہناتا ہے۔'' بڑی بہو جنہیں سوئی میں دھاگا پرونا بھی نہیں آتا تھا۔ فوراً ان کی مہارت کو زیر و کر دیتیں۔

''یہ جو تم بازار سے ہزاروں کے کپڑے خرید کر لاتی ہو، انہیں بھی فیکٹری میں کام کرنے والی عورتیں ہی سیتی ہیں۔ یہ کیا آسمان سے اتری ہوئی کوئی خاص مخلوق ہیں، یہ بھی ہماری جیسی عورتیں ہیں فرق یہ ہے کہ وہ گارمنٹ فیکٹری میں بیٹھ کر سیتی ہیں اور میں گھر میں بیٹھ کر سیتی ہوں اور یہ جو تم نے عائزہ کو فراک پہنایا ہے، یہ تم نے کم ازکم پانچ سو کا خریدا ہوگا۔ اس کا کپڑا اور اس کی سلائی دیکھو۔''

اماں نے ایک لمحے میں پوتی کے پہنے ہوئے فراک میں دس خامیاں نکال دیں یہاں تک کہ ان کے بیٹے کو اقرار کرنا پڑا۔

''اماں صحیح کہہ رہی ہیں، جس طرح گھر کے کھانے سے اچھا کوئی کھانا نہیں ہوتا اسی طرح ماں کے ہاتھ سے سلے ہوئے کپڑوں سے بہتر کوئی لباس نہیں ہوتا۔'' ایسے موقعوں پر عالیان کا فرض ہوتا تھا کہ وہ بڑھ چڑھ کر اماں کی تعریفیں کرے۔ اماں کی تعریفیں سن سن کر ایک دن اس نے جل کر عالیان سے کہہ ہی دیا۔

''بھلا سلائی بھی کوئی مشکل کام ہے، میں بہت آرام سے ایسی فراک سی سکتی ہوں جیسی آپ کی اماں سیتی ہیں۔''

''تو سی کر دکھاؤ۔ کسی نے روکا ہے کیا؟'' عالیان نے کچھ اس طرح کہا کہ اس نے اٹل ارادہ کرلیا کہ اب چاہے آندھی آئے پانی جائے اس نے ہر قیمت پر سلائی سیکھنی ہے، اتفاق سے دو دن بعد ہی اسے اپنی جیٹھانی کے گھر جانے کا موقع مل گیا۔

''بھابی میں گھر میں بہت بور ہوتی رہتی ہوں۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں عائزہ کا بہت اچھا سا فراک سیئوں۔''

''اماں کچھ کم ہیں جو اب تم بھی یہ شوق پال لو...... رہنے دو، آج کل اتنے خوب صورت کپڑے بازاروں میں ملتے ہیں، کیا ضرورت ہے اپنی آنکھیں پھوڑی جائیں۔'' جیٹھانی ویسے ہی خار کھائے بیٹھی تھیں اس کی بات سن کر فوراً ہی اس کی حوصلہ شکنی کر دی۔

''نہیں بھابی، مجھے بہت شوق ہو رہا ہے آپ مجھے عائزہ کی کوئی سی فراک دے دیجیے۔''

''میں سمجھ گئی ہوں، اماں تمہیں بھی ہر وقت طعنے دیتی رہتی ہوں گی کہ تمہیں کچھ نہیں آتا، تم کوئی کام نہیں کرتیں...... سارا دن بیٹھی رہتی ہو...... وغیرہ...... وغیرہ......''

''نہیں اماں تو ایسا کچھ نہیں کہتیں...... وہ تو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتی ہیں۔'' اس نے جیٹھانی کی ہاں میں ہاں ملانے کے بجائے حق کی بات کی...... وہ لاکھ پھوہڑ سہی لیکن اس میں یہ خوبی تھی کہ وہ اپنی خامیوں کا اعتراف کرتی تھی اور دوسروں کی خوبیوں کو سراہتی بھی تھی۔

''وہ بہت چالاک ہیں، زبان سے کچھ نہیں کہتیں لیکن جب موقع ملتا ہے کسی نہ کسی طریقے

سے جتا ضرور دیتی ہیں جبھی تو بیٹوں کا یہ حال ہے کہ ماں کی تعریف کیے بغیر ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔''
بھابی نے یہ اس کے دل کی بات کہی تھی۔
''ہاں یہ تو ہے، عالیان بھی ہر وقت اماں کے گُن گاتے رہتے ہیں۔'' اس نے بیچارگی سے کہا۔
''تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تم اماں کی طرح کام کرنے لگو گی تو عالیان تمہاری تعریف کرے گا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا، اماں نے پتا نہیں اپنے بیٹوں کو کیا کھلایا ہے کہ وہ ماں کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتے۔''
''اصل میں مجھے کام بھی تو کوئی نہیں آتا پھر عالیان میری کیسے تعریف کریں۔ میں سوچتی ہوں مجھے یہ سارے کام آنے چاہئیں۔''
''تمہاری مرضی...... مجھے کیا اعتراض ہوگا بلکہ مجھے تو خوشی ہوگی۔'' جیٹھانی نے عائزہ کی سادہ سی فراک اسے تھما دی۔ وہ خوشی، خوشی فراک لے کر گھر آگئی۔ اور صبح ہی عالیان کے جانے کے بعد کمرا بند کر کے سلائی مشین نکالی جو وہ واپسی پر مما کے گھر سے لیتی ہوئی آئی تھی۔ وہ مما کے گھر سے تین چار کپڑوں کے ٹکڑے بھی لیتی آئی تھی۔ اس نے عائزہ کے فراک پر کپڑا رکھ کر فراک کاٹی جب فراک کی کٹنگ مکمل ہوئی تو اسے لگا گلا خاصا بڑا کٹ گیا۔ اس نے وہ فراک سائڈ میں رکھی دوسرا پیس اٹھایا۔ وہ بالکل صحیح کٹی تھی۔ لیکن وہ تھوڑی ڈھیلی اور لمبی لگ رہی تھی اس نے تھوڑا اور کاٹ دیا تو شانے بڑے لگنے لگے۔ شانے چھوٹے کیے تو گلا بڑا لگنے لگا۔ وہ ہر تھوڑی، تھوڑی دیر بعد کاٹتی چلی گئی یہاں تک کہ جب فراک سل کر تیار ہوئی تو وہ اتنی چھوٹی تھی کہ عائزہ تو کیا اس کی باربی ڈول کے بھی پوری آنی مشکل تھی۔
ابھی فراک پوری مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ اماں نے دروازے پر دستک دی۔
''بیٹا ماسی آگئی ہے، کمرے کی صفائی کروا لو......'' اماں کی آواز سنتے ہی وہ گھبرا گئی۔
جلدی، جلدی چیزوں کو سمیٹا اور دروازہ کھول دیا۔
''کیا سلائی کر رہی تھیں......'' انہیں کمرے میں داخل ہوتے ہی اندازہ ہوگیا تھا۔
''نہیں...... میں مشین ٹھیک کر رہی تھی۔''
''تمہیں سلائی آتی ہے؟'' اماں کی آنکھیں خوشی اور حیرت سے چمکنے لگیں۔
''جی، جی تھوڑی بہت......'' وہ جھوٹ بولتے ہوئے ہکلانے لگی۔
''شکر خدا کا ایک بہو تو ایسی آئی جیسے سینے پرونے سے بھی دلچسپی ہے، ورنہ باقی دونوں تو کسی کام کی نہیں۔ نہ سینا پرونا آئے نہ کھانا پکانا آئے۔ بس ہر وقت بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہتی ہیں یا بازاروں میں گھومتی رہیں گی...... یہ نہیں کہ گھر پر بھی دھیان دیں۔'' اماں نے جی بھر کے دونوں بہوؤں کو باتیں سنانی شروع کر دیں۔
''جی، جی، جی......'' وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکی۔
''اسی لیے عالیان کی دفعہ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں عالیان کے لیے ایسی بیوی لاؤں گی جو پڑھنے لکھنے کے ساتھ، ساتھ ہر فن میں طاق ہو۔''
''لیکن...... مجھے بھی تو کچھ...... نہیں...... آتا......'' اس نے ڈرتے، ڈرتے اماں کی طرف دیکھ کر اپنی نالائقی کا اعتراف کیا۔
''کوئی بات نہیں...... اگر کوئی کام آتا نہیں تو سیکھنے کا شوق تو ہے...... یہ ہٹ دھرمی تو نہیں کہ کچھ آتا بھی نہیں اور اس پر فخر بھی ہے...... کام تو وقت کے ساتھ، ساتھ آہی جاتے ہیں اگر کوئی سیکھنا چاہے تو...... میں تمہیں سارے کام سکھا دوں گی اور پھر تم دیکھو گی تمہاری زندگی کتنی اچھی گزرے گی۔ کام کرنے سے کچھ جاتا نہیں ہے ہاں خالی رہ کر وقت ضائع کرنے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا...... کام کرنے والے کبھی ڈپریشن کا شکار نہیں ہوتے۔''

اماں کی باتیں حرف بہ حرف صحیح تھیں لیکن ابھی اس کے دماغ میں جیٹھانی کی سلگائی ہوئی آگ کی گرمی باقی تھی اس لیے اماں کے کہے ہوئے بیشتر الفاظ اس تپش میں اپنی تاثیر کھو رہے تھے۔

☆☆☆

وقت گزرتا گیا۔ اس نے اماں کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ کوکنگ اور سلائی کی کلاسز جوائن کرلیں بہت جلد وہ بہت سارے کام سیکھ گئی۔ اسے کھانا پکانا آگیا۔ سلائی آگئی، اب وہ اپنے اور بچوں کے کپڑے خود سینے لگی۔ اسے اماں کے ساتھ رہ کر گھر کو صاف ستھرا رکھنے کی عادت ہوگئی تھی۔ اس دوران دو بچے بھی ہوگئے۔ بچی کے کپڑے وہ خود ہی سیتی تھی لیکن اس کے باوجود عالیان کی زبان اماں کی تعریف میں ہی رطب اللسان رہتی۔ گھر کا سارا کنٹرول اماں ہی کا تھا۔ روز تو وہ اکثر کھانا پکاتی ہی تھی لیکن کسی دعوت یا تقریب میں اماں اس پر بھروسا نہیں کرتی تھیں۔ انہیں لوگوں کو بلانے اور کھلانے کا بھی بہت شوق تھا۔ ہر چھوٹی بڑی تقریب میں کھانا وہی پکاتیں۔ اور لوگوں سے خوب واہ واہ بھی سمیٹتیں۔ ایسے موقعوں پر اس کے حصے میں سلاد اور رائتہ ہی آتا تھا۔ اس کا بھی دل چاہتا تھا کہ کسی خاص موقع پر کوئی ڈش بنائے پھر لوگ اس کی بھی تعریفیں کریں لیکن ہر دفعہ اماں ہی آگے آجاتیں۔

اس کا اکثر عالیان سے اس بات پر جھگڑا ہوتا وہ کہتی۔ ”اب تو میں اتنا اچھا پکاتی ہوں مگر اماں اب بھی مجھ پر بھروسا نہیں کرتیں۔“

”دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ وہ اتنے لوگوں کو بلا کر کوئی رسک نہیں لے سکتیں۔“ عالیان مسکرا کر جواب دیتا۔

”بھابی ٹھیک کہتی ہیں، اماں کو اپنی تعریفیں سننے کا اتنا شوق ہے کہ وہ کسی کو آگے آنے ہی نہیں دیتیں۔“ وہ کلس کر کہتی۔

”بھابی کو تو یہ نہیں کہنا چاہیے۔ ان کے گھر کی کسی تقریب میں تو اماں کوئی دخل نہیں دیتیں۔ ان کے گھر تو چار مہمان آجائیں تو کھانا بازار سے آتا ہے۔“

”بھئی وہ بہت پیسے والے گھر سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں کام کرنے کی عادت ہی نہیں۔“ وہ وہی کہتی جو بھابی اکثر اس کے کانوں میں انڈیلا کرتیں۔

”پیسے والے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان ہاتھ پاؤں نہ ہلائے، مٹی کا پتلا بن جائے اور اس ہاتھ پاؤں نہ ہلانے کا انجام بھی دیکھ لو۔ ان دونوں کو اس عمر میں کتنے امراض لاحق ہیں اور اماں کو دیکھو..... اب بھی کتنی ایکٹو ہیں۔“ عالیان کی تان آخر اماں پر ہی آکر ٹوٹتی تھی۔

”میں تو ان دونوں کی طرح سست اور کاہل نہیں ہوں؟“ اس نے بڑی امید سے یہ سوال کیا۔

”اسی لیے ان دونوں کی طرح موٹی بھی نہیں ہو۔“

”اس کا مطلب ہے میں بہت اسمارٹ ہوں۔“ آخر کار اس نے خود ہی اپنے منہ سے اپنی تعریف شروع کردی۔

”ہاں ٹھیک ہی ہو، ساتھ چلتی ہو تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اتنے خوب صورت اور اسمارٹ لڑکے کے ساتھ کوئی موٹی لڑکی جارہی ہے یا گوشت کا پہاڑ لڑھک رہا ہے۔“ عالیان کے اس جملے پر وہ بہت زور سے ہنسی۔

”عالیان اس دفعہ بقرعید کی دعوت کا سارا کھانا میں بناؤں گی۔“

”اماں سے اجازت لے لینا۔“ عالیان نے ہمیشہ کی طرح بال اماں کے کورٹ میں ڈال دی۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسے اماں سے اجازت لینے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اللہ نے اس کے دل کی دعا سن لی بقرعید سے دو دن پہلے اماں سخت بیمار ہوگئیں۔ چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔ اس کے تو دل کی کلی کھل گئی۔

''اب تو سارا کام میں کروں گی اور سارے خاندان سے داد سمیٹوں گی۔'' بقر عید کے اگلے دن یہ دعوت گرینڈ پارٹی ہوتی تھی۔ جس میں سارا خاندان بہن، بھائی، ماموں، خالہ، چاچا، پھوپیاں اور ان کے بچے سب مدعو ہوتے تھے۔ اماں رات سے گوشت کے پارچوں میں مسالا لگا کر رکھ دیتی تھیں اور شام کو سارے لڑکے انہیں سیخوں میں پرو کر کوئلوں پر سینکتے تھے۔

بار بی کیو کے علاوہ اماں مٹن کا پلاؤ بھی بناتی تھیں جو اماں کی خاص ڈش تھی اور پورے خاندان میں مشہور تھا کہ ان کا جیسا پلاؤ کوئی نہیں بنا سکتا۔ پلاؤ کے علاوہ میٹھے میں شیر خورمہ اور شاہی ٹکڑے بھی بنتے تھے۔ اماں کو کوفتے اور دہی بڑے بنانے کا بھی بہت شوق تھا۔

اس نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ سب چیزیں بالکل اماں ہی کی طرح بنائے گی، وہ دو دن پہلے سے ہی کام میں جت گئی۔ اماں ہی کی طرح رات سے پارچوں میں باربی کیو کا مسالا لگا لیا۔ صبح اٹھتے ہی مٹن کا قورمہ بگھارا اور کوفتے بنائے۔ دہی بڑے بنائے، شیر خورمہ اور ایک اضافی ڈش فروٹ ٹرائفل بھی بنائی اور یہ ساری چیزیں پانچ بجے تک تیار کر کے کچن بھی صاف کر لیا۔ خود بھی تیار ہو گئی۔ بچوں کو بھی تیار کر لیا۔ صرف چاول رہ گئے تھے۔ وہ وقت پر دم ہونے تھے۔

سب لوگ آنا شروع ہو گئے۔ اس کا دل دھک، دھک کر رہا تھا۔ وہ ہر ڈش کو بناتے ہوئے دعائیں پڑھتی رہی تھی۔

کھانا شروع ہوا اور پھر کھانا شروع ہونے کے چند لمحوں بعد ہی تعریفوں کا سیلاب امڈ آیا۔

''پلاؤ کس قدر لذیذ ہے، بالکل اماں کے جیسا ذائقہ ہے۔'' بھائی جان نے نوالہ منہ میں لیتے ہی بے ساختہ تعریف کی۔

''لگتا ہے تکے بھی اماں ہی نے بنائے ہیں۔'' بڑی بھابی نے خوش دلی سے کہا یا طنز سے وہ اندازہ نہیں کر سکی۔

''بھئی مزہ آ گیا، مدتوں بعد ایسا شیر خورمہ کھایا ہے۔'' ماموں جان، اماں کے پاس بیٹھ کر پیالہ بھر کر شیر خورمہ کھا رہے تھے۔

''آج پتا چلا آپا نے اپنا سارا ہنر اور سلیقہ عالیان کی بیوی میں منتقل کر دیا۔ بہو ہو تو ایسی ہو۔'' چھوٹی خالہ کن انکھیوں سے اپنی بہو کو دیکھتے ہوئے زور، زور سے اس کے قصیدے پڑھ رہی تھیں۔

''عالیان تم بھی تو کچھ بولو۔'' بڑی بھابی نے عالیان کو سر جھکائے بریانی کی پلاؤ صاف کرتے دیکھ کر مخاطب کیا۔

''کیا کہوں......؟'' عالیان نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''عافیہ نے سارا کام اکیلے کیا ہے اور سب چیزیں اتنی اچھی بنائی ہیں تم بھی تعریف کر دو۔''

''کیا تعریف کروں...... عافیہ بہت خوش قسمت ہے جسے اماں جیسی ساس ملی، اسے سب کچھ اماں ہی نے تو سکھایا ہے ورنہ جب یہ شادی ہو کر آئی تھی تو اسے چاول ابالنے بھی نہیں آتے تھے۔''

اور وہ جو عالیان کے ساتھ، ساتھ میز صاف کر رہی تھی۔ وہیں کھڑے، کھڑے ساکت ہو گئی۔ آج اسے نہ عالیان پر غصہ آ رہا تھا اور نہ اماں پر...... بلکہ آج اسے اپنی مما پر غصہ آ رہا تھا کہ آخر انہوں نے اسے یہ سب شادی سے پہلے کیوں نہیں سکھایا...... اگر وہ یہ سب سیکھ کر سسرال میں آتی تو آج اس کے ہر کام پر اماں کا ٹھپا تو نہ لگتا...... اور اماں کے چہرے کی فخریہ مسکراہٹ نہ جانے کیوں اس کا دل جلا رہی تھی۔



منی ناول

زندگی خاک نہ تھی

شیریں حیدر

پانچواں حصہ

دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا تھا...... یا میں نے خواب میں سنا تھا، میں نے دوسرے بیڈ پر سوئے ہوئے کاشف کو دیکھا، وہ رات دیر تک دوستوں کے ساتھ تاش کی بازی جما کر لوٹا تھا، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کتنے بجے آیا تھا۔

''کاشی!'' میں نے اسے پکارا مگر اس کی طرف سے خراٹوں میں جواب آیا، دروازے پر پھر دستک ہوئی، دستک کی آواز اتنی مدھم تھی مگر میں نے ہمت کر کے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

''کون ہے، کیا بات ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''سر میں کلیم!'' اس نے مسکرا کر تعارف کروایا۔ ''آپ سے فون پر بات ہوئی تھی ناں سر!''

''تو؟'' میں نے جماہی روکنے کی ناکام کوشش کی۔

''وہ بات ادھوری ہی رہ گئی تھی سر...... کسی کسٹمر

کے آجانے کی وجہ سے، میں آپ سے پوچھ رہا تھا کہ کس طرح کا مال پسند کریں گے آپ...... لوکل بھی ہے، کوئی نہ کوئی ولایتی مال بھی مل جاتا ہے اور کال پر اچھا مال بھی دستیاب ہوتا ہے...... جیسا کہ آپ کے ماما جی ساتھ لے کر آتے ہیں۔''

''اچھا...... تو تم کلیم ہو!'' میں نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور باہر کاریڈور میں نکل آیا۔ ''تم تو اس سے بالکل مختلف ہو جیسا میں نے تم سے بات کرتے ہوئے تصور کیا تھا!'' حقیقت بھی یہی تھی کہ میں اس کے ''وہ بات'' کرنے کے انداز سے سمجھا کہ کوئی خرانٹ سا آدمی ہوگا مگر وہ تو بہ مشکل چوبیس، پچیس سال کا ایک دبلا پتلا اور معصوم صورت لڑکا تھا۔

''آپ نے کیا تصور کیا تھا سر......'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''جو بھی سمجھا تھا مگر تم میرے تصور سے بڑھ کر اسمارٹ ہو۔''

''بہت شکریہ سر......''

''بات یہ ہے یار کہ اس بار تو میں اپنے دوست کے ساتھ ہوں...... ایک کمرے میں... تو تمہاری اس اچھی آفر کو میں کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''کوئی مسئلہ نہیں سر...... علیحدہ کمرے کا بندوبست بھی میرا ہوگا، سارے، کمرے بک تھوڑی ہوتے ہیں، خالی کمرے اسی لیے ہوتے ہیں ناں اور ان کا کوئی علیحدہ سے کرایہ بھی نہیں دینا پڑے گا آپ کو۔'' اس نے میرے مسئلے کا حل بتایا۔

''پھر بھی یار......'' میں نے دل ہی دل میں زچ ہوتے ہوئے کہا مگر اسے صاف انکار کر کے میرا مقصد نہ حاصل ہوتا۔ ''مجھے اپنا ذاتی موبائل نمبر دے دو تم، اگلی بار میں آنے سے پہلے تم سے رابطہ کروں گا۔''

''ٹھیک ہے سر......'' اس نے مایوسی سے کہا، اپنا کارڈ جیب سے نکال کر میری طرف بڑھایا، میں نے کارڈ لیتے وقت ہزار روپے کا ایک نوٹ اس کے ہاتھ میں منتقل کیا، اسے لیتے ہوئے وہ ہچکچایا۔

''کوئی بات نہیں یار...... لے لو، اسے میری طرف سے ایڈوانس ہی سمجھ لو، کہا ناں اگلی بار آؤں گا تو!'' اس نے نوٹ لے کر جیب میں ڈالا۔

''یہ ماموں کیا پہلی بار آئے ہیں یہاں؟'' میں نے تاک کر سوال کیا۔

''نہیں سر...... آتے رہتے ہیں، یہ تو ہمارے بڑے مستقل گاہک ہیں، ہوٹل کے بھی اور ہمارے بھی۔'' اس نے جوش سے کہا۔ ''ہمارے کچھ ساتھی بڑے شہروں سے بھی ہمارے ساتھ رابطے میں رہتے ہیں اور جس نوعیت کا گاہک ہو اسی نوعیت کا مال ہم منگوا کر پہلے سے رکھتے ہیں مگر یہ والی میڈم...... یہ ہمارے ذریعے نہیں آئیں، یہ بہت اونچا مال ہے، صاحب خود ہی لے کر آئے ہیں۔'' وہ رکا۔ ''ویسے وہ واقعی آپ کے ماما جی ہیں ناں سر...... کہیں آپ میڈیا کے کوئی آدمی تو نہیں ہو؟'' اس نے اپنا خدشہ پھر دہرایا۔

''تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا یار......'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''مگر تم تو جانتے ہو کہ جن کے پاس پیسہ ہوتا ہے وہ اس طرح کی عیاشیوں میں پڑ ہی جاتے ہیں، بس مجھے علم نہیں تھا کہ میرے ماموں بھی ایسے ہی ہیں......'' جانے کیوں حقیقت میرے منہ سے نکل گئی حالانکہ اس سے قبل ماموں کے لیپ ٹاپ سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس کس قسم کی لت میں مبتلا تھے۔

''سر......'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔ ''سر میرے راز کے بارے میں کسی کو علم نہ ہو اور نہ ہی آپ کے ماموں کو علم ہو کہ میں نے ان کے بارے میں آپ کو کچھ بتایا ہے......''

''ایک شرط پر!''

''جی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ماموں کو بھی علم نہ ہو کہ میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔'' میں نے اس سے وعدہ لیا۔

اس نے باچھیں پھیلا کر ہنس کر وعدہ کیا، میں کمرے میں لوٹا تو کاشف بدستور سو رہا تھا۔

☆☆☆

ناہید آپی نے جانے سے قبل ایک سادہ سی تقریب میں نکاح اور رخصتی کا مطالبہ کر دیا تھا، اس لیے مجھے بہت تھوڑے وقت میں تیاری کرنا تھی۔ ناہید آپی تاریخ مقرر کرنے ہی کے سلسلے میں آئی تھیں، ان کے ساتھ ان کے دیور سجاد بھی تھے۔ خالہ کی وفات کے لیے مما کی طرف افسوس کرنے کے لیے بھی جانا تھا، ناہید آپی، نبیل اور عمر کے ساتھ میں بھی تھی، سجاد بھائی کو کہاں اکیلے گھر پر چھوڑتے سو عمر نے انہیں بھی ساتھ ہی لے لیا۔ راستے میں ..... عمر نے گاڑی روک کر کچھ سامان مما کے لیے لیا، عمر کبھی کسی کے ہاں خالی ہاتھ نہیں جاتے تھے۔

''مگر عمر ہم تو افسوس کے لیے جا رہے ہیں۔'' میں نے دبے الفاظ میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''افسوس کرنے کے لیے صرف آپی جا رہی ہیں، ہم تو ملتان سے ہو آئے تھے نیلم!'' انہوں نے میرا احتجاج مسترد کر دیا۔

''کیا فرق پڑ جاتا ہے نیلم ایسی چھوٹی، چھوٹی چیزوں سے.....'' آپی نے بھی رسان سے کہا تو میں خاموش ہوگئی۔'' ایسی ہی چھوٹی، چھوٹی پیاری چیزیں ہیں ہماری معاشرت کی جن کی کمی بیرون ملک میں بہت محسوس ہوتی ہے..... حالانکہ ہمارے خاندان میں کوشش کر کے ان روایات کو بیرون ملک میں بھی زندہ رکھا گیا ہے..... مگر ہمیں علم ہے کہ ہماری اگلی نسل ان چیزوں کو بھول جائے گی، اسی لیے ہم سب سوچتے ہیں کہ بہوئیں پاکستان سے لے کر جائیں تاکہ اگلی نسل کو کچھ تو اپنے ملک، مذہب اور معاشرت کا علم ہو۔'' آپی کہہ رہی تھیں۔

''نئی نسل کا تعلق تو آپ اس ملک سے تب قائم رکھنا چاہیں جب خود آپ لوگوں نے اس ملک سے اپنا تعلق قائم رکھا ہو.....'' عمر نے ہنس کر کہا۔ ''چھوڑیں آپی، اپنے بچوں کو اس کا پابند نہ کریں، کسی اور ملک میں رہ کر ممکن ہی نہیں کہ آپ اپنی اگلی نسل کو اپنے اصلی ملک سے محبت کرنے والا بنا سکیں۔''

''ہماری تو مجبوریاں ہیں عمر.....''

''آپ کے بچوں کی مجبوریاں آپ سے کہیں بڑھ کر ہوں گی آپی..... اور پھر ان کا تو خمیر بھی آپ کی طرح اس مٹی سے نہیں اٹھا۔ آپی جو کام آپ عمر بھر خود نہ کر سکیں، اس کی اپنے بچوں سے توقع مت کریں..... آپ دونوں میاں بیوی یہاں پیدا ہوئے، یہیں پلے بڑھے، بھائی صاحب پڑھ لکھ کر اعلیٰ تعلیم کے لیے گئے اور وہیں کے ہو گئے، آپ بیاہ کر گئیں اور آپ کو بھی اس ملک نے جکڑ لیا، اولاد اور ملازمتیں مجبوریاں بن جاتی ہیں، آپ لوگ مجبوریوں کی اس قید سے رہائی نہ پا سکے، آپ اپنے ملک کو لوٹ کر نہ آ سکے تو ان بچوں سے تو توقع نہ کریں جو پیدا بھی وہیں ہوئے، پلے بڑھے بھی اور اب ہر لحاظ سے اسی نظام کا حصہ ہیں.....'' عمر نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔

''ببلی وہاں جائے گی تو کیا اس کے دل میں پاکستان آنے کی تڑپ نہیں ہوگی؟'' آپی نے سوال کیا۔

''اس کے دل میں تو ہوگی مگر نبیل اس کے ساتھ آیا تو بادلِ ناخواستہ آئے گا یا اسے تنہا ہی بھیجے گا..... اسی طرح، جس طرح آپ آتی ہیں اکیلی کیونکہ بھائی صاحب کا تقریباً سارا خاندان وہیں ہے..... آپ بھی تب تک آئیں گی جب تک آپ کو اپنے بچوں کے لیے پاکستان میں رشتے ڈھونڈنا ہیں..... یا جب تک اماں کا وجود ہے، اسی طرح ببلی بھی تبھی تک آئے گی جب تک میں زندہ ہوں..... میرے بعد اس کے لیے بھی اپنے ملک میں کشش ختم ہو جانے گی۔'' عمر نے افسردگی سے کہا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو تم عمر.....'' آپی جھٹ سے بولیں۔ ''اللہ تمہیں سلامت رکھے اور ببلی کا تو پورا بھرا پُرا میکا ہے، اس کی ماں اور اس کے بھائی! مجھے معلوم ہے کہ وہ چاہے کبھی ان زنجیروں سے نکل کر واپس نہ آ سکے مگر وہ میری اگلی نسل کے دلوں میں اپنے ملک کی محبت کا پودا ضرور لگائے گی۔''

''آپ کی اگلی نسل کا ملک تو وہی ہوگا آپی!'' عمر نے ہنس کر کہا۔ مما کا گھر آ گیا تھا سو اس موضوع پر گفتگو

وہیں ختم ہوگئی..... تین چار گھنٹے ہم وہاں بیٹھے کیونکہ سجاد بھائی اور عمر نے فاتحہ خوانی کے بعد مل کر خوب محفل کا رنگ جمایا تھا..... سیاست پر گرما گرم بحث کے لیے پاپا کو بہت عرصے کے بعد کوئی ملا تھا۔ واپسی پر اپنے گھر کے پورچ میں ہم گاڑی سے اترے، ناہید آپی اور تمیل اندر چلے گئے، عمر ابھی باہر ہی تھے، وہ گیٹ کی طرف چوکیدار سے کوئی بات کرنے گئے تھے.....

''بھابی آپ سے کوئی ذاتی بات کرنا تھی مجھے.....''

''مجھ سے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا، مجھ سے تو ان کا سلام دعا سے زیادہ کا واسطہ بھی نہ تھا۔

''جی!'' انہوں نے کہا۔''اکیلے میں.....''

''کیسے؟'' میں حیرت کے سمندر میں قلابے مار رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ جانے وہ کیا کہہ دیں۔

''یوں نہیں.....'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے آپ سے علیحدگی میں بات کرنے کا موقع اور وقت چاہیے!'' وہ مجھے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن چھوڑ کر اندر چلے گئے۔

☆☆☆

''السلام علیکم ماموں!'' میں نے عین ان کے سامنے اور ان کی ہمراہی کی پشت پر کھڑے ہو کر کہا تو ماموں سکتے میں چلے گئے، ان کی آنکھیں جھپک رہی تھیں، نہ ان کا منہ ہل رہا تھا جس میں انہوں نے نوالہ ڈالا تھا، ہاتھ بھی وہیں معلق ہو گئے تھے جہاں وہ نوالہ ڈالنے کے بعد ابھی نصف راستے میں تھے۔ انہیں موت کا فرشتہ نظر آ جاتا تو اتنی حیرت میں مبتلا نہ ہوتے۔

''السلام علیکم آنٹی!'' میں نے ان کے سامنے آ کر انہیں سلام کیا، انہوں نے سر ہلا کر اک ادائے بے نیازی سے جواب دیا، تب تک ماموں نوالہ نگل چکے تھے۔

''وعلیکم.....'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔''تم یہاں کہاں؟''

''یہی تو میں آپ سے پوچھنے والا تھا..... یہ کراچی تو نہیں ماموں۔'' میں نے تیر چلایا۔

''تم چلو سامی!'' انہوں نے اپنے ہاتھ سے کمرے کا کارڈ نکال کر ان خاتون کو دیا، جسے قریب سے دیکھنے پر مجھے اس کے چہرے پر میک اپ کی تہیں نظر آئیں، اتنی سویرے، سویرے میک اپ کر لیا تھا اس نے اور اس کا نام بھی بلیوں جیسا تھا۔

''اوکے ڈئیر.....'' انہوں نے ناشتا جاری رکھتے ہوئے کہا۔''تم بات کرو..... میں اپنا ناشتا کر رہی ہوں، مجھے اندازہ ہے کہ تمہارا جھوٹ پکڑا گیا ہے، کوئی نئی بات نہیں میرے لیے، اس طرح کی صورتِ حال ہو جاتی ہے کبھی کبھار.....''

''سامی.....'' ماموں کے لہجے میں ذرا سختی تھی۔

''سنو دانی.....'' اس نے چھری ہاتھ میں پکڑ کر ماموں کو مخاطب کیا۔''تمہارا جھوٹ پکڑا گیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ اس کے بعد تم مجھے ملنے والے نہیں ہو..... کم از کم میرا حساب چکتا کرو اور پھر بیٹھ کر اپنے بھانجے سے جو بات کرنی ہے کر لو۔''

ماموں کے چہرے کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ پڑا، وہ بے بسی سے مجھے دیکھنے لگے، میں دل میں کڑھ رہا تھا کہ اس مقام تک گر گئے ہیں ماموں..... گلی، گلی میں منہ مارنے والی عورتوں کو ممانی پر ترجیح دیتے ہیں۔

''تم چلو احمد.....'' ماموں نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''مجھے پانچ منٹ دے دو۔'' میں نے انہیں اتنا بے بس کبھی نہیں دیکھا تھا، میں کسی کو بتاتا کہ ماموں اس طرح کی حرکتوں میں ملوث ہیں تو کوئی یقین بھی نہ کرتا، اسی لیے میں نے ان کے ہوٹل میں قیام کے رجسٹر، ان کے کمرے کی بکنگ، ان کی اور اس خاتون کی کمرے سے نکلتے ہوئے اور کئی اور مواقع کی اکٹھے تصاویر بھی خفیہ طور پر اپنے فون کے کیمرے سے بنائی تھیں۔ میں آگے جا کر ایک اور میز کے گرد رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا، اس طرح کہ ان کی میز مجھ سے قریب بھی اور نظر کے سامنے بھی، فون کے کیمرے سے میں نے ان کے درمیان معاملات طے پانے اور رقم کی ادائیگی کے مرحلے کی تصاویر بھی چوری چھپے بنائی تھیں۔

''کیا ہے یہ سب ماموں؟'' میں نے انہیں سوال

کی زد پر لیا۔" اتنا بڑا دھوکا، اتنا ناقابلِ معافی جرم......"

"کیا ہو گیا ہے یار...... میری بزنس پارٹنر ہے وہ، کسی کاروباری معاملے پر اختلاف چل رہا تھا، کراچی میں ہی ملنا تھا اس سے مگر میرے ائیر پورٹ پہنچنے سے پہلے ہی اس کی کال آ گئی کہ یہاں ہے یہ... اور" انہوں نے ماتھے سے پسینہ پونچھا، ان کی کہانی میں کتنے سقم تھے اور یوں بھی ایسی سرد جگہ پر صرف جھوٹ بولتے ہوئے ہی پسینہ آ سکتا ہے۔" مجھے یہاں آنا پڑ گیا!"

"مگر آپ تو ابھی تک گھر پر سب کو یہی بتا رہے ہیں کہ آپ کراچی میں ہیں......" میں نے ان کا جھوٹ انہیں بتایا۔

"وہ...... اگر یہاں کا کہوں تو دس طرح کی تفصیل دینا پڑتی ہے یار......" ماموں نے اپنی طرف سے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"مگر یہ کون سا کاروبار ہے جس کی پارٹنر کے ساتھ آپ کو چار راتیں ایک ہی کمرے میں قیام بھی کرنا پڑتا ہے اور پھر ان چار راتوں کا معاوضہ دے کر فارغ بھی کرنا پڑتا ہے؟" ماموں ابھی تک، شاید مجھے دس بارہ سال کا لڑکا سمجھ رہے تھے۔" مجھے بھی تو علم ہو ماموں! آپ کا کوئی بیٹا نہیں ہے...... کل کلاں کو ممکن ہے کہ مجھے ہی آپ کے اس کاروبار کی باگ ڈور سنبھالنا پڑے اور اسی طرح کی عورتوں سے اسی طرح معاملات طے کرنا پڑیں، آپ تو ممانی کو جھوٹ سچ بتا سکتے ہیں مگر آپ کی بیٹی اتنی سادہ نہیں...... وہ تو میری کال سے میری لوکیشن چیک کر لیا کرے گی، اسے تو ذرا سا شک پڑ گیا تو اگلی پرواز لے کر میرے پیچھے آ جائے گی۔ پھر مجھے وہ اپنی کسی کاروباری ساجھے دار کے ساتھ ہوٹل کے ایک ہی کمرے میں دیکھے گی تو...... آپ کو تو علم ہے ماموں، وہ ایک لمحہ میرے پاس نہیں رکے گی۔"

"کس طرح کی بکواس کر رہے ہو تم؟" ماموں دانت پیس کر بولے۔

"میں کروں تو بکواس...... آپ کر رہے ہیں تو کاروبار......"

"دیکھو...... احمد!" انہوں نے اپنے لہجے پر قابو پایا۔" تم نہیں سمجھو گے، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، حالات ہی ایسے بن گئے ہیں......"

"کس چیز کے حالات ماموں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہاری ممانی، اب مکمل ماں بن گئی ہے، بیوی نہیں رہی...... وہ مجھے نظر انداز کرتی ہے، ہفتوں اسے علم نہیں ہوتا کہ میں بھی اسی کمرے میں ہوتا ہوں جس میں وہ ہوتی ہے...... اس کی مصروفیات اب بہت مختلف ہو گئی ہیں، اپنی بیٹیوں کے بعد اب ان کے بچوں کے مسائل میں الجھی ہوئی وہ عورت...... مجھے مطمئن نہیں کر پاتی، اس لیے کبھی کبھار...... دل بہلانے کو کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے...... مرد کو اتنی چھوٹ کی ضرورت ہوتی ہے، جب بہت فرسٹریشن ہو جاتی ہے تو......"

"خدا کے لیے ماموں......" میں نے غصے سے کہا۔" جن بیٹیوں کے مسائل میں الجھ کر ممانی آپ کو بھلا بیٹھی ہیں بقول آپ کے...... وہ آپ کی بھی بیٹیاں ہیں، اگر آپ نے ممانی کا ساتھ دینے کے بجائے اپنے لیے چور راستے تلاش کر لیے ہیں تو...... پھر تو عورت کو بھی پورا حق حاصل ہے ناں کہ وہ اپنی تنہائی اور مسائل شیئر کرنے کے لیے بے پروا خاوند کا نعم البدل تلاش کر لے......"

"کچھ شرم کرو احمد......" انہوں نے غصے سے کہا۔ "کچھ حیا ہے تمہیں، میں مرد ہوں، وہ عورت ہے۔"

"افسوس ہو رہا ہے کہ آپ مرد ہیں، ماموں آپ گناہ کی دلدل میں سر تا پا دھنسے ہوئے ہیں...... اپنے کیے پر آپ کو ندامت بھی نہیں......"

"تم میرے بھانجے ہو احمد اور میرے ہونے والے داماد، مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں اس عورت سے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے جو اس خاندان سے ہے بھی نہیں۔" انہوں نے مجھے گھورا۔

''وہ عورت اس خاندان سے ہو یا نہ ہو ماموں، یہ خاندان اس عورت سے ہے...... مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے کہ وہ جتنی اچھی، باحیا، وفادار، باکردار اور خاندان کا خیال کرنے والی ہیں...... وہ کسی انتہائی شریف شوہر کی مستحق تھیں۔'' میں نے ایک، ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

''تمہیں یہ بات اپنے باپ کی عمر کے ماموں کو کہتے ہوئے شرم آنی چاہیے......''

''مجھے تو آپ کو اپنا ماموں کہتے ہوئے زیادہ شرم آرہی ہے......''

''کیا؟'' وہ تقریباً چیخے، اس ہال میں اس سے زیادہ بلند آواز سے بات نہیں کی جاسکتی تھی۔ ''ایک ذرا سی غلطی کا تمہیں کیا علم ہوا تم مجھے ماموں سمجھنے سے انکاری ہو گئے ہو۔''

''یہ ذرا سی بات نہیں ہے ماموں......'' میں نے کہا، میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ''مجھے یہ جان کر دکھ ہوا اور روزِ قیامت آپ کے انجام کو سوچ کر اس سے زیادہ دکھ ہوتا ہے...... سائی تو ایک ہے جس کے ساتھ آپ جانے کب، کب اور کہاں، کہاں رنگ رلیاں مناتے رہے ہیں......'' میں رکا۔ ''فاخرہ، کشش، نبیلہ، انعم، راحیلہ، شگفتہ، سعیدہ، ملاحت، تمکین...... اور جانے کون، کون سے نام ہیں جن سے آپ نہ صرف بے ہودہ چیٹ (chat) کرتے ہیں بلکہ آپ کی ان سب سے ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں...... آپ کے دفتر میں نصف سے زائد ایسی سیکرٹری رہ چکی ہیں جن سے جی بھر جاتا ہے تو آپ نئی لے آتے ہیں، دن میں بھی آپ دھڑلے سے اپنے شہر میں ہوٹلوں میں نت نئی عورتوں کے ساتھ جا، جا کر رہتے ہیں اور بہانے کر کے راتوں کو بھی...... ملتان میں آپ کا کوئی کاروبار نہیں ہے...... وہاں بھی آپ اسی طرح کے کاموں کے لیے جاتے ہوں گے...... آپ ایسی عورتوں کے گھروں پر بھی جاتے ہیں۔ جن کے شوہر ایک دو دن کے لیے گھر سے یا شہر سے باہر ہوتے ہیں!'' ماموں کے چہرے کا کوئی رنگ نہ رہا تھا، ان کی آنکھوں سے خوف ابل رہا تھا۔ ''کہیں تو کچھ اور بھی بتاؤں؟''

''تم کیا میری جاسوسی کرتے پھر رہے ہو؟'' جب بولے تو یہی بات ان کے منہ سے نکل سکی۔

''مجھے آپ کی جاسوسی کرنے کی کوئی ضرورت ہے، نہ شوق اور نہ ہی میرے پاس وقت......'' میں نے غصے سے کہا، اپنی انگلی سے انگوٹھی اتاری، ان کے ہاتھ کے پاس رکھی۔ ''مجھے آپ جیسے زانی شخص کا داماد بننے کا کوئی شوق نہیں ماموں...... باپ اتنا بدکردار ہے تو بیٹی جانے کیسی ہوگی...... ایک بیٹی نے پہلے ہی کسی لڑکے کے ساتھ خود ہی محبت کی شادی کی اور جانے اس کے اندر کیا عیب تھا کہ سال بھر بھی اس کی محبت کی شادی نہ چلی۔'' میں نے اٹھنے کے لیے کرسی گھسیٹی، ماموں بالکل خاموش تھے۔ ''کہیں مر تو نہیں گئے شرم سے؟'' میں نے سوچا۔ ''میں جا رہا ہوں ماموں...... اور دنیا بھر کو آپ کا یہ چہرہ دکھا کر ہی دم لوں گا۔''

''خدا کے لیے احمد...... یوں بدنام کر کے مجھے جیتے جی مت مارو۔'' وہ دونوں ہاتھ میرے سامنے باندھے ہوئے تھے، میرے اندر سے نفرت کی ایک شدید لہر اٹھی، کاش وہ یہ کہتے۔ ''میں توبہ کرتا ہوں احمد...... آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے کرسی کو ٹھوکر مار کر گرایا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ہال سے نکل گیا۔

☆☆☆

''آپ فکر نہ کریں آپی!'' وہ میرے گلے سے لگ کر سسک پڑی۔ ''آپ سے وعدہ کیا ہے ناں تو یہ خط کسی عدالت میں بھی نہیں دکھاؤں گی اور اگر مجھ پر سختی کی گئی تو کہہ دوں گی کہ چاچی کو خود میں نے...... زہر دے کر قتل کر دیا تھا۔''

''ارے نہیں پگلی، ایسی نوبت نہیں آئے گی۔'' میں نے اسے تھپکا اصل میں ممانے اس روز اس کی اور اس کے ابا کی بہت بے عزتی کی تھی، ان پر خالہ کے قتل کا الزام لگایا اور انہیں لالچی اور خود غرض اور جانے کیا، کیا کہا تھا۔

''چاچی دنیا سے چلی گئی ہیں...... ان کا راز اب راز ہی رہے گا مگر ایک بار آپی، آپ اپنے پاپا کو یہ ضرور جتلائیں کہ انہوں نے چاچی کی زندگی برباد کردی تھی، ان کی معصومیت، ان کی سادگی کو زہر میں بدل دیا تھا انہوں نے، وہی زہر ان کی موت کا باعث بن گیا...... وہ ایسی سادہ تھیں کہ عمر بھر ان کے ہاتھوں کھلونا بنی رہیں۔''

''کروں گی، ضرور کروں گی۔'' بے بسی، شرمندگی اور غصے سے میرے آنسو نکل پڑے، ایسا غصہ آ رہا تھا اس وقت پاپا پر کہ وہ میرے سامنے ہوتے تو میں پھٹ پڑتی...... میں نے پہلے ہی سوچا تھا کہ انہیں احساس ضرور دلاؤں گی کہ انہوں نے کیا کچھ غلط کیا۔

''مجھ پر چاچی نے ایک بہت بڑا احسان کیا تھا آپی، مجھے ایک لڑکا پسند تھا اور گھر والے مجھے اپنے ایک جاہل دکاندار کزن سے بیاہنا چاہتے تھے مگر چاچی نے اس کی مخالفت کی اور ابا کو میرے حق میں منایا...... کہتی تھیں، میں نے ایک اور تانیہ کو جنم نہیں لینے دیا...... وہ اپنی شادی شدہ زندگی سے بہت ناخوش اور غیر مطمئن تھیں آپی...... انہوں نے اس خاندان کی کتنی ہی لڑکیوں کو حصولِ تعلیم کی طرف مائل کیا اور ان کے والدین سے مخالفتیں مول لے کر انہیں اپنے خرچے پر پڑھایا......''

''تم اپنا دل مما کی طرف سے برا نہ کرنا، مجھے ان کے کہے کی معافی دے دو اور اپنے ابا سے بھی کہنا کہ انہیں معاف کردیں۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''ٹھیک ہے آپی!'' اس نے میرا ہاتھ عقیدت سے چوم لیا۔ ''اب اس کے بعد آپ یہاں کبھی نہیں آئیں گی ناں آپی!''

''ہوں......'' میرے حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکا، واقعی یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا۔ ''آؤں گی پیاری ایک بار...... تم اپنی شادی پر مجھے نہیں بلاؤ گی؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''پکی بات ہے آپی؟'' اس نے جوش سے پوچھا۔

''تو اور کیا میں جھوٹ بولوں گی۔'' اس کے چہرے پر کئی چراغ جل اٹھے تھے۔

☆☆☆

''میں اپنے بیٹے کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ سوٹ کیس میرا نہیں ہے......'' میں ہچکیوں سے رو رہی تھی اور مصطفیٰ مجھے دیکھ کر چلا، چلا کر رو رہا تھا، یوں رونا اس کے پھیپھڑوں کے لیے ٹھیک نہ تھا، میں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا، اسے تھپکا، میرا جسم لرز رہا تھا۔ ''مصطفیٰ...... میرا پیارا بیٹا، مما کی جان!'' میں نے اسے تھپکا۔

''پہلے آپ نے یہ سوٹ کیس خود وصول کیا، چند منٹ قبل آپ نے ان کیمروں کے سامنے تسلیم کیا کہ یہ سوٹ کیس آپ ہی کا ہے اور یہ کہ آپ ہوش و حواس میں تھیں۔'' وہ گویا ہوا...... ''صرف کرنسی ہی نہیں، ان کرنسی کی تہوں کے نیچے نشہ آور پاؤڈر بھی ہے...... رانیہ دانیال صاحبہ!''

''میں اس کا کوئی جواب نہیں دوں گی......'' مصطفیٰ کو اپنے ساتھ لگانے سے مجھے لگا کہ میرا ہوا میں معلق وجود طاقت پا گیا ہو اور میرے قدم زمین پر ٹک گئے ہوں۔ ''آپ مجھے کوئی وکیل بلا کر دیں، میں اس کے ذریعے خود پر لگائے گئے الزام کا دفاع کروں گی!'' میرے حواس لوٹنے لگے تھے اور مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈرنے والا مرتا ہے۔

''الزام؟'' وہ ہنسا۔ ''کون سا الزام...... ابھی آپ نے تسلیم کیا ہے اس سوٹ کیس کی ملکیت کو......'' میں خاموش رہی۔ ''بولیں ناں......'' اس نے پھر اصرار کیا۔ ''کس بنیاد پر آپ کہہ سکتی ہیں کہ یہ الزام ہے...... آپ نے یہ بھی مانا تھا کہ یہ سوٹ کیس آپ نے خود یا ممکن ہے کہ اس کا کچھ حصہ آپ کے شوہر نے پیک کیا ہو......'' اس کی گفتگو جاری تھی اور میں خاموش۔ ''کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کا شوہر کسی گھناؤنے ...... کاروبار میں ملوث ہو اور اس نے آپ کو پھنسانے کو ایسا کیا ہو...... کہیں اس نے آپ کو زبردستی تو نہیں بھیجا؟'' میں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

واقعی...... عابد نے بھیجا تو مجھے زبردستی ہی تھا،

اچانک پروگرام بنا کر...... مالی حالات میں مسائل کے باوجود...... پھر اپنے کزن سے کہا تھا کہ وہ ائرپورٹ سے سیدھا مما کے ہاں پہنچا دے...... اور یہ بھی عابد کا ہی آئیڈیا تھا کہ مما کو اطلاع نہ دی جائے...... سوٹ کیس کچھ میں نے پیک کیا تھا کچھ عابد نے، کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی ایسے وقت میں کہ جب میں گھر پر نہ تھی یا میں سو رہی تھی تو عابد نے اسے کھول کراس میں یہ سب کچھ بھر دیا ہو؟ منفی خیالات کی یلغار سے میرا سر دکھنے لگا۔ ''مجھے چائے مل سکتی ہے پلیز؟'' میں نے ملتجی لہجے میں کہا۔ ''میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے...... ساتھ سر درد کی دو گولیاں۔''

''تم کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں نہیں ہو میڈم......'' ایک آواز آئی۔ ''تم اس وقت کرنسی اور منشیات کی اسمگلر کے طور پر ہمارے سامنے کھڑی ہو۔''

''اسمگلر......'' میں بڑبڑائی تھی۔ ''میں؟'' میرا سر چکرا رہا تھا، مائیگرین کا حملہ شروع ہو چکا تھا، دنیا تاریک ہو رہی تھی۔ ''پلیز...... مجھے میرے پرس سے مائیگرین کی دوا دے دیں۔'' میں بڑبڑائی تھی مگر جانے کسی کو میرے الفاظ کا مفہوم سمجھ میں آیا تھا کہ نہیں، میرا دماغ غنودگی میں جا رہا تھا اور کانوں میں مصطفیٰ کے چیخ، چیخ کر رونے کی آوازیں۔ ''کوئی اسے چپ کرواؤ پلیز...... رونے سے اسے دورہ بھی پڑ سکتا ہے......'' میں بڑبڑا رہی تھی مگر اس حالت میں میری بڑبڑاہٹ ہمیشہ بے معنی سی ہوتی ہے۔

''اس طرح کے ملزموں کو کوئی دوا نہیں دی جا سکتی، خواہ وہ آپ کے اپنے ہی پرس میں کیوں نہ موجود ہو، کیا معلوم کہ مائیگرین کی گولیوں کی بوتل میں زہر رکھا ہوا ہو اور وہ کھا کر خود کو ختم کرنا چاہتے ہوں، جیسا کہ عام مجرم کرتے ہیں۔'' غنودگی میں مجھے یہ آخری آواز آئی تھی۔ عابد بتاتے ہیں کہ اس حالت میں، میں جو کچھ بول رہی ہوتی ہوں اس کی انہیں سمجھ نہیں آتی...... عابد...... ان کا خیال آتے ہی میرے اندر سے غم و غصے کی ایک لہر اٹھی۔

☆☆☆

''سفر کی تھکان تھی یا بازاروں میں ہر وقت خریداری کے لیے گھومنے کا نتیجہ کہ میری طبیعت گری، گری رہنے لگی، میں بے پروائی کرتی رہی اور ٹالتی رہی، کبھی کوئی دوا اور کبھی کوئی اپنے آپ لے لیتی۔ عمر تک کو نہ بتایا کہ طبیعت ناساز تھی ورنہ وہ اگلے ہی لمحے مجھے خود ڈاکٹر کے پاس لے جاتے، اتنا وقت کہاں تھا کہ ڈاکٹر کو دکھاتی، اس لیے بے پروائی کرتی رہی۔

کبھی کبھار سوچ آتی کہ سجاد بھائی نے جو بات کی تھی، شاید میں نے اس کا اتنا اثر لیا تھا مگر اس بات پر تو مجھے خوش ہونا چاہیے تھا...... عمر سے بھی بات کی تو انہوں نے سجاد بھائی کی تائید کی، ناہید آپی سے کہا تو انہوں نے کہا کہ یہی وہ بات تھی جو وہ مجھ سے منوانا چاہتی تھیں...... ان کا اپنا خیال تھا اور وہ سجاد سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈ ہی رہی تھیں مگر اچھا ہوا کہ سجاد کے اپنے دل میں وہ بات آ گئی تھی۔

''آپ اتنی اچھی ہیں بھابی......'' انہوں نے اس روز کہا تھا۔ ''آپ کے والدین سے سرسری سی ملاقات تھی، کچھ خبر آپ کے میکے کے حالات کی بھابی ناہید سے مل جاتی ہے۔ کبھی کبھار جیسے کوئی اہم خبر!'' وہ رکے۔ ''مگر آج پہلی بار میں نے آپ کو بہن کو دیکھا ہے...... امید ہے کہ آپ برا نہیں منائیں گی اگر میں انتہائی جائز خواہش کا اظہار کروں کہ میں اس کے ساتھ نکاح کا خواہش مند ہوں......''

''کیا؟'' میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ''آپ فاطش سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں...... اس میں برا کیا ہے؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ کو علم ہے کہ فاطش۔'' میں کہتے، کہتے رکی۔ ''طلاق یافتہ ہے اور اس کا ایک لگ بھگ چھ سال کا بیٹا بھی ہے۔''

''جانتا ہوں......'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ ''میں بھی طلاق یافتہ ہوں اور میری بھی ایک بیٹی ہے مگر وہ اپنی ماں کے پاس ہے...... بچے مائیں ہی پال سکتی ہیں،

میں اس کا خرچہ دیتا ہوں!''

''مگر فاطش کسی صورت نہیں مانے گی، نہ شادی کے لیے نہ اسود کو چھوڑنے کے لیے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے کب کہا کہ اسے اسود کو چھوڑنا ہوگا۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔'' ہاں البتہ شادی کے لیے منانا ہی اہم مرحلہ ہے، اسی لیے آپ سے بات کر رہا ہوں، سب سے پہلے آپ سے..... اور اسے منانا پڑا تو جس، جس کی منتیں کرنا پڑیں، کروں گا.....'' انہوں نے عزم سے کہا۔'' جانتی ہیں کیوں؟'' سوال کیا گیا۔

''میں کیسے جانوں گی کہ کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کیونکہ..... مجھے اس سے پہلی نظر کی محبت ہوگئی ہے..... جیسے عمر کو آپ سے ہوگئی تھی۔''

''اچھا.....'' میں نے لمبی سی اچھا کی، کوئی اور جواب ہی نہ سوجھا۔

''جی.....'' وہ ہنسے۔'' اور آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے خاندان میں جو کوئی پسند آجاتا ہے..... اسے کس طرح حاصل کرتے ہیں ہم لوگ..... عمر اور نبیل کی دو مثالیں تو آپ کے سامنے ہیں۔'' میری بھی ہنسی نکل گئی۔

''میں تو سمجھی کہ آپ کو بولنا ہی نہیں آتا سجاد بھائی!''

''اپنے دل کی آواز تو کسی نہ کسی کو بول کر ہی سنائی جاتی ہے ناں! اب بھی چپ رہوں گا تو کس طرح من کی مراد پاؤں گا!'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میرے لیے کوشش کریں گی ناں آپ؟''

''ہاں کوشش تو کر سکتی ہوں.....'' میں نے کہا۔ ''مگر وعدہ نہیں..... سب سے اہم اور مشکل مرحلہ تو فاطش سے بات کرنے کا ہی ہے، وہی مان کر نہیں دے گی۔'' میں نے کہا۔'' اس نے اسود کے لیے خود تنہا رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے، اس سے قبل مما جب بھی اس سے کہتی تھیں بلکہ وہ تو اس پر بات ہی نہیں کرتی کہ اسے دوسری شادی کا سوچنا چاہیے تو وہ انکار کر دیتی ہے۔'' میں نے انہیں حقیقت بتائی۔

''دوسری شادی کا سوچنے کا کہنے میں..... اور اسے یہ بتانے میں کہ کوئی اس سے محبت کرنے لگا ہے..... فرق تو ہے ناں بھابی!'' وہ اتنے سلجھے ہوئے آدمی تھے، میں کبھی کبھار سوچتی کہ ان کی بیوی انہیں کیوں چھوڑ کر چلی گئی ہوگی، مجھے سن کر اچھا لگا کہ وہ فاطش کو چاہنے لگے تھے۔

''میں کوشش کروں گی سجاد بھائی.....'' میں نے ان سے کہا، ان کی آنکھوں میں ایک جوت جلی تھی۔

☆☆☆

صدف اب کافی سنبھل گئی تھی، اسے عمر بھر پاپا کے بارے میں کوئی کچھ نہ بتاتا، کوئی اس سے ایسی بات نہ کرتا کہ جو اس کے دل کو تکلیف پہنچاتی، وہ ایسی پیاری بچی تھی، حساس سی کہ اس نے بچپن میں مما کا بہت زیادہ پیار لیا تھا مگر اس کو خود سے پاپا سے اس طرح محبت تھی کہ سردی گرمی میں، اسکول اور کالج کے زمانے میں اور شادی ہونے تک بھی وہ پاپا کے انتظار میں باہر برآمدے میں بیٹھی رہتی، وہ آتے تو اندر آتی، وہ لیٹ ہو جاتے تو جلتے پیر کی بلی کی طرح اندر باہر گھومتی..... پاپا شہر سے باہر جاتے تو دن میں کتنی ہی بار کال کر کے ان کی خیریت پوچھتی، کھانے کی میز پر بیٹھتی تو اسے کھانے کی بھوک نہ لگتی کہ پاپا کی خالی کرسی کو دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوتا تھا..... رات اپنے کمرے میں نیند نہ آتی کہ پاپا اس کے ماتھے پر ہر رات کو سونے سے پہلے بوسہ دیتے تھے، پاپا کی عدم موجودگی میں مما اس کے پاس اس کے کمرے میں لیٹ جاتیں، اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرتیں، اس کے کندھوں کو ہولے ہولے دباتیں، اس کے ماتھے پر بوسے دیتیں اور وہ جانے کتنی ہی مشکلوں سے نیند کی وادی میں اترتی۔ اسے سنبھلنے میں کچھ وقت تو لگنا ہی تھا.....

''آپی، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے پاپا ایسے ہو سکتے ہیں۔''

''ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا.....'' میں نے پیار سے اسے گلے لگالیا۔

''ایسا کیوں کیا پاپا نے آپی؟'' وہ سسکی۔

''ہماری اتنی پیاری اور ان سے اتنا پیار کرنے والی مما!''

''دھوکا اپنوں سے ہی ملتا ہے پیاری...... انہی سے ملتا ہے جنہیں ہم چاہتے ہیں، غیروں سے تو کوئی توقع ہی نہیں ہوتی ناں۔''

''ہم کس منہ سے اپنے گھروں میں فخر سے رہیں گے اگر مما اور پاپا کے درمیان علیٰحدگی ہو گئی تو؟ کس طرح ہم لوگوں کے منہ بند کریں گے کہ ہمارے پاپا......'' وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔

''دنیا میں ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، کسی کا منہ بند نہیں کر سکتے مگر اس ایک بات کے بارے میں لوگ بہت زیادہ عرصہ باتیں نہیں کریں گے...... انہیں کوئی اور موضوع مل جائے گا جو اس سے دلچسپ ہوگا تو وہ اس قصے کو بھول بھال جائیں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''مگر مما، وہ کہاں رہیں گی اور کیسے...... پاپا کا اس عمر میں کیا ہوگا، انہیں پہلے ہی بلڈ پریشر کا مسئلہ ہونا شروع ہو گیا ہے، مما نہ ہوں گی ان کے پاس تو ان کا خیال کون رکھے گا؟'' اس کے ذہن میں بھی وہی سوچ تھی جو میرے اور نیلم کے ذہنوں میں تھی مگر اس مسئلے پر نہ تو ہم نے کھل کر آپس میں بات کی تھی اور نہ ہی مما کے ساتھ اکٹھے بیٹھ کر اس پر تبادلۂ خیال ہوا تھا، مما کو سوچنے اور وقت دینے کی ضرورت تھی۔

''تم فکرمند نہ ہو صدف پیاری...... اللہ سب بہتر کرے گا، ہمیں مما کو پوری سپورٹ دینا ہوگی، انہوں نے ہمیں بہت پیار اور تحفظ دیا ہے......''

''اور پاپا؟'' اس نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔ ''انہیں ہم تنہا چھوڑ دیں گے سب کے سب مل کر...... ہم سب مما کو سپورٹ کریں گے تو کیا پاپا کے دل و دماغ پر اس کا اثر نہیں ہوگا؟'' اس نے سوال کیا۔ ''میں اپنے پاپا کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی...... مجھے کیا علم کہ پاپا کا کتنا قصور ہے اور مما کا کتنا۔'' میں حیرت سے اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔

☆☆☆

میں دل ہی دل میں کئی دن تک وہ الفاظ مرتب کرتی رہی جو مجھے فاطش سے کہنا تھے...... سوچا رانی آپی سے بات کروں گی، مما سے ابھی اس لیے بات نہیں کر رہی تھی کہ ابھی خالہ کی وفات کا زخم تازہ تھا ان کا، چند دن اور بیت جاتے اِدھر سجاد بھائی کو اس لیے جلدی تھی کہ ان کے جانے میں وقت تھوڑا باقی تھا، نبیل کے نکاح کے بعد انہیں جلد ہی چلے جانا تھا۔

ان سوچوں نے میرے سر کو یوں ہی بھاری کر رکھا تھا...... میں نے اس روز غلطی سے عمر سے کہہ دیا کہ سر بھاری ہے تو انہوں نے مجھے گاڑی میں بٹھایا اور ڈاکٹر کے پاس چل دیے...... ایک دو بار میں نے پہلے بھی شدید تھکن کی شکایت بھی کی تھی...... اس وقت میں نہ، نہ کرتی رہ گئی، ڈاکٹر نے کچھ ٹسٹ لکھ کر دیے، ہم دونوں ان سے پرچی لے کر لیبارٹری میں چلے گئے، خون اور پیشاب کے ٹسٹ دیے، عمر نے ان سے ارجنٹ ٹسٹ کرنے کو کہا، ہم وہاں سے نکلے اور ایک آئس کریم پارلر چلے گئے تاکہ کچھ وقت گزر جائے، عمر نے اس روز بہت دنوں کے بعد مجھ سے اتنی ڈھیر ساری باتیں کیں، تجدید محبت کی، اپنی غلطیوں کی...... ہم فاطش کے مسئلے کو بھی زیر بحث لائے اور عمر کا مشورہ تھا کہ میں فاطش سے پہلے مما اور پاپا سے بات کروں...... میں گاڑی میں ہی بیٹھی تھی، ٹسٹوں کی رپورٹ لے کر عمر گاڑی میں آ بیٹھے......

''کیا رپورٹ ہے عمر......؟'' ان کے چہرے پر سنجیدگی سے خوفزدہ ہو گئیں۔

''سب ٹھیک ہے......'' انہوں نے مختصراً کہا اور گاڑی چلا دی۔ ''کل یہ رپورٹیں لے کر دوسرے ڈاکٹر کے پاس جانا ہوگا۔''

''کیا واقعی سب ٹھیک ہے ناں عمر......'' ان کے عجیب سے پُراسرار انداز سے میرے دل میں کھدبد ہونے لگی۔ ''کوئی گڑبڑ ہے تو بتا دیں مجھے...... مجھ میں سب سننے کا حوصلہ ہے۔''

''سب ٹھیک ہے جانِ عمر......'' اتنا کہہ کر انہوں نے مزید سوالات کا منہ بند کر دیا۔

"مجھے تم سے کوئی بات کرنا ہے نیل......"
کمرے میں رات کو عمر نے میرے ساتھ بیڈ پر بیٹھ کر کہا، میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ "تم ذرا دل کڑا کر کے سننا!"

"عمر" میری آواز لرز رہی تھی۔ "کیا بات ہے، جلدی کہیں پلیز۔"

"تمہاری رپورٹوں کے بارے میں۔"

"کیا؟" میں ہونقوں کی طرح ان کا منہ دیکھ رہی تھی، یقیناً وہ کہنے والے تھے کہ میرے جسم میں کہیں نہ کہیں کینسر تھا۔ "کیا ہے میری رپورٹوں میں؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ ایسا ہے کہ......" وہ کہہ کر پھر رک گئے، میں نے مستفسرانہ نظروں سے انہیں دیکھا، نین کٹوروں میں آنسوؤں سے دھند بھر گئی۔ "رونا نہیں نیل......" انہوں نے میرے آنسو پونچھے۔

"میں رو دوں گی عمر......" میں نے ہچکی لے کر کہا۔ "پلیز جلدی بتائیں...... کیا ہوا ہے مجھے، کیا بیماری ہے مجھے...... بتاتے کیوں نہیں عمر؟" میں نے ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

"بات یہ ہے نیل......" وہ پھر کچھ کہتے، کہتے رکے اور میرا دل اچھل، اچھل کر حلق کو آنے لگا۔

☆☆☆

بند بند سا کوئی کمرا تھا...... کسی روزن سے کوئی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی، میں نے پوری آنکھیں کھول کر کسلمندی سے دیکھا، میں سفید بستر والے بیڈ پر تھی، جیسے اسپتالوں کے بیڈ ہوتے ہیں، یہی بیڈ کمرے کا واحد فرنیچر تھا، مڑ کر دیکھا تو مصطفیٰ پیروں کی طرف سو رہا تھا، اسے یوں گہری نیند میں دیکھ کر میرے اندر سکون اتر گیا، میں نے اسے چھوا تو میری روح تک سیراب ہوگئی۔

"ممی کی جان!" میں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا، جواب میں وہ یونہی بے سدھ رہا، کتنی گہری نیند سو رہا تھا وہ، میرا سر ابھی تک ذرا بوجھل تھا، مجھے دھیرے، دھیرے واقعات یاد آنے لگے...... کیا میں کسی

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال

پاکستان علامہ اقبال ہی کے خواب کی تعبیر ہے۔ اس عظیم تخلیق کار نے امت مسلمہ میں نئی روح پھونکی...... وہ فقط ایک فلسفی اور قانون دان نہیں بلکہ ایسے صوفی تھے جس نے ترکِ دنیا کو رد کیا اور اسلام کی عملی روایات سے استفادہ کیا۔ 1930ء میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے جو خطبہ دیا اسے نظریۂ پاکستان کی پہلی اینٹ قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال 9 نومبر 1877 کو سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے اجداد کا تعلق کشمیر سے۔ والد دین دار آدمی تھے۔ بیٹے نے شعور کی آنکھ کھولی تو وہ انہیں مولانا غلام حسن کے پاس لے گئے۔ پھر وہ شہر کے نامور عالم مولانا سید میر حسن کی شاگردی میں آ گئے۔ اردو، فارسی اور عربی پڑھی۔ شاعری کا باقاعدہ آغاز اسکاچ مشن اسکول میں انٹرمیڈیٹ کی تعلیم کے دوران ہوا جلد ہی شعر گوئی روح کا تقاضا بن گئی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کرنے کے بعد 1899ء میں فلسفے کے مضمون میں ایم اے کیا۔ اسی زمانے میں پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کی سرپرستی میسر آئی۔ شاعری کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مدرس کی حیثیت سے چار برس اورینٹل کالج سے وابستہ رہے۔ ترجمے کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر گورنمنٹ کالج میں انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہو گئے۔ 1905ء میں یورپ کا رخ کیا۔ کیمبرج یونیورسٹی ٹرنٹی کالج میں داخلہ لے لیا۔ بیرسٹری کے لیے لنکن ان کا رخ کیا۔ میونخ یونیورسٹی سے فلسفے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ مئی 1908 میں آل انڈیا مسلم لیگ کی برٹش کمیٹی کی مجلسِ عاملہ کا رکن نامزد کیا گیا۔ وطن لوٹ کر وکالت کا پیشہ اپنایا۔ البتہ تدریس سے بھی جڑے رہے۔ مسلم قومیت کا اصول رفتہ رفتہ اقبال کے سامنے واضح ہو رہا تھا۔ اپریل 1922ء میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں اقبال نے اپنی طویل نظم خضر راہ سنائی جسے ایک شاہ کار کا درجہ حاصل ہے۔ 1923ء میں انہیں سر کا خطاب ملا، مگر حکومت برطانیہ کا یہ اعزاز کسی بھی سطح پر آزادیٔ اظہار میں رکاوٹ نہیں بنا۔ مسلم لیگ پنجاب کے سیکریٹری بننے کے بعد انہوں نے صحیح معنوں میں عملی سیاست میں قدم رکھا۔ عالمی مسائل پر ان کے تجزیے اور آراء کی اہمیت بڑھنے لگی۔ ان کے پیغام کو برصغیر کے مسلمان اہمیت دینے لگے۔ ان کی شاعری زندہ شاعری ہے، جو برصغیر کے مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ بنی۔ انہوں نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی۔ ان کی کئی کتب کے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، جاپانی اور دوسری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ علامہ اقبالؒ مولانا رومی کو اپنا روحانی استاد مانتے تھے اور انہیں پیر رومی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہیں پاکستان میں قومی شاعر کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے فارسی کلام نے ایران پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔

مرسلہ: نجہت آصف، اسلام آباد

اسپتال میں ہوں؟'' میں نے سوچا۔
دیکھنے میں تو اسپتال نہیں لگ رہا تھا، دروازے کے قریب ایک ٹوٹا ہوا بینچ پڑا تھا جس پر میرا بیگ دھرا تھا، میں اٹھی اور ہولے، ہولے قدموں سے چلتی ہوئی وہاں تک پہنچی، نقاہت سی محسوس ہو رہی تھی، جانے میں نے کب کچھ کھایا ہوگا، بھوک سے کمزوری ہو رہی تھی۔ میرے بیگ کا وزن کافی کم لگا مجھے، میں اسے لیے، لیے واپس پلنگ کے پاس آئی اور اس پر مصطفیٰ کے پیروں کی طرف سامان الٹ دیا...... میرے تمام کاغذات، دوائیں، پاسپورٹ، ٹکٹ، موبائل فون، کیمرا...... سب کچھ غائب تھا۔ صرف میرے والٹ میں رکھی تھوڑی سی پاکستانی کرنسی اور کچھ ڈالر، میک اپ کا تھوڑا سا سامان، مصطفیٰ کے لیے رکھے ہوئے بسکٹ، میں نے وہ بسکٹ نکالے اور انہیں ٹونگنے لگی۔ کچھ خیال آنے پر میں نے بیگ کی اندرونی جیب کھولی، اس میں رکھے کارڈ ہولڈرز میں میرے کچھ دکانوں کے کارڈ تو موجود تھے مگر پاکستانی اور غیر ملکی بنکوں کے ڈیبٹ اور کریڈٹ کارڈ، اے ٹی ایم کارڈ، ہیلتھ انشورنس کارڈ اور شناختی کارڈ بھی موجود نہ تھے، اس کے علاوہ ٹیلی فون نمبروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی ڈائری بھی رکھی ہوئی تھی، وہ بھی نہ تھی۔
میں کس مصیبت میں پھنس گئی تھی، سوائے اپنے، عابد کے اور ان کی اماں کے گھر کے مجھے کسی کا فون نمبر زبانی یاد نہ تھا، پاکستان میں بھی مما کے گھر کا نمبر یاد تھا، کسی کا موبائل نمبر زبانی یاد نہ تھا...... سوچا یہی تھا کہ اب میں ان سے کہوں گی کہ مجھے ایک فون دے دیں، کم از کم رابطہ کر کے عابد کو بتاؤں تو سہی کہ میں کس مشکل میں پھنس گئی ہوں...... عابد کے خیال کے ساتھ ہی ایک تلخ سے احساس نے میرے سارے حواس کو مختل کر دیا، عابد نے اس طرح کیوں کیا تھا میرے ساتھ؟
مجھے یہ تو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں دنیا کے کسی بھی کونے میں چلی جاؤں، کسی بھی مشکل میں گرفتار ہو جاؤں...... وکیل کے ذریعے اپنے موقف کا دفاع کرنا میرا حق تھا مگر اب تو میرے پاس کوئی رقم بھی نہیں تھی، وکیل کیونکر حاصل کر سکوں گی۔ یوں بھی میری درخواست کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی کسی نے...... پاپا سے رابطہ ہو جائے تو کام بن سکتا ہے کہ پاپا کے تو کئی ملکوں میں روابط تھے، وہ کسی نہ کسی طرح مجھے اس مصیبت سے ضرور نجات دلا دیں گے۔ میں خود ہی سوچ رہی تھی کہ دھیان مصطفیٰ کی طرف چلا گیا۔
اسے میں دیر تک دیکھتی رہی، اس کے وجود میں کوئی معمولی سی بھی جنبش نہ تھی، میرا جسم سن ہو گیا۔ مصطفیٰ ٹھیک تو ہے؟ میں نے اسے چھوا، ہلکا سا جھنجوڑا۔ ''مصطفیٰ...... میرے بیٹے، میری جان!'' آواز دی...... مگر مصطفیٰ کسمسایا تک نہیں۔ میرا دماغ بھک سے اڑ گیا چند گھنٹوں کے اندر، اندر مائیگرین کا دوسرا شدید حملہ شروع ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''آپ سے کوئی کام تھا مجھے ممانی جان!'' میں نے ممانی جان کو اس وقت کال کی جب مجھے معلوم تھا کہ وہ گھر پر اکیلی ہوں گی۔
''ارے تم نے اتنا تکلف کب سے برتنا شروع کر دیا بیٹا، تمہارا اپنا گھر ہے، جب چاہو آؤ، جو چاہے بات کرو۔'' انہوں نے ہمیشہ کی طرح پیار سے کہا۔ ''تمہیں بات کرنے کے لیے اجازت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟''
''وہ...... ممانی جان، بات اصل میں ایسی ہے کہ میں کسی ایسے وقت پر گھر آنا چاہتا ہوں جب ماموں گھر پر نہ ہوں، کہیں شہر سے باہر ہوں یا پھر آپ کو معلوم ہو کہ وہ دیر سے گھر لوٹیں گے۔''
''ان کے پروگراموں اور مصروفیات کے شیڈول سے مجھے کم، کم ہی آگاہی ہوتی ہے۔'' وہ ہنسیں۔ ''آپ بتاؤ بیٹا، مسئلہ کیا ہے...... کیا ماموں سے کسی بات پر اختلاف ہو گیا ہے یا کچھ ایسی چیز چاہیے...... کوئی پیسے وغیرہ؟''
''ارے نہیں ممانی جان......'' میں نے فوراً

ٹوکا۔ ''مجھے کچھ ذاتی کام ہے۔''

''تو جب چاہے آؤ بیٹا!'' انہوں نے پورے خلوص سے کہا۔

''مجھے اکیلے میں ملنا ہے آپ سے ممانی جان۔'' میں نے اصرار کیا۔

''تو ہم کہیں لنچ پر باہر مل لیتے ہیں؟'' انہوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''نہیں باہر نہیں......'' میں نے فوراً کہا، جو بات مجھے ان سے کہنا تھی اس سے انہیں شدید جذباتی دھچکا پہنچتا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ ایسا کوئی منظر کسی ہوٹل میں ہو۔

''ٹھیک ہے...... جب مجھے وثوق سے علم ہوا کہ دانیال نہیں ہوں گے گھر پر تو میں تمہیں بتا دوں گی۔'' انہوں نے کہا۔ ''مگر ایسا عموماً اسی وقت ہوتا ہے جب تمہیں بھی یونیورسٹی جانا ہوتا ہے......''

''میں چھٹی کر لوں گا اس روز...... اگر یونیورسٹی میں بھی ہوا تو وہاں سے آ جاؤں گا۔'' میں نے فوراً کہا۔

''ایسا بھی کیا اہم مسئلہ درپیش ہے بیٹا؟'' ان کے لہجے میں تشویش تھی۔ ''مجھے تو پریشانی سی ہونے لگی ہے اب۔'' میں جواب میں خاموش رہا، یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ کوئی پریشانی والی بات نہیں تھی...... ''تم کل ہی صبح نو بجے آ جاؤ بیٹا، میرے تو لہو میں بے چینی سی دوڑنے لگی ہے۔'' انہوں نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

میں نو بجے ان کے گھر کے باہر تھا مگر اچھی طرح تسلی کر لی کہ گھر میں ممانی کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا، لاؤنج میں بٹھا کر ملازمہ جوس لے کر آئی، ممانی اپنے سادہ سے مگر انتہائی پُروقار اور متانت لیے ہوئے انداز میں داخل ہوئیں، میں ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ان جیسی نفیس خاتون میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی......

''بیٹھو بیٹا!'' وہ میرے قریب ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گئیں...... ''جوس لو ناں!'' انہوں نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ''سب ٹھیک تو ہے ناں احمد بیٹا! کیا مسئلہ ہے؟'' انہوں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''ارے...... یہ تمہاری منگنی کی انگوٹھی کہاں ہے...... سب خیر تو ہے ناں بیٹا؟ صدف سے کوئی ان بن ہو گئی ہے؟'' میں اس عظیم عورت کے چہرے کو دیکھ کر سٹپٹا گیا جس نے اپنی بیٹی سے وابستہ رشتے کے ہاتھ میں انگوٹھی نہ دیکھ کر، چند لمحوں میں جانے کیا کچھ سوچ لیا تھا، یہ جانتی ہی نہ تھیں کہ ان کی بیٹی کی زندگی سے بڑھ کر ان کی اپنی زندگی میں کیا طوفان آ چکا تھا۔

☆☆☆

''مجھے یہ سوچ کر بھی شرم آتی ہے پاپا کہ آپ نے خالہ کے ساتھ کیا، کیا۔'' میں پاپا کی اسٹڈی میں انہیں دودھ دینے کے بہانے آئی تھی، مجھے موقع مل گیا کہ میں ان سے بات کروں۔

''کیا، کیا؟ کیا اول فول بک رہی ہو تم؟ تمہیں اتنی جرأت کیسے ہوئی مجھ سے یوں بات کرنے کی؟'' پاپا کی آواز میں دہاڑ تھی۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ کبھی اس طرح گستاخی سے بات کروں گی مگر مجھے ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔'' میں نے ہمت کر کے کہا۔ ''اب میں خاموش رہی تو معاملہ جو پہلے ہی حد سے بڑھ چکا ہے، اس میں واپسی کی ساری راہیں مسدود ہو جائیں گی۔''

''تم فضول میں قیافے لگا رہی ہو......'' پاپا ہٹ دھرمی سے بولے۔

''نہیں فضول میں قیافے نہیں لگا رہی پاپا!'' میں نے اپنی آواز کو نیچا رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ ''میں پورے وثوق سے بات کر رہی ہوں۔''

''میں پھر بھی کہوں گا کہ تم مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کرو......''

''کیوں بات نہ کروں پاپا؟'' میں نے غصے سے کہا۔ ''اس لیے کہ آپ میرے باپ ہیں اور مجھ سے عمر اور رتبے میں بڑے ہیں تو میں آپ کی ہر زیادتی پر خاموش رہوں؟''

''کیا زیادتی کی ہے میں نے تمہارے ساتھ؟'' وہ دہاڑے۔

''آپ یقین کریں پاپا......'' میں سسکی۔ ''جب،

جب میں اس بات کو سوچتی ہوں ...... بلکہ جب، جب کیا، یہ سب تو میرے ذہن سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں نکلتا، سات سال کیا عمر ہوتی ہے پاپا ایک بچی کی؟ اور آپ نے میرے ساتھ زیادتی یہ کی ہے کہ آپ نے مجھے اپنے گناہ کے لمحات کا عینی گواہ اس وقت بنایا جب مجھے اس کے مفہوم بھی معلوم نہ تھے...... میں نے سات برس کی عمر میں آپ کو اس طرح دیکھا کہ آج تک اس منظر کی جھلک مجھے نہیں بھولتی...... وہی سات برس کی عمر پاپا...... جس عمر میں آپ نے خالہ کو پامال کیا جنہیں آپ ہمارے، مما کے اور دنیا بھر کے سامنے بیٹی کہتے تھے، آپ تو اپنی بیٹی کے ساتھ بھی یہ سب کچھ کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں پاپا!'' ایک زناٹے دار تھپڑ نے مجھے تارے دکھا دیے۔

''تم حد سے بڑھ رہی ہو......'' وہ چیخے۔

''حد؟'' میں نے ہنکارا لیا۔ ''ہونہہ! حد کیا ہوتی ہے پاپا، کاش آپ کو معلوم ہوتا...... اور کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ پر کون سی حد عائد ہوتی ہے...... سنگسار کرتے ہیں اس حد کو پار کرنے والوں کو!'' میں نے ایک، ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''بدکردار کہتے ہیں ایسے مرد و زن کو، زانی کہتے ہیں انہیں...... اور ہمارا مذہب اور معاشرہ ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتا...... انہوں نے اپنے لیے وہ سزا منتخب کی جس کی ''وہ'' حقدار نہ تھیں، انہوں نے تو اپنی معصومیت کھوئی تو ان کی عقل ہی کھو گئی، سزا تو انہیں ملنی چاہیے جو ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، میں اللہ پاک کی قسم کھا کر کہتی ہوں پاپا...... مجھے شرم آتی ہے یہ سوچ کر کہ میں آپ کی بیٹی ہوں، دکھ ہوتا ہے یہ سوچ کر کہ صرف میرے سامنے ہی نہیں، آپ خالہ کے خاندان کے کچھ لوگوں کے سامنے بھی نظر اٹھانے کے لائق نہیں کیونکہ خالہ نے اپنے خط میں جو انکشافات کیے ہیں ان سے میں اکیلی ہی واقف نہیں بلکہ......''

''چلی جاؤ......'' انہوں نے میز پر زور سے ہاتھ مارا۔ ''مت میرے سامنے آؤ تم!''

''اور آپ کہہ بھی کیا سکتے ہیں......'' میں نے باہر نکلتے ہوئے مڑ کر کہا۔ ''آپ کے پاس کہنے کو اور رہا ہی کیا ہے، میرے آپ کی نظروں سے دور ہو جانے سے آپ کی زندگی کے یہ کراہت بھرے باب ختم نہیں ہو جائیں گے۔''

وہ سننا ہی نہیں چاہتے تھے، میں سمجھی کہ وہ شرمندہ ہوں گے، اپنے کیے پر نادم ہوں گے، میرے سامنے سر جھکا لیں گے اور میں سمجھ لوں گی وہ اپنے کیے پر شرمسار ہیں...... مگر...... ''جا رہی ہوں...... مگر اب میں خاموش نہیں رہوں گی پاپا، آپ مردوں کا جب دل چاہے، جس عورت کو چاہیں، ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے پھینک دیں، اپنی بیویوں کو آپ کیا سمجھتے ہیں...... وہ آپ کی ہر زیادتی، ہر جرم اور گناہ کو اپنے گلے کا ہار بنا لیں؟ مما نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے...... انہیں آپ جیسے شخص کے ساتھ ہرگز نہیں رہنا چاہیے...... انہیں آپ سے آج نہیں، آج سے سالوں پہلے ہی خلع لے لینی چاہیے تھی مگر کوئی بات نہیں، انہوں نے اب بھی یہ فیصلہ کیا ہے تو باقیوں کا مجھے علم نہیں...... مگر میں ان کے فیصلے کی بھرپور حمایت کروں گی۔''

''کیا؟'' وہ چیخے تھے۔ ''کیا کہا ہے تم نے؟ حنا نے مجھ سے خلع لینے کا فیصلہ کیا ہے مگر کیوں؟'' وہ جانے خوش فہمیوں کی کس جنت میں رہ رہے تھے، میں دروازہ پار نکلی، ان کی آوازیں میرا پیچھا کر رہی تھیں۔

''فاطش...... بات سنو میری!'' میں ان کی آوازوں کو نظر انداز کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

''مما آپ؟'' اپنے کمرے میں مما کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی، کہیں مما، پاپا کی اسٹڈی سے ہماری آوازیں سن کر تو وہاں نہیں آئی تھیں، میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں اور کب سے یہاں بیٹھی ہیں؟''

''میں......'' وہ کسی خیال میں تھیں۔ ''پتا نہیں کب آئی تھی۔'' مجھے یقین ہونے لگا کہ وہ میری اور

پاپا کی گفتگو سن چکی تھیں، ساری یا پھر کچھ حصہ۔ ''مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی فاطی!'' ان کا لہجہ بھی پُراسرار سا تھا۔ ''بہت خاص مسئلے پر اور بہت اہم بات......''

''کیا بات ہے مما؟'' مجھے تشویش سی ہونے لگی، میں نے ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ''آپ ٹھیک ہیں ناں مما؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں بیٹا......'' انہوں نے گہری سانس لی۔ ''تم سے جو پوچھنا ہے، اس کے لیے ہمت نہیں جمع کر پا رہی ہوں۔''

''پلیز مما...... پہیلیاں نہ بجھوائیں، میرے سر میں خارش ہونا شروع ہوگئی ہے۔'' جانے کیوں، جب بھی کوئی ایسے انداز میں بات کرتا کہ اس میں تجسس کا پہلو ہوتا تو میرے سر میں خارش ہونا شروع ہو جاتی تھی۔

''ارے پگلی!'' انہوں نے مسکرا کر میرے سر پر چپت لگائی۔ ''سر میں خارش والی کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر جلدی کہیں......''

''تم نے کبھی سوچا ہے کہ تم اپنی باقی زندگی کس طرح گزارو گی؟'' انہوں نے بالکل میری توقع کے برعکس سوال کیا۔

''زندگی کب ایسے گزرتی ہے مما، جیسی گزارنے کی ہم توقع کرتے ہیں، اس زندگی میں حالات، واقعات اور لوگ کبھی ایسے نہیں رہتے جیسا رہنے کی ہم توقع کرتے ہیں۔'' میں نے فلسفہ جھاڑا۔

''اگر میں تم سے یہ کہوں فاطی کہ......'' وہ رکیں، میں ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پر تفکر کا جال بچھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ''اگر میں کہوں کہ میرے اپنے فیصلے پر عمل درآمد کرنے سے پہلے تم اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ کر لو تو؟''

''کس قسم کا فیصلہ مما؟'' میں کچھ نہ سمجھی۔

''تم اپنے لیے کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لو...... تمہیں عمر بھر یونہی تو نہیں رہنا ہے ناں۔''

''آپ چاہتی ہیں کہ میں......'' میں رکی۔ ''کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں اس گھر سے کہیں چلی جاؤں، آپ کے گھر چھوڑ کر جانے سے پہلے؟''

''کیوں......'' وہ حیران ہوئیں۔ ''تم کیوں گھر چھوڑو گی اور میں کیوں گھر چھوڑوں گی؟''

''تو اگر آپ نے خلع لینے کا فیصلہ کیا ہے تو گھر تو چھوڑنا ہی ہوگا ناں آپ کو؟'' میں نے وضاحت کی۔

''یہ گھر میرا ہے، میرے نام پر ہے...... میری بیٹیوں پر اس گھر کے دروازے کبھی بند نہیں ہوں گے انشاء اللہ......!'' مما نے پورے وثوق سے کہا۔ ''میں خلع لوں گی تو تمہارے پاپا کو یہ گھر چھوڑنا ہوگا۔'' ان کے لہجے میں جو اعتماد تھا اس سے مجھے تقویت ملی، ہم عورتوں کو ایسا ہی مضبوط ہونا چاہیے۔

''تو پھر اور کون سی خاص بات ہے مما، میں سمجھ نہیں پا رہی کہ آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟''

''میں چاہتی ہوں کہ تم شادی کر لو۔'' میں جامد آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ''قسمت کے بند دروازوں پر کوئی اچھا آدمی دستک دے تو دروازے کھول دینا چاہئیں!''

''میں نے اپنی زندگی کے دروازوں پر تالے لگا کر ان کی چابیاں کہیں دریا میں پھینک دی ہیں مما......''

''کبھی کوئی اچھا تیراک ان چابیوں کو ڈھونڈ لیتا ہے فاطی......'' مما اور میں شاعری کی زبان میں گفتگو کر رہے تھے، مما زندگی کے معاملات سمجھاتے ہوئے بڑی خوب صورت تشبیہات دیا کرتی تھیں، ان کا علمی اور ادبی ذخیرۂ الفاظ اور استعارات ان گنت تھے، ہم بھی کبھی کبھار انہی کے انداز میں بات چیت کر کے محظوظ ہوتے تھے۔

''ان تالوں کو زنگ لگ چکا ہے مما!'' میں نے کہا۔ ''میں اس موضوع پر گفتگو کرنا تو درکنار...... سوچنا بھی نہیں چاہتی۔''

''تجرد کی زندگی گزارنا گناہ ہے فاطی!'' انہوں نے دلیل دی۔ ''تم نے تو مجھ سے دستک دینے والے کی تفصیل بھی نہیں پوچھی......''

''میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں نہ جاننا چاہتی ہوں مما!'' میں نے حتمی انداز میں کہا۔

’’مجھے یقین ہے کہ تم نے دستک کا جواب نہ دیا تو اب کے کوئی دروازے توڑتا ہوا تمہاری زندگی میں ہی آ جائے گا تم نے اب تک آنے والے ہر رشتے کو ٹھکرایا ہے فاطش اور میں نے بھی کبھی اصرار نہیں کیا مگر اب کی بار میں بھی اصرار کروں گی، تمہیں اپنی ضد چھوڑنا ہو گی فاطی!‘‘ یہ کہہ کر مما اٹھ کر چلی گئیں۔

’جانے کون ہے ایسا ضدی، جیسا مما کہہ رہی ہیں۔ان کے جاتے ہی میں نے سوچا، اپنی ضد میں میں نے انہیں موقع ہی نہیں دیا کہ وہ وضاحت کرتیں، اب میرے سر میں پھر خارش ہونے لگی ’کس سے پوچھوں؟ کون ہے جو مجھے بتا سکے کہ کون ہے جو میرے دل کے بند دروازوں کو توڑنے کا عزم کیے ہوئے ہے‘ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ’کیا واقعی میں عمر بھر اپنے دل کے بند دروازے نہیں کھولوں گی؟‘ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے خود سے پوچھا مگر مجھے کوئی واضح جواب نہ ملا کیونکہ اب مجھے اپنا مستقبل غیر واضح لگنے لگا تھا۔ مما اور پاپا کے درمیان جو کچھ ہو رہا تھا، اس کے بعد جانے زندگی کیا کروٹ لے۔

’چلو دیکھتے ہیں...... کون دل کے دروازے توڑنے کا عزم لے کر آیا ہے!‘ میں سوچ کر مسکرائی۔

☆☆☆

’’ممانی جان...... میں بھانجا تو ماموں کا ہوں مگر میں دل سے ان سے زیادہ آپ کی عزت کرتا ہوں۔‘‘ میں نے تمہید باندھی۔

’’میں نے تم سے انگوٹھی کا پوچھا ہے احمد؟‘‘ ان کی سوئی انگوٹھی میں اٹک گئی تھی۔

’’آپ فکر نہ کریں ممانی جان......‘‘ ان کی تسلی کو میں نے کہا‘‘ وہ مجھے ذرا سی تنگ تھی، اتار کر رکھی ہے......‘‘ مجھے فوراً بہانہ سوجھ گیا۔

’’تم مجھے دیتے...... میں اسے کھلا کروا دیتی۔‘‘ انہوں نے کہا۔

’’میں اس وقت آپ کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ اہم موضوع پر بات کرنے کے لیے آیا ہوں۔‘‘ میں نے زور دے کر کہا۔

’’کہو بیٹا!‘‘ وہ ہولے سے بولیں۔

’’اس وقت میں آپ کے بھانجے یا ہونے والے داماد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بیٹے کی حیثیت سے بات کروں گا...... اگر آپ مجھے اپنے بیٹا سمجھتی ہیں تو؟‘‘ میں نے آہستگی سے کہا۔

’’تمہیں اس میں کوئی شک ہے بیٹا؟‘‘

’’مجھے کوئی شک نہیں ہے اور آپ کو بھی یقین ہونا چاہیے کہ میں آپ کی اتنی ہی عزت کرتا ہوں جتنی میں اپنی ماں کی، جب میں نے ذرا سا ہوش سنبھال کر آپ کو جانا تو میرے ننھے سے دل میں خواہش ابھرتی کہ میں نے آپ کے ہاں جنم کیوں نہیں لیا۔‘‘

’’بیٹیاں دے کر اس کے بدلے میں بیٹے مل جاتے ہیں، تم میرے بیٹے ہی تو ہو۔‘‘ انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔

’’وہ تو ہوں......‘‘ میں رکا۔ ’’اسی مان کی وجہ سے جو بات آپ سے کہنے لگا ہوں، اس پر برا نہ منایئے گا، مجھ پر شک بھی نہ کیجیے گا اور ٹھنڈے دل سے غور بھی کیجیے گا۔‘‘

’’تم تو مجھے ہولا رہے ہو بیٹا!‘‘ ان کے چہرے پر تشویش کا لیپ صاف نظر آ رہا تھا۔ ’’صدف کے حوالے سے کوئی بات ہے کیا؟‘‘ ان کی سوچ اپنی بیٹیوں کی خوشیوں اور دکھوں سے اس طرح مربوط تھی کہ ان کی لغت میں ہر پریشانی کا مطلب ان کی بیٹیوں کی پریشانی اور ہر خوشی کا تعلق ان کی بیٹیوں کی خوشیوں سے تھا، مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں ساری کی ساری۔

’’صدف کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے آپ کو آج بھی اور کل بھی۔‘‘

’’مجھے تم پر پورا بھروسا ہے بیٹا مگر پھر بھی فاطش کے حالات کے بعد دل ہول جاتا ہے جلدی۔‘‘

’’اگرچہ فاطش کی زندگی میں سب کچھ ایسا نہیں ہوا ممانی جان جیسا ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ رانی آپی اور نیلم آپی اپنے

گھروں میں کتنی خوش اور مطمئن ہیں......'' میں نے ان کا دل بڑھایا۔

''ازدواجی زندگی میں اطمینان اور خوشی صرف اچھا نظر آنے، اچھا پہن اوڑھ لینے اور اچھا کھا لینے سے نہیں آجاتا بیٹا......'' ان کے لہجے میں اداسی تھی۔ ''ہم عورتیں دنیا کی نظروں کو دکھانے کے لیے اپنے وجود پر اطمینان کی چادریں اوڑھے پھرتی ہیں مگر اندر کی ٹوٹ پھوٹ کس کو نظر آتی ہے بیٹا؟ لوگوں کو باہر سے سب اچھا نظر آتا ہے مگر اندر سب اچھا نہیں ہوتا، اپنی زندگی کی مکروہ حقیقتوں کو ہم اپنے وجود کے کھنڈروں کی کچی مٹی میں دفن کر لیتی ہیں، دنیا کو ہمارے گھروں کی چمکتی چھتیں نظر آتی ہیں مگر ان کے صحنوں میں دفن ہمارے سکون اور خوشی کی قبریں کوئی نہیں دیکھ پاتا! وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے اچھے حال میں کوئی نہیں...... ہونٹوں پر مسکراہٹیں سجا کر اندر خانے ہم اپنے برے حالات کی جنگ لڑ رہی ہوتی ہیں بیٹا۔''

''سب ٹھیک تو ہے ناں رانی آپا اور نیلم آپی کے ساتھ ممانی جان!'' مجھے واقعی تشویش ہوئی۔

''ان کے ساتھ تو سب ٹھیک ہے بیٹا......بس ماؤں کو کوئی نہ کوئی فکر لگی رہتی ہے ناں ساری اولادوں کی، رانیہ کے بیٹے کا مسئلہ ہے، نیلم کے اولاد نہیں ہے اور فاطش کا تم سے کیا چھپا ہے......''

''آپ دعا کیا کریں ممانی جان ان کے لیے، ماں کی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت رکھی ہے۔'' میں نے انہیں تسلی دی۔ ''میں اس وقت آپ سے بنیادی طور پر یہی کہنے آیا تھا کہ آپ بیٹیوں کی فکر ضرور کریں مگر اتنی نہیں کہ اپنی فکر چھوڑ دیں۔''

''کیا مطلب بیٹا؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ ''مجھے کیا ہوا ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں، خوش ہوں، مجھے کوئی پریشانی نہیں۔''

''وہ......'' میں شپٹا گیا، اس بے خبر عورت کو آگہی کے سمندر میں دھکا دینے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ان کا بے خبر رہنا ان کے اپنے

اعصابی بیماری

ہمارے ہاں بھلکو کو پروفیسر کہتے ہیں۔ ایک پروفیسر صاحب جب بھی بیرونِ ملک سیر کو جاتے اتنے بھلکو تھے کہ تیاری کے باوجود بیوی کو ساتھ لے جانا بھول جاتے۔ ان سے ایک بار ہم نے پوچھا آپ کی اعصابی بیماری کا اب کیا حال ہے؟

بولے۔ ''ٹھیک ہے......آج کل میکے گئی ہوئی ہے۔''

مرسلہ: یاسمین اقبال، سنگھ پورہ لاہور

لیے نقصان دہ ہے۔'' وہ میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا تھا، ماموں کے بارے میں۔'' میں نے اپنے بیگ میں سے ایک پیکٹ نکالا۔ ''یہ کچھ چیزیں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں پڑھ لیں، کچھ دیکھنے کے لیے ہیں اور کچھ سننے کے لیے......'' میں شرمسار سا تھا۔ ''میں بھی آپ کو یہ سب نہ بتاتا مگر میرا ضمیر مجھے سکون نہ لینے دیتا اگر میں آپ کو آپ کی زندگی کے اس خطرے سے آگاہ نہ کرتا۔''

''کیا ہوا تمہارے ماموں کو، کوئی ایسی خطرناک بیماری ہے کیا ان کو؟'' میں ان کی فکر جان کر اور بھی شرمندہ ہوا۔ ''اس میں تو سی ڈی وغیرہ ہیں۔'' وہ حیران تھیں۔ ''کیا ہے یہ سب؟''

''یہ سب آپ کو کمپیوٹر پر دیکھنا ہوں گی۔''

''مگر میں تو کمپیوٹر سے زیادہ واقف نہیں...... کوئی آن کر دے، کوئی اسکائپ وغیرہ پر بات کروا دے، مجھے تو اپنی ای میل بھی خود نہیں کھولنا آتیں!'' انہوں نے انکشاف کیا۔ ''میں فاطش سے کہوں گی کہ وہ مجھے لگا دے گی۔''

''ہرگز نہیں......'' میں نے پیکٹ ان کے ہاتھ

نے لے لیا۔ ''کوئی اور نہیں، صرف آپ اس کو دیکھ سکتی ہیں، ورنہ بات بہت بڑھ جائے گی۔''

''پھر اور کون دکھا سکتا ہے مجھے......؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''میں کسی اور وقت لے کر آ جاؤں گا، جب ماموں کہیں باہر گئے ہوئے ہوں تو- آپ کو لگا کر دے جاؤں گا، آپ تسلی سے سب دیکھ لیں۔''

''اب تو میں تجسس سے مری جا رہی ہوں، انتظار نہیں ہوگا مجھ سے۔'' وہ بیچاری جانے کیا سمجھ رہی تھیں جو تجسس سے مر رہی تھیں۔ ''کتنی دیر لگے گی یہ سب دیکھنے میں؟ ہم کہیں باہر چلے چلتے ہیں۔'' میں انہیں کیا وقت بتا سکتا تھا، عمریں بھی لگ سکتی تھیں، وہ دماغی شاک میں بھی جا سکتی تھیں، صدمے سے چیخنا چلّانا بھی کر سکتی تھیں، دکھ برداشت نہ کر سکتیں تو دل پھٹ سکتا تھا ان کا، میں چاہتا تھا کہ وہ تنہا ہوں، میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر وہ سارے شرمناک ثبوت نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''باہر نہیں......'' میں نے فوراً کہا۔''صرف گھر پر ہی آپ یہ دیکھ سکتی ہیں۔''

''کیوں' ان میں کیا ہے ایسا......اگر یہ کوئی ایسی ویسی سی ڈیز ہیں تو تم مجھے کیوں دکھانا چاہتے ہو، میرے لیے ان کا دیکھنا اتنا ضروری کیوں ہے......ایسا کیا خطرہ ہے میری زندگی کو ان سے؟''

''ممانی جان......'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔''آپ اپنے گھر کے گارڈز کو بتائیں کہ وہ گیٹ کو اندر سے لاک کر دیں، ماموں بھی آئیں تو گیٹ کھولنے سے پہلے آپ کو کال کریں، اندر کے ملازمین کو بھی گھر سے باہر بھجوا دیں یا انہیں باہر کوئی نہ کوئی کام بتا دیں......''

''اندر کیا صرف میں اور تم ہوں گے؟'' انہوں نے خالی، خالی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''جی!'' میں نے جواب دیا۔''میں کال کر کے چھٹی کے لیے کہتا ہوں، تب تک آپ!''

''تم جانتے ہو کہ جب تک تمہارا اور صدف کا نکاح نہیں ہو جاتا، میں اور تم نامحرم ہیں، میں کسی نامحرم کے ساتھ اس طرح کیسے اپنے گھر میں تنہا ہو سکتی ہوں؟'' انہوں نے کہا۔''معذرت چاہتی ہوں بیٹا مگر میں ہر لحاظ سے یہ نامناسب سمجھتی ہوں......تمہیں بھی ہمیشہ ایسے معاملات کا خیال رکھنا چاہیے، اپنی عزت کی حفاظت صرف عورتوں پر ہی نہیں بلکہ مردوں پر بھی لازم ہے......'' وہ اپنی آواز کو حتی الامکان دھیما رکھنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر نہ کر سکیں اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس عظیم عورت کی احتیاط پسندی کو دیکھ رہا تھا جس کا شوہر دنیا میں ہر جگہ منہ مارتا پھر رہا تھا...... میرے دل و دماغ میں جنگ ہونے لگی۔

☆☆☆

''دنیا کیا کہے گی عمر؟'' میں نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔''آپ سے ایسی بے احتیاطی کی امید تو نہ تھی مجھے۔''

''کیا کہے گی دنیا؟'' عمر کے لہجے میں ناراضی تھی۔''میں نے کبھی دنیا کے کہے کی پروا نہیں کی، وہی کرتا ہوں جو میرا دل چاہتا ہے......اور مجھ سے کوئی بے احتیاطی نہیں ہوئی، اپنی بے وقوفی کا مداوا کرنا چاہتا تھا جو مجھ سے سرزد ہوئی تھی اماں کی بات مان کر۔''

''اماں تو اب بھی ناراض ہو سکتی ہیں آپ سے اور یہ بھی کہہ سکتی ہیں کہ اسے......'' عمر نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''مجھے صرف یہ بتاؤ نیل......'' انہوں نے سرگوشی کی۔''تم اس پر خوش ہو کہ نہیں......اور اس خوشی کے صدقے میں مجھے معاف کر دو گی کہ نہیں کہ میں نے اتنے برسوں کے بعد اس خوشی کا حق دیا ہے۔'' عمر کی آواز جذبات سے لرز رہی تھی۔

''میری خوشی......'' میری آنکھیں نم ہونے لگیں۔''میں ابھی تک اس اندیشے میں مبتلا ہوں عمر کہ یہ سب غلطی سے ہوا ہے اور یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ اماں کو علم ہوگا تو وہ ہمیں اس سے چھٹکارا پانے پر مجبور کریں گی، انہیں اپنی نسل میں ملاوٹ گوارا نہیں ہے۔''

''تھوڑی دیر کے لیے اماں کی باتوں کو بھول کر اس خوشی کی بارش میں بھیگ جاؤ نیل پیاری......'' انہوں نے مجھے کندھوں سے تھاما۔ ''کوئی ملاوٹ اور کھوٹ نہیں اس میں، یہ میری اور تمہاری اولاد ہے جان!'' میں نے اپنا سر ان کے کندھے پر لٹکا دیا، مجھے اس وقت جس سکون کا احساس ہوا تھا، اس سے میری روح عمر کے ساتھ گزارے سارے برسوں کے کسی پل میں بھی آشنا نہ ہوئی تھی۔

''آئی لو یو عمر!'' میں نے دل سے اعتراف کیا۔

''وہ تو میں جانتا ہوں جان!'' انہوں نے ہنس کر کہا۔ ''زبان سے اعتراف کوئی نہ کرے مگر محبوب کو محبت کی خوشبو تو پہنچ جاتی ہے، جیسے میں تمہیں بتاؤں یا نہ بتاؤں، تمہیں علم ہے کہ عمر نے زندگی میں جسے سب سے زیادہ چاہا ہے وہ تم ہو، تمہیں چاہے جانے کے پہلے لمحے سے لے کر آج تک میری چاہت میں کوئی کمی نہیں آئی..... میں نے پوچھا ہے کہ تم خوش تو ہو؟''

''میں بہت خوش ہوں عمر......'' میں نے سر جھکا کر کہا۔ ''اس کے بعد کسی اور چیز کی طلب نہ رہے گی مجھے۔''

''تم بہت قناعت پسند ہو نیلم!'' انہوں نے جواب میں کہا۔ ''ساری بات اس پر منحصر ہے کہ میری طلب پوری ہوگی کہ نہیں۔''

''میں سمجھی نہیں؟'' میں نے نظر اٹھا کر ان آنکھوں میں جھانکا جہاں پیار کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''مجھے بیٹی کی طلب ہے نیل..... تمہارے جیسی بیٹی کی، اتنی ہی پیاری اور اتنی ہی ذہین، اگر پہلی بار میری خواہش نہ پوری ہوئی تو کم از کم ایک چانس تو اور لینا ہوگا ناں۔'' ان کے لہجے میں شوخی اور شرارت تھی۔

''اس عمر میں ہم بچے پیدا کرتے بہت اچھے لگیں گے عمر..... اب ببلی کی شادی ہو رہی ہے، کل کو اس کے بچے ہوں گے، لوگ کہیں گے پرانے زمانے کی ماؤں کی طرح ببلی کی ماں بھی اس کے ساتھ، ساتھ بچے پیدا کر رہی ہے۔'' میں نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

''وکیل میں تو آج تک میں تم سے نہیں جیت سکا نیلم!'' عمر ہنسے۔ ''ویسے تصور کرنے میں خیال برا نہیں۔''

''میں باز آئی ایسی بچکانہ حرکتوں سے۔''

''اچھا...... بچے پیدا کرنا بچکانہ حرکت ہوتی ہے؟'' انہوں نے اچھا کو خوب کھینچ کر کہا۔ ''مجھے تو معلوم ہی نہ تھا......''

''عمر!'' میں نے اپنا منہ اپنی پناہ گاہ میں چھپا لیا۔

''جانِ عمر......'' انہوں نے کہا۔ ''اچھا وہ کچھ کرو ان مجنوں صاحب کا، ان کے جانے میں تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں۔''

''ہاں وہ میں نے اور ناہید آپی نے سوچا ہے کہ خریداری کے بہانے ہم فاطش کو ساتھ لے لیں گے اور ان کی کہیں ملاقات تو کروائیں تنہائی میں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ مجنوں صاحب اپنا کیس کس طرح پیش کرتے ہیں۔''

''اب تم ذرا شاپنگ پر کم جایا کرو نیلم، احتیاط کرو......'' عمر نے تشویش سے کہا۔ ''ہاں!'' وہ رکے۔ ''ایک اور بات، یہ اہم خبر ابھی صرف میرے اور تمہارے بیچ رہنی چاہیے، امید ہے کہ مجھے اس کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں، صرف میں اور تم، کوئی تیسرا نہیں۔''

''سمجھ گئی۔'' میں نے سر ہلا کر کہا۔ ''چلتی ہوں اب کال کر کے فاطش سے تیار رہنے کا کہوں۔''

☆☆☆

''آپ کے سامان کے چار آئٹم ہیں مگر آپ کے ٹکٹ پر ان میں سے فقط تین کے ٹیگ ہیں...... سامان کا چوتھا ٹیگ کیا آپ نے خود ہٹایا ہے؟'' وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔ میری درخواست بلکہ میرے اصرار پر مجھے سرکاری وکیل فراہم کیا گیا تھا، وہ مجھے اسی کمرے سے ملحقہ کمرے میں ملنے کے لیے آیا تھا جس میں، میں نے جانے کتنے ہی گھنٹے قیام کیا تھا اور زیادہ تر وقت میں نے غنودگی میں ہی گزارا تھا۔

''نہیں......'' میں نے مختصراً کہا۔ ''ممکن ہے کہ میرے بیٹے نے میرے بیگ سے کوئی چیز نکالی ہو تو اس

سے وہ ٹیگ اتر گیا ہو، میرے بیگ میں ہی ہونا چاہیے تھا اسے!''

''ہوں ......'' اس نے سمجھتے ہوئے کہا ''اچھی خبر یہ ہے کہ تمہارے سامان کے تین ٹیگ نمبر اور اس چوتھے سوٹ کیس کے ٹیگ نمبر مختلف ہیں...... یہ چیز تمہارے حق میں جا رہی ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ تم نے اتنے لوگوں کی موجودگی میں اس کا اعتراف کیوں کیا کہ وہ تمہارا سوٹ کیس ہے؟''

''میرا سوٹ کیس بھی ایسا ہی تھا...... فرق یہ ہے کہ اس سوٹ کیس کے اندر کا سامان مختلف ہے۔'' میں نے پورے تیقن سے کہا۔

''پولیس کو بھی اس بات پر شک ہے...... اسی لیے انہوں نے دوبارہ جہاز سے اتارا گیا سارا سامان کھلوالیا ہے، اسی طرح کے پانچ اور لوگوں کے سوٹ کیس ہیں۔''

''میرے سوٹ کیس کے ہینڈل کے ساتھ گلابی ربن بندھا ہوا ہوگا۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''تو پہلے تم نے گلابی ربن والا سوٹ کیس کیوں نہیں اٹھایا؟''

''اس سوٹ کیس کا ہینڈل ٹوٹا ہوا تھا، میں سمجھی اس کے ساتھ ہی ربن بھی اتر گیا ہوگا...... کیونکہ اس کا وہی رنگ، سائز اور برانڈ ہے۔'' میں نے اپنے موقف کی وضاحت کی۔

''اللہ کا شکر ادا کرو کہ تم بچ گئی ہو...... ان ممالک کی پولیس گولی پہلے مارو اور بعد میں نام پوچھو کے موقف پر عمل پیرا ہوتی ہے، اسمگلنگ بہت بڑا جرم ہے، اللہ نے تمہیں اتنی سمجھ بوجھ دی کہ تمہیں وکیل کرنے کا خیال آ گیا۔'' اس نے مجھے معاملے کی سنگینی سے آگاہ کیا۔

''بہت شکریہ بھائی!'' میں نے اس سے کہا۔

''میں بھائی ہی ہوں آپ کا، میرا تعلق بھی پاکستان سے ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔'' میں نے اسے دعا دی۔ جلد ہی خوش خبری مل گئی اور میرا سوٹ کیس مل گیا، متنازعہ سوٹ کیس کا ٹیگ جس شخص کے ٹکٹ پر تھا...... وہ شخص وہ تھا جو جہاز کے اندر ہی دل کا جان لیوا دورہ پڑنے سے چل بسا تھا۔ 'کیا انسان کی اوقات اور کیا اس کے اعمال......' میں نے دل ہی دل میں سوچا، غالباً جہاز کے جھٹکے کھانے سے ہی اسے اندازہ ہوا کہ اب وہ اپنے سارے ''مال'' کے سمیت ختم ہونے والا ہے، اسی صدمے سے اسے دل کا دورہ پڑا ہوگا اور وہ صدمے کی تاب نہ لا سکا۔ جانے کتنے ہی نوافل کی نیت کر لی تھی میں نے...... میں جہاں دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس نے مجھے اس آزمائش میں سرخرو کیا، وہیں میں اس شخص کی آخرت کا سوچ رہی تھی' اپنے لیے دنیا میں ہم کیا، کیا سامان جمع کرتے ہیں مگر آخرت کے لیے ہاتھ خالی ہوتے ہیں۔

چند اور مشکل گھنٹے اور خدا، خدا کر کے ہمیں دوبارہ اگلی پرواز میں سوار کروا دیا گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عابد نے پاکستان فون کر کے مما سے پوچھا ہو میرے پہنچنے کے بارے میں، میرے دل میں خیال آیا، عابد سے کال کر کے پوچھ لینا چاہیے تھا۔ جہاز پاکستان کی طرف محو پرواز تھا اور میں چشم تصور میں اسی وقت پاکستان میں تھی، اپنی مما کی بانہوں میں......

''مما!'' میں نے سرگوشی کی۔

☆☆☆

نیلم اور ناہید آپی کے ساتھ خریداری کرتے، کرتے میں نڈھال ہو گئی تھی، عرصے سے اس طرح خریداری نہیں کی تھی، اپنی ضرورت کی چیز لینے کا میرا اپنا انداز ہے، مطلب کی ایک دو دکانوں پر جا کر جلد ہی اپنے لیے مطلوبہ چیز کا انتخاب کر کے فارغ ہو جاتی ہوں۔ ہم ملازمت کرنے والی سب عورتوں کا عموماً خریداری کرنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے، شادی کی خریداری اور وہ بھی لڑکے کی ماں کی اور لڑکی کی ماں کی، مقابلہ سخت تھا، مجھے بھی وہ بار، بار اصرار کرتی رہیں کہ میں کچھ لے لوں مگر میں نے انکار کر دیا، کسی چیز کی

ضرورت ہی نہ تھی۔

''حیرت ہے لڑکی، تم کس طرح کی مٹی سے بنی ہوئی ہو، ہم تو کچھ نہ لینے جائیں تب بھی دس چیزیں لے لیتے ہیں خواہ مخواہ...... اور تم کس طرح اتنا کچھ دیکھ کر خود پر قابو رکھے ہوئے ہو!'' ناہید آپی نے مجھ سے سوال کیا۔

''میں بلاضرورت کچھ نہیں لیتی آپی!'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''تم سے شادی کرنے والا تو بہت فائدے میں رہے گا۔'' انہوں نے ہنس کر کہا تو ان کے ساتھ نیلم نے بھی قہقہہ لگایا۔ جبکہ ان کا دیور جو اس سارے وقت میں ایک مجسمے کی طرح بے تاثر رہا تھا، وہ بھی مسکرا دیا۔ اس نے تمام بیگز اپنے ہاتھوں میں اٹھائے رکھے، جب ان کا بوجھ بڑھ جاتا تو بتا کر جاتا اور انہیں گاڑی میں رکھ آتا۔ بار، بار نیلم اور ناہید آپی کہتیں کہ وہ بھی کچھ لفافے اٹھالیں مگر وہ کہتا کہ خواتین بوجھ اٹھانے کے لیے نہیں ہوتیں...... مجھے اس کا عورت کے احترام کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔ اس کی بیوی کیسی خوش قسمت ہو گی۔ میں نے سوچا۔

''کافی پی جائے؟'' خریداری ختم ہونے پر ناہید آپی نے کہا تو ہم سب اسی مال کی ایک کافی شاپ میں جا بیٹھے، پیروں میں چلنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ سجاد بھائی نے ہی کافی اور ساتھ کچھ کھانے کی چیزوں کا آرڈر دیا۔

''نیلم!'' ناہید آپی نے ماتھے پر ہاتھ مار کر تقریباً چیخ کر کہا...... ''نبیل کی پگڑی کا کام نہیں کیا۔''

''اوہ......'' نیلم نے کہا۔ ''چلیں کافی کے بعد کر لیتے ہیں۔''

''کافی آنے میں وقت لگے گا، ہم جلدی سے ہو آتے ہیں۔'' ناہید آپی نے اصرار کیا۔

''چلیں......'' نیلم اٹھی۔ ''چلو فاطش!''

''میں بیٹھتی ہوں یہاں نیلم، میں بہت تھک گئی ہوں، آپ لوگ جاؤ پلیز۔'' میں نے مجبوری کا اظہار کیا۔

''چلو تم بیٹھو فاطش، ہم ہو آتے ہیں۔'' ناہید آپی نے نیلم کا ہاتھ پکڑا اور چل دیں، سجاد بھائی بھی کھڑے ہو گئے۔ ''تم بھی رکو سجاد، کافی... خریداری یہاں رکھی ہے، قیمتی سامان ہے، کوئی اچکا آ گیا تو۔'' سجاد بھائی تذبذب کے ساتھ رک گئے۔

''امید ہے کہ آپ میری موجودگی سے غیر آرام دہ محسوس نہیں کریں گی؟'' ان کے باہر نکلتے ہی واپس بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''نہیں!'' میں نے دھیرے سے کہا۔ ''آپ بیٹھیں!''

''کہاں ملازمت کر رہی ہیں آپ؟'' انہوں نے سوال کیا، میں نے مختصر الفاظ میں جواب دیا۔

''بیٹا...... کیا نام ہے اس کا، ہاں اسود! کیسا ہے؟''

''جی ٹھیک ہے......'' میں نے کہا۔ ''آپ سنائیں، آپ کی فیملی کیسی ہے؟''

''میری فیملی؟'' انہوں نے میری طرف دیکھ کر سوال کیا۔ ''کون سی فیملی؟''

''آپ کی بیوی اور بیٹی!'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہی ہوں گی......''

''کیا مطلب، آپ کا ان سے کوئی رابطہ نہیں پاکستان آ کر؟''

''میرا ان سے پاکستان سے باہر رہتے ہوئے بھی کوئی رابطہ نہیں...... میری اور اس کی علیحدگی ہو چکی ہے، اس نے دوسری شادی کر لی ہے اور ہماری بیٹی اپنی نانی کے پاس ہے۔''

''اوہو......'' میں نے شرمندگی سے کہا۔ ''معذرت چاہتی ہوں، آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں مجھے سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''کوئی بات نہیں...... میں نے آپ کے بیٹے کی خیریت پوچھی، آپ نے میری فیملی کی۔'' انہوں نے میری شرمندگی مٹانے کو کہا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی شادی......'' میں رکی۔

''مجھے بھی یہاں آ کر معلوم ہوا آپ کی شادی کے ختم ہونے کے بارے میں۔'' انہوں نے جواباً کہا۔ ''میں سمجھتا تھا کہ نیلم بھابی کی ساری بہنیں اپنے، اپنے گھروں میں خوش ہیں۔''

''آپ کی شادی کو ختم ہوئے کتنا عرصہ ہوا؟''
میرے منہ سے سوال پھسل گیا۔
''آٹھ سال ہو گئے ہیں.....'' مختصر جواب آیا،
مجھے احساس ہوا کہ انہیں اس تلخ یاد میں دھکیلنا میری زیادتی تھی۔
''دوبارہ شادی کیوں نہیں کی آپ نے.....؟''
پھر ایک اور احمقانہ سوال میرے منہ سے نکلا، جانے یہ نیلم لوگ کہاں رہ گئی تھیں، بگڑی کا فیصلہ ہی نہیں ہو پا رہا تھا، کافی بھی آ گئی تھی۔
''پہلے تو سوچا تھا کہ کبھی نہیں کروں گا.....''
انہوں نے کافی کا کپ میرے سامنے رکھا۔'' زندگی میں ہونے والا ایک حادثہ ہی انسان کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہوتا ہے مگر اب خیال بدل گیا ہے، اب سوچنے لگا ہوں اس بارے میں۔''
''ہاں..... مرد کے لیے اکیلے زندگی گزارنا کہاں آسان ہوتا ہے.....''
''اکیلے زندگی گزارنا تو عورت کے لیے بھی آسان نہیں ہوتا۔ انہوں نے جواباً کہا۔'' آپ بھی تو اکیلے زندگی گزار رہی ہیں ناں۔''
''میرے پاس تو اسود ہے، میری مصروفیت بھی اور میرے مستقبل کی آس بھی۔''
''آپ بھی اپنی شادی کا سوچیں فاطش.....''
انہوں نے ہولے سے کہا۔'' اولاد کا سہارا چند برس کا ہی ہوتا ہے، بیٹوں کی اپنی زندگیوں کی مصروفیت ہو جاتی ہیں تو مائیں اکیلی رہ جاتی ہیں۔'' مجھے اس وقت ان کی باتیں سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں، ان دنوں مما کی طرف سے بھی کافی اصرار ہو رہا تھا۔
''ہوں.....'' میں نے کافی کا سپ لیا، گہری سانس لی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔
''کوئی مخلص آدمی ملے جو آپ کا خواہش مند ہو تو اسے مایوس مت کیجیے گا فاطش.....''
''خواہش مند بھی اور مخلص بھی.....'' میں نے طنز سے کہا۔'' اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ میں طلاق یافتہ بھی ہوں، ایک بیٹا بھی ہے میرا..... کس دنیا کی باتیں کر رہے ہیں آپ سجاد بھائی!''
''دنیا اچھے مردوں سے خالی نہیں ہوئی فاطش..... سب مرد اشعر جیسے نہیں ہوتے۔'' انہیں میرے سابقہ شوہر کا نام بھی معلوم تھا اور اسود کا بھی جب کہ مجھے نہ ان کی بیٹی کا نام معلوم تھا نہ سابقہ بیوی کا۔
''کسی اور کو آزما کر تو دیکھیں۔'' میں انہیں دیکھ کر رہ گئی۔
''آپ کو معلوم نہیں سجاد بھائی کہ اپنے سامنے لوگوں کے چہروں سے نقابیں اترتے دیکھ کر کیسا لگتا ہے کہ جن پر اسے تکیہ تھا وہی دشمن نکلے اور جب شوہر کی نظروں میں اس کی اپنی اولاد مشکوک ہو جائے تو بیوی کی نظروں میں دنیا کے ہر مرد کی مردانگی مشکوک ہو جاتی ہے.....'' میں نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔'' میں پھر کوئی جوا نہیں کھیلنا چاہتی۔''
''مجھے افسوس ہے فاطش کہ میں نے آپ کے زخم تازہ کر دیے مگر آپ دنیا کے ہر مرد سے مایوسی والی باتیں نہ کریں۔''
''کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے آپ کی!'' میں نے ان کی توجہ بٹائی۔'' یہ دونوں خواتین جانے کہاں رہ گئیں، ان کی کافی بھی بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے۔''
''مجھ سے شادی کرو گی فاطش؟'' انہوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا، میں نے حیرت سے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔'' میں تم سے ہمدردی نہیں کر رہا فاطش.....'' میں نے بے یقینی سے ان آنکھوں میں جھانکا۔'' نہ ہی میں بڑے، بڑے دعوے کروں گا!'' میں نے اپنا ہاتھ ہولے سے کھینچ کر ان کے ہاتھ کے نیچے سے نکالا۔'' ہم دونوں کی کہانی لگ بھگ ایک سی ہے..... مگر اسے ہم ماضی سمجھ کر بھلا سکتے ہیں۔'' میں نے چہرہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔
''مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے فاطش..... پہلی نظر کی محبت، مجھے معلوم بھی نہ تھا کہ تمہارا ہی نام فاطش ہے جب مجھے تم سے محبت ہوئی۔ میں تمہیں اور اسود کو ہر ممکن

خوش رکھنے کی کوشش کروں گا اور ثابت کر کے دکھاؤں گا کہ دنیا میں مختلف قسم کے مرد ہوتے ہیں، عورت کی عزت کرنے والے بھی..... کچھ مردوں کو محبت راس نہیں آتی فاطش اور کچھ عورتوں کو عزت۔ ہم دو مختلف لوگوں کے ہاتھوں زخم کھائے ہوئے لوگ ہیں مگر ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے تو ہمارے زخم مندمل ہو جائیں گے۔'' میں لب بھینچے خاموش بیٹھی تھی، تھوڑی دیر پہلے تک میرا دل اس بات کا معترف ہو رہا تھا کہ کتنا مہذب اور خیال کرنے والا انسان ہے اور اب میں عجیب سے تذبذب میں مبتلا ہو گئی تھی۔

''میں جواب کا منتظر ہوں فاطش ہ'' انہوں نے مجھے گہرے خیال سے چونکا دیا۔

''میں نے اس بارے میں کبھی سوچا نہیں۔''

''اب سوچ لو فاطش......'' انہوں نے اصرار کیا۔ ''میں واقعی تم سے محبت کرنے لگا ہوں اور دن یا ہفتے نہیں، میں سالوں تمہارے جواب کا انتظار کر سکتا ہوں، عمر بھر!'' ان کی محبت میں ڈوبی آواز میری سماعتوں میں اتری۔ ''ایک بار کہہ دو کہ تم اس بارے میں سوچو گی، میں عمر بھر تمہارے جواب کا منتظر رہوں گا۔'' میرا دل پسلیوں کے پنجرے کو توڑنے لگا۔

''میں سوچ کر بتاؤں گی۔'' میں نے بہ مشکل کہا۔ ''میرے اپنے اندیشے اور فکریں ہیں......''

''ساری فکریں مجھے دے دو!''

''پتا نہیں نیلم کہاں رہ گئی ہے؟'' میں نے بہت بے چینی سے باہر کی طرف دیکھا۔

''میں نے ان کو پیغام بھیج دیا ہے کہ اب وہ لوٹ آئیں، جس مقصد کے لیے انہوں نے ہم دونوں کو تنہا چھوڑا تھا، وہ پورا ہو چکا۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا اور میرا منہ اس مشترکہ سازش پر کھلے کا کھلا رہ گیا۔

☆☆☆

''مجھے زندگی میں اب کسی بھی نئے تجربے سے خوف آتا ہے مما۔'' میں نے مما کی گود میں سر رکھے، رکھے کہا۔ ''سیانے کہتے ہیں کہ دیگ کو چیک کرتے

کے لیے اس کا ایک دانہ ہی چیک کر لینا کافی ہے!''

''دنیا میں بہت مختلف اقسام کے لوگ بستے ہیں فاطی......'' مما نے کہا۔ ''درختوں کے پات، پات میں فرق ہوتا ہے، ہاتھوں کی ساری انگلیاں برابر نہیں ہوتیں...... اللہ نے جہاں شکلوں کو مختلف بنایا ہے وہی ذہنوں اور سوچ میں بھی فرق ہے...... مجھے تو سجاد بہت اچھا لگا ہے، تمہیں چاہتا بھی ہے اور اسود کو ساتھ رکھنے پر بھی اسے کوئی اعتراض نہیں ہے، قسمت بار، بار ایسے مواقع نہیں دیتی بیٹا!''

''پھر بھی مجھے ڈر لگتا ہے مما......'' میں نے گہری سانس لی۔ ''چاہتا تو مجھے اشعر بھی بہت تھا۔ اتنا کہ اس نے مجھے گھر والوں سے بغاوت کرنے پر بھی اکسایا۔''

''وہ ایک نا سمجھ اور جلد باز لڑکا تھا، گھر والوں کی طرف سے بھی اس پر اس شادی کو ختم کرنے پر زور تھا، ایسے جذباتی لونڈوں کی محبت دودھ کے جھاگ جیسی ہوتی ہے......''

''یہی معاملہ سجاد بھائی......'' میں رکی، دل ہی دل میں ہنسی بھی آئی۔ ''ان کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''ایک بار اپنی مما کی نظر پر اعتماد کر کے بھی دیکھ لو فاطی!'' مما نے پیار سے کہا۔ ''میرا دل کہتا ہے کہ سجاد تمہیں اور تم سجاد کو خوش رکھ سکتی ہو۔''

''اچھا......'' میں ہنسی۔ ''یہ بات آپ اتنے اعتماد سے کیسے کہہ سکتی ہیں؟''

''جب عورت کو کسی مرد کی طرف سے واقعی محبت ملتی ہے تو وہ اسے جواباً اس سے بڑھ کر محبت دیتی ہے...... سجاد کوئی کل کا لونڈا نہیں، ایک میچور مرد ہے۔''

''میں بھی اب کالج کی طالبہ نہیں مما...... میری عمر بھی تو دیکھیں۔''

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں پیاری......''

''ڈر لگتا ہے مما اپنے نصیب سے...... مگر آپ کا کہا ہے تو۔''

''سب اللہ پر چھوڑ دو بیٹا!'' باہر گھنٹی کی آواز آئی، چند لمحوں کے بعد ملازمہ کوثر ہانپتی ہوئی اندر آئی۔

''وہ جی...... وہ آئی ہیں بڑی باجی!'' وہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ ''میں صاحب جی کو بھی بتاتی ہوں۔'' کہہ کر وہ اوپر اسٹڈی روم کی طرف جانے لگی۔

''نیلم آئی ہے؟'' مما نے پوچھا۔ ''اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟''

''نہیں جی...... بڑی باجی!'' اس کے عقب میں جو چہرہ نمودار ہوا اسے دیکھ کر میں مما کی گود سے کرنٹ کھا کر اٹھی۔

''رانیہ آپی!'' میں ان سے لپٹ گئی، مما حیرت اور غالباً خوشی سے سکتے میں چلی گئیں، وہ انہیں فقط گھور رہی تھیں، مجھے مل کر آگے بڑھیں، میں نے مصطفیٰ کو ساتھ لپٹا لیا۔

''رانی......'' مما نے سسکی لی۔ ''تم اکیلی آئی ہو بیٹا؟''

''کیا ہوا مما......'' وہ مما سے لپٹ گئیں۔ ''آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟''

''تم کچھ ٹھیک نہیں لگ رہیں مجھے......'' مما جیسے نیند میں بڑبڑا رہی تھیں۔

''ہاں مما......'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ ''بڑی گہری نظر ہے آپ کی۔''

''ٹھائیں......'' پورا گھر اس آواز سے گونج اٹھا، ہم سب نے چونک کر آواز کی سمت کو جاننے کی کوشش کی، کوثر پاپا کو بتا کر ابھی سیڑھیاں ہی اتر رہی تھی۔

''پاپا......'' میں چیخی، صدف بھی اس آواز کو سن کر اپنے کمرے سے بھاگ کر نکلی تھی۔ ''مما...... پاپا نے!'' میں سیڑھیوں کی طرف بھاگتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ ''پاپا...... پاپا!'' میں پہلی سیڑھی پر پہنچ کر چیخی۔ ''مما...... پاپا نے خود کو!'' میرے قدم بھاری ہو گئے...... ''ہم سب برباد ہو جائیں گے مما!''

زندگی خود بھی خاک ہوتی ہے نہ گلزار...... یہ تو اسے گزارنے والے لوگ بناتے ہیں...... اس دلدوز کہانی کا اختتام خاک ہوتا ہے یا گلزار...... یہ جاننے کے لیے اگلے ماہ پڑھیے...... آخری حصہ......

جھوٹی

صبا سحر

''فرحان! مجھے معاف کردو پلیز! میں نے بہت بڑی غلطی کی تمہیں چھوڑ کے... مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ میں کیا کرنے جارہی ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ نہیں دراصل اپنے ساتھ زیادتی کی ہے۔''

وہ میرے سامنے بیٹھی زاروقطار رو رہی تھی۔ اس کی غزالی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں اور میرا دل پگھل رہا تھا۔ میں یک ٹک اسے دیکھے جارہا تھا۔ یک دم وہ صوفے سے اٹھ کر میرے پاؤں کے پاس نیچے بیٹھ گئی۔

''فرحان دیکھو! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے صبح کا بھولا سمجھ کر معاف کردو پلیز، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔''

اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ اس نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ میں نے بے اختیار اس کے پتلے ہاتھوں کو اپنے سخت اور گرم ہاتھوں سے تھام لیا۔

اس کے نرم ہاتھوں کا لمس میرے اندر گدگدی سی کرنے لگا۔ اسے بھی شاید ایسا ہی محسوس ہوا ہوگا۔ تب ہی وہ اپنے ہاتھ چھڑا کر دوبارہ صوفے پر جا بیٹھی اور میں گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

''تم بول کیوں نہیں رہے فرحان!'' اس نے میری مسلسل خاموشی پر ٹوکا۔

''مجھے پتا ہے تم مجھ سے ناراض ہو گئے۔ تمہاری ناراضی بجا ہے۔ میں نے تمہاری محبت کی قدر نہیں کی۔ مجھے سزا دو، ڈانٹو مجھے' طعنے دو مگر......'' وہ دوبارہ صوفے سے اٹھ کر میرے برابر میں آ بیٹھی۔ ''مگر مجھ سے بات کرو...... پلیز اس طرح خاموش نہیں رہو۔ میرا گلٹ بڑھتا جا رہا ہے۔''

اس کی آنکھیں پھر جھر جھر برسنے لگیں۔ میرا دل پھر شور مچانے لگا۔ میں نے بے خود سا ہو کر اس کے آنسو پونچھنے کی کوشش کی مگر ہمیشہ کی طرح وہ میری قربت سے خائف ہو کر میرے پاس سے ہٹ گئی اور میں ایک بار پھر ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

''فرحان۔''

میں گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے، دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے، سر جھکائے بیٹھا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر گزری تھی خاموشی میں۔ اس کے پکارنے پر میں نے چونک کر سر اٹھایا۔

''تم اب مجھ سے محبت نہیں کرتے؟''

اس نے میرے دل کے تار چھیڑ دیے۔ میری محبت میں درد گنگنا اٹھا۔

گریۂ مسلسل سے اس کے متورم ہوتے چہرے کو دیکھ کر اور اس کی آواز میں تشنہ محبت کا کرب محسوس کر کے میں دل ہار بیٹھا اور میں نے ایک بار پھر اسے معاف کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

☆......☆

کرن سے میرا التفات عین فطری تھا۔ صبح شام میں نے امی، چچی اور مہک کے علاوہ چوتھی نسوانی صورت کرن کی ہی دیکھی تھی۔ وہ میری چچازاد بہن مہک کی بچپن کی سہیلی تھی۔ شعوری عمر میں جب میں نے خواب دیکھنے شروع کیے تو کرن کا چہرہ میرے تصور میں جگہ بنا گیا اور آج جبکہ میں ایک کامیاب بزنس مین ہوں۔ وہی میرے خوابوں میں اب بھی تسلط جمائے ہوئے تھا۔ چچا ہمارے ساتھ بالائی منزل پر رہتے تھے۔ وہ ہمارے گھر بھی آتی جاتی رہتی۔ ہم تینوں اسکول سے یونیورسٹی تک ساتھ رہے لیکن یونیورسٹی میں پہلے سال ہی مہک کی شادی ہوگئی تو ہم دونوں اکیلے رہ گئے۔

مسکراتے چہرے والی شوخ و چنچل پٹاخا سی، بات سننے سے پہلے ہی کھلکھلا کر ہنس دینے والی، دوسروں کی نقلیں اتار کر تفریح لینے والی، ہر وقت پٹر پٹر بولنے والی، بے انتہا شریر، حسین اور حسن پرست وہ لڑکی...... محبت کے معاملے میں حد درجہ شرمیلی واقع ہوئی تھی۔

میں نے اشارتاً جب اس سے اپنے دل کی بات کہی تو وہ حیرانی سے میری شکل دیکھنے لگی اور میں اس کی حیرانی پر حیران رہ گیا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ عورت اپنی طرف اٹھنے والی اتفاقی نظر کی گہرائی تک بھی جانچ لیتی ہے تو پھر اسے میری بات پر اچنبھا کیوں ہوا؟ میں سمجھتا تھا میری آنکھوں میں، میری باتوں میں پہلا اور واضح عکس اسی کا ہے تو پھر اس نے کیوں نہ پہچانا یہ رنگ۔

بہرحال...... میں نے کسی قسم کا استفسار کیے بغیر کھل کر واضح طور پر اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی جھلکنے لگی تھی یا شاید مجھے ایسا لگا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر گولڈ کی دو نازک سی چوڑیاں پہناتے ہوئے میں اس کے چہرے کے بدلتے ہر، ہر زاویے سے اپنے لیے اس کی فیلنگز تلاش کر رہا تھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں سمجھ گیا کہ خاموشی نیم رضامندی ہوتی ہے۔

کچھ دنوں بعد مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نے اس کو کیوں بتا دیا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اس کی شرارتیں ختم ہو گئی تھیں۔ وہ کمثی سمٹی سی رہنے لگی تھی۔ اس کی کھلکھلاہٹ، شرارت سے مسکراتی آنکھیں، اس

کے چہرے کی قوسِ قزح مجھے اب ڈھونڈنی پڑتی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کرن اندر سے اتنی شرمیلی ہوگی۔ میں دل ہی دل میں اس کی لجاہٹ سے خوب محظوظ ہوتا۔ اس کی گریزاں، گریزاں رفاقت سے میری محبت مضبوط تر ہونے لگی مگر یہ گریز کم ہونے کے بجائے بڑھتا گیا۔ اس نے گھر میں آنا بھی کم کردیا۔ یونیورسٹی کی بھی وہ اکثر چھٹیاں کرنے لگی۔ آتی تو اکثر کلاس بنک کر کے باہر بیٹھ جاتی اگر میں لیکچر چھوڑتا تو وہ کلاس لینے چلی جاتی۔

ایک دن نہایت ضروری لیکچر چھوڑ کر وہ اچانک کلاس سے باہر چلی گئی جبکہ پروفیسر کریم آنے ہی والے تھے۔ میں پوچھتا ہی رہ گیا اور وہ ''طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی'' کہہ کر کلاس سے نکل گئی۔

کرن کی طبیعت خراب ہو اور میں سکون سے کلاس لیتا پھروں... ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔ پانچ منٹ بعد میں بھی پروفیسر کریم سے ایکسکیوز کرتا ہوا کلاس روم سے نکل گیا اور اسے ڈھونڈتے ہوئے جب میں فزکس ڈپارٹمنٹ کی طرف اچانک ہی نکلا تو مجھے وہیں رکنا پڑا۔ ایک لمحے کو مجھے لگا جیسے گردشِ دوراں رک گئی ہو۔ اس وقت مجھے کرن کے چہرے پر وہ سارے رنگ نظر آرہے تھے جو مجھ سے کہیں کھو گئے تھے۔ میں کچھ دیر تو سکتے کی کیفیت میں کھڑا رہا..... پھر دل کے بھڑکانے پر پورے استحقاق کے ساتھ ان دونوں کے پاس جا پہنچا۔ میں شکی مزاج نہیں ہوں مگر اس وقت کرن کی واضح گڑبڑاہٹ پر مجھے خوب تعجب ہوا۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ گھبراتے تو وہ ہیں جن کے دل میں کھوٹ ہوتا ہے۔ میں کچھ نہیں کہتا اسے، بس وہ ایک دفعہ یہ کہہ دیتی کہ میں جو سمجھ رہا ہوں، وہ غلط ہے لیکن اس نے صرف یہ کہا۔

''مجھے حماد ڈراپ کردے گا۔''

اس کے بعد میرے لیے کچھ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ میں محبت میں آزادی کا قائل ہوں۔ وہ جو خلیل جبران نے کہا ہے ناں کہ ''تم جسے چاہتے ہو اسے آزاد چھوڑ دو۔ وہ اگر تمہارا ہوا تو تمہارے پاس ضرور واپس آئے گا۔''

میں الٹے قدموں پلٹ گیا۔

مجھے اپنی محبت پر اتنا یقین تو نہیں تھا مگر آٹھ مہینے بعد ہی وہ میرے سامنے تھی۔ خاموش اور شرمندہ...... اس وقت مجھے خود بھی پہلی دفعہ اپنی محبت کی شدت کا احساس ہوا۔ حماد لیڈی کلر تھا اور کرن معصوم اور نادان..... مگر میں سمجھ دار تھا اور کرن کے ساتھ مخلص اور سنجیدہ بھی۔ سو میں نے اس کی پہلی غلطی سمجھ کر اسے معاف کیا اور اس کے لیے اپنے دل کے وہ دروازے پھر کھول دیے جو شاید کبھی بند کیے ہی نہیں تھے۔

مگر اس کے بعد وہ شرمندہ، شرمندہ سی رہنے لگی تھی۔ پشیمانی ہر دم اس کے چہرے سے چھلکتی۔ میں پہلے بھی کم گو تھا مگر کرن تو ہمہ وقت بولنے والی گڑیا تھی۔ اس کے باوجود ہمارے درمیان طویل خاموشیاں ٹھہر جاتیں۔

یہ گریز یا توجہ یہ ندامتوں کا عالم......

اس کے اداس چہرے اور خاموشی نے مجھے مزید اس کی طرف مائل کردیا۔ پھر میں نے اپنے دل کو ہر بدگمانی سے صاف کر کے اس کے لیے ایک انگوٹھی لی اور مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر پہنا دی۔ وہ بھی دل سے مسکرا دی۔ تجدیدِ وفا ہوگئی۔ اس کے چہرے کی رونق بحال ہوگئی۔ میں بھی سرشار ہوگیا۔ اتنے دنوں کی فرقت کے بعد جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر.... بے اختیار میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ وہ بری طرح نروس ہوگئی۔

''کیا کر رہے ہو فرحان!'' اس نے مجوب ہو کر فوراً اپنا ہاتھ چھڑایا۔ میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

میرے روز و شب پہلے کی طرح اس کی شرم و حیا کے سنگ گزرنے لگے۔ مجھے ہر لمحے شدت سے یہ احساس ہونے لگا کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گا اور مجھے لگتا تھا یہی کیفیت کرن کی بھی ہے میرے لیے مگر......

☆......☆

''کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا''

اس نے ہنستے ہوئے شعر پڑھا اور پڑھ کر پھر

گھاس پر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ عمیر میرا بچپن کا بہت اچھا اور قابلِ اعتبار دوست تھا اور کرن کے بارے میں میرے احساسات کا واحد گواہ بھی۔ مہک ہم دونوں کی بیسٹ فرینڈ ہونے کے باوجود بے خبر تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ پیٹ کی بہت ہلکی تھی۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا سہی مگر میرے والدین اس بات کو زیادہ اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر کرن کی بھی سختی سے تاکید تھی کہ مہک کو نہ بتایا جائے۔ کرن کے بارے میں عمیر کی رائے مثبت نہیں تھی۔ وہ میری محبت کی شدت جانتا تھا۔ اس لیے کافی لحاظ کر جاتا اور میں اس کا خلوص جانتا تھا۔ اس لیے اس کی باتوں کا برا نہیں مانتا تھا۔

وہ کہتا تھا، کرن لالچی ہے جبکہ میرا کہنا تھا کہ تحفے دینے سے تو محبت بڑھتی ہے اور چونکہ مجھے خواتین کی شاپنگ کا کوئی تجربہ نہیں اسی لیے میں اسے ساتھ لے جاتا اور اسی کی پسند سے دلا دیتا اور چونکہ میں برانڈ کانشس بھی ہوں اس لیے اسے ہمیشہ مہنگی شاپنگ ہی کرواتا اور اس وقت تو میری خوشی کی انتہا نہیں ہوتی، جب وہ خود مجھ سے فرمائش کرتی۔ یہ ایک طرح سے اس کی طرف سے اپنائیت کا اظہار تھا۔ وہ مجھ سے فرمائش نہیں کرے گی تو اور کس سے کرے گی۔ ویسے بھی وہ معاشی طور پر قدرے غیر مستحکم تھی۔ اس کا کوئی بڑا بھائی نہیں تھا۔ والد پرائیویٹ جاب کرتے تھے... بعد میں بھی تو میں نے ہی سب کرنا تھا۔ اس کے گھر کے لیے ایک بیٹے کی حیثیت سے۔ یہ بات عمیر نہیں سمجھتا تھا۔

''حقیقت میں خود غرض تو میں ہوں جو تحائف دے کر اپنی محبت کیش کرواتا ہوں۔'' میری دلیل پر عمیر نے جواباً مجھے گھور کے کہا تھا۔

''تم ہاتھ روک لو۔ دیکھنا ایک ہفتے میں ہی چھوڑ کر چلی جائے گی۔'' اور میں اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔

میں ایک دن میں اس پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتا تھا۔ وہ پھر بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی تو پھر وہ لالچی تو نہیں ہوئی ناں۔

☆......☆

''عاصم نے کہا تھا، وہ میرے لیے اپنے گھر والوں کو منا لے گا مگر اس نے مجھے دھوکا دیا اور مجھے بتائے بغیر اپنی کزن سے منگنی کر لی۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگا۔ گھر والوں کا دباؤ بہت زیادہ تھا۔ میں نے عارضی طور پر منگنی کی ہے۔ مناسب موقع دیکھ کر توڑ دوں گا مگر مجھے پتا ہے فرحان اس نے مجھے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے خود کئی بار اسے اپنی منگیتر کے ساتھ ہوٹلنگ کرتے دیکھا ہے۔ مجھے اب اس پر اعتبار نہیں رہا۔''

ایک سال بعد اسے یوں اچانک اپنے آفس میں دیکھ کر میں سخت حیران ہوا تھا۔ گلابی، گلابی آنکھیں لیے وہ بالکل میرے مقابل بیٹھی گویا میرا ضبط آزما رہی تھی۔ اس کی کج ادائیوں کے باوجود یکبارگی میرا دل چاہا، اس بے وفا لڑکی کو سینے میں بھینچ لوں...... چھپا لوں اسے تاکہ وہ پھر نہ کہیں جا سکے مگر اسی وقت دل نے یہ بھی چاہا کہ اس کے منہ پر اس زور کا تھپڑ رسید کروں کہ اس کا منہ ہی گھوم جائے مگر میں لب بھینچ کے رہ گیا اور اپنی دونوں خواہشات پر عمل نہ کر سکا۔

وہ شرمندگی کے باعث میری طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ میں ویسے بھی بہت کم بولتا تھا۔ صرف سنتا تھا، دیکھتا تھا اور سوچتا تھا اور وہ بھی صرف کرن کو...... اور وہ تو دیکھتی بھی نہیں تھی۔ اب بھی وہ مسلسل رو رہی تھی یا صفائیاں دے رہی تھی۔

اچانک وہ اٹھ کر میری کرسی کے پاس آ گئی۔ میں باوجود غصے کے ایک دم گھبرا گیا۔ آفس میں کوئی بھی آ سکتا تھا مجھے تعجب ہوا۔ کہاں تو وہ میرے قریب آنے سے ہچکچاتی تھی اور اب میرے آفس کا خیال کیے بغیر میرے اتنے قریب آ گئی کہ میں ہی بوکھلا گیا۔

اس نے وہی سوٹ پہنا ہوا تھا جو میں نے اس کی سالگرہ پر اسے مشہور بوتیک سے اسی کی پسند سے دلایا تھا۔ انگلی میں وہی انگوٹھی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے ہیئر اسٹائل بھی میری پسند کا بنایا ہوا تھا اور اس کے لباس سے خوشبو بھی وہ ہی اٹھ رہی تھی، جو میں اکثر اسے گفٹ

کیا کرتا تھا۔ میں نے اس لیے اپنے آپ کو پھر بے بس محسوس کیا۔ میں نے اس سے ٹوٹ کر محبت کی تھی۔

میں نے ایک گہری سانس بھر کے اسے واپس کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت اپنی سانسوں میں مجھے صدیوں کی تھکن محسوس ہوئی تھی۔ وہ ٹشو سے ناک پونچھتے ہوئے کرسی پر جا بیٹھی۔

کرن پہلی بار پشیمان نہیں ہوئی تھی۔ ایسا پہلے بھی ہو چکا تھا۔ وہ ایک بار پہلے بھی کسی اور کی خاطر مجھے ٹھکرا کر جا چکی تھی مگر میری محبت میں بھی بے حد کشش تھی۔ وہ ہر بار لوٹ کر میرے ہی پاس آئی۔ اس کے اس طرح چلے جانے پر مجھے بہت طیش آتا اور میں کبھی اس کی صورت نہ دیکھنے کا عہد بھی کر لیتا تھا اور پھر اس پر قائم بھی رہتا تھا مگر جب وہ لوٹ آتی تو مجھے اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں رہتا تھا مگر اس وقت میں اپنے حواس مجتمع نہیں کر پایا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ میں تھوڑی دیر تک تو اسے یونہی روتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اسے اپنے آفس میں ہی چھوڑ کر باہر آ گیا۔

آفس سے نکل کر میں سیدھا عمیر کے پاس پہنچا۔

''وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

رنگیلی فرحان! تمہاری دوست میں صرف یہی ایک بات اچھی ہے۔'' عمیر نے میری طرف چائے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مگر خطرناک بھی ہے۔'' میں چپ رہا مگر میری نظروں میں سوال تھا۔

''وہ یوں کہ بار، بار زندگی سے جانے والے لوگ نہ تو ہمارے ہی ہو پاتے ہیں اور نہ ہمیں کسی اور کا ہونے دیتے ہیں۔ کرن کے بارے میں میری رائے اول روز سے پکی تھی مگر میں یہاں صرف کرن کو الزام نہیں دوں گا۔'' عمیر اپنی طبیعت کے برعکس اس وقت نہایت سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

''تم ایک کامیاب بزنس مین ضرور ہو فرحان مگر سمجھ دار انسان نہیں۔ سمجھ دار انسان پتا ہے کون ہوتا

مہلت

نو عمر بیٹا کیچڑ میں لتھڑا ہوا باہر سے گھر آیا تو باپ نے اسے دیکھ کر حیرت اور غصے سے کہا۔ ''یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟ اتنی کیچڑ میں لتھڑ کر کہاں سے آ رہے ہو؟''

''میں ایک گڑھے میں گر گیا تھا ڈیڈی...... پاؤں پھسل گیا تھا......'' بیٹے نے بتایا۔

''حد ہو گئی......'' باپ نے بدستور غصے سے کہا۔ ''نئی پینٹ پہن رکھی تھی تم نے...... نئی پینٹ کے ساتھ گڑھے میں گر گئے......''

''کیا کرتا ڈیڈی...... گڑھے میں گرتے وقت مجھے پینٹ اتارنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔'' بیٹے نے سنجیدگی سے کہا۔

محبت کے انداز بہ زبان بینکر

بیوی...... ''بعض اوقات میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہاری زندگی کا ہر لمحہ اپنے نام ڈیبٹ کرالوں مگر خیال آتا ہے کہ کہیں تمہاری زندگی دیوالیہ نہ ہو جائے۔''

شوہر...... ''دیکھو بیگم! جس دن سے میں نے تمہیں اپنی زندگی کا شیئر دیا ہے، تمہاری اماں کے مارک اپ سے تنگ آ گیا ہوں اوپر سے تمہارے ابا کی آمد سے جو ایکسائز ڈیوٹی لگتی ہے اس کو ادا کر کے جی چاہتا ہے کہ اپنی خوشیاں فکس ڈپازٹ کرا دوں۔''

بیوی...... ''ایسا نہ کہیں جانِ من! محبت کے اعتراف کا پہلا واؤچر بھی تو آپ نے ہی بھرا تھا۔ میری خواہشوں کے کرنٹ اکاؤنٹ سے اگر کٹوتی ہوئی تو میں سمجھوں گی کہ میرے حسن کی بیلنس شیٹ میں کمی واقع ہو گئی ہے۔''

مرسلہ: عافیہ شاہ...... سیہون

ہے۔ وہ...... جو دوسروں کی نظر سے بھی دنیا کو دیکھتا ہے۔ جس کے لیے صرف اپنی رائے اور سوچ ہی اہم نہیں ہوتے۔ وہ سامنے والے کی نظر سے معاملے کو دیکھ کر سفر کا تعین کرتا ہے اور اپنا سفر ڈھول ہونے سے بچا لیتا ہے۔ تم حقیقت کو تسلیم کرو فرحان! آئیڈیل زندگی میں صرف محبت، وفاداری اور پیسہ ہی نہیں چاہیے ہوتا...... کچھ اور بھی مطلوب ہوتا ہے۔ یہ محبت کی جدید ٹرم بتا رہا ہوں تمہیں۔"

وہ میرے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے ہولے سے ہنسا۔ مجھے اس کی ہنسی میں استہزا محسوس ہوا مگر دوسرے ہی لمحے میں بھی سر جھٹک کر ہنس دیا۔ کیونکہ میرے نزدیک صرف محبت اور وفاداری ہی معتبر ہیں۔ یہ دونوں چیزیں سامنے والے کو غلام بنا لیتی ہیں۔ دیگر چیزوں کو ثبات نہیں اور مجھے یقین تھا کہ کرن ایک دن ضرور اسے تسلیم کرلے گی اور صرف تین مہینے بعد ہی۔

☆......☆

وہ مہک کی شادی سے پہلے والی کرن بن گئی۔ ہر دوسرے تیسرے روز وہ ہمارے گھر میں ہوتی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مہک کا شوہر باہر چلا گیا تھا۔ اس کی سسرال میں کوئی نہیں تھا۔ سو مہک غیر معینہ مدت کے لیے چچا کے گھر آ گئی تھی۔ میں آفس سے آتا تو اکثر وہ موجود ہوتی۔ کبھی پتا چلتا کہ وہ ابھی ابھی گئی ہے۔ اس کی وہی باتیں، وہی شرارتیں، وہی مسکراہٹیں، وہی رنگ پھر لوٹ آئے اور میں بھی پہلے جیسا مسرور و شاد ہو گیا۔ ہم تینوں پہلے کی طرح اکثر آؤٹنگ پر چلے جاتے۔ خوب ہوٹلنگ کرتے۔ کبھی لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے مگر اب ہمارے ساتھ نوفل بھی ہوتا تھا۔ مہک کا تین سالہ بیٹا...... میں ان دنوں کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھ کر گزشتہ سب کچھ بھلا چکا تھا اور مطمئن ہو چکا تھا۔

اس دن میں نے رات کو تقریباً تین بجے تک بیٹھ کر ایک فائل پر کام کیا تھا۔ پھر تھکن کے باعث یونہی پڑ کر سو گیا اور صبح دیر سے اٹھنے کی وجہ سے جلدی، جلدی میں وہ فائل گھر پر ہی بھول کر آفس چلا گیا۔ لنچ سے پہلے میرے پاس پاپا کا فون آیا۔ وہ ماہانہ چیک اپ کے لیے اسپتال گئے تھے۔ واپسی میں گاڑی خراب ہو گئی۔ گاڑی ڈرائیور کے حوالے کر کے انہوں نے مجھے بلوایا تھا۔ میں نے سوچا پاپا کو گھر ڈراپ کر کے اپنی فائل بھی لے لوں گا۔ یہی سوچ کر میں آفس سے اٹھا اور پاپا کو اسپتال سے پک کر کے گھر پہنچا۔ گھر کے باہر گاڑی روک کے میں نے اپنی چابی سے لاک کھولا اور پاپا کو لے کر اندر داخل ہوا۔ چچی اور مہک اپنے اپنے کمرے میں تھیں۔ امی کچن میں مصروف تھیں۔ اپنے کمرے سے فائل لے کر میں تیزی سے باہر آیا۔ داخلی دروازے سے باہر جاتے ہوئے مجھے سیڑھیوں کے عقب میں عجیب سرسراہٹ سی محسوس ہوئی تو میں بے اختیار اس طرف چلا گیا۔

وہاں زینے کے نیچے...... واٹر ٹینک کے پاس...... گھاس پہ...... میری محبت اور میرے اعتبار پر شب خون مارنے والی اپنے چہرے پہ دھنک کے ساتوں رنگ سمیٹے سہیل کے پہلو میں مزے سے بیٹھی تھی۔

میں نے کہا تھا کہ میں شکی مزاج نہیں ہوں مگر میں نے دیکھا کہ وہ مجھے دیکھ کر گھبرا گئی ہے اور گھبراتے تو وہ ہیں ناں جو......

☆......☆

مہک کی شادی کے بعد چونکہ چچا اور چچی اکیلے ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ ہمارے ساتھ ہی نیچے شفٹ ہو گئے۔ چچا والا پورشن ہم نے کرائے پر چڑھا دیا تھا۔

چھوٹی سی فیملی تھی۔ انکل آنٹی اور ان کے دو بیٹے۔ بڑا بیٹا فراز جو شادی شدہ تھا اور چھوٹا سہیل۔ وہ اسلام آباد سے حال ہی میں کراچی شفٹ ہوئے تھے۔ بظاہر بڑی معقول فیملی تھی اور چونکہ ہمارے گھر میں کوئی نہیں تھا۔ مہک بھی بیاہ کر چلی گئی تھی۔ سو ہمیں ان دو لڑکوں کی وجہ سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ لڑکے بھی کافی مہذب اور شریف تھے۔ میں نے کرن کی آمد و رفت کے بعد بھی اس طرف توجہ نہیں دی۔ میرے سامنے ان دونوں کی کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی کہ مجھے کچھ

احساس ہوتا مگر شاید تب بھی نہیں ہوتا۔
میں نے اب تسلیم کرلیا تھا کہ میں واقعی اتنا ہی بے وقوف ہوں۔
میں نے خود کو بزنس میں اس بری طرح مصروف کرلیا کہ دن رات کا فرق مٹا دیا۔ آج کیا تاریخ ہے کون سا دن ہے۔ اس کا حساب میری فائلوں میں ضرور ہوتا مگر ذہن سے محو ہوگیا تھا۔ اس کا احساس مجھے تب ہوا جب مہک نے نوفل کی پانچویں سالگرہ منائی۔

☆......☆

یعنی دو سال ہو گئے تھے...... مہک کا شوہر آگیا۔
وہ اپنے گھر چلی گئی۔
وہ چھٹی کا دن تھا۔ میں ان دنوں گھر پر اکیلا تھا۔ امی، پاپا اور چچا چچی عمرے پر گئے ہوئے تھے۔ میں لنچ سے فارغ ہو کر موی دیکھ رہا تھا۔ منیر (ملازم) نے کسی کے آنے کی اطلاع دی۔ میں مووی روک کر نیچے ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہ سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔ میری دھڑکنوں نے یک دم ہی شور مچایا تھا۔
وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا......
دفعتاً عمیر کا اکثر و بیشتر دہرایا ہوا شعر میرے آس پاس گونجا اور یکبارگی میرا دل معطر ہوگیا۔ یعنی کرن ہزار راہ بھٹکے...... اس کی آخری منزل میں ہی ہوں گا۔
اس کا لباس، اس کی ناک میں چھوٹی سی دمکتی ہوئی سونے کی لونگ میرے اس خیال کی پُر زور تائید کر رہے تھے۔ دل و دماغ کی جنگ میں دل ایک بار پھر جیت گیا مگر میں اچانک ملنے والی اس خوشی پر اپنے حواس مجتمع نہیں کر پا رہا تھا۔
میں گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے، دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے، سر جھکائے بیٹھا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر گزری تھی اس خاموشی میں۔ وہ میری خاموشی سے گھبرا کے تڑپ کر پکار اٹھی۔
''فرحان! تم اب مجھ سے محبت نہیں کرتے؟''
اس نے ایک بار پھر میرے دل کے تار چھیڑنے کی کوشش کی۔ میری محبت میں درد گنگنانے لگا۔ میں نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔
''کیا محبت اور اعتماد کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا؟'' میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔
اس کی کلائی میں وہی سونے کی دو نازک سی چوڑیاں تھیں جو میں نے اسے پروپوز کرنے کے بعد دی تھیں۔ اس وقت ان کی موجودگی یہ ظاہر کرتی تھی کہ میں اب بھی اس کے دل و دماغ کے نہاں خانوں میں موجود ہوں۔ گریۂ مسلسل سے اس کے متورم ہوئے چہرے کو دیکھ کر اور اس کی آواز میں تشنۂ محبت کا کرب محسوس کر کے میں دل ہار بیٹھا اور میں نے ایک بار پھر اسے معاف کرنے کا فیصلہ کرلیا۔
''فرحان!'' وہ میری مستقل چپ سے پریشان ہو رہی تھی۔ میں نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔
وہ سمن بر آج بھی میرا دل موہ رہی تھی۔ اس کی گلابی پڑتی سرمئی آنکھیں...... اس کی نزاکت مجھے پھر بہکا گئی۔ میں یک دم کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی مجھے دیکھتے ہوئے متذبذب سی کھڑی ہو گئی۔ اتنے عرصے میں یہ پہلی بار تھا کہ وہ مجھے نظر جما کر دیکھ رہی تھی۔ میں اس کے نزدیک گیا اور پھر خود پر قابو نہیں رکھ پایا۔
میں نے ایک زوردار تھپڑ اس کے کومل سے رخسار پر جڑ دیا۔ وہ سنبھل نہ سکی اور لڑکھڑا کر پیچھے صوفے پر گر گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ شدید حیرانی تیرنے لگی تھی۔
''تم کہو...... کیا تم ہی محبت کے قابل رہی ہو؟''
اس کی آنکھوں میں مزید تحیر ابھر آیا۔
''میں بدصورت بے شک ہوں کرن ...! چلو بے وقوف بھی سہی...... مگر ایک مرد ہوں اپنے منہ کا نوالہ دے سکتا ہوں مگر کسی کا جھوٹا نہیں کھا سکتا اور تم...... تم اب جھوٹی ہو چکی ہو۔''
میں بلا کا کم سخن...... شدید ترین غصے میں بھی بس یہی کہہ سکا۔



اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

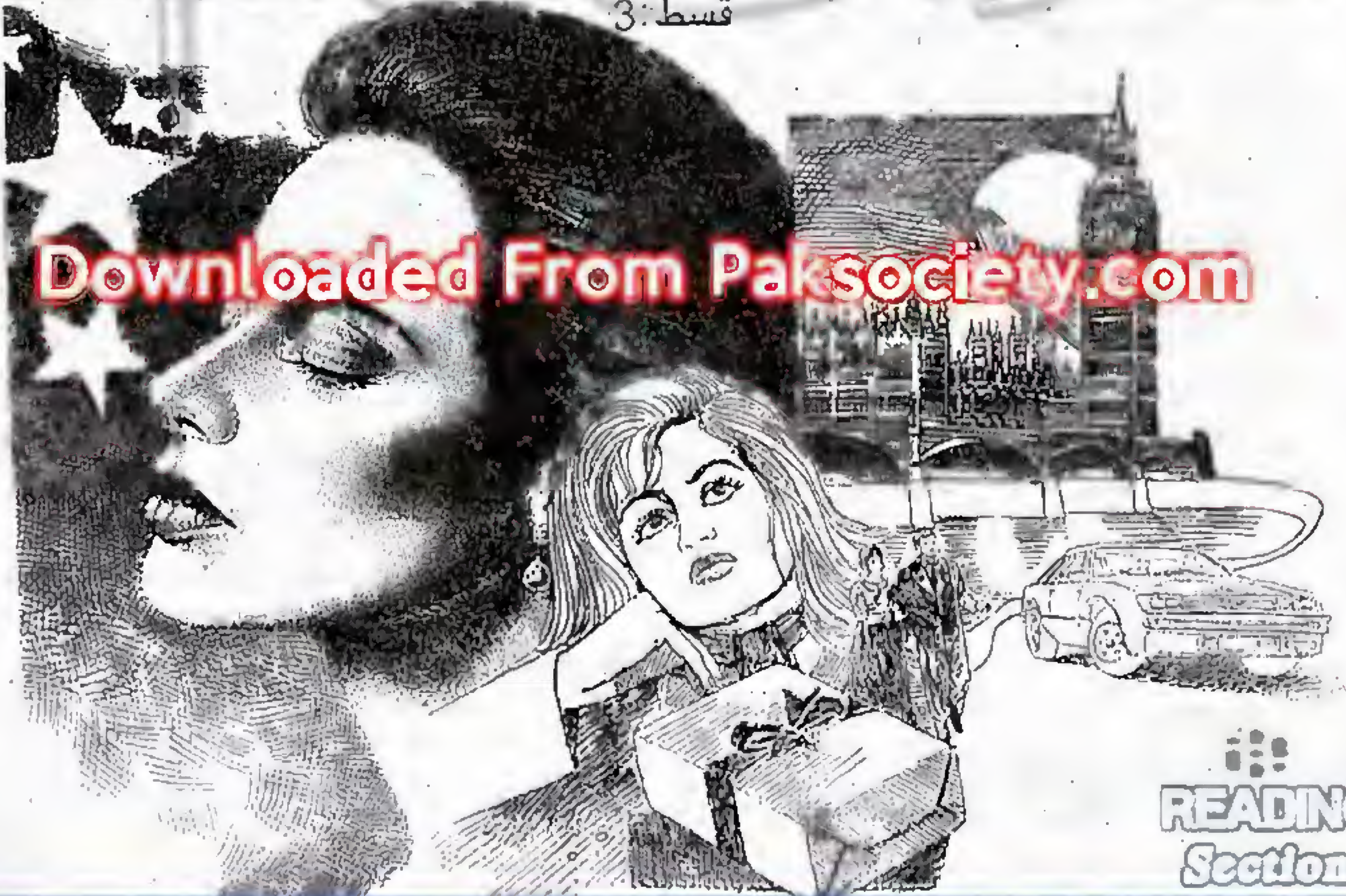
دُرِثمن بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار، ایک جذبے کے کتنے اظہار ... یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصّع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد سنائر کُن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط: 3



"ایکسیلینٹ آپ جیسا پاستا کوئی نہیں بنا سکتا..... حتیٰ کہ ہمارا بٹلر بھی نہیں..... دو سال کے بعد آپ کے ہاتھ کا پاستا کھا رہا ہوں..... really its very delicious" اقصم بڑی رغبت سے پاستا کھا رہا تھا اور تقریباً سارا باؤل خالی کر چکا تھا۔ اس کے سامنے بیٹھی مناب اس کی تعریف پر مسکرا دی۔

"تمہیں اتنا اچھا پاستا کھلایا ہے اب مجھے بھی اس کے بدلے میں کچھ چاہیے۔" مناب کی بات پر چند لمحے وہ خاموش رہا۔

"میرا دل تو لے چکی ہیں اب اور کیا چاہیے؟" اس نے دل کی آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے مناب سے پوچھا۔

"کیا.....؟"

"میں اتنے مہینوں سے انگلینڈ میں ہوں..... پہلی بار تمہارے اپارٹمنٹ میں آئی ہوں..... اگلے مہینے مجھے واپس پاکستان چلے جانا ہے..... اور تم مجھے ایویں ٹرخا کر یہاں سے بھیجنا چاہتے ہو؟"

"کیا مطلب..... میں کچھ سمجھا نہیں؟"

"سمپل، اتنا عرصہ ہو گیا ہے یہاں کی ہنگامہ خیز زندگی نے اتنا مصروف کر رکھا ہے کہ کبھی تمہیں گٹار بجاتے ہوئے کبھی تمہیں گاتے ہوئے نہیں دیکھا..... آخری بار تم نے میری انگیجمنٹ پہ..... گٹار بجاتے ہوئے Ronan keating کا خوب صورت سونگ سنایا تھا سچ میں بہت انسپائر ہوئی تھی۔"

"او کے، نو پرابلم..... میری بیماری میں جتنا آپ نے میرا خیال رکھا ہے اس کے بدلے میں یہ فرمائش بہت چھوٹی ہے....." اقصم مسکراتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں نے کبھی بڑی، بڑی خواہشیں نہیں کیں۔ مجھے چھوٹی، چھوٹی چیزوں سے ہی خوشیاں مل جاتی ہیں۔"

"جانتا ہوں میں..... اور ولی بھائی کی خوش نصیبی پر رشک آتا ہے مجھے۔" اقصم کی بات پر ٹیبل سے برتن اٹھاتی مناب مسکرا پڑی..... ولی کے ذکر پر اس کے لب ایسے ہی مسکرانے لگتے تھے۔

اسے ولی کے لیے خوش ہوتا دیکھ کر اقصم کے دل میں ایک آگ سی بھڑک اٹھتی تھی..... وہ مرے، مرے قدموں سے روم میں گیا اور گٹار اٹھا لایا..... تب تک مناب بھی برتن سمیٹ کر دوبارہ لاؤنج میں آ چکی تھی..... اقصم صوفے پر بیٹھا گٹار کے تاروں کو چھیڑنے لگا۔ مناب اس کے سامنے سنگل صوفے پر پاؤں اوپر کیے ریلیکس موڈ میں بیٹھ چکی تھی۔

گاہے بگاہے خاموش فضا میں کوئی سُر بکھر جاتا۔

بچپن سے ہی اسے گانے کا شوق تھا۔ ایچی سن میں جب وہ کالج لائف میں آیا تو اس نے باقاعدہ گٹار بجانا سیکھا تھا گھر میں یا فیملی میں کوئی بھی تقریب ہوتی..... اقصم سے گٹار بجانے اور گانا گانے کی فرمائش ضرور کی جاتی..... جس طرح وہ پڑھائی میں ہمیشہ ممتاز رہا تھا، اسی طرح وہ کالج میں بہترین سنگر کے طور پر بھی ہمیشہ فیمس رہا تھا..... یہاں آکسفورڈ اسٹریٹ آ کر بھی وہ ایک میوزیکل ادارے "His master's voice" سے وابستہ تھا اور باقاعدہ میوزک کلاسز لیا کرتا تھا۔

اقصم نے گلا کھنکھارا..... "آج کل ارجیت سنگھ کو سننا اچھا لگتا ہے مجھے۔ اسی کا ایک سونگ سناتا ہوں شاید آپ نے سنا ہو۔" اب وہ پراپر گٹار بجاتے ہوئے گانے لگا۔

"جب جب تیرے پاس میں آیا
اِک سکون ملا
جسے میں تھا بھولتا آیا
وہ وجود ملا

جب آئے غم کے موسم
تجھے یاد کیا......"

اقصم کی رومانٹک آواز اور گٹار کے سُروں نے مل کر ماحول میں سماں باندھ دیا تھا۔ اقصم کی آنکھیں بند تھیں..... اور اس کی آنکھوں میں مناب کا چہرہ بسا ہوا تھا۔ مناب کے ساتھ گزرا ہوا ایک، ایک لمحہ اقصم کی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح چل رہا تھا جبکہ اس کے سامنے بیٹھی مناب کی آنکھیں کھلی تھیں مگر اس کی آنکھوں میں ولی کی تصویر بسی ہوئی تھی..... ولی کے ساتھ منگنی کے بعد گزرا وقت..... گزرے لمحات..... اس کی آنکھوں کے پردوں پر ابھر رہے تھے وہ دھیرے، دھیرے جھوم رہی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ تالی کے انداز میں بے آواز حرکت کر رہے تھے۔

"ایسا کیوں کر ہوا
جانو نہ میں جانو نہ
دل سنبھل جا ذرا
پھر محبت کرنے چلا ہے تو
دل یہیں رک جا ذرا
کیا ہے یہ سلسلہ؟
جانو نہ میں جانو نہ....."

جب اقصم نے گانا ختم کیا اور آنکھیں کھولیں تو مناب نے مسکراتے ہوئے اس کے لیے پُرزور تالیاں بجائیں۔

"واؤ..... سپرب..... مائنڈ بلوئنگ، بہت شاندار....." مناب کی بے ساختہ تعریف پر اقصم مسکرا دیا۔

"آپ کی تعریف سن کر مجھے ایسا لگ رہا ہے میں کسی سنگنگ کمپی ٹیشن میں پرفارم کر رہا تھا۔" مناب ہنسی۔

"ویسے چھوٹو تم میں لڑکیوں کو متاثر کرنے کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔"

"اوہ ریلی.....؟ مجھے نہیں پتا تھا، ویسے اس اطلاع کا شکریہ....." اقصم نے گٹار ایک طرف رکھتے ہوئے شریر انداز میں جواب دیا۔

"بڑے گھنے ہو تم..... جیسے تمہیں تو پتا ہی نہیں ہے، آج سے دو سال پہلے نیبر ز کی لڑکیوں سے لے کر ماموں کے فیملی فرینڈز کی لڑکیوں تک تم کتنے پاپولر تھے۔ یاد ہے ان میں ہر دوسری لڑکی تم سے فرینڈ شپ کرنا چاہتی تھی۔" مناب نے اسے یاد دلایا۔

"وہ سب پرانی باتیں ہیں....." اقصم مسکرایا..... وہ شاید جان بوجھ کر انجان بن رہا تھا یا مناب جان بوجھ کر اسے کرید رہی تھی کہ آج کل اس کی زندگی میں کون تھی کہ جس نے اقصم جیسے شوخ و شنگ نوجوان کو سنجیدہ بنا دیا تھا۔

"پرانی باتیں تو ہمیشہ یاد رہتی ہیں چھوٹو....."

"کبھی، کبھی ان کو بھول جانا ہی اچھا ہوتا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں چھوٹو؟"

"کچھ نہیں ہوا مجھے..... آپ کو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے۔" اب وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اللہ کرے یہ میرا وہم ہی ہو۔" مناب کا انداز جتانے والا تھا۔

"او کے ویسے اب چھپانے تو تم مجھ سے بہت کچھ لگے ہو، یہ بھی بتا دو یہ پینے والا شوق کب ختم کر رہے ہو؟" مناب کے کڑے تیور دیکھ کر وہ آہستگی سے مسکرا دیا..... اس کا انداز خالصتاً بیویوں جیسا تھا..... یا شاید اسے ایسا محسوس ہوا تھا۔

"چھوڑ دوں گا اگر آپ کہیں گی تو....."

’’تو چھوڑ دو، میں کہہ رہی ہوں۔‘‘
’’او کے..... چھوڑ دوں گا۔‘‘
’’ایکسکیوزمی.....‘‘ اقصم گٹار اٹھا کر اپنے روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔
اسی اثنا میں ڈور بیل بجی..... مناب نے دروازہ کھولا تو جنید کو سامنے کھڑا پایا۔
وہ مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔
مناب نے بھی مسکراتے ہوئے خوش دلی سے اسے اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔
’’الو، گھامڑ، اسٹوپڈ، بزدل اور دیوانہ عاشق کہاں ہے بائی داوے؟‘‘ جنید اس سے حال احوال پوچھ کر اب اِدھر اُدھر دیکھتا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔
’’اسٹوپڈ، الو، بزدل، دیوانہ عاشق..... میں کچھ سمجھی نہیں؟‘‘ مناب نے حیرت سے جنید کو دیکھا۔
’’دیکھیں جو شخص کسی لڑکی کے عشق میں یکطرفہ طور پر مبتلا ہو کر اپنی عقل گنوا بیٹھے اسے غالباً..... یہی نام دینے چاہئیں..... نہیں؟‘‘ جنید نے بے تکلفی سے ڈرائی فروٹ کھاتے ہوئے کہا جو سامنے ٹیبل پر رکھے تھے۔
’’اوہ..... تو یہ بات ہے.....‘‘ مناب اب جنید کے سامنے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔
’’اقصم نے آپ کو بتایا نہیں.....؟‘‘ جنید حیران ہوا۔
’’نہیں..... حالانکہ بچپن سے لے کر آج تک وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی شیئر کیا کرتا تھا بس یہی بات چھپا گیا جو اسے سب سے پہلے مجھے بتانی چاہیے تھی۔‘‘ مناب کے لہجے میں افسوس جھلک رہا تھا۔
’’اینی وے، آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے کافی بناتی ہوں۔‘‘ مناب اٹھ کر کچن میں آ گئی اور کافی بنانے لگی.....
مگر اس کا ذہن جنید کی بات میں اٹکا ہوا تھا..... ’’دیوانہ عاشق.....؟‘‘ اس نے زیر لب دہرایا اور کیبنٹ سے کافی کا جار اور کریم کا ڈبا نکالنے لگی۔
اقصم شیو کر کے لاؤنج میں آیا تو وہاں صوفے پر جنید کو بے تکلفی سے بیٹھے ہوئے پایا۔
’’اوئے تو کب آیا.....؟‘‘ اقصم آگے بڑھا۔
’’تو سنا الو کیسا ہے اب؟ ویسے تو یہ سوال کرنا ہی فضول ہے، وہ ایک ہی رات میں نظر آ گیا ہے مجھے..... جناب کو ذرا ہوش کیا آیا فوراً شیو بھی بنا لی..... بھابی کو متاثر کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں تھا تیرے پاس؟‘‘ جنید نے اقصم سے گلے ملتے ہوئے لتاڑا۔
’’تین دن سے میں تیری دن رات خدمت کر رہا تھا..... اور تیرا بخار کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا..... مناب کے آتے ہی تو نے ایک ہی رات میں بستر چھوڑ دیا..... ماشاء اللہ۔ اے عشق تیرے ہیں کھیل عجب.....‘‘ جنید کے انداز پر اقصم مسکرا دیا۔
’’تو جب بھی بولتا ہے الٹا سیدھا ہی بولتا ہے اور ہاں اسے بھابی کہہ کر مزید میرا دل مت جلایا کر..... تو جانتا ہے وہ تیری بھابی نہیں ہے۔‘‘ اقصم اب سنجیدہ ہو چکا تھا۔
’’اقصم تو عشق تو کر بیٹھا ہے پر تجھ میں اتنا دم نہیں ہے۔‘‘ اب وہ دونوں صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔
’’مناب میری وہ محبت ہے، میری وہ خواہش ہے جسے میں نے اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر رکھا ہے..... میں اسے کیسے عیاں کروں جبکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ میرا مقدر نہیں، میری قسمت کی لکیروں میں کہیں نہیں ہے وہ۔‘‘ اقصم کے لہجے میں افسردگی تھی۔
’’کبھی کبھی انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے جو چیز آسانی سے حاصل نہ ہو اسے بعض اوقات چھیننا بھی پڑتا

ہے...... اور محبت تو ویسے بھی انسان کو نڈر بنا دیتی ہے پھر تو کیوں اتنا بزدل بنا ہوا ہے؟"
"میں زبردستی چیزیں حاصل کرنے کا قائل نہیں ہوں...... اس لیے بزدل ہی ٹھیک ہوں میں......"
"تو جتنی مرضی بزدلوں والی باتیں کر لے، میں نے تو پہلے دن ہی مناب کو اپنی بھابی مان لیا تھا سو میں تو انہیں بھابی ہی کہوں گا۔"
اب کے اقصم خاموش رہا۔ اس کی خاموشی پر جنید نے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔
"کن سوچوں میں گم ہے؟ یہ بتا اب کیسی طبیعت ہے تیری؟"
"ٹھیک ہوں یار......" اقصم نے ٹیبل پر میوے کی ٹرے میں سے کاجو اٹھا کر منہ میں ڈالے۔
"ہاں وہ تو، تو نے ہونا ہی تھا......" جنید نے مسکراتے ہوئے اقصم کو آنکھ ماری۔
"تو بڑا ذلیل ہے کبھی نہیں سدھرے گا۔" اقصم مسکرا دیا۔
"پتا ہے یار مجھے تو کئی بار مجھے بتا چکا ہے۔" جنید ہنسا۔
"اچھا اب مناب کے سامنے ذرا ڈیسنٹ بن کے رہنا...... کیا سوچے گی وہ کہ کتنا چیپ دوست ہے اقصم کا......"
"ایکچوئیلی ذلیل میں نہیں تو خود ہے...... کتنی پروا ہے تجھے مناب کی اور مجھے ایک منٹ میں چیپ بنا دیا تو نے......" جنید نے مصنوعی خفگی سے اس کے پیٹ میں مکا مارا۔
"پروا تو مجھے واقعی اس کی بہت ہے...... اور یہ تو بھی اچھی طرح سے جانتا ہے۔"
"تو پھر اسے بتا کیوں نہیں دیتا......؟ کیوں چپ کا تالا لگا رکھا ہے تو نے اپنے لبوں پر؟ اسے بتا کہ تو اس کے عشق میں مبتلا ہے۔"
"نہیں، میں نہیں بتا سکتا اسے۔"
"مگر کیوں......؟"
"وہ انگیجڈ ہے اور اپنے منگیتر سے بہت محبت کرتی ہے...... چار مہینے کے بعد اس کی شادی ہے...... وہ اپنی زندگی سے بہت خوش ہے، اس کے دل میں آل ریڈی کوئی مکین ہے یار......" اقصم جھنجلایا۔
"اقصم تو ایک بزدل انسان ہے۔" جنید کو افسوس ہوا۔
"ہاں، میں ایک بزدل انسان ہوں...... مانتا ہوں میں۔"
"تو اگر اجازت دے تو میں مناب سے بات کر لیتا ہوں۔" جنید نے آفر کی۔
"نہیں...... اور پلیز اس سے کبھی یہ بات کرنا بھی مت۔"
"کیوں؟" جنید نے استفسار کیا۔
"میں اس کیوں کی وضاحت کر چکا ہوں تجھ سے۔ اس کا دل کرائے کا مکان نہیں جس کو ایک مالک مکان کی طرح میں جب چاہے خالی کروا لوں...... اس کے دل میں ولی ہے اور اسی کا بسیرا ہے مناب کے دل میں۔"
"اوئے بے وقوف آدمی...... تو جگہ بنائے گا تو بنے گی نا...... تو کوشش بھی تو نہیں کرتا۔"
"بے وقوف میں نہیں تم ہو جنید...... جو چیز ممکن ہی نہیں اس کے لیے میں کوشش کیسے کروں؟ میرے لیے یہی تکلیف بہت ہے کہ وہ میری نہیں ہے۔"
"تو پھر بیٹھا رہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر...... وہ چار مہینے کے بعد شادی کروا کر امریکا چلی جائے گی...... کچھ سالوں کے بعد اس کے بچے تجھے ماموں کہہ کر پکارا کریں گے اور تیرا دل جلایا کریں گے۔"
"اسٹاپ اٹ جنید، یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تو سمجھتا ہے، وہ مجھے اپنا چھوٹا بھائی سمجھتی ہے اور میں اسے کس

منہ سے کہوں کہ میں آپ سے عشق کرتا ہوں۔"
"تو پھر تجھے اس سے عشق کرنے کو کہا کس نے تھا؟ جب تجھے پتا تھا کہ وہ تیرے لیے صرف "ونڈو میں رکھے قیمتی شو پیس" کی طرح ہے تو اسے چاہنے کی خواہش ہی تجھے نہیں کرنی چاہیے تھی۔ پھر یہ عشق جیسی بے وقوفی کیوں کی تونے؟"
"میرے پاس تیرے کسی کیوں کا کوئی جواب نہیں ہے..... تونے کسی سے عشق کیا ہوتا تو تجھے پتا ہوتا یہ کم بخت عشق..... جھوٹے اور سہانے سپنے دکھا کر کس طرح ایک بند گلی میں کھڑا کر دیتا ہے اور پھر یکطرفہ عشق کے تاریک جنگل نے کب اور کیسے مجھے نگل لیا، میں خود بھی نہیں جانتا..... عشق میں کوئی یوٹرن نہیں ہوتا میرے دوست..... تجھے کیسے بتاؤں میری حالت قابلِ رحم ہے..... میں ہر روز اس تاریک جنگل سے واپسی کا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں اور ہر روز ایک نئے تاریک راستے پر جا نکلتا ہوں..... یکطرفہ محبت ایک عذاب ہے جسے میں ہر لمحہ اپنے دل پر جھیلتا ہوں۔"
اقصم کے لہجے میں بولتا دکھ اور بے چینی جنید کو اندر تک پریشان کر گئی تھی۔
"تو میرے بھائی اسی لیے تو تجھے کہتا ہوں یہ جو تیرے دل پر منوں بوجھ پڑا ہوا ہے اسے اظہار کر کے ہلکا کر لے..... سچ پوچھ تو یار مجھ سے تیری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی..... تو اگر اس کی منگنی کے وقت اپنے گھر والوں سے بات کر لیتا..... یا مناب سے اظہارِ محبت ہی کر لیتا تو آج صورتِ حال یہ نہ ہوتی....." جنید اس کا بیسٹ فرینڈ تھا..... وہ اپنی سن میں بھی اقصم کے ساتھ تھا..... اس لیے وہ اقصم کے دل کی تمام کہانیوں سے واقف تھا، دونوں میں انتہا کی دوستی تھی۔
"تب میرے دل میں مناب کے لیے ایسی فیلنگز نہیں تھیں۔ اور فرض کیا کہ اگر فیلنگز ہوتیں بھی تو میری اور اس کی عمر میں فرق جو تھا اسے لے کر میں گھر والوں سے کیسے بات کرتا؟ کس منہ سے کرتا.....؟"
"اقصم تیری یہ بات سن کر قسم سے تجھے کوٹنے (مارنے) کو دل چاہ رہا ہے..... تو واقعی الو ہے..... اس عشق نے واقعی تیری مت ماردی ہے..... اب کیا تیری اور بھائی کی عمر کا فرق ختم ہو گیا ہے؟ کبھی کبھی تو واقعی بڑی عجیب باتیں کرتا ہے نہ سمجھ میں آنے والی بزدلوں والی باتیں..... مجھے لگتا ہے میں کسی دن پاگل ہو جاؤں گا....." اقصم نے بے بسی سے اپنا سر تھام لیا۔
"محبت انسان کی عقل ماؤف کر دیتی ہے، کہیں کا نہیں چھوڑتی۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔
"ہاں..... جس طرح تیری الجھی ہوئی نہ سمجھ میں آنے والی ٹریجک لو اسٹوری ہے ناں تیرا پاگل ہو جانا ہی بنتا ہے میرے بھائی۔" جنید نے ٹانگیں ٹیبل پر پھیلاتے ہوئے اعتراف کیا..... مگر اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ اسی اثنا میں مناب کافی لے کر لاؤنج میں آ گئی۔
"تھینکس..... مجھے اس کی اشد ضرورت تھی..... کیونکہ جس حساب سے آپ کے کزن نے میرا سر کھایا ہے اس حساب سے مجھے کافی کے ساتھ سر درد کی گولیاں بھی کھانی چاہئیں....." جنید نے ٹانگیں سمیٹتے ہوئے مناب کے ہاتھ سے کافی کا مگ پکڑا۔
"اوکے، میں اپنے بیگ میں دیکھتی ہوں شاید میرے پاس کوئی پین کلر ہو۔" مناب اپنے بیگ کی طرف بڑھی..... تو اقصم نے مسکراتے ہوئے اسے روکا۔
"رہنے دیں، یہ بکواسی انسان خواہ مخواہ بکواس کر رہا ہے۔ اس کے سر میں بالکل بھی درد نہیں ہے..... یہ ایسے ہی مذاق کرتا رہتا ہے....." اقصم کی بات سن کر مناب مسکراتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔
جنید نے کافی کا سپ لیا۔
"واؤ..... زبردست.....! دو سال میں پہلی بار اس احمق کے اپارٹمنٹ میں اتنی شاندار کافی پینے کو ملی ہے۔" جنید نے تعریف کی۔

''اور روزانہ جو میں تجھے کافی بنا کر پلاتا ہوں..... اس کا کوئی نام نیکی ہی نہیں؟'' اقصم نے اپنے ساتھ بیٹھے جنید کو گھورا۔

''میں تیری کافی کو کافی سمجھ کے تھوڑی پیتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟'' مناب نے مسکراتے ہوئے جنید کو دیکھا۔

''مناب آپ کبھی اقصم کے ہاتھ کی کافی پئیں..... قسم سے اچھے خاصے بندے کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں.....اتنی اسٹرانگ کافی بناتا ہے یہ.....'' جنید کے انداز اور اس کی بات پر مناب کے ساتھ، ساتھ اقصم بھی ہنسا۔

''پھر تو میں کبھی چھوٹو کے ہاتھ کی کافی نہیں پینا چاہوں گی۔''

''میری دعا ہے اللہ آپ پر وہ وقت کبھی نہ لائے۔''

''جنید تو ایک نمبر کا جھانسو اور چیٹر ہے..... مناب کو دیکھتے ہی پارٹی بدل لی۔'' اقصم نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

''یار مذاق کر رہا تھا۔'' جنید مسکرایا۔

''مناب ویسے اقصم آپ کی بہت تعریف کرتا ہے اور میں نے اس کی تعریف سے بڑھ کر آپ کو پایا ہے۔'' جنید اب سنجیدگی سے مناب کی تعریف کرنے لگا۔

''تھینکس..... ایکچوئلی یہ خود بھی تعریف کے قابل ہے اگر چھوٹو میری اتنی تعریف کرتا ہے تو یہ اس کی محبت ہے، یہ اس کی ریسپیکٹ ہے جو یہ مجھے دیتا ہے۔'' مناب نے عام لہجے میں اعتراف کیا۔

''جی محبت تو یہ واقعی آپ سے بہت اور بے پناہ کرتا ہے شاید اس نے آپ سے کبھی ذکر نہیں کیا؟'' اچانک جنید نے اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ دی تھی کہ اقصم کے ساتھ، ساتھ مناب نے بھی چونک کر جنید کو دیکھا تھا..... جنید کا انداز، اس کا لہجہ کچھ ایسا تھا جس نے یک دم مناب کی مسکراہٹ کو غائب کر دیا تھا۔

''کیسا ذکر.....؟ میں کچھ سمجھی نہیں؟'' مناب نے جواب طلب نظروں سے جنید کو دیکھا۔ اقصم کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا تھا..... جس محبت کو اقصم عرصے سے اپنے دل میں چھپائے بیٹھا تھا اسے ایک پل میں جنید نے عیاں کر دیا تھا..... اقصم اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے لگا اسے جنید پر شدید غصہ آ رہا تھا..... مناب کا ردِعمل کیا اور کیسا ہونے والا تھا..... اس کے بارے میں سوچ کر ہی اقصم کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی تھی..... اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے جنید نے اسے London bridge سے نیچے دھکا دے دیا ہو۔

اقصم نے دفعتاً جنید کے پاؤں پہ پاؤں رکھ کر دبایا۔

''بھئی آپ دونوں تو ایسے سنجیدہ ہو گئے جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو؟''

''میرا مطلب تھا کہ اقصم آپ کی بہت عزت کرتا ہے، آپ کو بہت آئیڈیالائز کرتا ہے اور مجھے اکثر بتاتا ہے کہ ایز اے سسٹر آپ ہمیشہ اس کا بہت خیال رکھتی ہیں۔ اب دیکھیے ناں اس کے بخار کا سن کر کیسے آپ دوڑی چلی آئیں..... اور میرے دوست کی محبت دیکھیں، یہ آپ کی ایک ہی رات کی تیمارداری سے اٹھ کر بیٹھ گیا ہے۔'' جنید نے ہنستے ہوئے بات بنائی۔

''تھینکس گاڈ چھوٹو اب ٹھیک ہے..... دراصل یہ شروع سے ہی ہم سب کا لاڈلا رہا ہے..... یہ ذرا سا بھی بیمار ہو جائے تو اپنے ساتھ، ساتھ سب گھر والوں کو پریشان کر دیتا ہے۔''

''جی، اقصم مجھے بتاتا رہتا ہے۔'' جنید کافی کا مگ ٹیبل پہ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اور ہاں پریشان تو یہ واقعی کر دیتا ہے چند لمحوں میں..... اینی وے، اتنی اچھی کافی پلانے کا ایک بار پھر شکریہ، اب مجھے اجازت دیں۔''

''جنید بیٹھیے ناں ڈنر کر کے جائیے گا۔'' مناب نے اسے روکا۔

''تھینکس..... قسمت میں ہوا تو پھر کبھی سہی۔ ویسے مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے..... حقیقتاً آپ سے مل کر

مجھے بہت خوشی ہوئی۔ آپ پلیز میری کسی بات کا برا مت منایئے گا...... بقول اقصم مجھے اکثر بکواس کرنے اور چیپ قسم کے مذاق کرنے کا دورہ پڑتا رہتا ہے۔''

جنید کی وضاحت پر اقصم نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی جبکہ مناب کھل کے مسکرائی۔

''اٹس او کے...... آپ ایک دلچسپ نوجوان ہیں اور مجھے بھی آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔'' مناب نے خوش دلی سے جواب دیا۔

پھر چند لمحوں کے بعد جنید چلا گیا تھا...... اس کے جاتے ہی اقصم نے سکھ کی سانس لی تھی۔

☆☆☆

سارہ جب گھر میں داخل ہوئی تو سیما بیگم کچن میں بینگن کا بھرتا بنا رہی تھیں۔ شاکر حسین صحن میں لگے درخت تلے چارپائی بچھا کر لیٹے ہوئے تھے۔ بجلی گئی ہوئی تھی...... صحن میں رکھے پنجرے میں سارہ کے آسٹریلین طوطوں نے شور مچا رکھا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے ابا؟'' وہ سلام کرکے ان کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔

''طبیعت کا کیا پوچھتی ہو بیٹا، نامراد شوگر اور بلڈ پریشر کا رونا کیا روؤں۔ اب تو گلو کی حرکتیں شاید مجھے زیادہ عرصہ جینے نہیں دیں گی۔''

''ابا ایسے تو مت کہیں۔'' سارہ کو دکھ ہوا۔

''میں آج تمہاری پھپھو کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں شیدے نے مجھے روک لیا اور بتانے لگا کہ گلو اس سے بیس ہزار کی رقم جوئے میں ہار کر نہ جانے کہاں فرار ہو گیا ہے۔ دو دن سے تو وہ گھر بھی نہیں آیا...... اس کا فون بھی بند ہے...... شیدا مجھ سے پیسوں کا مطالبہ کر رہا تھا...... اب بتاؤ میں بدبخت کیا کروں؟ کہاں سے لاؤں اتنی بڑی رقم......؟ ایسی اولاد سے تو بے اولاد ہونا ہی بہتر ہے۔'' اب ان کی آنکھوں میں آنسو اور آواز میں تڑپ تھی۔

''اُف خدایا، اب اس کی کسر باقی تھی۔'' سارہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

''سارہ آ گئی تو......!'' سیما بیگم کچن سے نکل کر واش بیسن پہ ہاتھ دھونے لگیں۔

''جی اماں۔'' اس نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''چل جلدی سے کپڑے بدل لے...... میں نے آٹا گوندھ دیا ہے تو توے پر روٹیاں ڈال لے...... زویا بھی آنے والی ہو گی۔'' سیما بیگم دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی درخت کے نیچے بچھی چارپائی کی طرف بڑھیں۔

''جی اماں بنا دیتی ہوں مگر آپ نے گلو کے کرتوت سنے...... ابا کیا کہہ رہے ہیں؟''

''سن لیے ہیں اس خبیث کے کرتوت بھی...... اب تازی خبر بھی سن لو، تمہارا نکما بہنوئی خالد...... زارا کو چوتھے بچے کی ولادت کے لیے یہاں بھیج رہا ہے۔ میں بھلا کہاں سے اس کی تین بچیوں کا پیٹ پالوں گی...... اور پھر اس کے چوتھے بچے کی ولادت کے لیے کہاں سے اتنی رقم لاؤں؟ آج دودھ والے نے دودھ دینے سے انکار کر دیا تھا کہنے لگا کہ جب تک پچھلے مہینے کا بل ادا نہیں ہو جاتا تو وہ مزید دودھ نہیں دے گا۔'' سیما بیگم نان اسٹاپ تفصیل بتا رہی تھیں۔

''اور مالک مکان تو پہلے سے ہی ہم پہ تپا بیٹھا ہے دو چار دن کرایہ لیٹ ہو جائے تو کیسی کیسی باتیں سناتا ہے؟ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا...... یہ تمام مسائل کیسے حل ہوں گے؟'' شاکر حسین بھی از حد پریشان تھے۔

سارہ کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

''اُف خدایا...... ہم پہ تو جب بھی پریشانیاں آتی ہیں اکٹھے ہی آتی ہیں، میں نے تو خالد جیسا بے غیرت شخص اس دنیا میں نہیں دیکھا۔ انہیں ہمارے حالات کا اچھی طرح سے پتا ہے پھر بھی وہ زارا بجو کو ہماری طرف بھیج رہے ہیں؟ اماں

آپ نے زارا بجو سے خود بات کرنی تھی کہ وہ خالد کو سمجھائیں اور یہ کہ وہ یہاں نہ آئیں۔'' سارہ روہانسی ہوئی۔

'' وہ نکما کہاں اس کی بات سنتا ہے، اس نے تو زارا کو دھمکی دے رکھی ہے کہ اس بار اگر چوتھی بیٹی پیدا ہوئی تو وہ زارا کو طلاق دے، دے گا۔''

اماں کی اطلاع پہ سارہ کے ساتھ، ساتھ شاکر حسین کا بھی پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

'' کتنا جاہل شخص ہے، یہ زارا کے بس میں تھوڑی ہے..... نوازنے والی تو اللہ کی ذات ہے، وہ جسے چاہے بیٹیوں سے نوازے اور جسے چاہے بیٹے عطا کرے..... بلکہ بیٹیاں تو والدین کی زیادہ ہمدرد ہوتی ہیں۔''

'' بس ابا یہ باتیں وہ جاہل شخص کیسے سمجھ سکتا ہے۔'' سارہ کی ساکت نظر اپنے آسٹریلین طوطوں کے پنجرے پر جمی ہوئی تھی ...... اس کے لہجے میں افسردگی ہی افسردگی تھی۔

نہ جانے ان کے گھر کے حالات کب بدلنے تھے؟ بدلنے بھی تھے کہ نہیں..... فی الحال اسے اس اندھے کنویں سے نکلنے کا واحد راستہ صرف اسجد کی صورت میں ہی نظر آ رہا تھا جس سے شادی کر کے وہ ان پریشانیوں اور مصیبتوں سے چھٹکارا پا سکتی تھی۔

دکھ حد سے بڑھ جائیں تو انسان پتھر ہو جاتا ہے، احساسات ختم ہو جاتے ہیں..... انسان خود بخود خود غرضی پر اتر آتا ہے..... شاید سارہ بھی خود غرضی کے راستے پہ پاؤں دھرنے والی تھی۔

☆☆☆

زارون اپنے بیڈ روم میں تکیے کے سہارے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گود میں لیپ ٹاپ رکھے بڑے انہماک سے مصروف تھا۔ چین سے آج کل ایک ڈیلی گیشن آیا ہوا تھا۔ اگلی صبح زارون کی ان سے میٹنگ طے تھی اسی کی تیاری میں وہ بزی تھا جب دھاڑ سے دروازہ کھلا تھا اور عنایہ بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کے روم میں داخل ہوئی تھی..... وہ سیاہ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس، بالوں کی پونی بنائے بڑے غصے میں دکھائی دی..... یقیناً وہ جم سے آئی تھی اور چینج کیے بغیر ہی اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔

'' زہے نصیب! آج تو میرے روم کی قسمت جاگ اٹھی ہے۔'' زارون نے کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتے ہوئے عنایہ کو مسکرا کر دیکھا۔

'' بڑی مما بتا رہی ہیں کہ تم ایک مہینے کے لیے ملائشیا جا رہے ہو؟''

'' ہاں جا تو رہا ہوں۔'' زارون نے مسکراہٹ چھپائی۔

'' اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں؟'' عنایہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے غصے اور بے یقینی سے بولی۔

'' یار پلیز مجھ پہ اس انداز میں غصہ مت کیا کرو..... مجھے فیانسی کے بجائے اپنی بیوی لگنے لگتی ہو۔''

'' میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں زارون۔''

'' تو مذاق کر کون رہا ہے؟''

'' ویسے مجھے بہت افسوس ہوا ہے کہ تم نے پہلی بار مجھے کچھ بتائے بغیر پلان کیا ہے۔'' عنایہ افسوس اور غصے میں منہ پھلا کر صوفے پہ بیٹھ گئی۔

زارون نے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھا اور مسکراتا ہوا اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔

'' افسوس تمہیں میرے نہ بتانے پہ ہوا ہے یا میرے ایک مہینے کے لیے ملائشیا جانے پہ؟''

'' آف کورس دونوں پہ......''

'' کم آن یار، میں بزنس کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔ سیر و تفریح کے لیے تھوڑی جا رہا ہوں۔'' زارون نے اس کے

ہاتھ تھامنے چاہے..... عنایہ نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے۔
''تمہیں مجھ سے ذکر تو کرنا چاہیے تھا، مجھے بتانا چاہیے تھا۔'' وہ ہنوز خفا تھی۔
''دیکھو تمہارے ایگزامز ہو رہے تھے، تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ میں نہیں چاہتا تھا تمہارے ایگزامز پہ کسی بھی بات کا اثر پڑے۔'' زارون نے پیار سے اسے کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔
''میں تمہارے بغیر اتنے دن کیسے رہوں گی؟'' عنایہ نے دھیرے سے جیسے خود سے سوال کیا۔
''میری جان میں روز تمہیں ویڈیو کال کروں گا۔ فون پر ہر وقت ایک دوسرے سے رابطے میں رہیں گے۔'' زارون نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے وارفتگی سے اسے دیکھا۔
''تمہارے بغیر میرا یہ مہینہ بہت بورنگ اور بکواس گزرنے والا ہے..... آئی ڈونٹ نو اتنے سارے اداس دن کیسے گزریں گے۔'' عنایہ کی افسردگی کسی صورت کم نہیں ہو رہی تھی۔
''کم آن سویٹ ہارٹ! میں پہلی بار تھوڑی جا رہا ہوں..... پہلے بھی تو کئی بار بزنس کے سلسلے میں جاتا رہا ہوں، پتا نہیں کیوں اس بار تم کچھ زیادہ ایموشنل ہو رہی ہو؟'' زارون نے پیار سے اس کے ہاتھوں کو دبایا۔
''اس بار ایموشنل ہونا بنتا ہے میرا..... کیونکہ دو مہینے کے بعد ہماری شادی ہے ابھی اتنی ساری شاپنگ کرنی ہے ہمیں..... اور تم ہو کہ ایک مہینے کے لیے جا رہے ہو۔''
عنایہ کی سوئی ''ایک مہینے'' پر ہی اٹکی ہوئی تھی۔
''میں تمہیں بتاتا ہوں..... تم ایک مہینے میں صرف اور صرف اپنا خیال رکھنا..... ریگولر جم جانا، سیلون جانا..... اور شادی کے لیے کچھ نئے آئیڈیاز سوچنا..... میں وہاں سے تمہارے لیے بہت سی شاپنگ کروں گا اور اس طرح ایک مہینہ گزر جائے گا۔'' زارون نے مسکراتے ہوئے اسے بچوں کے انداز میں بہلایا۔
''زارون میں خود کو جتنا مرضی مصروف کر لوں جب تم میرے پاس نہیں ہوتے تو میرا دل کسی کام میں بھی نہیں لگتا ہے۔'' عنایہ روٹھے انداز میں اس کی شرٹ کے کھلے بٹن بند کرتے ہوئے بولی۔
''اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟'' زارون نے وارفتگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
''ہاں..... جیسے تمہیں تو پتا ہی نہیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں؟'' عنایہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔
''جانتا ہوں مگر تمہارے منہ سے سننا اچھا لگتا ہے مجھے۔'' زارون نے اس کے گرد بازو کا حصار بناتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا۔
''ریئلی زارون آئی لو یو سو مچ..... تم میری زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد ہو جسے میں اس دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں۔'' عنایہ نے صدقِ دل سے اعتراف کیا جسے سن کر زارون چوہدری کا دل اندر تک سرشار ہو گیا تھا۔

☆☆☆

مناب کو اقصم کے اپارٹمنٹ میں آئے دو روز گزر چکے تھے۔
''چھوٹو اب تم بالکل ٹھیک ہو..... میں نے گرین چکن بنا کر فریج میں رکھ دیا ہے تم کھا لینا..... آئی تھنک مجھے اب واپس چلنا چاہیے۔'' مناب اپنی چیزیں بیگ میں رکھتے ہوئے بولی۔
اقصم جو صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا..... چونک کر مناب کو دیکھنے لگا۔
''آپ کو اتنی جلدی کیا ہے؟ شام تو ویسے بھی ہو چکی ہے، آپ رات یہیں رک جائیں، آپ کو آکسفورڈ اسٹریٹ دکھاتا ہوں..... کل صبح میں خود آپ کو لندن چھوڑ آؤں گا۔''

مناب، اقصم کی بات پہ کچھ سوچتی ہوئی صوفے پہ بیٹھ گئی۔

''کلاس تو میری دن میں ہی ہوتی ہے..... اور شام کو میں چار گھنٹے ایک اسٹور میں جاب کرتی ہوں..... فاریہ نے کیتھی (اسٹور کی مالک) کو میرے یہاں آنے کا بتا تو دیا ہوگا مگر..... مجھے کیتھی کو بتائے بغیر ایک اور چھٹی نہیں کرنی چاہیے۔''

''آپ کو جاب کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ خواہ مخواہ آپ نے جاب والی مصیبت گلے ڈال رکھی ہے۔'' اقصم برہم ہوا۔

''بھیا بھی یہی کہتے ہیں..... مگر چھوٹو شام کو میں بالکل فری ہوتی تھی، فاریہ کے جانے کے بعد اکیلی فلیٹ میں بور ہوتی تھی..... پھر چار گھنٹے کی جاب میری بوریت اور فلیٹ کا کرایہ نکالنے کے لیے کافی سود مند ثابت ہوئی۔''

''چلیں ایک دن کی چھٹی سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا..... صبح میں خود آپ کو چھوڑ آؤں گا۔''

''اوکے، میں فاریہ کو بتا دیتی ہوں کہ میں صبح آؤں گی۔'' مناب نے فاریہ کو موبائل پر میسج لکھ کر سینڈ کیا۔

''آپ تیار ہو جائیں پھر باہر چلتے ہیں۔''

''اوکے۔'' مناب اپنا ہینڈ کیری اقصم کے روم میں لے گئی اور پھر ٹھیک دس منٹ کے بعد وہ اسی جینز پر لانگ کورٹ پہنے اور لانگ شوز کے ساتھ اقصم کے سامنے کھڑی تھی۔ بلیک لانگ کوٹ پہ گلے میں burberry کا مفلر ڈالے..... کھلے بالوں پہ مفلر کی جیسے ہی بربری کی گرم ٹوپی پہنے وہ کسی انگلش مووی کی ہیروئن لگ رہی تھی۔

اقصم نے اس سے بہ مشکل نظریں ہٹائیں۔

''ویسے آپ اس دنیا کی پہلی لڑکی ہوں گی جو تیار ہونے میں صرف دس منٹ لگاتی ہے۔'' اقصم کی بات پہ مناب مسکرائی۔

''لڑکیاں زیادہ تر میک اپ میں بہت ٹائم ویسٹ کرتی ہیں لیکن مجھے میک اپ کا شوق نہیں ہے شاید اسی لیے جلدی تیار ہو جاتی ہوں۔''

''نو ڈاؤٹ، آپ عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہیں۔''

''ولی بھی یہی کہتا ہے مجھ سے۔'' ولی کا ذکر کرتے ہوئے مناب کے چہرے پہ ایک خوب صورت سی مسکراہٹ کھل اٹھتی تھی جسے دیکھ کر اقصم کا اس کے لیے دھڑکتا ہوا دل بجھنے لگتا تھا۔

''چلیں؟'' اقصم نے گاڑی کی چابی اور چھتری اٹھائی۔ شاید وہ مناب کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار کر اس وقت کو اپنی یادوں میں محفوظ کرنا چاہتا تھا۔

مناب اس کے پیچھے چلتی ہوئی پارکنگ میں پہنچی تو اقصم کی ریڈ کلر کی اسپورٹس کار وہاں موجود تھی..... مناب یہ تو جانتی تھی کہ اقصم کو اسپورٹس کارز بہت پسند تھیں مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کچھ سالوں سے ہمیشہ ریڈ کلر میں ہی گاڑی کیوں خریدتا تھا؟ یہ صرف اقصم جانتا تھا کہ مناب کا فیورٹ کلر ریڈ تھا۔

''چھوٹو تمہارے شوق شروع سے ہی خاصے ایکسپینسو رہے ہیں۔'' مناب نے اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے اظہار کیا۔

''ہوں، مجھے different, special and expensive چیزیں رکھنے کا کریز ہے۔''

اقصم گاڑی پارکنگ سے نکال کر روڈ پہ لے آیا تھا۔ موسم بہت سرد ہو رہا تھا آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ فضا میں بھی خاصی خنکی تھی۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے؟''

''آف کورس چھوٹو......''
''آپ کو ولی بھائی میں سب سے خاص بات کیا لگتی ہے؟'' پتا نہیں جو شخص اسے پسند نہیں تھا وہ اپنی پسندیدہ ترین ہستی سے اسی شخص کے بارے میں یہ سوال کیوں کر بیٹھا تھا؟
''ولی ایک بہت اچھا انسان ہے، بہت براڈ مائنڈڈ...... بہت لونگ اینڈ کیئرنگ شخص ہے، مجھے دل و جان سے چاہتا ہے اور مجھ سے وابستہ ہر رشتے کا بہت احترام کرتا ہے۔ وہ ایک کمپلیٹ پیکج ہے۔''
مناب کے منہ سے فر فر ولی کی تعریفیں سن کر اقصم کا دل بہت برا ہوا تھا مگر اس نے اپنے موڈ کو برا نہیں ہونے دیا...... اقصم نے ایک لمحے کے لیے گردن موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھی اس خاص لڑکی کو دیکھا جسے اس نے دل کی گہرائیوں سے دل ہی دل میں چاہا تھا مگر وہ اس کی نہیں تھی اور شاید وہ اس کے لیے بنائی ہی نہیں گئی تھی۔

وہ حرفِ دعا کہاں سے لاؤں
جو تجھے میرا صرف میرا کر دے

اقصم کے دل سے اِک ہوک سی اٹھی تھی...... مگر ہمیشہ کی طرح اس نے اپنے سلگتے دل میں اٹھنے والی ٹیسوں کو بڑی خوب صورتی سے اپنے دل میں ہی چھپالیا تھا۔ اس شام اقصم نے اسے گویا آکسفورڈ اسٹریٹ کی تمام مارکیٹیں دکھانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔
virgin megastore سے لے کر primark next urban outfitters اور 21 forever تک اقصم، مناب کو تمام میگا اسٹورز میں لے کر گیا تھا جہاں ان دونوں نے کہیں ونڈو شاپنگ کی تھی اور کہیں دونوں نے مل کر پاکستان میں موجود فیملی ممبران کے لیے بہت ساری شاپنگ بھی کی تھی۔
''لائیں یہ بیگز مجھے دے دیں۔ آپ تھک جائیں گی۔'' اقصم نے مناب کے ہاتھوں سے شاپنگ بیگز لینے چاہے۔
''رہنے دو چھوٹو، تمہارے ہاتھوں میں بھی تو بیگز ہیں اتنے سارے کیسے اٹھاؤ گے؟''
''میں تو اٹھا ہی لوں گا مگر آپ انہیں پکڑ کر زیادہ دیر نہیں چل سکیں گی۔''
''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔''
''ایسی ہی بات ہے کیونکہ جتنا آپ کا وزن ہے اس حساب سے آپ کو صرف دو بیگز ہی پکڑنے چاہئیں۔'' اقصم نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے شاپرز لے لیے۔ وہ بہت دبلی پتلی سی تھی اور اقصم اسے واچ کر چکا تھا...... اس سے اتنے ڈھیر سارے بیگز پکڑ کر چلنا دشوار ہو رہا تھا۔
''تھینکس......''
''اٹس او کے......'' اقصم نے سارے بیگز خود پکڑ لیے تھے۔
ان دونوں کو دیکھ کر قریب سے گزرتی ایک انگریز لڑکی نے اپنے بوائے فرینڈ سے مخاطب ہو کر ان کی طرف اشارہ کیا۔
"thats very beautiful couple ,her husbend looks an ideal husband."
اقصم اس انگریز لڑکی کی رائے پر خاصا محظوظ ہوا تھا...... جبکہ مناب بری طرح سے گڑبڑائی تھی۔
دونوں چند لمحے خاموشی سے چلتے رہے پھر تھوڑی دیر کے بعد مناب نے ہی خاموشی کو توڑتے ہوئے اقصم کو مخاطب کیا۔
''چھوٹو مجھے تو سخت بھوک لگ رہی ہے۔''

''چلیں یہاں قریب ہی eat plaza ہے وہاں چلتے ہیں۔''
''ہوں ٹھیک ہے مگر میرے خیال میں پہلے یہ بیگز گاڑی میں رکھ دیے جائیں۔'' مناب نے اقصم کو مشورہ دیا۔
''او کے ناٹ بیڈ.....'' گاڑی میں بیگز رکھنے کے بعد وہ eat plaza میں موجود تھے۔
''کیا کھائیں گی آپ؟''
''چلو دیکھتے ہیں یہاں سے ہم کیا کھا سکتے ہیں؟''
''ویسے آپ کا فیورٹ chicken alaking cheeze piza تو یہاں ہوگا مگر ہم کہاں کھا سکتے ہیں' یہ مزے تو اپنے پاکستان میں ہی ہیں یا کسی اور مسلم ملک میں۔''
''ارے واؤ چھوٹو...... میں تو سمجھی تھی یہاں گوریوں کے دیس میں آ کر تم ہم سب کو بھول جاؤ گے مگر تمہیں تو سب کچھ یاد ہے میرا فیورٹ پزا بھی......''
''آپ بچپن سے میری بیسٹ فرینڈ رہی ہیں اور دوستوں کی پسند مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے۔''
''ہاں، میں بچپن میں تمہاری بیسٹ فرینڈ ہوا کرتی تھی مگر اب نہیں ہوں۔'' مناب نے کہنی ٹیبل پر ٹکا کر چہرے کے نیچے ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے کہا۔
''نہیں ایسا نہیں ہے...... آپ آج بھی اسی طرح میری بیسٹ فرینڈ ہیں۔'' اقصم نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے اس کی بات کی نفی کی۔
''میں اگر تمہاری بیسٹ فرینڈ ہوتی تو تم مجھ سے اتنی بڑی بات ہرگز نہیں چھپاتے۔''
''کون سی بات......؟'' وہ حیران ہوا۔
''تم کسی سے محبت کرتے ہو؟ کسی کے عشق میں مبتلا ہو اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں...... مجھ سے شیئر تک نہیں کیا؟''
اقصم کی سانس رک گئی...... چند لمحے وہ حیرت سے اپنے سامنے بیٹھی اس لڑکی کو دیکھتا رہا...... جسے اس نے چاہا تھا اور بے پناہ چاہا تھا۔
''آ...... پ...... آپ کو کیسے پتا چلا......؟'' اس کی زبان لڑکھڑائی۔
''جنید نے بتایا کہ تم کسی سے عشق کرتے ہو...... اور وہ بھی ون سائڈڈ......؟''
''الو کا...... یہ جنید...... پورے کا پورا خبیث...... اسٹوپڈ...... اس کی تو ایسی کی تیسی......'' اقصم اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا...... اس نے دل ہی دل میں جنید کو ڈھیروں گالیوں سے نوازا۔ وہ چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکا تھا...... مگر اب انکار کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں بنتا تھا۔
''جی...... سچ ہے یہ......'' وہ تلخی سے مسکرایا۔
''عشق کیا اور وہ بھی ون سائڈڈ؟ کیوں چھوٹو......؟ کیا کمی ہے تم میں...... ایک اسٹرانگ اور ویل فیملی بیک گراؤنڈ ہے تمہارا...... ایکسٹرا آرڈنری...... کوالٹیز ہیں تم میں...... ایچی سن جیسے مہنگے اور بہترین کالج سے اسکالر شپ لے کر آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہے ہو تم...... ان سب چیزوں کے ساتھ تم ایک بھرپور پرسنالٹی کے حامل ہو۔ ہینڈسم ہو...... اور کسی بھی لڑکی کے لیے ان سب چیزوں سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟''
اتنے میں ویٹر ان کا آرڈر کیا ہوا جوس اور فش برگر لے آیا تھا۔ اقصم خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔
''میں ان تمام کوالٹیز کے باوجود اس کی محبت نہیں پا سکتا۔'' اقصم نے بے دلی سے کانٹے اور چھری کی مدد سے برگر کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں......؟'' مناب نے اس کی طرف دیکھا۔
''شاید کچھ چیزیں ہمارے لیے نہیں ہوتیں......'' اقصم نے جوس کا گھونٹ بھرا۔
''کیا مطلب......میں کچھ سمجھی نہیں؟''
''مطلب یہ کہ جس طرح میں اس کو دل و جان سے چاہتا ہوں اسی طرح وہ بھی کسی سے محبت کرتی ہے......اسے ٹوٹ کر چاہتی ہے۔''
اقصم کے انکشاف پر مناب کو بہت دکھ ہوا۔
''معلوم نہیں چھوٹو......کبھی، کبھی زندگی ہم کو سیدھے سادے راستے سے کسی ایسے سفر پر کیوں گامزن کر دیتی ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔''
اقصم نے نیپکن سے منہ صاف کیا۔
''کچھ چیزیں انسان دولت کے ڈھیر لگا کر بھی نہیں خرید سکتا......محبت بھی انہی میں سے ایک ہے......یہ نصیب والوں کو ملتی ہے......یہ مفت میں عطا کی جاتی ہے مگر انمول ہوتی ہے......ہر کسی کے مقدر میں نہیں لکھی جاتی۔'' اقصم کے لہجے میں بے پناہ کرب تھا۔
مناب ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔
''میں بھیا کو دیکھ کر ہمیشہ پریشان ہوا کرتی تھی......محبت نے ان کے ساتھ بھی بڑا ظلم کیا......اور اب تمہیں دیکھ کر میرا دل اور بھی پریشان ہو گیا ہے۔'' مناب کے انداز میں افسردگی تھی۔
اقصم نے ویٹر کو بل ادا کیا اور وہ دونوں باہر نکل آئے۔
''آپ میرے لیے پریشان مت ہوں......یہ سب قسمت کے کھیل ہیں کچھ لوگوں کو بن مانگے ہی سب کچھ مل جاتا ہے......اور کچھ لوگ سب کچھ لٹا کر بھی خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔''
اب وہ دونوں باہر نکل کر پیدل چلتے ہوئے پارکنگ کی طرف جا رہے تھے......سردی بہت بڑھ گئی تھی۔
''محبت نے تمہیں فلاسفر بنا دیا ہے......'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مناب نے اظہار کیا۔ گاڑی کو پارکنگ سے نکالتے ہوئے اقصم مسکرایا۔
''محبت اچھے خاصے بندے کی مت مار کے رکھ دیتی ہے۔ پاگل، شاعر، مجنوں، دیوانہ......''
مناب مسکرائی۔

''ہاں یہ بھی سچ ہے۔''
''کہیں اور جائیں گی آپ......؟'' اقصم نے گردن موڑ کر مناب سے پوچھا۔
''نہیں، موسم کے تیور ٹھیک نہیں......ہمیں گھر چلنا چاہیے۔''
''اوکے پھر ایسا کرتے ہیں......کافی ہاؤس چلتے ہیں۔ یہ آکسفورڈ اسٹریٹ کا سب سے پرانا اور فیمس کافی ہاؤس ہے۔ میں اکثر شام کو میوزک کلاس لے کر واپسی پہ یہاں کافی پینے آتا ہوں۔'' اقصم گاڑی مین روڈ پر لے آیا تھا۔
مناب نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا......وہ دل ہی دل میں اقصم کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔
پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ دونوں کافی ہاؤس میں موجود تھے۔ اقصم نے کاؤنٹر پر اپنی اور مناب کی فیورٹ cappacino کافی آرڈر کی......اب وہ گلاس وال کے پاس رکھے ٹیبل پر موجود تھے۔ گلاس وال سے باہر سڑک پر لوگوں کا رش صاف نظر آرہا تھا۔
اقصم گلاس وال سے لوگوں کے ہجوم کو دیکھنے لگا۔ اور مناب کہنی ٹیبل پر ٹکائے اپنی ٹھوڑی کے نیچے ہتھیلی رکھے اقصم

کو دیکھنے لگی۔

''چھوٹو یہاں زندگی کتنی فاسٹ ہے، کتنی ہنگامہ خیز ہے، بھاگتی دوڑتی ہوئی زندگی...... نہ سمجھ میں آنے والی زندگی...... چند لمحے بھی ایک دوسرے کے لیے نکالنا کتنا مشکل ہے یہاں......''

''ہاں یہ تو ہے......'' اقصم نے تائید کی۔ ''ہمارے ملک میں بے شمار مسائل سہی مگر زندگی گزارنے کا مزہ تو اپنوں کے ساتھ اپنے ملک میں ہی ہے...... مجھے دو سال ہوگئے ہیں یہاں...... وقت ایسے تیزی سے گزرا کہ نہ دن کا پتا چلا نہ رات کا......''

''اتنی ہنگامہ خیز زندگی میں محبت کیسے کرلی تم نے؟'' اس کے مسکراتے چہرے نے اقصم سے سوال کیا تو وہ بھی مسکرادیا۔

ویٹر کافی لے کر آگیا تھا۔

''آپ نے تو لٹریچر پڑھا ہے آپ تو اسکرپٹ لکھتی ہیں...... اچھی طرح سے جانتی ہوں گی کہ محبت اور موت دونوں ہی بن بلائے مہمان کی طرح ہوتی ہیں کب، کہاں اور کیسے ان سے ٹاکرا ہوجائے کوئی نہیں جانتا......''

''ہاں یہ تو ہے......'' مناب نے اس کا فلسفہ سنتے ہوئے کافی کا سپ لیا۔

''اینی ویز...... آج سارے سوال آپ مجھ سے ہی کریں گی یا اپنے بارے میں بھی کچھ بتائیں گی؟'' اقصم نے کافی پیتے ہوئے اپنے مقابل بیٹھی مناب سے پوچھا۔

''مثلاً کیا بتاؤں تمہیں؟'' مناب مسکرائی۔

''مثلاً یہ کہ آج کل کیا کررہی ہیں، کسی نئے اسکرپٹ پر کام کررہی ہیں؟ یا صرف ولی بھائی سے چیٹنگ...... میں ٹائم گزر رہا ہے؟'' اس کے سوال پہ مناب ہنسی۔

''نہیں ایسا نہیں کہ میں اور ولی ہر وقت ہی فارغ ہوں...... اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا...... ہاں لکھ ضرور رہی ہوں مگر زیادہ نہیں...... یہاں کی ہنگامہ خیز لائف میں کچھ تخلیق ہو بھی نہیں سکتا۔'' مناب نے وضاحت کی...... اس کے بعد دونوں اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی گپ شپ کرنے لگے۔ اب بارش شروع ہوگئی تھی...... بہت سے لوگوں نے چھتریاں نکال لی تھیں اور کچھ لوگ بھاگتے ہوئے پارکنگ کی طرف جارہے تھے...... مناب اور اقصم بھی کافی ختم کرچکے تھے۔

اقصم نے بل ادا کیا...... اور وہ دونوں باہر نکل آئے...... اقصم نے چھتری کھول لی تھی۔ مناب دھیرے سے اسے بتانے لگی۔

''بہت ساری چیزوں میں ولی کے ساتھ میری کیمسٹری میچ نہیں ہوتی...... مجھے بارش بہت پسند ہے مگر ولی کو یہ رحمت ہمیشہ زحمت لگتی ہے۔ مجھے پزا پسند ہے جبکہ اسے پزا بالکل بھی پسند نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اس میں بہت کیلوریز ہوتی ہیں...... مجھے کافی میں cappacino فلیور پسند ہے جبکہ اسے بلیک کافی پسند ہے۔ شادی کے بعد میں پاکستان میں ہی رہنا چاہتی ہوں جبکہ ولی کہتا ہے شادی کے چند مہینوں کے بعد امریکا موو کرجائیں گے۔ میں چاہتی ہوں وہ اسپیشلائزیشن کے بعد اپنے ملک میں رہتے ہوئے وہاں کام کرے...... جبکہ ولی یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں کسی بھی ہائی کوالیفائڈ شخص کے لیے کوئی اسکوپ نہیں ہے۔ کوئی فیوچر نہیں ہے۔'' مناب اپنی ہی دُھن میں اقصم کو ولی کی باتیں بتاتی ہوئی ہنسنے لگی تھی اچانک مناب کی نظر اپنے ساتھ، ساتھ چلتے اقصم پر پڑی...... اور وہ چلا پڑی۔

''are you mad?'' اقصم نے چھتری مناب کے اوپر تان رکھی تھی اور خود وہ بارش میں بھیگ رہا تھا۔

''چھوٹو پاگل ہو تم؟'' مناب نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا...... اور اسے چھتری کے نیچے آنے کو کہا۔

''ایک پاگل لڑکی کی پاگل محبت نے تمہیں پاگل بنادیا ہے۔ ابھی دو دن پہلے تمہیں شدید ٹمپریچر تھا...... اور تم مجھے

کو دیکھنے لگی۔
''چھوٹو یہاں زندگی کتنی فاسٹ ہے، کتنی ہنگامہ خیز ہے، بھاگتی دوڑتی ہوئی زندگی...... نہ سمجھ میں آنے والی زندگی..... چند لمحے بھی ایک دوسرے کے لیے نکالنا کتنا مشکل ہے یہاں......''
''ہاں یہ تو ہے......'' اقصم نے تائید کی۔ ''ہمارے ملک میں بے شمار مسائل سہی مگر زندگی گزارنے کا مزہ تو اپنوں کے ساتھ اپنے ملک میں ہی ہے..... مجھے دو سال ہو گئے ہیں یہاں..... وقت ایسے تیزی سے گزرا کہ نہ دن کا پتا چلا نہ رات کا......''
''اتنی ہنگامہ خیز زندگی میں محبت کیسے کرلی تم نے؟'' اس کے مسکراتے چہرے نے اقصم سے سوال کیا تو وہ بھی مسکرا دیا۔
ویٹر کافی لے کر آ گیا تھا۔
''آپ نے تو لٹریچر پڑھا ہے آپ تو اسکرپٹ لکھتی ہیں..... اچھی طرح سے جانتی ہوں گی کہ محبت اور موت دونوں ہی بن بلائے مہمان کی طرح ہوتی ہیں کب کہاں اور کیسے ان سے ٹاکرا ہو جائے کوئی نہیں جانتا......''
''ہاں یہ تو ہے......'' مناب نے اس کا فلسفہ سنتے ہوئے کافی کا سپ لیا۔
''اینی ویز..... آج سارے سوال آپ مجھ سے ہی کریں گی یا اپنے بارے میں بھی کچھ بتائیں گی؟'' اقصم نے کافی پیتے ہوئے اپنے مقابل بیٹھی مناب سے پوچھا۔
''مثلاً کیا بتاؤں تمہیں؟'' مناب مسکرائی۔
''مثلاً یہ کہ آج کل کیا کر رہی ہیں، کسی نئے اسکرپٹ پر کام کر رہی ہیں؟ یا صرف ولی بھائی سے چیٹنگ..... میں ٹائم گزر رہا ہے؟'' اس کے سوال پہ مناب ہنسی۔
''نہیں ایسا نہیں کہ میں اور ولی ہر وقت ہی فارغ ہوں..... اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا..... ہاں لکھ ضرور رہی ہوں مگر زیادہ نہیں..... یہاں کی ہنگامہ خیز لائف میں کچھ تخلیق ہو بھی نہیں سکتا۔'' مناب نے وضاحت کی..... اس کے بعد دونوں اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی گپ شپ کرنے لگے۔ اب بارش شروع ہو گئی تھی..... بہت سے لوگوں نے چھتریاں نکال لی تھیں اور کچھ لوگ بھاگتے ہوئے پارکنگ کی طرف جا رہے تھے..... مناب اور اقصم بھی کافی ختم کر چکے تھے۔
اقصم نے بل ادا کیا..... اور وہ دونوں باہر نکل آئے..... اقصم نے چھتری کھول لی تھی۔ مناب دھیرے سے اسے بتانے لگی۔
''بہت ساری چیزوں میں ولی کے ساتھ میری کیمسٹری میچ نہیں ہوتی..... مجھے بارش بہت پسند ہے مگر ولی کو یہ رحمت ہمیشہ زحمت لگتی ہے۔ مجھے پزا پسند ہے جبکہ اسے پزا بالکل بھی پسند نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اس میں بہت کیلوریز ہوتی ہیں..... مجھے کافی میں cappacino فلیور پسند ہے جبکہ اسے بلیک کافی پسند ہے۔ شادی کے بعد میں پاکستان میں ہی رہنا چاہتی ہوں جبکہ ولی کہتا ہے شادی کے چند مہینوں کے بعد امریکا موو کر جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں وہ اسپیشلائزیشن کے بعد اپنے ملک میں رہتے ہوئے وہاں کام کرے..... جبکہ ولی یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں کسی بھی ہائی کوالیفائڈ شخص کے لیے کوئی اسکوپ نہیں ہے۔ کوئی فیوچر نہیں ہے۔'' مناب اپنی ہی دُھن میں اقصم کو ولی کی باتیں بتاتی ہوئی ہنسنے لگی تھی اچانک مناب کی نظر اپنے ساتھ، ساتھ چلتے اقصم پر پڑی..... اور وہ چلّا پڑی۔
''are you mad?'' اقصم نے چھتری مناب کے اوپر تان رکھی تھی اور خود وہ بارش میں بھیگ رہا تھا۔
''چھوٹو پاگل ہو تم؟'' مناب نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا..... اور اسے چھتری کے نیچے آنے کو کہا۔
''ایک پاگل لڑکی کی پاگل محبت نے تمہیں پاگل بنا دیا ہے۔ ابھی دو دن پہلے تمہیں شدید ٹمپریچر تھا..... اور تم مجھے

بارش سے بچاتے، بچاتے خود بھیگ رہے ہو؟'' مناب اسے بری طرح ڈانٹ رہی تھی اور وہ خاموشی سے اس کی ڈانٹ سن رہا تھا۔ اب وہ دونوں ایک چھتری کے نیچے ایک ساتھ ایک دوسرے کے بالکل ساتھ، ساتھ چل رہے تھے۔
اقصم کا جی چاہا کہ کاش وہ کسی ڈرامارائٹر کی طرح اس حسین منظر کو ہمیشہ کے لیے فریز کر کے یہیں اس کہانی کو دی اینڈ قرار دے کر ختم کر سکتا...... مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا...... اوپر بیٹھے پروردگار نے اس کہانی کو اور آگے بڑھانا تھا...... کئی موڑ کئی کلائمکس ان کے منتظر تھے۔

☆☆☆

ڈاکٹر عمر جیسے بورنگ شخص کے ساتھ صبح گیارہ بجے سے لے کر دن تین بجے تک ڈیوٹی دیتے ہوئے ایشال کے چودہ طبق روشن ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر عمر قائداعظم کے قول کے مطابق کام، کام اور صرف کام پہ صحیح معنوں میں عمل پیرا تھے...... اپنے پیشے سے عبادت کی حد تک مخلص...... پانچ گھنٹے میں انہوں نے نہ جانے کتنے ہی مریض بچوں کو چیک کیا تھا...... ایشال ان کے ساتھ بیٹھی تھی، ہر بچے کا وہ بڑے پیار سے چیک اپ کرتے اور دورانِ چیک اپ وہ ایشال کو ہدایات بھی دیتے جاتے...... اور وہ لیس سر کی گردان کرتے اثبات میں سر ہلاتی جاتی۔
ابھی ڈاکٹر عمر نے ٹی بریک لی تھی...... اور اپنے روم سے ملحق چھوٹے سے روم میں چلے گئے تھے۔ یہ ایک ویل سیٹ روم تھا۔ جس کے ساتھ اٹیچڈ باتھ تھا۔ کمرے کے اندر ایک سائڈ پر کیبنٹ اور شیلف لگی ہوئی تھی جس پر الیکٹرک کیٹل رکھی تھی جبکہ کیبنٹ کے اندر مگ، گلاس، خشک دودھ کے ڈبے...... ٹی بیگز...... شوگر...... کافی کے ٹن...... بسکٹ کے پیک اور شیلف پر مائیکروادون بھی رکھا تھا...... اسی روم میں ایک طرف روم ریفریجریٹر بھی رکھا تھا۔ جس میں منرل واٹر انرجی ڈرنکس...... اور جوسز وغیرہ رکھے تھے...... دوسری سائڈ پر ایک صوفہ...... ٹیبل اور ایزی چیئر رکھی تھی...... اس روم میں ڈاکٹر عمر کی ضرورت کی تقریباً ہر چیز موجود تھی...... اس کمرے کا مکمل جائزہ ایشال نے صبح آتے ہی لے لیا تھا۔
فی الحال وہ ڈاکٹر عمر کے آفس میں بیٹھی تھی جہاں وہ مریضوں کو چیک کیا کرتے تھے...... وہ ڈاکٹر کی چیئر پر بیٹھی عنایہ سے میسج کے ذریعے بات کر رہی تھی۔ صبح سے دوبار نور بیگم نے فون کر کے اس کا حال پوچھا تھا۔
داؤد چوہدری کی تھوڑی دیر پہلے ہی کال بند ہوئی تھی...... اور اب اس کے موبائل پہ علینہ کی کال آرہی تھی...... سبھی کو ایشال کی فکر تھی کہ کہیں وہ ڈاکٹر عمر کی موجودگی میں کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر بیٹھے۔
''ہیلو ایشو کیسی ہو یار؟'' ایشال کے کال پک کرتے ہی علینہ نے عجلت میں اس کی خیریت دریافت کی۔
''صبح سے سب فون کر کے یہی پوچھ رہے ہیں...... کم از کم تمہیں تو مجھ سے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا...... کیسی ہو سکتی ہوں یار...... ڈاکٹر عمر جیسے ہٹلر نما ڈاکٹر کے ساتھ ڈیوٹی کرتے ہوئے قسم سے اتنے بور انسان ہیں کہ کیا بتاؤں...... مجال ہے جو پانچ گھنٹے میں ایک بار بھی موصوف مسکرائے ہوں...... ان کے ساتھ خواہ مخواہ مجھے بھی چہرے پہ سنجیدگی طاری کرنی پڑی۔ نہ جانے بڑے پاپا نے مجھے یہاں بھیج کر کس چیز کا بدلہ لیا ہے مجھ سے۔'' ایشال کا موڈ ہنوز خراب تھا۔
''بائی دا وے تمہارے یہ عمر بھائی اتنے کھڑوس، اتنے سڑو، اتنے بورنگ کیوں ہیں؟ تمہاری فیملی تو بہت خوش مزاج سی ہے...... یہ موصوف کس پر چلے گئے ہیں؟'' علینہ نے دریافت کیا۔
''سنا ہے انہیں اسٹوڈنٹ لائف میں کسی لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ اس لڑکی نے انہیں چیٹ کیا اور کہیں اور شادی کر لی...... تب سے یہ ہلاکو خان ٹائپ ہو گئے ہیں'' ایشال نے اکتائے انداز میں علینہ کو بتایا۔
''چچ، چچ، چچ ویری سیڈ۔'' علینہ نے افسوس کا اظہار کیا۔
''تمہیں ان پر افسوس کرنے کے بجائے مجھ پر افسوس کرنا چاہیے۔ صبح سے ایک بار بھی عمر بھائی نے مجھ سے کھانے کا نہیں پوچھا۔ بھوک سے میرے سر میں درد اور پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ مجھے اپنے آفس میں بیٹھا کر خود

دماغ کی غذا..... مچھلی اور اناج

ریسرچ سے ثابت ہوا ہے کہ سخت دماغی کام کے دوران میٹھی اور مرغن غذا کی طلب بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ دماغ کو فوری توانائی درکار ہوتی ہے جو ہلکی مٹھاس، والے سیب یا ایک ٹکڑا چاکلیٹ سے میسر نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے زیادہ میٹھی اشیا کھائی جاتی ہیں۔ دراصل شکر تھکن پیدا کرنے والے ہارمونز کے اثر کا توڑ ہوتی ہے اسی لیے بہت میٹھی اشیا کھانے کو دل چاہتا ہے لیکن آخر کار یہ اشیاء صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔

اس سلسلے میں دیانا (آسٹریا) کی ماہر غذائیت انگرڈ کیفر بتاتی ہیں کہ توانائی کے لیے ہمیشہ مرکب نشاستے دار اشیاء استعمال کرنی چاہئیں۔ کیونکہ یہ نظام ہضم میں پہنچ کر بتدریج جسم کو توانائی فراہم کرتی ہیں۔ اس طرح خون میں شکر کی سطح زیادہ مستحکم اور برقرار رہتی ہے۔ اس کے نتیجے میں دماغ تھکن سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی توجہ مرتکز کرنے کی صلاحیت کم زور نہیں ہوتی اور اس طرح جسم بھی آسودہ رہتا ہے۔ مرکب نشاستے بنیادی طور پر ثابت اناج، جئی (اوٹس) آلو، دالوں، پھلیوں پھلوں اور سبزیوں میں موجود ہوتے ہیں۔ ہمیں مغزیات، پستہ، بادام، اخروٹ، تل اور السی وغیرہ کے علاوہ مونگ پھلی سے بھی مل سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ مچھلیاں بھی ان کا اہم ذریعہ ہوتی ہیں۔ خاص طور پر زیادہ چکنائی والی مچھلیاں تحمیضی تیزابات سے بھری ہوتی ہیں۔ سرد پانی کی مچھلیاں مثلاً ہیرنگ، میکرل، ٹیونا، مہاشیر اور سامن خاص طور پر ان کا اہم ذریعہ ہیں۔ ان کی وجہ سے دماغ آکسیجن کے مضر اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ اس طرح اعصاب اور خون کی رگیں نقصان سے بچی رہتی ہیں۔ ان کی قلت یا کمی کی صورت میں اعصابیت یعنی عصبی توانائی کی کمی سے چڑچڑا پن، تھکن اور ہمت کی کمی طاری رہتی ہے۔ اسٹرابیریز، سنتروں، کینو اور مالٹوں کے مقابلے میں زیادہ حیاتین ج فراہم کرتی ہیں۔ مضبوط اعصاب اور دماغ کی تقویت کے لیے (vitamin B complex) سے تعلق رکھنے والی حیاتین بھی بہت مفید اور موثر ثابت ہوتی ہیں۔

از: ممتاز خانم، کراچی

دوسرے روم میں آرام فرما رہے ہیں..... ان سے اتنا نہیں ہوا کہ مجھے ایک انرجی ڈرنک ہی پلا دیں۔'' وہ فون پر علینہ سے دل کھول کر اپنی بھڑاس نکال رہی تھی معاً دروازے پہ ہونے والی ہلکی سی دستک نے اسے چونکا دیا تھا۔

''یس..... کم ان۔'' ایشال موبائل کان سے ہٹا کر بولی تو دیکھا ڈاکٹر عمر کا ڈرائیور ہاتھ میں ایک فوڈ چین کے بیگز پکڑے اندر داخل ہوا۔

''میڈم یہ سر نے آپ کے لیے منگوائے تھے۔''

ایشال نے حیرت سے وہ بیگز اس کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھ دیے۔

''عمر بھائی نے میرے لیے لنچ منگوایا ہے.....'' اس نے مری ہوئی شرمندہ سی آواز میں علینہ کو بتایا۔

''شرم کرو..... ابھی تھوڑی دیر پہلے تم کیسے ان کی برائیاں کر رہی تھیں۔ کیسے انہیں ڈاکٹر عمر کہہ رہی تھیں اور اب سپر ڈیل..... پکڑتے ہی وہ عمر بھائی ہو گئے؟'' علینہ نے اسے شرم دلائی۔

''بکو نہیں..... اب اتنے بھی اچھے نہیں ہیں عمر بھائی..... یقیناً دادو نے کال کر کے ان سے میرے لنچ کے بارے میں پوچھا ہوگا..... ایشو نے کھانا کھایا کہ نہیں۔''

''ہاں، تمہیں بھوک بھی تو بہت لگتی ہے۔'' علینہ ہنسی۔

''اچھا اب زیادہ بکواس نہیں کرو، میرا لنچ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ میں فون بند کر رہی ہوں..... رات کو بات ہوگی۔''

ایشال نے علینہ کو خدا حافظ کہا اور فون رکھ کر شاپرز کی طرف بڑھی اور انہیں کھول کر دیکھا۔ ایک میں زنگر برگر، فرنچ فرائز اور دوسرے میں چکن نگٹس تھے ساتھ میں ٹن پیک اور جوس بھی تھے..... اس کی بھوک چمک اٹھی تھی۔ برگر کھانے کے بعد اس نے چند نگٹس کھائے..... ابھی وہ ان چیزوں کے مزے لے ہی رہی تھی جب ڈاکٹر عمر ہاتھ میں پین کلر اور پانی کا گلاس پکڑے روم میں داخل ہوئے۔

ایشال سنبھل کر ان کی چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''لنچ کے لیے تھینکس......'' وہ دھیرے سے بولی۔
''نہیں تھینکس کی ضرورت نہیں...... غلطی میری ہی ہے، میں نے تم سے لنچ کا نہیں پوچھا ایکچوئیلی مجھے بہت کم بھوک لگتی ہے مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ تمہیں بہت بھوک لگتی ہے، اینی وے..... اگران سے گزارہ نہیں ہوا تو چلو میں تمہیں کہیں اور لنچ کروا دیتا ہوں۔'' ڈاکٹر عمر چہرے پہ سنجیدگی سجائے اس سے پوچھ رہے تھے۔
''نن نہیں...... تھینکس یہ سب بہت ہے......'' ایشال نظریں چرا گئی۔
''اور یہ سر درد کی ٹیبلیٹس ہیں تمہارے سر میں درد تھا کھا لینا...... اور ہاں تمہارے لنچ کے لیے مجھے نانو نے فون نہیں کیا تھا۔''

ایشال مزید سر جھکا گئی...... یقیناً اس کی ساری گفتگو ڈاکٹر عمر سن چکے تھے۔
''میں چار گھنٹے کی بریک لیتا ہوں اور اس وقت گھر چلا جاتا ہوں...... پھر مغرب پڑھ کر یہاں آتا ہوں...... اور رات گیارہ بجے اسپتال سے واپس گھر جاتا ہوں..... میرے خیال میں تمہارے لیے صبح کی شفٹ بہتر رہے گی۔''
''جج...... جی......'' وہ نظریں جھکائے، جھکائے منمنائی۔
''گو کہ وہ پانچ گھنٹے بھی تمہارے لیے ایک ہٹلر نما ہلاکو خاں ٹائپ شخص کے ساتھ گزارنا بہت مشکل ہوں گے مگر کیا، کیا جائے مجبوری ہے تمہاری بھی اور میری بھی۔''
ایشال کا جی چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔
''میں ذرا ایمرجنسی وارڈ کا راؤنڈ لگا کر ابھی آتا ہوں گھر کے لیے پھر اکٹھے نکلتے ہیں، تمہیں اگر چائے یا اور ڈرنک وغیرہ پینی ہو تو سٹنگ روم میں جا کر سب کچھ لے سکتی ہو وہاں ریلیکس بھی کر سکتی ہو، ان سب چیزوں کے لیے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔''
ڈاکٹر عمر اس پہ اچٹتی سی نظر ڈال کر کمرے سے نکل گئے تھے...... اور وہ کتنی ہی دیر شاکڈ سی وہاں کھڑی رہی۔ ایک عجیب سی شرمندگی تھی جو ایشال کو سر نہیں اٹھانے دے رہی تھی، وہ علینہ سے اپنی ہی دُھن میں ان کے بارے میں نہ جانے کیا، کیا بکواس کرتی رہی تھی جو کمرے سے ملحق سٹنگ روم میں اس کی باتیں سنتے رہے تھے۔ ڈاکٹر عمر ایمرجنسی وارڈ کا راؤنڈ لگا کر واپس آ گئے تھے پھر وہ دونوں اسپتال سے اکٹھے ہی گھر کے لیے نکلے...... وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ ڈاکٹر عمر سے فاصلے پر بیٹھی تمام راستے...... کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ باوردی ڈرائیور بڑی مہارت سے گاڑی چلا رہا تھا۔
گاڑی ڈیفنس ایریا میں داخل ہو چکی تھی۔ نور منزل ڈاکٹر عمر کے راستے میں پڑتی تھی لہٰذا گاڑی اب وسیع و عریض اور عالیشان بنگلے کے سامنے رک گئی تھی۔
''سس...... سوری عمر بھائی......''
''کس بات کے لیے؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بنے۔
''میں نے علینہ سے فون پہ آپ کے بارے میں غلط باتیں کہیں۔'' ایشال شرمندگی سے سر جھکائے معذرت کرنے لگی۔
''دل سے نکلنے والی باتیں کبھی غلط نہیں ہوتیں۔ خیر میں نے برا نہیں منایا۔ اب تم جاؤ..... نانو تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی۔ آفٹر آل ان کی لاڈلی پوتی ہو تم۔'' ڈاکٹر عمر دھیرے سے مسکرا دیے۔
ایشال ریلیکس ہو کر گاڑی سے نکلی اور گیٹ کی طرف بڑھ گئی جہاں ایک چاق و چوبند گن مین ایستادہ تھا۔
(جاری ہے)



کیسی ایمرجنسی

نزہت جبیں ضیا

میں چھت کا آخری چکر لگا کر آئی تو کافی تھک چکی تھی اور اب وہیں صحن میں پڑی کرسی پر بیٹھ کر میں لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔ دراصل اماں نے ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی موسمِ سرما کی آمد کے ساتھ ہی بڑا ٹرنک کھول کر رضائیاں اور گرم کپڑے نکال کر دھوپ میں ڈلوائے سو میری شامت آئی ہوئی تھی۔ اتنے میں اسوی آپا چائے بنا کر لے آئیں۔

''تھینکس چھوٹی آپا!'' میں نے تشکر بھری

نظروں سے انہیں دیکھا، وہ مسکراتی ہوئی تخت پر آپا کے پاس بیٹھ گئیں۔ اماں اخبار بچھائے پالک پھیلا کر اسے پتا، پتا سمیٹ رہی تھیں۔

''بستر بھی تو اتنے سارے ہیں ہمارے یہاں۔'' میں نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔''ویسے اماں اتنا سارے بستر جمع کرنے کی وجہ......؟ اتنے سے تو لوگ تھے ہم۔'' میں نے اماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''اللہ بخشے تمہارے ابا میاں کہتے شادی بیاہ کے موقعوں پر بستر کم نہ پڑیں جتنے بھی مہمان ہوں آرام سے رہ سکیں۔'' اماں نے پالک کی گڈی جماتے ہوئے کہا۔ ابا میاں کے ذکر پر وہ دکھی سی ہو گئیں۔

''ہائے میرے ابا میاں......'' مجھے بھی ابا میاں کی یاد آ گئی۔ ساتھ ہی گزشتہ یادوں میں چھم سے اذہان بھی خیالوں میں چلا آیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ عجیب سی اداسی میرے اندر تک اتر آئی تھی۔ یہ نومبر، دسمبر بھی نہ جانے کون سی اداسی لیے چلے آتے ہیں۔ غیر ارادی طور پر میری نظریں میری انگلی پر جا کر ٹک گئیں خالی انگلی...... جس پر ابھی تک انگوٹھی کا گول سا نشان بنا ہوا تھا اور کیوں نہ بنتا سالہا سال وہ انگوٹھی میری انگلی میں رہی تھی۔ میری آنکھیں جھلملانے لگیں۔

میرے ابا میاں، سلیم الدین سرکاری ملازم تھے۔ مناسب تنخواہ تھی۔ اوپر کی آمدنی کے بھی چانس تھے مگر ابا میاں نے ساری زندگی رشوت کے نام پر ایک کوڑی بھی نہ لی۔ اولاد میں ان کی ہم تین ہی بیٹیاں تھیں مگر ابا میاں نے کبھی بیٹے کی کمی کا شکوہ تو کیا خواہش کا اظہار بھی نہیں کیا، وہ ہم تینوں پر جان دیتے تھے۔ بڑی آپا ہالہ کا رشتہ ابا میاں کے دوست کے بیٹے کے ساتھ طے ہو چکا تھا۔ پھر اسوئی آپا جنہیں میں چھوٹی آپا کہتی تھی اور پھر میں تھی گھر بھر کی لاڈلی اور چلبلی سی وامیہ۔

بڑی آپا کی مایوں کی رسم تھی، مایوں کی تقریب کا اہتمام چھت پر کیا گیا تھا۔ ہمارے کزنز بہرام بھیا، صداقت بھیا، اسود بھیا اور اذہان صبح سے ابا میاں کے ساتھ مل کر انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ وہ ابا میاں کو اس بات کا احساس نہیں ہونے دیتے کہ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ جب سے شادی طے ہوئی تھی سب خاندان والے روز ہمارے یہاں چکر لگاتے۔ اس روز بھی صبح سے ہی مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ تایا ابا، تائی اماں ان کے تینوں بچے بہرام بھیا...... صداقت بھیا اور تمکین آپا، حسنہ مامی، فخر ماموں، اسود بھیا اور اذہان، شمسہ خالہ، خالو، اماں کی دور کی رشتے دار بٹو خالہ اور ان کی نواسی وشمہ...... گھر میں بہت خوشگوار چہل پہل تھی۔ اماں آج صبح سے افسردہ سی تھیں۔ بیٹی کی شادی پر ہر ماں کا یہی حال ہوتا ہے، ایک جانب بہت بڑی ذمے داری پوری ہونے کا اطمینان ہوتا تو دوسری جانب بیٹی سے بچھڑنے کا دکھ اور سب سے بڑی فکر سسرال میں اس کی قدر ہو، وہ خوش رہے اور خوش رکھ سکے۔ بیٹیاں ویسے تو بہت پیاری ہوتی ہیں ڈر لگتا ہے تو ان کے نصیبوں سے...... اماں بھی انہی سوچوں کا شکار تھیں۔ بڑی آپا مایوں کے زرد لباس میں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ اماں نے ہم تینوں کے کپڑے خود سیے تھے، آپا کا زرد کرتا جس پر ہرے ستاروں اور گوٹے کا کام تھا جس پر گرین بنارسی پاجامہ اور زرد نیٹ کا دوپٹا جس پر گرین ستارے اور کرن لگائی گئی تھی۔ کلائیوں میں کانچ کی ہری، ہری چوڑیاں اور گیندے اور موتیا کے زیور پہنے آپا بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ میں اتری، اتری پھر رہی تھی۔ سب لڑکوں نے وائٹ کلف کے شلوار کرتے پہنے تھے اور گلوں میں پیلی، پیلی چنریاں ڈالے اچھے لگ رہے تھے۔ بڑی آپا کی بری بھی بہت شاندار آئی تھی۔ مایوں کی رسم خیر سے مکمل ہوئی باہر والے مہمان جا چکے تھے۔ اب ہم سب ہال میں بیٹھے تمکین آپا اور چھوٹی آپا کی بنائی ہوئی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میں اور اذہان (ماموں زاد) ساتھ، ساتھ بیٹھے تھے۔ ہم دونوں باتوں میں لگے ہوئے تھے۔ بچپن سے ہی میں

اور ازہان ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔تائی اماں نے حسبِ معمول ڈھولک سنبھال لی تھی۔خاندان میں کسی گھر میں بھی شادی ہوتی تائی اماں ڈھولک بجا کر ضرور گانے گاتیں اور ہم سب ان کا بھر پور ساتھ دیتے۔میں بڑے زور شور سے تالیاں بجا، بجا کر گانے گارہی تھی، ازہان بھی میرے ساتھ ہی تھا۔صداقت بھیا اور بہرام بھیا اپنے، اپنے موبائلوں سے تصویریں اور مووی بنارہے تھے۔تب ہی گانا گاتے، گاتے حسنہ مامی کی نظر اچانک مجھ پر آکر ٹھہر سی گئی۔

''صدیقہ!'' حسنہ مامی نے اماں کو آواز دی اماں جو بیٹھی پان کی گلوریاں بنارہی تھیں بھاوج کی آواز پر پلٹیں۔

''جی بھابی......!''

''دامیہ کو تم مجھے دے دو۔'' حسنہ مامی کی نظر بدستور مجھ پر ہی ٹکی ہوئی تھی۔

''ارے بھابی ساری بچیاں آپ ہی کی ہیں۔'' اماں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

''ارے بھئی......تم سمجھ نہیں رہی ہو میری بات۔'' حسنہ مامی قہقہہ لگا کر بولیں۔

''جی بھابی، واقعی میں سمجھی نہیں۔'' اماں نے پان کی گلوری تایا ابا کو دیتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''ارے بھئی......! میں دامیہ کو اپنے ازہان کی دلہن بنانا چاہتی ہوں۔آج سارا خاندان موجود ہے سب کے سامنے رشتے دے رہی ہوں، انکار مت کرنا۔'' حسنہ مامی کی بات اماں کی سمجھ میں آئی تو وہ یکلخت سنجیدہ ہوگئیں۔حسنہ ممانی دراصل مزاج کی تھوڑی سخت اور ضدی فطرت کی تھیں۔

''ارے واہ...... ہرا...... زبردست، پرفیکٹ......'' چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔میں اور ازہان جو گانے کے بولوں میں سب کا ساتھ دے رہے تھے۔اچانک ہونے والے اس شور سے چونک گئے اور چاروں طرف دیکھنے لگے......کچھ سمجھ نہ آیا کہ اس صورتِ حال میں کیسے ری ایکٹ کریں۔

اماں نے گھبرا کر ابا میاں کی جانب دیکھا۔ابا میاں کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر اماں کو اطمینان ہوا، ابا میاں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''واہ بھئی واہ منظور ہے......'' سب سے اونچی آواز اسود بھیا کی تھی، سب لوگوں کی نظریں ازہان اور مجھ پر ٹکی تھیں سب مسکرارہے تھے۔

''سارا خاندان تو موجود ہے پھر دیر کس بات کی......آج ہی اس رشتے کو مضبوط کرلیتے ہیں۔'' ماموں نے کہا تو ابا میاں نے مسکرا کر رضامندی دے دی۔

''اِدھر آؤ۔'' چھوٹی آپا آگے آئیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھنے کے لیے کہا۔

''کیا ہوا آپا......؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا ان کے چہرے پر دبی، دبی مسکان تھی۔وہ سیدھا اسٹور روم میں لے آئیں۔

''لو یہ پہن کر جلدی سے باہر آجاؤ۔'' میرے ہاتھ میں فیروزی اور پرپل وہ شرارہ تھمایا جو میں نے خاص طور پر بڑی آپا کی شادی کے لیے بنوایا تھا اور چھوٹی آپا نے تقریبات کے سارے کپڑوں کے ساتھ چار دن پہلے وہ بھی استری کرکے ہینگ کردیا تھا۔

''لو یہ......یہ ارے......کیا بڑی آپا کی آج رخصتی ہورہی ہے؟'' میری آنکھیں ان کی جدائی کے خیال سے بھیگنے لگیں۔

''نہیں بھئی، بس تم بحث مت کرو......جلدی سے پہن کر باہر آؤ۔''

''آپا......یہ تو مجھے شادی پر پہننا ہے۔'' میں بدستور حیران تھی۔

''اُفوہ......بھئی کل دوسرا لے آئیں گے جاکر فٹافٹ باہر آؤ۔'' چھوٹی آپا نے مجھے اندر دھکیلا اور دروازہ بند کردیا۔میں چینج کرکے باہر آئی تو شمسہ بجو نے میرے بال بنائے، میرے ہاتھوں مین چوڑیاں پہنائیں، میں ہال میں آئی تو دیکھا کہ ازہان بھی بڑی آپا کی شادی میں پہننے والی شیروانی اور پاجامہ پہنے صوفے پر بیٹھا تھا۔شمسہ خالہ، حسنہ ممانی کی فیروزے

والی انگوٹھی پر ریڈ کلر کا دھاگا لپیٹ رہی تھیں جیسے اس کا سائز چھوٹا بنا رہی ہوں، یہ انگوٹھی مجھے بہت پسند تھی اور میں حسنہ مامی سے کہتی تھی کہ میں جب میٹرک میں پاس ہو جاؤں تو آپ مجھے یہ انگوٹھی گفٹ کیجیے گا اور وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیتیں۔ مجھے لا کر ازہان کے برابر صوفے پر بٹھا دیا گیا اور میرے سر پر دوپٹا بھی ڈال دیا گیا تھا ازہان کے چہرے پر دبی، دبی مسکراہٹ تھی۔

''یہ سب کیا ہے یار......؟'' میں ازہان سے ہی مخاطب تھی صورتِ حال میری سمجھ سے باہر تھی۔ اوپر سے بڑی آپا کی شادی والا شرارہ بھی مجھے آدھی رات کو پہنا دیا گیا تھا۔

''چپ۔'' ازہان نے منہ پر انگلی رکھ کر مجھے چپ ہونے کا اشارہ کیا میرے برابر میں حسنہ ممانی آ کر بیٹھ گئیں اور ازہان کے برابر میں اماں بیٹھ گئیں۔ اسود بھیا مایوں کے لیے لائی گئی مٹھائی سے کچھ مٹھائی نکال کر لے آئے حسنہ مامی نے مجھے مٹھائی کھلائی اور پھر میرے ہاتھ میں فیروزے والی اپنی انگوٹھی پہنا دی جو تھوڑا سا دھاگا لپیٹنے کے بعد میری انگلی میں فٹ آ گئی تھی۔

''یہ لو تمہیں بہت پسند تھی ناں یہ انگوٹھی...... آج سے یہ تمہاری ہوئی۔'' انہوں نے انگوٹھی پہناتے ہوئے مجھے گلے لگا کر پیار کیا اور میرے ہاتھ میں دو ہزار روپے رکھ دیے۔ اماں نے ابا میاں کے ہاتھ سے نئی گھڑی اتار کر ازہان کو پہنائی اور پانچ ہزار کا نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھا۔

''واہ بھئی واہ! کیا انوکھی اور یادگار ایمرجنسی منگنی ہوئی ہے...... بہت، بہت مبارک ہو۔'' سب سے پہلے بہرام بھیا نے تصویریں بناتے ہوئے مبارک باد دی۔

''ہائے اللہ۔'' ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی، میں نے ازہان کی جانب دیکھا، ازہان کے چہرے پر بہت جاندار مسکراہٹ تھی اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میری حیرت یکلخت شرم میں بدل گئی، میں نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔ ''مبارک، مبارک'' چاروں طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ تیرہ سالہ میں اور سترہ سالہ ازہان بہت خوب صورت بندھن میں باندھے جا چکے تھے میرا سب سے اچھا دوست ہمیشہ، ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔ میں انگلی میں پڑی خوب صورت انگوٹھی پر نگاہیں جمائے سوچ رہی تھی۔

دوسرے دن میں، ازہان، شمسہ خالہ اور حسنہ مامی بازار گئے جہاں سے میرے اور ازہان کے لیے بڑی آپا کی شادی میں پہننے کے لیے نئے کپڑے خریدے گئے۔ اچانک سے بندھ جانے والے اس بندھن سے ہم دونوں ہی بہت خوش تھے۔ بڑی آپا کی شادی خیر و خوبی سے انجام پائی۔ گھر میں شادی کے ہنگامے سرد پڑے تو سارے مہمان بھی جو گزشتہ آٹھ دس دن سے آئے ہوئے تھے اپنے، اپنے گھروں کو لوٹنے کی تیاری کرنے لگے۔

چھوٹی آپا اس وقت تھرڈ ایئر میں تھیں، میں نے نائنتھ کا ایگزام دینا تھا ہم لوگ اپنی، اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئے۔ ازہان کو جب ٹائم ملتا وہ ضرور چکر لگاتا اور دو دن نہ آتا تو مجھے بے چینی شروع ہو جاتی۔ میں آخری پیپر دے کر آئی تو پتا چلا کہ حسنہ مامی کو کافی زیادہ بخار ہے۔ میں، اماں اور چھوٹی آپا ان کو دیکھنے گئے گو کہ کام والی موجود تھی مگر پھر بھی گھر خاصا بے ترتیب ہو رہا تھا۔ اماں نے مجھے کہا کہ تم ایگزامز سے فارغ ہو گئی ہو کچھ دن ممانی کے پاس رک جاؤ۔ میں خوش ہو گئی اور مجھ سے کہیں زیادہ خوش ازہان ہوا تھا۔ اماں میرے ساتھ کچھ کچن کا کام کروا کر گھر واپس جا چکی تھیں۔ میں نے بقیہ کام کیے، ممانی کے کپڑے بدلوائے، کنگھی چوٹی کر کے صاف ستھری ہو کر وہ اب بہتر محسوس کر رہی تھیں۔ فخر ماموں آفس سے آئے تو حیرانی سے دیکھا۔ صاف ستھرا کمرا، مامی بھی صاف ستھری لگ رہی تھیں اور میں انہیں دلیہ کھلا رہی تھی۔

''ارے واہ، ہماری بیٹی آئی ہے۔'' انہوں نے آتے ہی مجھے دیکھ کر گرم جوشی سے کہا۔ ساتھ ہی مامی کے قدرے بہتر چہرے کی طرف دیکھا۔ ''ارے واہ بیگم! آج تو ماشاءاللہ کافی بہتر لگ رہی ہو۔''

''ہاں کیوں نہیں، میری بیٹی جو آ گئی ہے۔'' حسنہ ممانی نے میری طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' فخر ماموں نے ہاں میں ہاں ملائی۔ ''یہ دونوں صاحب زادے کہاں غائب ہیں؟'' ماموں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اسود بھیا اور اذہان کے بارے میں پوچھا۔

''آج تو اکیڈمی گیا ہے اذہان ورنہ میرے پاس ہی ہوتا تھا اور اسود دوستوں کی طرف گیا ہے۔'' حسنہ ممانی نے کہا۔

''ماموں آپ فریش ہو جائیں، میں چائے بنواتی ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ واش روم کی طرف بڑھ گئے اور میں کچن میں چلی آئی۔

''تم اتنی سی تو ہو مگر تم نے گھر کا ماحول ہی بدل دیا تھینکس یار۔'' اذہان نے کہا تھا۔ رات ٹی وی لاؤنج میں، میں بیٹھی ہوئی تھی تبھی اذہان وہاں چلا آیا۔

''مجھے تو اتنا کام وام نہیں آتا ہے، آپا مجھے کرنے کہاں دیتی ہیں بس میں تو ممانی کی کمپنی کے لیے آئی ہوں۔'' میں نے معصومیت سے کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''اور ممانی کے بیٹے کو کمپنی کون دے گا؟''

''اس کو بھی تو میں ہی دے رہی ہوں۔'' میں نے احسان جتایا تو وہ پیار سے مجھے دیکھنے لگا۔

''ارے اذہان ایسے مت دیکھا کرو، مجھے پتا نہیں کیا ہونے لگتا ہے۔'' میری بے ساختہ معصومانہ بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''تو بچی ہی رہے گی پگلی۔'' میں کندھے اچکا کر ٹی وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھنے لگی ظاہر ہے اس وقت میری عمر کا وہی تقاضا تھا تیرہ، چودہ سال کی تو تھی میں۔ ماموں کے ہاں ایک ہفتہ رک کر گھر لوٹ آئی تھی۔

وقت دنوں، مہینوں اور سالوں کی صورت میں کچھ آگے بڑھا، بڑی آپا کی گود میں ننھا شیری آ گیا۔ اسود بھیا کی شادی اپنی کولیگ وریشہ سے ہو گئی۔ وریشہ بھابی نہایت بولڈ، خوب صورت اور ماڈرن فیملی سے تعلق رکھتی تھیں، حسنہ ممانی کو وہ بالکل پسند نہیں تھیں مگر اسود بھیا تو فیصلہ کر چکے تھے سو بادلِ ناخواستہ حسنہ ممانی کو یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔ اسویٰ آپا تعلیم مکمل کر کے مناسب رشتے کے انتظار میں بیٹھی تھیں، میں نے سیکنڈ ایئر کر لیا تھا۔ اس دوران ہمارے محبت کرنے والے فخر ماموں مختصر بیماری سہنے کے بعد چل بسے تھے۔ اذہان نے ایم ایس سی کر کے ایک کمپنی میں جاب کر لی تھی۔ وقت کے ساتھ میرے اور اذہان کے رشتے میں مزید مضبوطی آ گئی تھی۔ میں اس سے ایک، ایک بات شیئر کرتی۔ اکثر وہ ہمارے گھر میرے ہاتھ کی کافی پینے چلا آتا تھا۔ پھر حسنہ مامی اور اذہان نے عمرے پر جانے کا پروگرام بنا لیا۔ حسنہ مامی کی وریشہ بھابی سے زیادہ بنتی نہیں تھی۔ وہ اپنی عادت کے مطابق روک ٹوک کرتیں اور بھابی اپنی عادت کے مطابق اگنور کر دیتیں۔ اسود بھیا بیچارے درمیان میں سینڈوچ بن کر رہ گئے تھے۔

''ہائے اللہ اذہان، اتنے دن کے لیے جا رہے ہو؟'' میں نے پوچھا تھا۔

''ارے..... زیادہ دن کہاں بہ مشکل پندرہ دن لگیں گے۔''

میری آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''دیکھنا جھٹ سے گزر جائیں گے یہ دن۔'' اس نے چٹکی بجا کر پیار سے میرا سر ہلا کر کہا تو مجھے..... بے ساختہ اس پر پیار آ گیا۔

''اپنا بہت خیال رکھنا میری سویٹ پگلی۔'' وہ مجھے بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کرتا تھا ایسے سنبھال کر رکھتا جیسے میں کوئی نازک کانچ کی گڑیا ہوں وہ اکثر کہتا۔ ''وامیہ تم میرے لیے کرسٹل کی گڑیا جیسی ہو جسے میں دل کے اندر چھپا کر رکھوں گا ساری زندگی سینے سے لگا کر رکھوں گا۔'' اس کے لہجے میں میرے لیے حد درجہ پیار ہوتا..... میں اس کی محبتوں پر نازاں ہو جاتی۔

☆☆☆

سردیوں کی روشن چمکیلی صبح تھی، اس روز ابا میاں کی چھٹی تھی ناشتے سے فارغ ہو کر وہ بازار گئے اور کچھ سودا سلف لے کر آئے اور اسویٰ آپا سے چکن

بریانی اور فروٹ کسٹرڈ کی فرمائش کی سو اسوئی آپا کچن میں مصروف تھیں، اماں صحن میں رکھے تخت پر بیٹھی دھوپ سینک رہی تھیں ساتھ، ساتھ پودینہ بھی توڑ رہی تھیں، ابا میاں بھی وہیں بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے۔ میں ابھی گھر کی صفائی سے فارغ ہو کر ابا میاں اور اماں کے لیے چائے بنا لائی تھی۔ ابا میاں جب گھر پر ہوتے تھوڑی، تھوڑی دیر بعد ان کو چائے پینا اچھا لگتا تھا اور یہ ذمے داری میری ہی ہوتی۔ چائے انہیں دے کر اب وہیں تخت پر بیٹھ کر میں چلغوزوں اور مونگ پھلی سے بھرپور انصاف کر رہی تھی۔ اسوئی آپا بھی کچھ دیر بعد وہیں آ گئی تھیں۔ تب ہی ڈور بیل بجی، میں نے جا کر دروازہ کھولا تو دیکھا تایا ابا، تائی اماں اور تمکین آپا۔

''السلام علیکم!'' میں نے خوش ہوتے ہوئے زوردار سلام جھاڑا۔ ابا میاں بھی جلدی سے کھڑے ہو کر ملے۔

''ارے واہ بھئی، یہاں تو موسم کا صحیح مزہ لیا جارہا ہے۔'' تایا جان نے اندر آ کر ایک چلغوزہ اٹھاتے ہوئے اسوئی آپا کے جھکے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا۔

''بیٹھیں بھابی، بھائی صاحب۔'' اماں نے تخت سے پودینے کی پلیٹ اٹھا کر مجھے دیتے ہوئے جگہ بنائی۔

''آپ لوگ بیٹھیں، میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' اسوئی آپا نے کہا اور تمکین آپا کا ہاتھ تھام کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

''یاجوج ماجوج کی جوڑی ہے ان کی تو۔'' دونوں کو جاتے دیکھ کر اماں بولیں۔

''اور گڑیا تمہاری پڑھائی کیسی جارہی ہے؟'' تایا ابا نے مجھے قریب بٹھاتے ہوئے شفقت سے پوچھا۔

''اے ون تایا ابا۔'' میں جھٹ سے بولی۔

''واہ بھئی، ماشاء اللہ ہمارا پٹاخا اس بار پوزیشن لینے والا ہے کیا......؟'' انہوں نے پُرمزاح انداز میں کہا۔

''نہیں، اب ایسا بھی نہیں۔'' میں نے منہ بنا کر کہا۔

''آج چھٹی کا دن تھا آپ لوگ بہرام اور صداقت کو بھی ساتھ لے آتے۔'' اماں نے ان سے کہا۔

''صداقت تو اپنے دوستوں کے ساتھ پکنک منانے گیا ہوا ہے اور بہرام کو نہ لانے کا ایک مقصد ہے۔'' اب کے تائی اماں نے ذومعنی بات کی۔

''کیا مقصد......؟'' اماں نے الجھی نظروں سے انہیں دیکھا۔ انہیں تائی اماں کی بات مذاق لگی۔

''بھئی سلیم الدین اور صدیقہ دیکھو آج ہم لوگ یہاں بہت خاص مقصد لے کر آئے ہیں۔'' اس بار تایا ابا نے گفتگو میں حصہ لیا۔ ''ایک تو یہ کہ تمکین کے لیے بہت اچھا رشتہ آیا ہوا ہے۔''

''بہت، بہت مبارک ہو اللہ پاک بچی کے نصیب اچھے کرے اور اسے شاد و آباد رکھے۔'' اماں نے جلدی سے دعائیں دیں۔

''آمین...... مگر ابھی ہم نے فائنل تھوڑی کیا ہے، آج تو تمہیں لڑکے کی تصویر دکھانے اور دیگر معلومات دینے کے لیے آئے ہیں۔ فائنل اس وقت ہوگا جب تم لوگ بھی لڑکے کو دیکھ لو اور مطمئن ہو جاؤ۔'' تایا ابا کی بات پر اماں اور ابا میاں نے انہیں تشکر بھری نگاہ سے دیکھا۔

''شکریہ بھائی صاحب! آپ لوگ ایسا سوچتے ہیں۔'' ابا میاں نے کہا۔

''ارے بھئی، شکریے کی بات نہیں، یہ رشتے ہوتے ہی اعتماد، یقین اور اہمیت دینے کے قابل...... ہم لوگ ہی تو ہیں ایک دوسرے کے لیے اگر ہمارے درمیان بھی اتفاق نہ رہے تو ایسی رشتے داری کس کام کی۔'' ابا میاں کی بات پر اماں کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''ارے بھئی واہ۔'' اسوئی آپا جو کسی کام سے کچن سے باہر آئی تھیں سنا تو خوشی سے نعرہ لگایا، جلدی سے کسٹرڈ نکال لائیں جو انہوں نے کچھ دیر پہلے ہی بنا کر فریج میں رکھا تھا۔ ''چلیں اس خوشی میں منہ میٹھا کر لیں۔'' تمکین آپا کو شرارت سے دیکھتے ہوئے اسوئی آپا

نے ٹرے میں رکھ کرتائی اماں اورتایا ابا کے سامنے رکھا۔

''جناب! مقصد تو کچھ اور بھی ہے یہاں آنے کا۔'' تمکین آپا نے ایک چمچ کسٹرڈ لے کر خود اسویٰ آپا کے منہ میں دیتے ہوئے کہا۔

''بھئی سلیم میاں! ہمیں تم سے کچھ مانگنا بھی ہے۔'' تایا ابا اصل موضوع پر آگئے۔ تمکین آپا اور اسویٰ آپا دوبارہ کچن میں جا چکی تھیں جہاں پر اسویٰ آپا کو بریانی دم پر لگانا تھی اور تمکین آپا نے سلاد اور رائتہ بنانا تھا۔

''جی، جی بھائی صاحب، کہیے میرے پاس ہے ہی کیا؟ اور جو کچھ ہے آپ کا ہی ہے۔'' ابا میاں نے سعادت مندی سے کہا۔

''صدیقہ! ہمیں بہرام کے لیے اسویٰ کا ہاتھ چاہیے۔'' اس بار تائی اماں، اماں سے مخاطب تھیں۔ اما جو پان کی گلوریاں لگا رہی تھیں۔ حیرت اور خوشی سے انہیں دیکھنے لگیں یہی حال ابا میاں اور میرا بھی تھا۔ بہرام بھائی بہت خوب صورت اور اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اسویٰ آپا گو کہ بہت اچھی تھیں مگر بہرام بھائی زیادہ اچھے تھے۔

''کیوں بھئی..... کیا تمہیں رشتہ منظور نہیں.....؟'' تایا ابا نے اماں، ابا کو یوں خاموشی دیکھ کر استفسار کیا۔

''نہیں.....نہیں بھائی صاحب، ایسی بات نہیں ہے بھلا بہرام جیسا لائق داماد ہمیں کہاں مل سکتا ہے۔'' ابا میاں نے جلدی سے کہا خوشی سے ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ میں حیرت زدہ خوشی سے منہ کھولے اس ساری خوشگوار کارروائی کی چشم دید گواہ تھی۔ ایک چھلانگ لگا کر کچن کی سمت بھاگی، جاتے ہی اسٹیل کی پلیٹ اور چمچ اٹھالیا اور زور، زور سے بجا کر گانا شروع کردیا۔

''تاروں سا چمکتا گہنا ہو، پھولوں سی مہکتی وادی ہو
اس گھر میں خوش حالی آئے جس گھر میں تمہاری شادی ہو''
میرے ساتھ تمکین آپا بھی شروع ہوگئیں۔

''ارے تم دونوں پاگل ہوگئی ہو کیا؟ شرم کرلڑکی کتنی بے شرم ہوگئی ہے، اُدھر تیری شادی کی باتیں ہو رہی ہیں اِدھر تو گانے گا رہی ہے توبہ! توبہ کیسا زمانہ آگیا ہے۔'' اسویٰ آپا نے بوڑھیوں والے انداز میں تمکین آپا کی کلاس لے ڈالی۔

''بی بنو! وہاں پر میری نہیں، آپ کی شادی کی بات چل رہی ہے۔'' انہوں نے اسویٰ آپا کا سر شرارت سے پکڑ کر ہلا دیا۔

''جی، آپا جی! آپ کا اور بہرام بھیا کا رشتہ ڈن ہو چکا ہے۔'' میں نے اسویٰ آپا کو دیکھ کر کہا۔

''ہیں......؟'' ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''شرم کرلڑکی...... کتنی بے شرم ہوگئی ہے...... توبہ، توبہ کیسا زمانہ آگیا ہے۔ اپنی شادی کے ذکر پر ذرا سی شرم بھی نہیں آرہی۔'' تمکین آپا نے بالکل اسویٰ آپا والے اسٹائل میں شرارتی لہجے میں کہا تو اسویٰ آپا کے حیرت زدہ چہرے پر ایک دم شرگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ ان کے چہرے پر پھیلے حسین قوس قزح کے رنگ اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ بھی کہیں نہ کہیں بہرام بھیا کو پسند کرتی تھیں۔

یوں اسویٰ آپا اور بہرام بھیا کا رشتہ پکا ہوگیا۔ ادھر تایا ابا نے دیگر خاندان والوں کو جمع کر کے تمکین آپا اور ارسل بھائی کا رشتہ بھی طے کردیا۔ شادی کچھ عرصے بعد دونوں کی ساتھ، ساتھ کرنے کا پروگرام طے پایا۔ بہرام بھیا نے خود اسویٰ آپا سے شادی کی خواہش کی تھی۔

اسویٰ آپا بے حد خوش تھیں۔ بڑی آپا اپنے گھر میں خوش تھیں۔ اسویٰ آپا کا رشتہ اتنے اچھے گھر میں طے ہو چکا تھا۔ مجھے حسنہ مامی بہت پیار کرتی تھیں۔ یہ بات اماں اور ابا میاں کے لیے باعث اطمینان تھی، وہ لوگ رب کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے۔

اسی دوران معلوم ہوا کہ اسود بھیا نے دریشہ بھابی کو طلاق دے دی ہے۔

''ہائیں، یہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ یوں ایک دم سے...... کم از کم مشورہ تو لیا ہوتا...... کوئی حل کوئی تجویز

نکل آتی۔ سب مل جل کر جو بھی اختلافات تھے ان کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر یوں یک دم سے اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے اسود یا حسنہ بھابی کو کم از کم ہمیں بتانا تو چاہیے تھا۔'' اماں کے ساتھ ابا میاں بھی سخت غصے میں تھے۔

''ہائے اللہ اسود بھیا تو بہت پیار کرتے تھے وریشہ بھابی سے۔'' مجھے انتہائی صدمہ ہوا، میں نے فوراً ہی اذہان کو کال ملائی۔

''یار بس آپس میں اماں اور ان کا پھڈا تو چلتا رہتا تھا۔ تمہیں تو اماں کا پتا ہی ہے وہ بھی ذرا سخت مزاج ہیں مگر اچانک نہ جانے کیا ہوا کل میں اکیڈمی گیا ہوا تھا واپس آیا تو سب کچھ ہو چکا تھا۔'' اذہان خود بھی بہت اداس تھا بعد میں حسنہ مامی کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ وریشہ بھابی کو یہاں کا ماحول پسند نہیں تھا۔ ساس سے بنتی نہیں تھی۔ گھر دڑبا لگتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ابھی کوئی اولاد پیدا نہیں کرنا چاہتی تھیں بس ایسے ہی چھوٹے، چھوٹے جھگڑے اسود اور ان کے درمیان ہوتے، ہوتے آخر کار مجبوراً یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا جبکہ ہم سب جانتے تھے کہ حسنہ مامی خود بھی خودسر اور ضدی تھیں۔ ظاہر ہے وریشہ بھابی ان کے مزاج پر پوری نہ اتریں دونوں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔

اسود بھیا بیچارے بالکل چپ ہو کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

ابا میاں ریٹائرڈ ہو چکے تھے جو بھی پیسہ ملا تھا وہ ہم دونوں بہنوں کے نام پر بینک میں جمع کروا دیا تھا۔ ابا میاں کی طبیعت بھی اب خراب رہنے لگی تھی۔ بی پی اکثر شوٹ کر جاتا۔ اماں کو تو پہلے ہی بی پی کا مسئلہ تھا۔ بڑی آپا کے یہاں شیری کے بعد مونی بھی آ گئی تھی۔

اوائل دسمبر کے دن تھے۔ سخت سردی اور تیز ہواؤں نے موسم خطرناک حد تک سرد بنا دیا تھا۔ لگتا تھا خون رگوں میں منجمد ہو جائے گا اس روز اکیڈمی کی طرف سے اذہان کا کرکٹ میچ تھا جو اذہان کی ٹیم نے جیت لیا تھا، اذہان ٹیم کا کیپٹن بھی تھا اور ''مین آف دی میچ'' بھی قرار پایا تھا وہ خوشی، خوشی اپنا ایوارڈ لے کر ہمیں بتانے آیا تھا۔ ابا میاں کو کرکٹ سے بڑا شغف تھا وہ بہت خوش ہوئے تھے اور انعام کے طور پر اپنے ہاتھ میں پڑی گھڑی اس کو پہنا دی تھی۔

''تم کوئی انعام نہیں دو گی؟'' وہ موقع دیکھ کر میرے کمرے میں آ گیا۔

''میں......؟'' میں نے انگلی میں پڑی اپنی انگوٹھی پر نظر جماتے ہوئے سوچا پھر دوسرے لمحے ہی اپنی ٹیبل پر پڑا کرسٹل کا ننھا سا تاج محل اٹھا لائی جو میں نے کل ہی مارکیٹ سے خریدا تھا، میں اور اسوئی آپا شاپنگ کرنے گئے تھے تو مجھے شوکیس میں رکھا یہ حسین سا تاج محل بہت پسند آیا تھا۔ میں نے تاج محل اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

''واؤ یار سو بیوٹی فل۔'' اذہان نے تاج محل کو دیکھ کر بے ساختہ خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں جناب ''دس از سمبل آف لو'' میں نے اتراتے ہوئے کہا۔

''ہوں! میں اسے ایسے ہی سنبھال کر رکھوں گا جیسے تمہیں اپنے دل میں سنبھال کر رکھا ہے۔'' اس نے جذب سے کہا۔

☆☆☆

وہ رات بھی موسم سرما کی ایک سرد ترین رات تھی جب سب گرم بستروں میں دبکے خواب غفلت کے مزے لوٹ رہے تھے کہ اسوئی آپا کی آواز آئی۔

''وامیہ...... وامیہ جلدی اٹھو، ابا میاں کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔'' اسوئی آپا روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ہائیں۔'' مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھے کافی دیر سے جھنجوڑ رہی تھیں اور میں خواب کی سی کیفیت میں تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے کمبل پرے پھینکا اور چھلانگ مار کر ان سے بھی پہلے ابا میاں کے کمرے میں پہنچ گئی۔ ابا میاں دل پر ہاتھ رکھے ایک جانب جھکے جا رہے تھے،

اس قدر سرد موسم ہونے کے باوجود اُن کا چہرہ پسینے سے تر تھا، شدت کرب کے آثار چہرے پر نمایاں تھے جیسے اپنے درد کو، اپنی تکلیف کو برداشت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہوں...... اماں دونوں ہاتھوں سے ابا میاں کی پیٹھ سہلا رہی تھیں ساتھ روتے ہوئے ان کو تسلیاں بھی دے رہی تھیں۔ چھوٹی آپا، بڑی آپا کو کال کر چکی تھیں۔

''ابا میاں...... ابا میاں......'' ان کی حالت دیکھ کر میں روتے ہوئے ان کا سینہ سہلانے لگی۔ ''کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟ کہاں درد ہو رہا ہے ابا میاں......؟'' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے میں ابا میاں کی درد کی شدت کو بانٹ لوں...... بہ مشکل پندرہ منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ صداقت بھیا، بہرام بھیا اور وازہان مع ایمبولینس پہنچے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر ہم لوگ ایک طرف ہو گئے۔

''چچا جان، چچا جان گھبرائیں نہیں، آپ کو لے کر اسپتال چلتے ہیں۔'' بہرام بھیا نے کہا۔ ابا میاں کی آنکھیں شدت کرب سے بند ہونے لگی تھیں انہوں نے بند ہوتی ہوئی آنکھوں سے مجھے اور آپا کو دیکھا، اماں کی طرف بھی نگاہ اٹھائی، ہمیں بہ مشکل ہاتھ کے اشارے سے پاس بلایا...... میرے اور اسوئی آپا کے ساتھ اماں بھی تیزی سے آگے آئیں انہوں نے ہم دونوں بہنوں کے ہاتھ اپنے کانپتے ٹھنڈے یخ ہاتھوں میں تھامنے کی کوشش کی، ایک پل کے لیے آنکھیں کھولیں کمرے میں موجود تمام لوگوں کو پھر آخر میں مجھے اور آپا کو دیکھا اُف کتنی حسرت، کرب، بیچارگی، مایوسی، جانے کیا، کیا تھا ان آخری نظروں میں...... دوسرے لمحے ان کے کانپتے ہاتھوں کی لرزش تھم گئی اور ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی...... آنکھیں دھیرے، دھیرے بند ہو گئیں۔ وہ چہرہ جہاں پر دکھ اور اذیت تھی یک دم ہی سکون، نرمی، اطمینان اور نور سا آ گیا تھا۔

''ابا میاں۔'' اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتی، سمجھتی...... اسوئی آپا چیخ مار کر ابا میاں کے بے جان

محبت

محبت پیاسا رکھتی ہے
زمینِ دل رہی بنجر
وجودِ صحرا رہا ہر پل
گھٹا گر آ بھی جائے تو
بنا برسے گزرتی ہے
یہ جیون تھر کے مانند ہے
جہاں بس ریت اڑتی ہے

شاعرہ: ظل شاہین، رحیم یار خان

غزل

وہ لوگ ہی قدموں سے زمیں چھین رہے ہیں
جو لوگ میرے قد کے برابر نہیں آتے
اک تم کہ تمہارے لیے میں بھی میری جاں بھی
اک میں کہ مجھے تم بھی میسر نہیں آتے
جس شان سے لوٹے ہیں گنوا کر دل وجاں ہم
اس طور تو ہارے ہوئے لشکر نہیں آتے
کوئی تو خبر لے میرے دشمنِ جاں کی
کچھ دن سے میرے صحن میں پتھر نہیں آتے
دل بھی کوئی آسیب کی نگری ہے کہ محسن
جو اس سے نکل جاتے ہیں مڑ کر نہیں آتے

مرسلہ: نازنین آفریدی، پشاور

قسمت

تمام عمر کی جاگی ہوئی میری قسمت
رہا جو فاصلہ دوگام سو گئی اکثر
ہوا کے ڈر سے نشیبوں میں آ بسے لیکن
ہوا نے بخشا تو بارش ڈبو گئی اکثر

شاعر: سیف اللہ خان

پسند: صدف آصف، کراچی

وجود پر گر پڑی تھیں۔ اذہان آگے بڑھ کر روتے ہوئے انہیں اٹھا رہا تھا، بہرام بھیا مجھے سینے سے لگائے بلک رہے تھے، صداقت بھیا نے اماں کو لپٹا لیا تھا۔ میں بہرام بھیا کی بانہوں میں تڑپ رہی تھی، بلک رہی تھی...... یہ سب کیسے اچانک سے ہوگیا تھا؟

وہ سرد ترین دسمبر کی رات میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ ابا میاں کے چلے جانے سے ہماری زندگیوں میں کبھی نہ بھرنے والا خلا تو آ ہی گیا تھا مگر ایسے تکلیف دہ اور دکھ کے اس موقع پر جس طرح ہمیں سنبھالا دیا گیا، ہماری دل جوئی، ہماری خبر گیری کی ایسے رشتے داروں کی مثال نہیں ملتی۔ تایا ابا کی فیملی، حسنہ مامی، اذہان، شمسہ خالہ، خالو سب نے ہمارا بہت خیال رکھا گو کہ ابا میاں کی کمی اپنی جگہ مگر دکھ اور تکلیف میں اگر کوئی ہمدردی کے دو بول بھی بول دے آپ کا دکھ بانٹ لے تو آپ کا دکھ آدھا رہ جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ ہم لوگ بھی سنبھلنے لگے ایک اسود بھیا تھے جو کبھی کبھار آتے بھی تو اپنے آپ میں ہی مگن رہتے، وریشہ بھابی سے طلاق کے بعد وہ بالکل آدم بیزار سے ہوگئے تھے۔ ابا میاں کے دسویں بیسویں اور چہلم کی نیاز بھی ہوگئی۔

اس روز اذہان سے پتا چلا تھا کہ حسنہ مامی کا بی پی ہائی ہوا ہے تو میں ان کو دیکھنے کی غرض سے کافی دن بعد گھر سے نکلی، حسنہ مامی کی طبیعت تو اب کافی بہتر تھی میں نے اسود بھیا کا پوچھا تو پتا چلا اپنے کمرے میں ہیں، میں ان کے کمرے میں آگئی۔

''میں آجاؤں......؟'' دروازے پر ناک کر کے میں نے پوچھا۔

''ہوں۔'' اندر سے جواب آیا۔ میں اندر آگئی۔ اُف یہ...... یہ اسود بھیا تو نہیں لگ رہے تھے، اچھی خاصی شیو بڑھی ہوئی، میلے ملگجے کپڑے، الجھے بال، بے ترتیب اور گندا کمرا اور ان کے ہاتھ میں ادھ جلا سگریٹ کمرے میں سگریٹ کا دھواں اور ناخوشگوار بو پھیلی ہوئی تھی کمرے میں جابجا سگریٹ کے ٹوٹے بکھرے پڑے تھے۔

''اسود بھیا! کیا ہوگیا ہے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' میں نے آگے بڑھ کر ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھنا چاہا، انہوں نے آنکھوں پر سے بازو ہٹایا، لال لال آنکھیں جن میں اداسی تھی۔

''ٹھیک ہوں گڑیا...... تم کیسی ہو......؟'' پپڑی زدہ ہونٹوں سے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کو کیا ہوگیا ہے بھیا، آپ تو نفاست میں پورے خاندان میں مشہور تھے آپ...... آپ...... بھیا......'' میں برداشت نہ کرسکی اور ان کا بازو تھام کر رو پڑی۔

''ارے...... ارے تو کیوں روتی ہے پاگل......؟ یکسانیت اچھی نہیں لگتی ناں زندگی میں، اس لیے چینج کیا ہے خود کو۔'' بے تکا سا قہقہہ لگا کر وہ بولے، ان کے قہقہے میں چھپی سسکیاں میں سمجھ سکتی تھی۔

''پلیز بھیا!'' میں نے دکھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ایک وعدہ کرو مجھ سے۔'' اچانک انہوں نے میرے ہاتھ تھام کر عاجزی سے کہا۔

''جی بھیا بولیں۔'' میں نے کہا۔

''تم...... تم...... میرے بھائی کے ساتھ ایسا مت کرنا...... وہ بہت معصوم ہے اور ایک بات بتاؤ، کیا ہر لڑکی ایسی ہوتی ہے بے وفا، اور کٹھور......؟'' عجیب سے ہذیانی انداز میں میرا ہاتھ تھام کر وہ مجھ سے بے تکا سوال کر رہے تھے۔ مجھے ان کی حالت دیکھ کر نہ جانے کیوں ڈر لگنے لگا۔

''جی...... نہیں......'' میں نے بہ مشکل کہا۔

''تم تو ایسا نہیں کرو گی ناں...... نہیں کرو گی ناں......؟''

''نہیں بھیا، بالکل نہیں......'' میں نے جلدی سے کہا اور اپنا ہاتھ چھڑا کر ان کے کمرے سے تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکلی اور اذہان سے بری طرح ٹکرا گئی۔

''اذہان...... یہ ہمارے اسود بھیا کو کیا ہوگیا ہے؟'' میں اس کا بازو تھام کر بری طرح رو پڑی، مجھے اسود بھیا کی حالت دیکھ کر دلی دکھ ہوا تھا انہوں نے

دریشہ بھائی کی جدائی کا اتنا شدید اثر لیا تھا کہ خود کو بالکل فراموش کر بیٹھے تھے نہ کھانے پینے کا ہوش تھا نہ صفائی کا...... ان کی نفاست تو مشہور تھی، اکثر مجھے پیار سے کہتے۔

''گڑیا پتا ہے جب تو ہمارے گھر آئے گی ناں تو اماں کی مزاج کی سختی سے زیادہ میرے کمرے کی صفائی برداشت کرنی پڑے گی۔'' اور میں مسکرا کر کہتی۔

''ارے واہ، میں کیوں کروں گی، اپنی زوجہ محترمہ سے کروایئے گا ناں آپ۔''

''نہ بھئی وہ تو میرے دل کی ملکہ ہوگی اس سے کام تھوڑی نہ کرواؤں گا اس کو تو دل میں بٹھا کر رکھوں گا کام کے لیے تو تم کو لے جائیں گے، کیوں اماں؟'' وہ جملہ مکمل کر کے پلٹ کر حسنہ مامی کی طرف دیکھ کر شرارت سے آنکھ مارتے۔

''واہ بھئی واہ، اپنی بیگم دل کی ملکہ اور دوسروں کی نوکرانی۔'' میں پٹ سے کہتی اور اپنا منہ پھلا کر بیٹھ جاتی۔

''ارے نہیں بھئی، تم بھی میرے گھر کی رانی بن کے رہوگی۔'' حسنہ ممانی مجھے لپٹا کر پیار سے کہتیں تو میں اسود بھیا کو منہ چڑا کر ٹھینگا دکھا دیتی اور وہ زور سے ہنس دیتے۔ آج...... وہی اسود بھیا اس حالت میں تھے۔

''ہاں وامیہ، بھیا پتا نہیں کیوں ایسے ہوتے جا رہے ہیں۔'' اذہان کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔ مجھ سے وہاں زیادہ دیر نہ رکا گیا اور میں گھر واپس آگئی، اماں تو عدت میں تھیں اس لیے نہیں جا سکتی تھیں، میں گھر آکر اماں کے سامنے بھی بہت روئی تھی میری حالت دیکھ کر اماں بھی آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

ادھر تمکین آپا کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے۔ اماں کی عدت بھی ختم ہونے والی تھی پھر شادی کی ڈیٹ رکھنی تھی کیونکہ بہرام بھیا اور اسوئی آپا کے ولیمے میں ہی تمکین آپا کی رخصتی تھی۔ حسنہ مامی بھی کم کم آتی تھیں وہ خود اسود بھیا کی وجہ سے چڑچڑی سی ہوگئی تھیں۔ ہاں اذہان برابر آتا رہتا۔

اماں کی عدت ختم ہوگئی۔ حسنہ مامی بھی آئی تھیں مگر چپ چپ تھیں۔ جلی کٹی باتیں اور بات، بات پر چڑچڑے پن کا اظہار کر رہی تھیں۔

''اماں یہ حسنہ مامی کچھ زیادہ ہی چڑچڑی ہوگئی ہیں۔'' میں نے ان کے جانے کے بعد اماں سے کہا۔

''اصل میں فخر بھائی کی موت اور پھر اسود کی دلہن کا رویہ اور اس کی طلاق ایسے حادثات نے انہیں بدمزاج اور چڑچڑا بنا دیا ہے۔'' گو کہ اماں خود بھی فکرمند تھیں مگر مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اماں حادثات تو آپ کے ساتھ بھی ہوئے، آپ کا بھائی اور شوہر دونوں ہی چلے گئے۔'' میری بات میں دم تھا۔ اماں نے تاسف سے مجھے دیکھا۔

''ہاں بیٹی، بھائی کا مزاج ہی ایسا تھا ناں پھر حالات نے اور پریشان کر دیا مگر مجھے امید ہے تم جاؤ گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اذہان بھی بہت سمجھ دار ہے تم دونوں مل کر سب کچھ ٹھیک کرلو گے۔'' اماں کے لہجے میں ہمارے لیے فخر اور یقین تھا۔

''انشاءاللہ۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

دو تین دن گزرے تھے اس روز میں اور اماں مل کر اسوئی آپا کے جہیز میں دینے والے غرارے پر بیل ٹانک رہے تھے۔ اسوئی آپا محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی تھیں۔ وہ چھت پر تھیں، بڑی آپا بھی آئی ہوئی تھیں۔ اس وقت ان کے بچے سو رہے تھے اور وہ نہانے گئی ہوئی تھیں۔ میں سوئی میں دھاگا ڈال رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی میں نے دھاگا ڈال کر سوئی اماں کے ہاتھوں میں تھمائی اور جا کر گیٹ کھولا۔ سامنے حسنہ مامی کھڑی تھیں۔

''السلام علیکم مامی۔'' میں نے گرم جوشی سے سلام کیا۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔

''آیئے آیئے بھابی۔'' اماں نے غرارہ سمیٹ کر ایک طرف رکھا اور حسنہ مامی کے لیے جگہ بنائی۔ سونی جاگ گئی تھی۔ میں آواز سن کر کمرے کی طرف چلی گئی۔ وہ دوبارہ سوگئی تو میں چائے بنانے کچن میں

آ گئی۔ اسوئی آپا بھی نیچے آ گئی تھیں۔

''مامی چائے پئیں گی؟'' اسوئی آپا نے سلام کر کے پوچھا۔

''ہاں بھئی، ضرور تمہارے ہاتھ کی چائے تو ضرور پیئوں گی۔'' حسنہ مامی کا لہجہ بشاشت لیے ہوئے تھا۔

''اور بھابی اسود کیسا ہے اب......؟'' اماں نے پوچھا۔

''اللہ کا کرم ہے، کافی بہتر ہے، ڈاکٹر کو دکھایا تھا وہ کہتے ہیں شادی کر دو پھر سے مستقل اور مناسب توجہ اور محبت سے اس کی زندگی پر کافی خوشگوار اثرات پڑ سکتے ہیں، سوچ رہی ہوں لڑکی دیکھ کر اذہان کی شادی کے ساتھ اس کا نکاح بھی کر دوں۔''

''چلو اللہ کا کرم ہے کہ وہ بہتر ہو رہا ہے کوئی مناسب لڑکی ہے نظر میں آپ کے...... جسے تمام حالات کا علم ہو؟'' اماں نے پوچھا...... اسوئی آپا چائے لے کر آ گئی تھیں۔

''ہاں لڑکی ہے تو ذہن میں۔'' انہوں نے چائے لیتے ہوئے معنی خیز انداز میں اسوئی آپا کو دیکھا۔ ''اور ہاں سنو صدیقہ! تم بچیوں کی شادی کے بعد ہمارے ہاں شفٹ ہو جانا خود کو اکیلا مت سمجھنا۔'' انہوں نے لاڈ سے اماں سے کہا۔

''شکریہ بھابی! مگر ہالہ اور سالم ہمارے یہاں آ جائیں گے وہ اوپر والے پورشن میں بچیوں کی شادی سے پہلے ہی شفٹ ہو جائیں گے، میں اکیلی نہیں رہوں گی۔'' اماں نے لجاجت سے کہا۔

''چلو یہ بھی اچھی بات ہے۔'' حسنہ مامی نے چائے کا سپ لے کر کہا۔ ''ویسے صدیقہ! میں نے ایک بات سوچی ہے۔ ظاہر ہے تم ہی تو ہو میری اپنی اور ہمدرد...... اب تم سے ہی ایسی بات کر سکتی ہوں پھر اسود بھی تو تمہارے لیے اذہان جیسا ہی ہے ناں تمہارے بھائی نہ رہے، سلیم الدین بھائی بھی چل بسے ہم لوگوں کو ہی اولاد کی بہتری کے بارے میں سوچنا ہے۔ ہمارے رشتے میں اپنائیت ہے، اس لیے ہم آسانی سے ایک دوسرے سے دل کی بات کہہ سن سکتے ہیں۔''

''جی بھابی!'' اماں، فخر ماموں اور ابا میاں کے ذکر پر افسردہ ہو گئیں۔ ''بس اللہ پاک ہمارے رشتوں میں یونہی محبت، اتفاق اور خلوص برقرار رکھے اور ہمارے بچے بھی ہمارے نقشِ قدم پر چلیں۔'' اماں نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

''آمین ثم آمین۔'' حسنہ مامی نے کہا اور دوبارہ سے گفتگو کا آغاز کیا۔

''اور اس رشتے کی مضبوطی اور پائیداری میں اضافہ ہو سکتا ہے اگر تم اسوئی کی شادی اسود سے کر دو۔'' ان کی بات پر اماں نے جھٹکے سے سر اٹھا کر حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھا۔ میں جو وہیں صحن میں شیری کے ساتھ کھیل رہی تھی بری طرح چونک کر حسنہ مامی کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ پاگل ہو گئی ہوں۔

''ارے بھابی! کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟ یہ کیسی بات کر رہی ہیں آپ؟ آپ کو پتا بھی ہے کہ اسوئی کی شادی بہرام سے طے ہو چکی ہے اور اب کچھ ہی مہینے میں......'' اماں کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا تھا۔

''ہاں تو رشتہ طے ہوا ہے کوئی نکاح تو نہیں ہو گیا ناں۔'' ان کی بات پر اماں لرز گئیں۔

''بھابی کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟''

''دیکھو صدیقہ، تمہیں تو اسود کے بارے میں سب کچھ پتا ہے میرا بچہ کتنا دکھی ہے اور ایسے وقت میں اپنے ہی تو سہارا بنتے ہیں بھلا کوئی باہر والی لڑکی آ کر تھوڑا ہی سنبھالے گی جس طرح گھر کی بچی نبھا کر سکتی ہے۔''

''بھابی! آپ کی بات ٹھیک ہے اگر اسوئی کا رشتہ پکا نہ ہوتا تو شاید میں ایسا سوچ بھی لیتی مگر اب کسی صورت ایسا سوچ بھی نہیں سکتی کہ اُدھر سے رشتہ ختم کر کے یہاں طے کر دوں بھائی صاحب اور بھابی صاحبہ نے ہمیشہ ہمارا بہت خیال رکھا ہے، اپنے بچوں سے زیادہ میری بچیوں کو پیار کرتے ہیں وہ لوگ۔'' اماں نے تیز لہجے میں کہا۔

''تو کیا ہم نے اور تمہارے بھائی نے تمہارا خیال نہیں رکھا.....؟ ہم نے تمہاری بچیوں سے پیار نہیں کیا؟ میں نے تو بچپن میں ہی وامیہ کا بوجھ تمہارے سر سے اتار دیا تھا؟'' حسنہ ممانی نے احسان جتایا۔

''آپ کی بات اپنی جگہ بالکل درست ہے آپ لوگ بھی میرے لیے قابلِ احترام ہیں لیکن اب جبکہ شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں تو میرے لیے ایسا سوچنا بھی گناہ کے مترادف ہے۔'' اماں نے اس بار لہجہ تھوڑا سا دھیما کر لیا تھا۔

''یہاں میرے بیٹے کی شادی ختم ہو گئی، وہ نفسیاتی مریض بن گیا ہے اور تمہیں.....صرف اپنے رشتے کا پاس ہے۔ میری مجبوری میرے بیٹے کا کوئی احساس نہیں، صدیقہ تم اپنی ہو..... تم پر مجھے مان ہے بھروسا ہے تبھی میں نے یہ بات کی ہے باقی تم اچھی طرح سے سوچ لو، میں اتوار کو آؤں گی جواب لینے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔ قبل اس کے کہ اماں کچھ بولتیں وہ تیزی سے گیٹ سے باہر نکل گئیں۔ اسی وقت بڑی آپا بھی نہا کر آ گئی تھیں اور اسوئی آپا بھی جو چائے دے کر دوبارہ اوپر بچوں کو ٹیوشن پڑھانے چلی گئی تھیں، آ گئی تھیں۔

''کیا ہوا اماں.....؟'' اماں کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر بڑی آپا نے پوچھا۔ میں چپ کھڑی تھی۔ اماں نے حسنہ مامی کی آمد کا مقصد بتایا تو اسوئی آپا لرز گئیں۔

''ہائیں! اماں کیا ہو گیا ہے، حسنہ مامی پاگل ہو گئی ہیں کیا.....؟ کوئی بچوں کا کھیل ہے کہ اچھا بھلا رشتہ ختم کر کے دوسری جانب کر دیں۔ اس وقت خیال نہ آیا ان کو جب اسود کنوارا تھا۔ آپ نے اتوار والی بج کیوں رکھی، آج ہی انہیں سختی سے فیصلہ سنا دیتیں۔ اگر وہ پاگل ہو گئی ہیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کھو چکی ہیں تو کیا ہم بھی پاگل ہیں جو فضول اور بے تکی بات پر سوچنا شروع کر دیں۔ ٹائم تو ایسے دے کر گئی ہیں جیسے ہم دل و جان سے اس رشتے پر تیار ہیں۔'' بڑی آپا تو سن کر آپے سے باہر ہو گئی تھیں اور ہم سب کے حصے کا بھی بول رہی تھیں۔

''بیٹا میں نے صاف منع کر دیا مگر انہوں نے سنی نہیں اور جھٹ سے اٹھ کر چلی گئیں۔''

اسوئی آپا چپکی کھڑی تھیں مگر ان کا زرد ہوتا چہرہ اس بات کا غماز تھا کہ انہیں یہ بات بہت بری لگی ہے۔

''فکر نہ کر میری بچی، ایسا کسی صورت ممکن نہیں۔'' اسوئی آپا کا مرجھایا چہرہ اماں کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھا۔

''اماں آپ ابھی اسی وقت حسنہ مامی کو سختی سے منع کر دیں، یہ لیں میں نے نمبر ملا دیا ہے۔'' بڑی آپا بے حد غصے میں تھیں۔

''ابھی تو وہ گھر بھی نہیں پہنچی ہوں گی۔'' اماں نے کہا تو آپا نے سر ہلایا۔ میں نے فوراً ہی اذہان کو کال ملائی۔

''کیا کہہ رہی ہو پاگل ہو گئی ہو کیا؟ اماں تو یہ کہہ کر گئی تھیں کہ مل کر آتی ہوں۔'' دوسری جانب میری بات پر اذہان اچھل پڑا تھا۔ وہ غصے سے بے قابو ہو گیا تھا بات ہی ایسی تھی بے تکی اور فضول سی کہ کوئی بھی سنتا تو ایسا ہی ردِعمل ہوتا۔ اماں نے تھوڑی دیر بعد حسنہ مامی کو فون کیا۔

''بھابی یہ گھر اور ہم آپ کے لیے ہمیشہ حاضر ہیں، آپ کا اپنا گھر ہے ہزار بار آئیں۔ آپ کا حق یہ اور آپ ہمارے لیے قابلِ عزت اور قابلِ احترام ہیں لیکن..... آپ مہربانی کر کے اسود اور اسوئی کے رشتے کی بات کو لے کر دوبارہ مت آئیں۔ اسود میرا اپنا بچہ ہے میں اس کے لیے دن رات دل سے دعائیں کرتی ہوں، اللہ پاک اس کے لیے نیک، شریف اور اچھی لڑکی ضرور بھیجے گا آپ خود کو اکیلا مت سمجھیے..... ہم سب آپ کے اپنے ہیں آپ کے ساتھ ہیں۔'' دوسری جانب سے حسنہ مامی نے بنا کچھ کہے فون بند کر دیا۔ اماں پریشان ہو گئیں لیکن کچھ دیر بعد اذہان کی کال نے ہم سب کو مطمئن کر دیا کہ اماں سے اس نے بات کر لی ہے اور وہ اپنی بات پر شرمندہ ہیں اور وہ لوگ اتوار کو

آئیں گے تو مگر جواب لینے نہیں بلکہ مامی، اماں سے معذرت کریں گی۔

''شکر ہے خدا کا۔'' بڑی آپا کے ساتھ اماں کے منہ سے بھی بے اختیار نکلا، ہم سب مطمئن ہو گئے۔

اتوار کے دن تایا ابا، تائی اماں، صداقت بھیا اور تمکین آپا بھی آ گئے تھے۔ شادی کے معاملات پر کچھ بات بھی کرنی تھی۔ شکر تھا کہ حسنہ مامی والی بات ابھی کسی تک نہیں گئی تھی اور معاملہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ سب لوگ ابھی ابھی دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوئے تھے ابھی دسترخوان ویسے ہی لگا ہوا تھا کہ حسنہ مامی اور اذہان آ گئے۔

''اوہو بھئی یہاں تو محفلیں جمی ہیں۔'' حسنہ مامی نے سب کے اوپر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے طنزاً کہا۔

''جی بھابی، بس آپ کی کمی تھی۔'' اماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلو یہ اچھی بات ہے کہ سب لوگ یہاں پر موجود ہیں جو بات ہو گی سب کے سامنے ہو تو فیصلے میں آسانی ہو جائے گی۔'' ان کی ذومعنی بات پر ہم سب چونکے، میں نے اذہان کی طرف دیکھا اس نے اشارے سے مجھے مطمئن کر دیا۔

''حسنہ مامی کھانا کھا لیں۔'' بڑی آپا نے کہا۔

''نہیں، میں یہاں کھانا کھانے نہیں آئی بس دو گھڑی بات کرنی ہے۔'' ان کی بات پر میں نے دوبارہ اذہان کی سمت دیکھا اس بار اس کا چہرہ کچھ متفکر تھا کیونکہ وہ اپنی اماں کی نیچر سے واقف تھا۔ سب لوگ حسنہ مامی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اماں کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''جی حسنہ بھابی، کہیے کیا کہنا ہے؟'' تائی اماں نے خوش دلی سے کہا۔

''بھئی بات صرف اتنی سی ہے کہ میں نے اپنے اسود کا رشتہ اسویٰ کے لیے دیا ہے اور اب تمہاری دیورانی کو یہ اعتراض ہے کہ اس کا تو رشتہ طے ہے۔''

''ہیں...... آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟'' تائی اماں ان کی بات پر صوفے سے اچھل پڑیں یہی حال تایا ابا سمیت سب کا تھا ہم لوگ حیرت زدہ تھے۔ میں نے اذہان کی جانب دیکھا۔ اذہان آنکھیں پھاڑے ماں کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو علم نہیں کہ اسویٰ کا رشتہ بہرام سے سلیم میاں کی رضامندی سے ان کی موجودگی میں پکا ہو چکا ہے۔''

''ہاں، ہاں الحمدللہ میری یادداشت سلامت ہے، سب یاد ہے مجھے اور ابھی صرف رشتہ طے ہوا ہے نکاح تو نہیں ہو گیا ہے۔ رشتے تو بنتے بگڑتے رہتے ہیں اور اپنوں کے لیے اگر ایسا کرنا پڑ جائے تو کوئی برائی بھی نہیں ہے۔ میرے اسود کے لیے اسویٰ جیسی لڑکی ہی مناسب رہے گی تمہارا بیٹا کنوارا ہے خوب صورت ہے اسے ہزاروں لڑکیاں مل سکتی ہیں۔''

''حد کرتی ہیں آپ حسنہ بھابی، حیرت ہے آپ کی سوچ اور خیالات پر۔'' ہم سب خاموش تھے صرف تائی اماں بول رہی تھیں۔

''اماں یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ چلیں گھر۔'' اذہان کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نمایاں تھے۔

''چپ کرو تم!'' انہوں نے اذہان کو گھُرکا۔

''بی بی تم چپ کرو، مجھے صدیقہ سے بات کرنے دو۔'' حسنہ مامی نے بدتمیزی سے تائی اماں کو دیکھا۔

''معاف کیجیے بھابی! مجھے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنی ہے، آپ کی سوچ اور خیالات کتنے گھٹیا ہیں اور جب ہماری اس موضوع پر بات ختم ہو چکی ہے تو پھر آج سب کے سامنے یہ تماشا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' ہمیشہ کی حلیم طبع اور دھیمے مزاج والی اماں نے قدرے غصے سے کہا۔

''صدیقہ سوچ لو، تم میری توہین کر رہی ہو۔'' اس بار حسنہ مامی کی آواز مزید تیز ہو گئی تھی۔

''حسنہ مامی! توہین تو آپ ہماری کر رہی ہیں، ہمارے جذبات اور ہمارے رشتوں کو اپنے پیروں تلے

روندری ہیں۔ ایک بیکار اور فضول سی ضد لے کر آپ ہمیں ذلیل کرر ہی ہیں۔'' اس بار بڑی آپا بھی چپ نہ رہ سکیں۔ میرے ہاتھ پیر کانپنے لگے تھے۔ لگتا تھا نہ جانے کیا ہونے والا ہے ایسی ہی حالت اذہان کی تھی وہ بیچارگی سے اپنی اماں کے سامنے کھڑا تھا۔

''پلیز اماں چپ ہو جائیں ابھی گھر چلیں، آپ نے کہا تھا کہ وہاں جاکر معذرت کریں گی لیکن...... آپ کو کیا ہو گیا ہے اماں......'' وہ رو دینے کو تھا اور بےعزتی کے احساس سے اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا، اماں نے تو یہاں ساتھ لا کر اس کا تماشا بنا دیا تھا۔

''صدیقہ یہاں تم نے دکھا دیا ناں کہ تمہاری نظر میں ہم سے زیادہ تمہارے سسرالی ہیں۔''

''اماں خدا کے لیے گھر چلیں۔'' اذہان پھر بولا۔

''تمہیں رشتوں کا کوئی پاس ہے کہ نہیں صدیقہ بیگم۔''

''حسنہ بھابی، یہ رشتوں کا پاس ہی رکھ رہی ہوں میں کہ جو رشتہ میں نے قائم کر دیا ہے وہ ٹوٹے نہ اور ایک بیٹی میکے اور ایک بیٹی سسرال میں دے کر توازن قائم رکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' اماں نے مصالحت بھرے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے صدیقہ، سمجھو تمہارے بھائی کے ساتھ تمہاری بھاوج بھی مرگئی۔ اگر تم کو مرے ہوئے بھائی کا خیال نہیں تو ہماری طرف سے آج سے تمام رشتے ختم سمجھو...... آج کے بعد تم لوگ ہمارے لیے اور ہم لوگ تمہارے لیے مر چکے۔''

''حسنہ بھابی خدا کے لیے یوں جذباتی فیصلہ نہ کریں کیوں ایک بیکار سی بات کو بنیاد بنا کر رشتے ختم کر رہی ہیں، اسود کی شادی کا کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے اچھا بھلا ہے ہم سب مل کر اس کے لیے اچھی سی لڑکی دیکھیں گے آپ پلیز بیٹھ جائیں یوں غصہ نہ کریں۔'' تائی اماں نے صورتِ حال اس حد تک بگڑتے دیکھی تو اٹھ کر حسنہ مامی کے پاس آگئیں اور ملائمت سے انہیں سمجھانے لگیں۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے۔

''ہٹو بی بی تم، کوئی ضرورت نہیں نام نہاد ہمدردیاں کرنے کی۔'' انہوں نے تائی اماں کے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے بدتمیزی سے کہا۔

''حسنہ بھابی! بہت ہو چکا، بھابی صاحبہ سے اس لہجے میں بات مت کیجیے۔'' اماں کو ان کی حرکت پر شدید غصہ آ گیا تھا۔

''ہاں بھئی ٹھیک ہے تم سنبھالو اپنے رشتے...... آج کے بعد ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں، اے لڑکی، اتارو انگوٹھی۔'' انہوں نے میری طرف پلٹ کر کہا۔

''اماں، اماں......'' اذہان کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔

''یہ رشتہ ختم...... تو وہ رشتہ بھی ختم اتارو انگوٹھی۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا۔

''نہ نہ...... نہیں...... پلیز...... اماں...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں...... ہم مر جائیں گے اماں......''

''تجھے ماں چاہیے یا یہ لڑکی......؟ اگر میری بات نہ مانی تو تیرا میرا رشتہ ختم۔''

''اماں۔'' وہ رونے لگا۔

''اذہان...... اذہان...... پلیز...... میں...... میں مر جاؤں گی......'' میں نے بند آنکھوں سے اپنی جانب اسوئی آپا، صداقت بھیا اور اذہان کو آتے دیکھا تھا اور میری آنکھیں بند ہوتی گئیں۔

میں نے بہ مشکل اپنی بھاری آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ سر بھاری، بھاری اور ذہن پر بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ بند کھلتی آنکھوں سے دیکھا...... میں اسپتال کے بستر پر تھی اور آس پاس بے شمار مہربان چہرے...... تایا ابا، تائی اماں، آپا، بہرام بھائی، سالم بھیا، صداقت بھیا، بس اذہان اور مامی...... اُف بے اختیار میری نظر اپنے سیدھے ہاتھ کی تیسری انگلی پر جا کر ٹک گئی۔ ایک لمحے میں چھم سے گزرا ہوا سارا واقعہ ذہن میں آ گیا۔

''اماں...... اماں......'' میں نے پکارا اماں نے میرے ہاتھ تھام لیے میں پھوٹ، پھوٹ کر رو دی سب لوگ میرے دکھ پر تڑپ گئے تھے۔ دو دن بعد مجھے ہوش آیا تھا۔ اسوئی آپا نے بتایا تھا کہ اذہان بہت پریشان تھا بہت رو رہا تھا لیکن ماں کی ضد بھی اپنی جگہ تھی۔ دو دن بعد میں گھر لوٹ آئی تھی۔

گھر آ کر پھر سے میرے سارے دکھ تازہ ہو گئے تھے۔ بچپن سے لے کر آج تک میں اور اذہان ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے تھے اور اب جب ہماری محبت تناور درخت بن چکی تھی ایک دوسرے کی محبت کی جڑیں ہماری رگ، رگ میں پھیل چکی تھیں انہوں نے ہم دونوں کے ساتھ کتنا بڑا ظلم کر دیا تھا۔ سارا خاندان سمجھا، سمجھا کر تھک گیا تھا مگر حسنہ مامی نے نہ جانے کیوں ایک بیکار سی ضد کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر دو زندگیوں کو تباہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ یہ کیسا فیصلہ تھا کہ ایک بیٹے کے لیے دوسرے بیٹے کی زندگی برباد کرنے پر تلی ہوئی تھیں، یہ بیٹے سے محبت تھی؟ انا کا مسئلہ تھا؟ ہر کسی کی سمجھ سے یہ بالاتر تھا۔

سالم بھیا کو آفس کی طرف سے کچھ عرصے کے لیے اسلام آباد جانا پڑا تو بڑی آپا بھی ہمارے گھر آ گئیں۔ میری حالت بہت خراب تھی دن بھر اپنے کمرے میں پڑی اپنی انگلی کو دیکھتی رہتی جس پر انگوٹھی کا واضح نشان بنا ہوا تھا مجھے بے تحاشا رونا آ جاتا...... گھر کا ماحول عجیب مکدر اور سوگوار سا ہو گیا تھا میں جو سارے گھر میں چہکتی پھرتی تھی لگتا ہی نہیں تھا کہ میں گھر میں ہوں۔ اماں اور دونوں بہنیں...... سب چپ، چپ رہنے لگے تھے۔ تایا ابا، کی فیملی، شمسہ خالہ لوگ آتے جاتے رہتے مگر میرے دکھ کا مداوا کسی کے پاس نہ تھا، حسنہ مامی نے نہ جانے کیسی کیسی قسمیں دے کر اذہان کو ہم سے بات کرنے سے بھی منع کر دیا تھا۔ اسوئی آپا کی شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے۔ لیکن میری وجہ سے کوئی بھی ڈھنگ سے تیاری نہیں کر پا رہا تھا کیونکہ میرے دکھ پر سب ہی دکھی تھے اور مضمحل تھے۔

آخر کار جب میں نے ٹھنڈے دل سے سوچا تو خود پر غصہ آیا ایک میری وجہ سے سارے لوگ اپ سیٹ تھے میں نے بہت ہمت اور حوصلہ مجتمع کیا ایسا کرتے وقت گو کہ مجھے بہت تکلیف ہوئی مگر مجھے خود سے وابستہ رشتے بھی بہت پیارے اور عزیز تھے۔

اس روز میں کافی دن بعد نارمل طریقے سے کمرے سے باہر نکلی تھی ابھی نہا کر کچھ فریش ہوئی آج اسوئی آپا نے واشنگ مشین لگائی تھی۔ بڑی آپا نے دال چاول بنائے تھے اسوئی آپا نہا کر آئیں تو میں کچن میں آ گئی۔

''ارے گڑیا'' مجھے دیکھ کر بڑی آپا مسکرائیں۔

''آپا کیا بنایا ہے؟''

''دال چاول، کباب اور سلاد'' آپا نے مسکرا کر کہا۔

''گڈ'' میں مسکرائی اور دستر خوان بچھا دیا اماں اور اسوئی آپا بھی اس تبدیلی پر خوش تھے، شیری اور مونی برآمدے میں کھیل رہے تھے۔ میں نے جا کر دونوں کو پیار کیا۔ کھانے کے بعد میں چائے بنا لائی۔ چائے پی کر اماں لیٹ گئیں میں بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی۔

شام کو اماں عصر کی نماز سے فارغ ہو کر باہر تخت پر آ کر بیٹھیں تو میں بھی ان کے پاس آ گئی۔

''اماں، اسوئی آپا کا غرارہ مکمل ہو گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں، میں نے رکھ دیا تھا'' اماں نے کہا۔

''ارے واہ، اتنے سے دن رہ گئے شادی میں چلیں ہم لوگ وہ مکمل کرتے ہیں'' میں بھاگ کر اسٹور روم سے غرارہ نکال لائی۔ میری اس مثبت تبدیلی سے گھر کے ماحول پر خوشگوار اثرات پڑے تھے۔ میں اماں کے ساتھ مل کر غرارے پر بیل ٹانکنے لگی۔

''بڑی آپا میں نے سوچا ہے اس بار میں پنک کلر کا ڈریس بناؤں گی اسوئی آپا کی بارات کے لیے'' میں نے بڑی آپا سے کہا۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں، ہم کل ہی چلیں گے

بازار۔'' میری بات پر بڑی آپا نے جلدی سے کہا جبکہ اسویٰ آپا بھی مسکرانے لگیں، اُدھر تمکین آپا کی تیاریاں بھی عروج پر تھیں ہم لوگ کبھی وہاں جاتے کبھی وہ لوگ یہاں آجاتے۔ خوب دھوم دھام سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ایسے میں موسم نے پلٹا کھایا۔ آج اماں نے بستر نکالے اور میں نہ جانے کیوں پرانی یادوں میں ڈوبتی چلی گئی۔

''وامیہ..... وامیہ..... کہاں ہو بھئی باہر تو آؤ۔''

تمکین آپا کی تیز آواز سے میں خیالات سے چونکی۔ اُف کتنی دیر ہوگئی تھی مجھے یونہی ٹیبل پر سر رکھے ہوئے۔ میں اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔

''واؤ تمکین آپا کتنا پیارا ہے یہ۔'' میں نے تخت پر پھیلے ہوئے پنک اور سلور نگینوں کے کام والے شرارے کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہارے لیے اماں نے بھیجا ہے بہرام بھیا کی بارات کے لیے۔'' تمکین آپا نے کہا۔

''ارے واہ، زبردست!'' میں بچوں کی طرح خوش ہوگئی۔

اسویٰ آپا مایوں بیٹھ گئی تھیں۔ میں خوب اودھم مچا رہی تھی۔ کہیں بھی کسی بھی موقع پر میں نے دل کی کیفیت کو چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا دن بھر خوب شور ہنگامے کرتی، انجوائے کرتی اور رات کو جب تکیے میں منہ چھپاتی تو ڈھیر سارے آنسو خود بخود میرا تکیہ بھگونے لگتے اور صبح ہوتے ہی میں واپس شوخ و چنچل اور ہنستی، مسکراتی وامیہ بن جاتی۔ اپنے دوغلے پن پر خود ہی حیرت ہوتی کہ مجھ میں نہ جانے اتنی ہمت کہاں سے آگئی تھی۔

بارات والے دن اسویٰ آپا بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ دونوں جانب سے ہی خوب، خوب ارمان نکالے جا رہے تھے۔ اماں صبح سے بہت مضمحل تھیں۔ ابا میاں کی کمی شدت سے محسوس کر رہی تھیں اور ساتھ، ساتھ بھاوج سے بچھڑنے کا بھی دکھ تھا۔ میرے لیے گم کھڑی تھیں۔ نہ جانے کیوں آج کئی بار غیر ارادی

خون بڑھائیے

گرلز کالج کی طالبات نے اپنے مطالبات منوانے کے لیے ہڑتال کی اور جلوس کی شکل میں سڑک پر آگئیں۔ کالج سے کچھ طلبا بھی ان کے پیچھے ہو لیے۔ لڑکیوں نے فلک شگاف نعرہ لگایا۔

ہماری مانگ

طلبا میں سے ایک نے کہا۔

''افشاں سے بھر دو۔''

ایس آکاش نقوی، ساہیوال

نطلے پہ دہلا

ایک نیا نویلا شادی شدہ جوڑا کار میں کہیں سیر سپاٹے کے لیے جا رہا تھا کہ راستے میں اچانک ایک گدھا کہیں سے نمودار ہوا اور عین سڑک کے بیچوں بیچ یوں کھڑا ہوگیا کہ نہ اِدھر سے نکلا جا سکتا تھا نہ اُدھر سے۔ شوہر کو شرارت سوجھی اور اس نے اپنی خوبرو بیوی سے مذاقاً کہا۔ ''ڈارلنگ! اپنے اس قریبی عزیز ترین رشتے دار کو تو راستہ چھوڑنے کے لیے کہو۔'' طرحدار حاضر دماغ بیوی نے فوراً اپنا سر کھڑکی سے باہر نکالا اور بولی۔

''جیٹھ جی، براہِ کرم راستہ چھوڑ دیجیے۔''

مسز منیرہ شکور، پشاور کینٹ

آسان حل

ایک آدمی پیر بابا سے۔ ''میں جب بھی کوئی کاروبار کرتا ہوں میری بیوی آگے آجاتی ہے، آپ کوئی حل بتائیں؟''

پیر بابا: ''تو ٹرک چلا کر دیکھ بچہ.....''

از حمیرا نوشین، منڈی بہاؤ الدین

طور پر میری نظریں موبائل اسکرین پر بار، بار جم جاتیں شاید کوئی میسج آجائے۔ ہر بار مایوسی ہوتی۔ میں تیار ہوئی تو آئینے میں خود کو دیکھا، واقعی میں بہت اچھی لگ رہی تھی پنک اور سلور شرارے میں نازک سی سلور نگینوں والی جیولری، سلور باریک اسٹریپ کی سینڈل اور ہلکے میک اپ میں لمبے بالوں کو کھلا چھوڑے میں ہر نگاہ کا مرکز تھی۔ ایک وہ ہی نہیں تھا کہ جس کے لیے سجنے سنورنے کو جی کرتا تھا۔ دل کے اندر ڈھیروں اداسی اتر آئی تھی۔

اداس دن ہیں اداس شامیں
اداس موسم ستا رہا ہے
بہت دنوں سے اداس ہوں میں
مجھے کوئی یاد آرہا ہے
ہے سوکھے پتوں کی سرسراہٹ
تمہارے قدموں کی چاپ جیسی
ہر ایک آہٹ پہ یوں لگا ہے
کہ جیسے ''وہ'' لوٹ کر آرہا ہے

ہم سب تیار ہو کر ہال پہنچ گئے تھے تھوڑی دیر میں اسوئی آپا بھی پارلر سے آگئیں، وہ بہت حسین لگ رہی تھیں۔ مقررہ وقت پر بارات بھی آچکی تھی۔ بہرام بھیا بھی کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہے تھے۔ بڑے سے ہال میں دھیمی، دھیمی موسیقی بج رہی تھی۔ خوب صورتی سے سجا ہوا ہال جس میں اِدھر اُدھر لہراتے رنگین آنچل اور خوشگوار قہقہے کچھ دیر بعد قاضی صاحب کی آمد کا شور اٹھا۔ اسٹیج کے آس پاس تمام رشتے دار موجود تھے۔ دفعتاً میری نگاہ ڈھیر سارے مہمانوں سے ہوتی ہوئی ایک جانب اٹھی تو میری آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ سامنے سے حسنہ مامی، اسود بھیا ان کے ساتھ کوئی پیاری سے لڑکی اور اذہان آرہے تھے۔ اسود بھیا ویسے ہی پہلے جیسے ہشاش بشاش تھے۔ اتنے مہینوں بعد اذہان کو دیکھا تو آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ حسنہ مامی، اماں سے لپٹ کر بری طرح رو رہی تھیں، میں اسٹیج سے اتر کر نیچے آئی۔ اذہان کے چہرے پر اطمینان تھا۔

''صدیقہ مجھے معاف کردو، میری بہن میں بہت بے وقوف تھی، کم عقل اور نادان جو ایک ضد کو لے کر اتنی بڑی غلطی کر بیٹھی مگر خدا کی قسم صدیقہ شاباش ہے تم پر، تمہاری تربیت پر، تمہاری بیٹی نے میری آنکھیں کھول دیں۔'' سب حیران تھے حسنہ مامی کی بات پر اماں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''ہاں صدیقہ!'' وہ دوبارہ گویا ہوئیں۔ ''میں تم سب سے ناتا توڑ کر چلی گئی تھی چند روز بعد ہی میں بازار سے واپس آرہی تھی کہ کسی گاڑی والے نے مجھے ٹکر ماردی تھی اور میں زخمی ہو کر روڈ پر پڑی تھی۔ اس وقت لوگ مجھے اٹھانے سے کترا رہے تھے۔ میں نے بند ہوتی آنکھوں سے دیکھا اور ہلکی سماعتوں سے سنا کہ لوگ کہہ رہے تھے کہ چھوڑو، چھوڑو پولیس کیس ہے اور ایسے میں مجھے صرف ہالہ اور سالم کی مہربان شکلیں نظر آئیں۔ ان دونوں نے آگے بڑھ کر مجھے اٹھا کر اپنی گاڑی میں ڈالا تھا۔ میرے لیے خون کا بندوبست کیا اور اس کے بعد یہ دونوں گھر لوٹے تھے، میں بے ہوش زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی اگر اللہ پاک ان کے دل میں نہ ڈالتا تو شاید آج یہاں نہ ہوتی۔ جب ہوش میں آئی تو بہت روئی تب ہی سوچ لیا تھا کہ اللہ پاک نے زندگی دی تو ایک بار تم سے معافی ضرور مانگوں گی۔ مجھے معاف کردو صدیقہ۔'' وہ زار و قطار روتے ہوئے معافیاں مانگ رہی تھیں۔ اماں نے پلٹ کر سالم بھیا اور ہالہ آپا کو دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اماں نے فخر سے انہیں دیکھا۔ ''یہی نہیں بلکہ ہالہ نے سالم کی ہی ایک رشتے دار لڑکی سے میرے اسود کی شادی بھی کروا دی۔ میں کیسے ان احسانات کا بدلہ اتاروں، میں تو کسی قابل بھی نہیں۔'' حسنہ مامی مسلسل بول رہی تھیں۔

''بس کریں بھابی!'' اماں نے آگے بڑھ کر انہیں گلے سے لگالیا۔ ''شکر ہے اللہ پاک کا کہ آپ کا دل صاف ہو گیا اور بہت خوشی بھی ہے کہ آپ ہماری

خوشی میں شریک ہونے آگئیں۔'' اماں نے روتے ہوئے فراخ دلی سے کہا۔

''ہائے اللہ یہ سب کیا ہے......؟'' میں حیرت اور خوشی سے اذہان کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ اسود بھیا اور ان کے ساتھ کھڑی پیاری سی لڑکی اور اذہان بھی اماں سے ملے۔ سب آپس میں مل رہے تھے اچانک ہی بدگمانیوں کے بادل چھٹ گئے تھے اور ہماری خوشی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ تائی اماں سے بھی حسنہ مامی نے معافی مانگ لی تھی۔

''ارے بھئی یہ ''شادی ملن'' کی تقریب ہوگئی ہو تو نکاح کی رسم ادا کردی جائے۔'' صداقت بھائی نے آکر پرمزاح انداز میں کہا۔

''ضرور، ضرور۔'' سب نے نعرہ لگایا تب ہی حسنہ مامی، تائی اماں، اماں اور بڑی آپا میں آپس میں آہستہ آہستہ کھسر پھسر ہوئی، میں جب تک پہنچی بات ختم ہوچکی تھی۔

''کیا ہوا بڑی آپا؟'' میں کسی انجانے خوف کے پیش نظر کچھ پریشان تھی۔

''کچھ نہیں ہوا گڑیا، اِدھر آؤ۔'' بڑی آپا نے میرا ہاتھ پکڑا اور میرے بڑے سے دوپٹے کو جسے میں نے بڑے اسٹائل سے سیٹ کیا ہوا تھا جلدی، جلدی پنیں نکالیں۔

''کیا ہوگیا آپا...... یہ کیا کررہی ہیں......؟'' میں ان کی بے تکی حرکت پر حیران تھی۔

''چپ۔'' انہوں نے منہ پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش کروایا، میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اسٹیج پر لے آئیں اور اسوی آپا کے برابر بٹھادیا، ابھی میں بیٹھ بھی نہ پائی تھی کہ اذہان میرے برابر میں آبیٹھا۔

''یہ کیا ہے......؟'' میں یک دم کھڑی ہوگئی۔

''ہشت چپ کرو، دلہن بولتی نہیں۔'' بڑی آپا نے دوبارہ مجھے بٹھاتے ہوئے کہا۔

حسنہ مامی آج بھی کیل کانٹوں سے لیس ہوکر آئی ہیں۔'' اسوی آپی نے میرے کان میں کہا۔

میں نے سوالیہ نظروں سے اذہان کی طرف دیکھا تو اس نے مسکرا کر شرارت سے آنکھ ماری۔

''ہائے اللہ۔'' میں معاملے کی تہ تک پہنچ گئی اذہان کی قربت اور یہ سچویشن میری نگاہیں خود بہ خود جھک گئیں نہ جانے کہاں سے اتنی شرم آگئی دوپٹا سرک کر اور تھوڑا سا نیچے آگیا۔

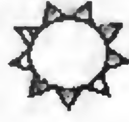
''قاضی صاحب آگئے، دو دو نکاح ہونے ہیں۔'' اسود بھیا کی آواز نمایاں تھی، اُف اللہ اچانک سے ملنے والی اتنی بڑی خوشی میرے لیے ناقابلِ یقین تھی۔

''لو بھئی! حسنہ مامی اپنی سابقہ روایات برقرار رکھتے ہوئے ایمرجنسی منگنی کی طرح آج ایمرجنسی نکاح بھی کروانے کا ارادہ لے کر آئی ہیں۔'' بہرام بھیا کی شریر آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ بہرام بھیا کی بات پر زوردار قہقہے ابھرے۔ گویا سارے مہمان اس صورتِ حال سے محظوظ ہورہے تھے۔ ایجاب وقبول کے خوب صورت مرحلے کے بعد میرے جملہ حقوق اذہان کے نام ہوگئے تھے۔ عجیب سی سرشاری میرے روم، روم میں اتر آئی تھی۔ حسنہ مامی نے مجھے گلے لگا کر ڈھیروں دعائیں دیں ساتھ رو بھی رہی تھیں۔ ہر جانب سے مبارک، مبارک ایمرجنسی نکاح مبارک کی آوازیں میری سماعتوں میں رس گھول رہی تھیں میں بےخودی کے عالم میں تھی۔

''بہت مبارک ہو۔'' تبھی اذہان کی شوخ آواز میرے کانوں میں آئی۔

''تم کو بھی۔'' میں بہ مشکل کہہ پائی، میری ساری شوخی شرارت سب ہوا ہوچکی تھی۔ حیا سے پلکیں جھکی جارہی تھیں۔

''اماں سے کہہ کر آج ہی اٹھا کر لے جاؤں گا۔'' میں اذہان کی شوخ اور بے باک سرگوشیوں سے بےخود ہوئی جارہی تھی۔



جرسِ الفت کے اسیر

فرحین اظفر

امی کے منہ سے دعاؤں کے پھول جھڑ رہے تھے۔ سامنے میز پر رکھی چائے کی پیالی سے اٹھتی بھاپ سے پرے ان کا سنجیدہ چہرہ ان دعاؤں کے ردِعمل میں مزید سنجیدہ ہو چلا تھا۔

رومیشہ نے جھکی، جھکی نظروں سے سامنے بیٹھے زین العابدین کو دیکھا اور سر بھی جھکالیا۔ وہ زیادہ دیر بیٹھنے نہیں آیا تھا۔ پوری چائے بھی نہیں پی اور اٹھ گیا۔

''رباتم!'' دروازے سے نکلتے سے ذرا کی ذرا تھم کر اس نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''شاپنگ کرنے چلو گی میرے ساتھ؟'' اس کی

بات کس قدر غیر متوقع تھی وہ خود بھی جانتا تھا، روبیشہ کے چہرے پر اُمڈتی حیرت سے قطع نظر وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''آں..... امی سے پوچھ کے.....''

فوری طور پر جواب بھی نہ سوجھا اور مزید گڑبڑاہٹ یمنیٰ کی بے وقت انٹری نے پیدا کردی۔ وہ عین سامنے رکشا سے اتری تھی۔ زین العابدین رکا نہیں۔ سلام کر کے سیدھا نکلتا چلا گیا۔

''کیوں آیا تھا یہ اب یہاں پر.....؟'' یمنیٰ کا انداز جارحانہ سا تھا۔

''یمنیٰ!'' اس نے حیرت سے اپنی بڑی بہن کو دیکھا۔

''کارڈ دینے آئے تھے اپنی شادی کا۔'' بولتے ہوئے اس کا دل ایک لمحے کو رک سا گیا۔ یمنیٰ کے لب فوری طور پر بھینچ سے گئے۔ وہ تیزی سے امی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

لاؤنج سے کسی مہمان کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سب سے نمایاں آواز بلاشبہ ہانیہ کی تھی۔

اس کے ماتھے پر ہلکی سی شکن نمودار ہوگئی۔ بے حد سنجیدہ شکل کے ساتھ اس نے لاؤنج میں قدم رکھ کر زوردار آواز میں سلام کیا۔ ملی جلی آوازوں میں جواب موصول ہوا۔

''امی بہت بھوک لگ رہی ہے۔ پلیز کھانا میرے کمرے میں بھجوادیں۔'' بنا کسی کی طرف دیکھے وہ سیدھا اندر بڑھ جانا چاہتا تھا۔

''ارے ایسے کیسے بھئی، رکو تو..... یہاں سب تمہارے انتظار میں بھوکے بیٹھے ہیں۔'' اس نے کوفت سے امی کا پیغام سنا۔

''کیوں، میں نے تو نہیں کہا تھا کہ میرا انتظار نہ کیا تو میں برا مان جاؤں گا۔'' لاؤنج کے کونے سے ابھرتی دبی، دبی ہنسی کی آواز نے اس کی بیزاری بڑھائی۔

''اچھا، اچھا..... زیادہ اتراؤ نہیں، جاؤ جا کے جلدی سے کپڑے بدل کے آؤ۔ تمہاری پسند کا ہری مرچ کا پلاؤ بنایا ہے۔'' امی نے پیار سے پچکارا مگر اپنی مرضی اور پسند کے کھانے کی خوش خبری بھی اس کا موڈ بحال نہ کرسکی۔

ڈائننگ ٹیبل پر حسبِ توقع صرف دو وجود اس کے منتظر تھے۔ ہانیہ اور اس کی اکلوتی چھوٹی بہن شاہ نور... برابر، برابر کی کرسیوں پر ایک دوسرے سے جڑی۔ پہلے کھُسر پھُسر پھر کھی کھی......

''امی تو کہہ رہی تھیں کسی نے میرے انتظار میں کھانا نہیں کھایا۔'' اس سے کہے بغیر رہا نہیں گیا۔

''ہاں تو ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ صرف امی نے خود ہی کھایا ہے اور کسی نے تو بہت انتظار بھی کیا۔'' شاہ نور نے کسی پر خاص دباؤ ڈالا۔ اس کا دل چاہا اپنی ہی بہن کا گلا دبا دے۔

''امی سے کہہ دینا آئندہ کسی کو میرے لیے انتظار کی تکلیف نہ دیں۔'' اس کے سرد لہجے کی تلخی ہانیہ کے سامنے رکھی پلیٹ میں آن گری۔

☆☆☆

''امی! زین شاپنگ کا کہہ رہے ہیں۔'' اس نے موبائل لا کر جھکی نظروں سے امی کی طرف بڑھا دیا۔ پاس بیٹھی یمنیٰ جو رازداری سے امی سے جانے کون سی بات کر رہی تھی تلملا کر پہلو بدل گئی۔

امی فون پر بات کر چکیں تو اس نے سیل فون واپس لیتے ہوئے ایک اچٹتی نگاہ یمنیٰ پر ڈالی۔ وہ شرر بار نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا اس کا وجود بھسم ہو جائے گا۔

''اب کیا ضرورت ہے اسے، یہ چونچلے دکھانے کی۔'' اس سے بالآخر رہا نہیں گیا۔

''کوئی ضرورت کیوں نہیں۔ اس کی کون سی دس بہنیں ہیں۔ اور یہاں کون سا کوئی بھائی ہے جو.....'' امی اپنی سادگی میں کہے جا رہی تھیں۔

''اُفوہ امی، کس دنیا میں رہتی ہیں آپ۔ اچھی طرح جانتی ہیں آپ کہ زین کا جھکاؤ روبیشہ کی طرف کیوں تھا۔ وہ پسند کرتا تھا اسے۔ پھر اب یہ بہن بھائی کا رشتہ کہاں سے آ گیا؟'' اس کے قدم دہلیز پر جم گئے۔

''تو شادی ہوئی تو نہیں ناں! بلکہ شادی تو دور کی بات...... رشتہ تک نہیں آیا اور......'' وہ چپ چاپ بڑھ گئی۔

''تم اپنی بہن کو جانتی ہو وہ اس طرح کی باتوں میں کہاں ہے۔'' امی کی دور ہوتی آواز میں ماؤں والا مخصوص فخر تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا دل انجانے ملال میں گھر گیا۔

ہے کہیں کوئی وکیل باکمال ایسا
میرا ہارا ہوا عشق جتا دے مجھ کو

☆☆☆

''آپ کو نہیں لگتا، مجھے اس طرح شاپنگ پر لے جانا ٹھیک نہیں؟'' فرنٹ سیٹ پر براجمان بھاگتے دوڑتے مناظر پر نگاہیں ٹک نہیں رہی تھیں۔ جبھی اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''کیوں، کسی نے کچھ کہا تمہیں؟'' زین کا چونکنا بڑا فطری سا تھا۔

''نہیں بس ایسے ہی...... پہلے ہی خاندان میں یہ بات پھیل چکی ہے کہ آپ......'' وہ ایک دم جھجک کر چپ ہوگئی۔ پہاڑ جیسی بات میں رائی برابر سچ کا امکان تو بہر حال تھا۔

''ہاں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میرا ماضی میں اگر کوئی ارادہ تھا بھی تو اپنوں کی مہربانی سے پورا نہیں ہوسکا۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اب میں تم سے بات بھی نہیں کرسکتا۔''

''بات کرنا اور بات ہے اور اس طرح شاپنگ کے لیے......'' اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔

''کیوں، اس میں کیا برائی ہے؟''

''میرے اور آپ کے نزدیک نہ بھی ہو...... لیکن اور دوسرے لوگ تو......''

''تم ان کی پروا کرتی ہو یا میری؟'' زین کا انداز سنجیدہ تھا۔

''آپ کی بھی کرتی ہوں۔''

''بھی سے مطلب؟''

''اوہ...... ہچ......!'' وہ زچ ہوگئی۔ ''آپ جانتے ہیں۔ میں کس بارے میں بات کررہی ہوں۔''

''میں صرف یہ جانتا ہوں کہ یہ بات تم سے کسی اور نے کی ہے اور تم مجبور ہوکر مجھ سے کہہ رہی ہو۔ نہ یہ بات تمہاری ہے۔ نہ الفاظ تمہارے ہیں۔'' اس کے دوٹوک لہجے کے آگے ٹھہرنا روبیشہ کے لیے ہمیشہ ہی مشکل ہوتا تھا۔

''جب پتا ہے تو مجھے تنگ کرنے کا مطلب۔'' چند لمحے ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ تنک ہی گئی۔ زین اسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

☆☆☆

شام کے سائے تھک کر اندھیروں میں مدغم ہورہے تھے۔ شاہ نور کے کمرے سے آتی ہانیہ کی باتوں کی آواز سے ظاہر تھا کہ وہ ابھی تک یہیں ہے۔ اور اب رات ہوجانے کا مطلب بھی ظاہر تھا کہ اسے ڈراپ کرنے کی ذمے داری اسی کو نبھانی تھی۔

''اٹھ گئے تم بلال؟'' سوچ سمجھے ڈرامے کے ہر ایکٹ پر، پرفارم کرنے کے لیے امی برآمد ہوئیں۔

''ظاہر ہے جبھی نظر آرہا ہوں۔'' بظاہر اس نے بہت آرام سے کہا تھا۔

وہ بڑے محظوظ انداز میں ہنسیں۔

''اچھا شام کی چائے تو تم نے پی ہی نہیں تھی۔ فریش ہوکر چائے پیو...... پھر......''

''میں کسی کو ڈراپ کرنے نہیں جاؤں گا۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر ان کی بات کاٹی اور دو قدم پیچھے ہٹا۔

''ارے ارے سنو تو...... وہ ہانیہ......''

''نو امی...... پلیز نہیں، وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ قدم، قدم پیچھے سرکتا واپس کمرے میں بند ہوجاتا۔

''بابا گھر آچکے ہیں۔'' امی نے ممکنہ خطرے کو بھانپ کر فوری حد بندی کی۔ بلال کے ہاتھ بے جان انداز میں لٹک گئے۔ وہ ہتھیار ڈال ہی دیتا مگر شاہ نور کے کمرے سے نکلتی ہانیہ نے جس انداز میں اسے دیکھا تھا، اسے پتنگے لگ گئے۔

''امی، بابا سے کہہ دیجیے گا کہ میں کسی کا ڈرائیور نہیں ہوں۔'' اس نے فی الفور کمرے میں گھس کر دروازہ دے مارا۔ ہانیہ کے چہرے پر تیرتی مسکراہٹ ڈوب چکی تھی۔

☆☆☆

خواب بند آنکھوں سے دیکھے جائیں تو آنکھیں کھلتے ہی غائب ہوجاتے ہیں کبھی آنکھوں سے اور کبھی، کبھی دماغ سے بھی...... وہ خواب جو کھلی آنکھوں سے دیکھا گیا ہو۔ دن رات جسم وجاں کی تمام شدتیں صرف کر کے سینچا گیا ہو۔ خاموش تمناؤں کے پھولوں سے جس کی آرائش کی گئی ہو۔ جس کی تاباں جھلملاہٹ، حقیقت کی تیز روشنی کو چندھیا دے...... اس خواب کو کوئی کیسے توڑے، کیسے چھوڑے۔ جو جاگتی آنکھوں بقائمی ہوش وحواس کے ساتھ دیکھا جائے، وہ تو آنکھیں بند کر کے اور بھی واضح ہوجاتا ہے، نہ جان چھوڑتا ہے نہ دل سے نکلتا ہے۔ نہ دم توڑتا ہے۔

اس نے بے اختیار بریک لگائے۔ گاڑی جھٹکا کھا کر بیچ سڑک پر رکی تھی۔

سامنے سے گزرتا ایک کم سن گجرے بیچتا بچہ زد میں آنے سے بچ کر بھاگا اور فٹ پاتھ پر چڑھ گیا۔ اس کی مٹھی میں دبی ہموار، گول چکنی ڈنڈی میں قطار سے سجے دودھیا گجرے زین کی نگاہوں کا مرکز بن گئے اور دھیان کسی کی مرمریں کلائیوں میں جکڑا گیا۔

شہر کی مصروف شاہراہ پر بے تکے انداز میں بج اٹھنے والے بھونڈے، بے سُرے ہارن کی آوازوں نے اس کے حواس جگائے تو اس نے گاڑی فٹ پاتھ کے ساتھ ہی لگادی۔

گجرے بیچتا بچہ چمکدار آنکھوں سے ہاتھ میں دبے سرخ نوٹ کو دیکھ رہا تھا۔ صرف دو کنگنوں کی اتنی قیمت آج سے پہلے کسی خریدار نے نہیں لگائی تھی۔ یہ اس کی صرف آج کی نہیں۔ پوری زندگی کی یادگار کمائی تھی۔ وہ دیر تک سیاہ رنگ کی اس لمبی سی گاڑی کو دیکھے گیا۔ جس کے ڈیش بورڈ پر تازہ موٹے موتیے کے کنگن پڑے تھے۔

گاڑی جانے پہچانے راستوں کی طرف مڑ چکی تھی۔ وہی خواب جو پچھلے کئی سال سے بڑی پابندی اور وقت اور موقع محل کی تمیز کے بغیر دیکھا گیا تھا۔ وہی خواب اس کا ہاتھ تھامے کشاں، کشاں اس مانوس دہلیز تک گھسیٹ لایا تھا۔

لاؤنج میں بالکل سامنے یمنیٰ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ زین کے گمان میں دور، دور تک یہ بات نہ تھی کہ وہ اس وقت یہاں موجود ہوسکتی ہے۔ ایک لمحہ ٹھٹک کر اس نے قدرے بلند آواز میں سلام کیا۔ بہر حال اندر تو وہ آ ہی چکا تھا اور روبیشہ اسے دیکھ بھی چکی تھی جو، کچن سے باہر نکلی تھی۔

''ارے آپ، اپنے مایوں کے دن بھی چین نہیں آپ کو۔'' زین نے ہمیشہ والی بے تکلفی کے ساتھ ہاتھ میں پکڑا شاپر فریزر کھول کر اندر رکھ دیا۔ ساتھ ہی ساتھ فریج سے پانی کی بوتل بھی نکال لی۔

''امی سو رہی ہیں۔ اب اٹھنے والی ہوں گی۔ فجر سے اٹھی ہوئی تھیں پھر نو بجے ہی آنکھ لگی۔'' اسے کانچ کا گلاس پکڑاتے ہوئے وہ کن انکھیوں سے بار، بار یمنیٰ کو دیکھ رہی تھی۔ جس نے سلام کے جواب میں مڑ کر ایک نظر تک اس پر نہیں ڈالی تھی۔

''چائے لاؤں آپ کے لیے یا ٹھنڈا......؟'' وہ بولتے، بولتے رک گئی۔ زین اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

''تم روئی ہو رُبا......؟'' اس نے نرم لہجے میں استفسار کیا۔

وہ بولتے، بولتے رک گئی۔ وہ ہنوز اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ یمنیٰ نے خاموشی پر مڑ کر انہیں دیکھا اور ساکت ہوگئی۔

چند خاموش لمحاتِ محبت ان دونوں کی آنکھوں میں جھانکتے رہے۔ روبیشہ اس کے لب دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی آنکھیں اور یمنیٰ ان کی محویت پر منجمد تھی۔ پھر اس نے نگاہیں جھکالیں۔ نہ انکار کیا نہ اقرار مگر وہ

جواب لے چکا تھا۔
''اتنے انمول موتی یوں رد لنے کے لیے نہیں ہیں ردیشہ۔ انہیں کسی خوشی کے وقت کے لیے سنبھال کر رکھو۔'' وہ بولتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگا گیا۔
''آئس کریم لایا ہوں، فریزر میں رکھی ہے۔''
اس کا انداز ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔
''اوہ، کیا ضرورت تھی۔ میں سمجھی آپ نے صرف پانی لیا ہے۔'' اس نے بھی خود کو بروقت سنبھالا۔
''صرف پانی ہی تو لیا ہے۔'' اس نے مسکراہٹ دبا کر گلاس تپائی پر رکھ دیا۔
''اور ضرورت کیوں نہیں تھی۔ میرا دل چاہا میں لے آیا۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' آخر میں وہ کچھ جتا کر بولا۔ جانتا تھا یمنیٰ جو واپس ٹی وی کی طرف مڑ چکی ہے۔ ان ہی کو سن رہی ہے۔ بغور...... پورے دھیان سے۔
''نہیں بھئی، مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔'' ردیشہ ہلکے سے ہنس دی۔
''خیر تم کیا کوئی بھی اور...... کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ نہ میرے یہاں آنے پر نہ کچھ لانے پر۔ یہ میرے چچا کا گھر ہے۔ جب جی کرے گا آؤں گا اور جو دل کرے گا لاؤں گا۔ اور یہیں بیٹھ کر کھاؤں گا۔'' یمنیٰ نے ریموٹ پٹخا اور اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔
''اور دشمنوں کا دل جلاؤں گا۔'' آخری جملہ اس نے دھیرے سے ردیشہ کی طرف جھک کر کہا۔
نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی ہنسی نکل گئی۔ زین ایک لمحے کے لیے کھو سا گیا۔
''وہ میرے دشمن نہیں، میرے اپنے ہیں۔''
''اپنے ہیں مگر خیر خواہ نہیں تو کیا فائدہ۔''
رُبا جانتی تھی اسے امی یا یمنیٰ سے کوئی شکایت نہیں۔
''وہ نہیں تو کیا ہوا۔ اللہ تو ہے خیر خواہ۔'' رُبا نے مسکراتے ہوئے آنکھوں کی نمی صاف کی۔ زین گہری سانس بھر کر سنجیدگی سے سر جھکا گیا۔ چند لمحے خاموشی دونوں کے مغموم چہرے تکتی رہی۔ جہاں زیست کا سب سے انمول خزانہ چھن جانے کا پہاڑ جتنا بڑا دکھ رقم تھا۔

''چلتا ہوں، چچی کو سلام کہنا۔''
رُبا کچھ کہنا چاہتی تھی۔ جبھی اندر سے ایک نامانوس سی چیختی ہوئی آواز آئی۔
زین ایک دم چونک سا گیا۔
''طبیعت کیسی ہے اب اس کی؟''
''بہتر ہے۔'' رُبا سر جھکا کر رنجیدگی سے بولی۔
اس کے چہرے پر چھائے اداسی کے معمولی سے سائے بھی زین کو بے چین کرنے کے لیے کافی تھے۔
''آج کسی وقت یا کل اس کی دوائیں دے جاؤں گا۔'' اس نے بولتے ہوئے قدم بڑھائے۔
''فی الحال ضرورت نہیں، میں نے منگوالی تھیں۔''
وہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یک دم پلٹا۔
''کیوں......؟'' اس کی آواز میں قدرے خفگی جھلک آئی۔
''سوری!'' رُبا جیسے اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ ''میں نے سوچا شادی کی وجہ سے آپ مصروف ہوں گے تو......'' اس کی نگاہیں نیچی تھیں۔
''تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ تمہارے لیے میں ہر مصروفیت کو پس پشت ڈال سکتا ہوں۔''
''میں جانتی ہوں۔ نہ سوچنے کی ضرورت ہے نہ آزمانے کی۔'' اس نے یونہی جھکی نگاہوں سے دھیرے سے بول کر دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھا۔
نارسائی کے چند دکھ بھرے لمحوں نے بیچ میں کمند ڈالی۔ زین کی غلافی آنکھوں نے چپکے سے دہلیز پر سمٹی ہجر کی تپتی دوپہر کو دیکھا اور پیچھے مڑ گیا۔
''شام میں آنا ضرور...... میں انتظار کروں گا۔''
وہ اس کی پشت دیکھتی رہی۔ یہ تک نہیں کہہ سکی کہ اپنے مایوں کی رسم میں نکاح کے وقت، بجائے شریک حیات کے کسی اور کا انتظار چہ معنی...... وہ اس سے پوچھ بھی لیتی مگر ڈیش بورڈ پر مہکتے گجروں سے نگاہ ہٹا پائی تب، گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی اور منظر اس کی نگاہوں میں نقش ہوگیا۔

☆☆☆

ناشتے کی ٹیبل پر امی کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس نے شدت سے یہ بات محسوس کی۔

''بابا کہاں ہیں امی؟''

''ابھی سو رہے ہیں۔'' وہ سنجیدہ سی تھیں۔

''خیریت، آفس نہیں جانا۔'' اس کے ہاتھ رک گئے۔

''جائیں گے، رات ذرا سر میں درد تھا تو......''

''لو مجھے بتایا نہیں آپ نے، میں رات کو ہی ڈاکٹر کے پاس لے جاتا۔''

''ارے نہیں۔'' امی بات کی سنجیدگی کو کم کرنے کے لیے ذرا سا مسکرائیں۔

''اتنا زیادہ نہیں تھا اور ویسے بھی تم تو مغرب کے بعد سے ہی کمرے میں بند تھے۔''

انہوں نے کچھ جتایا نہیں تھا۔ پھر بھی وہ خفیف سا ہو گیا۔

''تمہارے بابا کہہ رہے تھے۔ بلال کو ایسے بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ خود گئے تھے ہانیہ کو چھوڑنے۔ شاید وہیں سے واپسی پر انہیں درد شروع ہو گیا تھا۔ رات میں ڈرائیونگ آئی سائٹ پر افیکٹ کرتی ہے ناں۔'' ان کا لہجہ اب بھی سادہ تھا مگر وہ شرمندہ ہو گیا۔

''سوری امی! میں بابا سے ایکسکیوز کر لوں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ وہ کوئی ناراض تھوڑی ہیں۔''

''پھر بھی......''

وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا مگر بے حد فرمانبردار بیٹا تھا۔ زندگی میں شاید ہی اس نے کسی معاملے میں ماں باپ کی خواہش پر اپنی مرضی کو ترجیح دی ہو۔

ریحان سعدی اور بیگم آمنہ ریحان اس معاملے میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتے تھے۔ شاہ نور اور بلال ان کے دونوں ہی بچے بہت سعادت مند تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت بہت دھیان اور احتیاط سے کی تھی۔ ان کی محنت اور دیکھ بھال کا ہی نتیجہ تھا کہ دونوں بچے خاندان میں ممتاز حیثیت سے جانے اور مانے جاتے تھے۔ تعلیم کے میدان میں بھی کسی سے کم نہیں تھے۔ شاہ نور میڈیکل کالج میں پڑھ رہی تھی۔ بلال سی اے کر رہا تھا اور فائنل سیمسٹر سے فارغ ہوا ہی چاہتا تھا۔

☆☆☆

روبیشہ مایوں کی تقریب میں نہیں جا سکی۔ صبغہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ آج ہی زین کے نکاح کی رسم بھی ادا ہونے والی تھی۔

صبغہ مسلسل ایک ہفتے سے کھانس رہی تھی۔ ساری دوائیں بدلتے موسم کی شدت کے آگے بے اثر ہو چکی تھیں۔ اس کا بہانہ ٹربا کو وہاں جانے سے روکنے کے لیے کافی تھا۔ یمنیٰ جو صبح سے امی کے یہاں آ کر رکی ہوئی تھی۔ اس کا ارادہ سن کر بے اختیار ایک اطمینان بھری سانس خارج کر بیٹھی۔

روبیشہ نے اس کے اطمینان کو بہت محسوس کیا اور اس کی احتیاط پسند طبیعت کی بے عقلی پر دل ہی دل میں ہنس دی۔

آج زین ازدواجی زندگی میں قدم رکھنے والا تھا۔ اس کے بعد بھی، اس کی زندگی کسی اور کی امانت ہو جانے کے بعد بھی اگر یمنیٰ کو اس کی طرف سے کسی قسم کی خیانت کے خدشات لاحق تھے تو روبیشہ اس کی ذہنیت پر افسوس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ یمنیٰ جو بچپن سے زین کو جانتی تھی اور جو یہ بھی جانتی تھی کہ وہ وعدہ خلاف ہے نہ جھوٹا اور نہ خائن۔

بہت کم سنی میں اس نے کبھی خود سے اور روبیشہ سے اس کا خیال رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت جب اس کی جڑواں بہن صبغہ اپنی کمزوری کی وجہ سے سیڑھیوں پر لڑکھڑائی تھی اور اسے بچانے کے چکر میں روبیشہ لڑھکتی ہوئی پہلی سیڑھی سے آخری قدمچے تک جا پہنچی تھی۔ اس وقت روبیشہ اور زین کے والد ایک ہی گھر میں رہائش پزیر تھے اور دادی حیات تھیں۔ تب انہوں نے ایک دھموکا زین کی کمر پر جڑ دیا تھا۔

''اور تو اتنا بڑا ہو کر بھی گھوڑوں کی طرح دیکھتا رہا۔ یہ نہیں کہ جلدی سے اٹھا لیتا کتنا خون بہہ گیا بچی کا۔''

''ارے اماں جی، اب اتنا بڑا ابھی نہیں...... بچہ

ہی ہے۔'' بڑی ای کو شاید اسی دن سے روبیشہ کا وجود کھٹکنے لگا تھا۔ جس دن سے زین کے دل میں اس کی کوئی خاص جگہ مقرر ہوئی تھی۔

''کون سا وہ جا کر اس کا بہنے والا خون روک لیتا۔'' سب کی فکروں سے بے نیاز ان کی بڑبڑاہٹ دیر تک جاری رہی۔

تب سے اب اور آج تک...... جبکہ روبیشہ کے بجائے کوئی اور اس کی شریکِ حیات بننے جارہی تھی۔ زین نے خود سے اور روبیشہ سے کیا ہوا وعدہ نبھایا تھا۔ صرف یمنیٰ نہیں سارا گھر بلکہ سارا خاندان اس بات کا گواہ تھا۔ زین کی جان گویا رُبا میں بند تھی۔ اس کی خوشی، زین کی خوشی تھی اور اس کے آنسو، زین کی تکلیف۔ زندگی کے ہر موڑ پر، ہر گام پر، ہر جگہ زین نے کسی کانچ کی گڑیا کی طرح روبیشہ کو سنبھالا تھا۔ کبھی کوئی غلط نگاہ اور بری نیت اس پر پڑنے نہیں دی تھی۔

از خود سب کے یہ فرض کر لینے کے باوجود، زین شادی کی عمر کو پہنچے گا تو یقیناً روبیشہ کے سوا کوئی اس کا انتخاب نہ ہوگا۔ زین نے کبھی مستقبل کے حوالے سے روبیشہ کو کوئی خواب نہیں دکھائے تھے، باقاعدہ پرپوز نہیں کیا۔ کبھی آئی لو یو نہیں کہا...... تو کیا اس سب کے بعد بھی کسی کے دل میں اب اس کے لیے کوئی غلط خیال آسکتا تھا، اب...... جبکہ وہ زندگی بھر کے لیے کسی اور کا ہونے جارہا تھا۔ اپنا برسوں پرانا خواب چھوڑ کر شاہراہ حیات پر آگے بڑھ رہا تھا۔

''اور اگر کوئی اب بھی ان کے بارے میں غلط سوچے تو ایسی ذہنیت کا کوئی کیا علاج کرے۔ جس کے فتور کو پہاڑ بنانے کے لیے کسی رائی کے دانے کی ضرورت نہ تھی۔''

''تم آئی نہیں رُبا!...... کیوں؟''

حسبِ توقع رات گئے تقریب کے اختتام پزیر ہونے کے بعد زین کا پیغام اس کے نام آچکا تھا۔ اس نے صبح ہونے کا انتظار نہیں کیا۔ اس سے کیا بھی نہیں جاتا۔ روبیشہ نے اسکرین پر چمکتے الفاظ کو دیکھا۔ پھر نم

آنکھوں کے ساتھ سیل آف کر کے تکیے کے نیچے دبا دیا۔ اس کی بلا سے وہ ساری رات جاگے۔ اب یہ سلسلہ ختم کرنا ہی تھا۔ خود وہ تکیے میں سر چھپائے جانے کب تک روتی رہی۔

☆☆☆

شادی کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔

زین اپنی والدہ کے جذباتی دباؤ میں آ کر، ان کی دلائی ہوئی قسم کی تاب نہ لا کر اور جانے کون کون سی انیسویں صدی کی جذباتی دھمکیوں کے بوجھ تلے دب کر ان سے کیا گیا وعدہ نبھا کر سرخرو ہو چکا تھا۔ اس نے دل کی خواہش کا گلا گھونٹ کر ماں کی رضا پر سر تو جھکا دیا تھا...... لیکن دل ابھی پرانی راہوں سے اڑتی گرد میں کھو جانے کا خواہشمند تھا۔ بار، بار ہمک جاتا، قدم رک جاتے، دھیان بھٹک جاتا اور اس سے دھیمے لہجے میں بات کرتی منہل چونک جاتی۔

ایک ہفتہ بہت ہوتا ہے۔ کسی کی آنکھوں میں اترتی قوس، قزح کو ایک لمحے میں پہچان مل جاتی ہے۔ حسنِ نظر اور دیدۂ بینا شاید اسی کو کہتے ہوں گے۔ جو بدقسمتی سے منہل کے پاس تھی۔ اور اس نے زین العابدین کی بے چینیوں کا عنوان بہت جلد بھانپ لیا تھا۔ وہ سر سے پیر تک آراستہ، سولہ سنگار و سنہری رنگت اوڑھ کر زین العابدین کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی۔ اور وہ ایک لمحے میں اس سے غافل ہو کر رُبا سے کہہ رہا تھا۔

''آج بھی آنے کی کیا ضرورت تھی۔'' اس کے لہجے اور انداز سے جھلکتی ایک مان بھری ناراضی کسی خاص دلی تعلق کی گہرائی ناپ رہی تھی۔ لیکن یہ دلی تعلق خاص ہونے کے ساتھ ساتھ، اتنا گہرا اور اٹوٹ ہوگا کہ دنیا زمانے کے کسی پیمانے کی حدِ پیمائش سے باہر ہوگا اس کا اندازہ اسے فوری طور پر اس وقت نہ ہو سکا جب زین نے خود ہی منہل کی جانب تھوڑا دب کر، اسے اپنے برابر میں بیٹھنے کی جگہ دی تھی اور زین کی چچی خود ہی منہل کے برابر میں آ کر اس کی بلائیں لے رہی تھیں۔ ان کے منہ سے کس تواتر سے پھول جھڑتے تھے۔ جیسے بھری شاخِ گل کو کسی نے زور، زور سے جڑ سے ہلا ڈالا ہو۔

''خدا خوش رکھے۔ دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو۔ اللہ رب العزت جیتا رکھے۔'' منہل مسحور ہو کر رہ گئی اور مسحور تو وہ بھی تھا...... اس کا شریکِ سفر۔ رُبا نے مرمریں کلائیوں میں نازک گجرے لپیٹ رکھے تھے۔ کپکپاتی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست تھیں۔ کسی بھی قسم کی چوڑی، مہندی، چھلے سے بے نیاز یہ موتیے کی نرملتا سے مہکتا زیور ہی ان کلائیوں کی سجاوٹ تھا...... یا پھر...... کسی کا پسندیدہ گہنا...... فرمائش...... لباس......

''اور اگر تم میرے دوسرے پہلو میں ہوتیں تو شاید...... یہ دنیا جہان کا سنگار اور زیبائش تمہارے وجود کی زینت بنتے۔''

احساسِ زیاں کا ناقابلِ شکست احساس اس کے اعصاب سے کسی اچھا دھاری ناگ کی طرح لپٹ کر رگڑ کھانے لگا۔ اور جب تک اس کے اعصاب اس رگڑ سے آزاد ہوئے، تب تک وہ اچھا دھاری ناگ اس کے دل و ذہن پر اپنی سخت، کھردری، بدرنگ پچھتاوؤں اور افسوس کی کینچلی چھوڑ کر جا چکا تھا۔

☆☆☆

''تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟'' وہ ڈریسنگ کے آئینے میں دیکھتی اپنے نم بالوں کو دھیرے، دھیرے سلجھا رہی تھی۔ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''ابھی سے...... ابھی تو بہت ٹائم ہے۔''

''ہاں وہ......'' وہ مصروف انداز میں اپنے شوز اٹھا کر صاف کرنے لگا۔

''چچی کے گھر چلنا ہے۔ شادی کے بعد ایک چکر بھی نہیں لگا سکے۔''

''لیکن ہمیں تو امی کے یہاں جانا تھا...... بتایا تو تھا۔'' وہ نرمی سے کہہ کر اس کی اگلی بات کا انتظار کرنے لگی۔

''وہیں سے چلے چلیں گے۔'' وہ کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو کوئی پروگرام نہیں

تھا۔ پھر اچانک......‘‘

’’رُبا کا فون آیا تھا۔ پائے بنائے ہیں اس نے۔‘‘ وہ اب بھی مصروف تھا۔

’’ای کے یہاں دعوت ہے۔‘‘ منہل نے ہلکے سے جتا ہی دیا۔

’’ہاں تو......؟‘‘ وہ رک کر اس کا عکس دیکھنے لگا۔ وہ چپ رہی۔

’’رُبا بہت مزے کے پائے بناتی ہے۔ کھائیں گے تھوڑی بلکہ لے آئیں گے۔‘‘ اگلی بات اور بھی حیران کُن تھی۔

’’آپ اس کے گھر پائے لینے جائیں گے؟‘‘

’’ہاں تو کیا ہوا...... تمہاری ای کے یہاں دعوت نہ ہوتی تو کھا بھی وہیں لیتے۔‘‘ زین کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ جانے کے لیے دل سے آمادہ ہے، بخوشی رضا مند۔ منہل کے دل میں نہ چاہتے ہوئے بھی ناگواری کی لہر امڈ آئی۔

’’واپسی میں لے لیں گے۔‘‘

’’دیر ہو جائے گی، وہ لوگ جلدی سو جاتے ہیں۔‘‘ اسے ان کے معمولاتِ شب و روز از بر تھے۔

’’جاتے وقت ای کے یہاں بھی تو......‘‘ شادی نئی نئی تھی۔ وہ بہت احتیاط سے ناپ تول کر بات کر رہی تھی۔

’’تو کیا ہوا...... انہیں تو ہمارا انتظار کرنا ہی ہے۔‘‘ وہ بے بسی سے ناخن کھرچنے لگی۔

’’انتظار کرنا ہی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہوا۔ جو خود سے بلائے، انتظار کرے۔ اسے خوار کرو۔‘‘ وہ صرف سوچ ہی سکی۔ ابھی کہنے کا موقع نہیں تھا۔

☆☆☆

رُبا سنجیدگی سے ٹفن بھر رہی تھی۔ وہ اب کئی سال پہلے والی غیر سنجیدہ، نادان بچی نہیں تھی، نہ صرف رویے بلکہ چہروں کے تاثرات بھی پڑھ سکتی تھی۔ چھپتا تو زین پہلے بھی نہیں تھا۔ اب بھی خوش دلی کا وہی عالم تھا۔ مگر منہل...... اس کے چہرے پر لکھی بیزاری کی تحریر شاید خود رُبا کے سوا کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ (جو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے نظر انداز کر رکھا تھا)

زین، صبغہ کے ہاتھ ہاتھوں میں لیے بیٹھا تھا۔ اس کے بخار کا زور کئی دن بعد ٹوٹا تھا۔ اور وہ اسے بتا رہا تھا کہ اب اسے کڑوی کسیلی دوائیں نہیں کھانی پڑیں گی۔ صبغہ خوش تھی۔ بار، بار اسے دیکھتی۔ کبھی منہل کو۔ ای کونے میں بیٹھی دھیرے، دھیرے مسکرا رہی تھیں۔

پورے منظر میں اگر کسی چہرے پر سنجیدگی تھی تو وہ رُبا کا چہرہ تھا۔ اور اگر کہیں کوفت تھی تو منہل کے چہرے پر۔

دل ہی دل میں بے انتہا الجھن محسوس کرتے ہوئے بالآخر اسے اٹھ کر اپنے کمرے میں آنا پڑا۔ وہ سامنے ہی تو تھا۔ دشمنِ جاں...... سکونِ دل۔

’’زین!‘‘ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی۔ اس نے یک دم چونک کر اسے دیکھا۔

’’کیوں آئے ہیں آپ، یہاں اس وقت؟‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ اس نے فی الفور صبغہ کے ہاتھ چھوڑ دیے۔

’’منہل کا موڈ آف ہو رہا ہے۔ جائیں...... جلدی سے چائے پی کر سسرال سدھاریں۔‘‘ زین اس اثنا میں اٹھ کر اس کے نزدیک آچکا تھا۔

’’اس نے کوئی بات کی ہے؟‘‘

اس کے چہرے پر غصہ نہیں تھا مگر رُبا اچانک بے طرح گھبرا سی گئی۔ صورتِ حال بے وجہ سنجیدہ بھی ہو سکتی تھی۔

’’نہیں...... نہیں، خدا نخواستہ وہ کیوں کچھ کہتی...... نئی دلہن ہے۔ بس آپ جائیں۔‘‘ وہ دھیرے سے بولی ذرا ترچھی ہو کر اس کے برابر میں آئی اور پشت سے ہلکا سا دروازے کی طرف دھکیلا۔ پھر دروازے پر نظر پڑی تو دھک سے رہ گئی۔

دروازے میں منہل جانے کب آکر کھڑی ہوئی تھی۔ اس وقت تو واپس پلٹ رہی تھی۔ زین نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن اس نے اسی لمحے سے اس حادثاتی اتفاق کے اختیاری نتیجے کے انجام کا انتظار شروع

کر دیا۔ جو یقیناً خوشگوار نہیں ہونا تھا۔

☆☆☆

سیل فون اس کی مٹھی میں تھا اور نظریں کسی نادیدہ نکتے پر جامد۔ کتنی دیر گزری تھی اس انداز میں بیٹھے، بیٹھے جب ای نے آکر اسے چونکایا تھا۔

''ای بلال کا رزلٹ آگیا ہے۔ اس نے سی اے کمپلیکٹ کرلیا ہے۔'' گہری سانس بھرتے لہجے میں خوشی کے بجائے سنجیدگی غالب تھی۔

''اچھا، یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔'' وہ بولتے ہوئے آگے آئیں۔

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟''

''بلال نے آنٹی کو کوئی بھی فنکشن کرنے سے منع کر دیا ہے۔'' صالحہ کو اس کی سنجیدگی کی وجہ سمجھ آگئی۔

''اچھا لیکن آپا تو بہت عرصے سے کہہ رہی تھیں کہ بلال کا رزلٹ آتے ہی وہ گھر پر اس خوشی میں دعوت کریں گی اور اس وقت تو بلال بھی کچھ نہیں کہتا تھا۔ پھر اب؟'' ہانیہ نے ایک نظر انہیں دیکھ کر سیل بے دلی سے ایک طرف ڈال دیا۔

''وہ اس فنکشن کے لیے بہت ایکسائٹڈ تھیں۔ آپ بھول رہی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا وہ اس فنکشن میں میری اور بلال کی انگیجمنٹ کر دیں گی۔''

صالحہ نے بے حد چونک کر بیٹی کا چہرہ کھوجا۔ وہاں صرف سنجیدگی نہیں دکھ کے گہرے سائے بھی تھے۔ انہیں تشویش نے آگھیرا۔

''آج ہی آپا سے بات کروں گی۔'' وہ چپ چاپ دل میں ارادہ کر کے اٹھ گئیں۔ ہانیہ نے کچھ دیر وہیں بیٹھ کر یہ اطمینان کیا۔ وہ اس کے کمرے کی دہلیز سے دور جا چکی ہیں۔ پھر دروازہ بند کر کے حلق میں پھنستے نمکین گولے کو آنکھوں کے ذریعے باہر کا راستہ دکھا دیا۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب تکیے کے نیچے غیر معمولی جھنجھناہٹ نے اسے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔

اور اس نے بنا دیکھے ہی کال ریسیو کر لی تھی۔

دوسری جانب خاموشی تھی۔ اس نے اچنبھے سے موبائل کان سے ہٹایا اور مندی مندی آنکھوں سے نمبر دیکھا۔

''زین! کیا ہوا..... آپ ٹھیک ہیں ناں؟'' اس کے حواس بے اختیار بیدار ہوئے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو؟''

''اس وقت فون کیوں کیا؟''

''یہی پوچھنے کے لیے کہ تم کیسی ہو؟''

''پچ.....!'' وہ جھنجلا سی گئی۔ ''منہل کہاں ہے!''

''اپنی امی کے گھر گئی ہے۔''

''اوہ، اچھا!'' چند لمحے خاموشی رہی۔ ''آپ کو اس وقت مجھے فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' چند لمحے خاموشی رہی۔

''جانتا ہوں مگر تم اس دن اس قدر تھکی تھکی سی لگ رہی تھی اور تمہاری خیریت پوچھے بغیر..... تم سے بات کیے بنا میں آگیا اور ابھی تک ڈسٹرب ہوں۔'' رومیشہ چپ کی چپ رہ گئی۔

''ایک وعدہ کریں زین مجھ سے آپ۔'' بہت ساری باتیں اس کے دھیان میں گڈمڈ تھیں۔ پوری گتھی بنا سلجھائے ایک جانب کر کے وہ سکون سے کہہ رہی تھی۔

''کیسا وعدہ؟''

''آئندہ کبھی رات کے اس پہر یا مغرب کے بعد بھی مجھے فون نہیں کریں گے آپ اوکے!''

وہی مان۔ بات منوا لینے والی حسیات اور دل کی بات بنا کہے جانے لینے والا تفاخر اس کے سامنے سینہ تانے کھڑا تھا۔

''اوکے۔'' اسے اور کہنا بھی کیا تھا۔

''اور میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پچھلے دنوں صبغہ کی وجہ سے کئی راتوں تک نیند پوری نہیں ہوئی اس لیے آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے ہیں۔''

وہ اب بھی خاموش تھا۔

''ہو گئی تسلی میں بالکل پراپر ڈائٹ لیتی ہوں۔ پابندی سے ناشتا کرتی ہوں اور کھانا بالکل نہیں

چھوڑتی۔'' وہ بات کرتے، کرتے رکی۔
''منہل اور آپ کے درمیان کوئی مس انڈراسٹینڈنگ ہوئی ہے؟''
کوئی اور یہ گفتگو سن لیتا تو اندازوں کی ورسٹگی پر یقیناً حیران رہ جاتا۔ مگر دوسری طرف زین تھا اور وہ عادی تھا۔
اس کا دھیان رکھنے کا عادی..... اس کے لیے فکر مند رہنے کا عادی..... اس کے خیال کا عادی۔ حتیٰ کہ خود اس کا عادی۔
اور یہاں وہ خود تھی۔ اس کی رگ، رگ سے واقف۔ جانتی تھی وہ خود تو ٹوٹ سکتا ہے مگر یہ وعدہ نہیں توڑ سکتا۔ اس سے پہلے اس نے زندگی میں ایک ہی بار اس سے وعدہ لیا تھا۔
''میں آج کالج سے گھر آؤں گی۔ تائی امی کی طبیعت پوچھنے کے لیے۔''
''اوکے، کچھ کھانا ہے تو بتاؤ میں باہر سے لیتا آؤں گا۔''
''کچھ نہیں۔'' وہ ہنس دی۔ ''بس میرا انتظار کیجیے گا کھانا ساتھ کھائیں گے۔''
''جلدی آنا مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہوتی۔''
''پھر تو آپ کو وعدہ کرنا پڑے گا کہ جب تک میں نہ آؤں آپ کھانا نہیں کھائیں گے۔''
''اوکے۔'' وہ فوراً مان گیا تھا۔
اس دن وہ کالج سے تائی امی کی طرف نہیں جاسکی تھی۔ اسے صبغہ کی طبیعت بگڑنے کی خبر مل گئی تھی۔ اسے کالج سے سیدھے گھر جانا پڑا۔ اور وہاں سے امی کے ساتھ صبغہ کو لے کر ڈاکٹر کے پاس شام کے پژمردہ سائے مغرب کی گود میں چھپ رہے تھے۔ جب گھر واپسی ہوئی تو اس کے ذہن میں دور، دور تک زین سے ہوئی گفتگو اور اس کے وعدے کا نام ونشان تک نہ تھا۔
''رُبا تم گھر کیوں نہیں آئیں۔'' عشا کے وقت زین کا فون آیا۔
''ہاں، میرے ذہن سے ہی نکل گیا۔'' اس نے مختصراً صبغہ کی طبیعت کا بتایا۔
''تو تم نہیں آرہیں۔''
''ظاہر ہے اب اس وقت کیسے؟''
''تو پھر میں آجاؤں وہاں۔''
''کیوں بھئی۔'' وہ اس عجیب فرمائش پر حیران ہوگئی۔
''رُبا مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔'' اس کی آواز میں بیچارگی سی تھی۔
''لیکن کیوں.....؟'' اس کی آواز کسی چیخ سے مشابہ تھی۔
''تم سے وعدہ کیا تھا، تمہارے بغیر کیسے کھالیتا۔''
اور اس دن روبیشہ کو لگا وہ آئندہ زین سے کبھی کوئی وعدہ نہیں لے سکے گی۔ حالانکہ اس نے تو وعدہ وفا کیا تھا۔ لیکن اس کی اسی وفا نے روبیشہ کو خوفزدہ کردیا تھا۔ اور آج پھر وہ اس سے ایک وعدہ لے بیٹھی تھی۔ ایک ایسا وعدہ جسے نبھانا، زین کے لیے آسان نہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔
وہ فون بند کرتے ہوئے رو رہی تھی۔ اس رشتے کے لیے جو اٹوٹ تھا۔ مگر ان دیکھا تھا جو بے نام تو تھا مگر بے حقیقت نہیں۔

☆☆☆

کمرے کی فضا بے حد بوجھل اور سنجیدہ تھی۔ ابھی چند دن پہلے تو اس کا رزلٹ آیا تھا۔ اور امی جو بات کررہی تھیں۔ اس کے لیے وہ ذہنی طور پر ابھی تو کیا کبھی تیار نہیں تھا۔
وہ کافی دیر تک اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھتی رہیں۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ابھی انہوں نے جو بات سنی ہے وہ ان کے اپنے بیٹے نے کی ہے۔ وہ اس سے صرف یہ پوچھنا چاہ رہی تھیں کہ وہ اس کی کامیابی کو جس طریقے سے منانا چاہتی تھیں بلال نے اس سے انکار کیوں کردیا تھا۔ وہ مستقل انہیں ٹال رہا تھا کئی دن سے۔ اور آج ان کی سوچ بدل چکی تھی۔ اب وہ سوچ رہی تھیں وہ اس سے بات نہ ہی کرتیں تو بہتر تھا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ تم کہہ رہے ہو...... بلکہ مجھے تو سمجھ ہی نہیں آرہا کہ تم کہہ کیا رہے ہو۔''

بلال جانتا تھا اس کی بات والدین کے لیے صرف غیر متوقع نہیں بلکہ بہت دکھ کا باعث بھی ہوگی۔ لیکن وہ اس معاملے میں خود کو بالکل بے بس پاتا تھا۔

''آپ کی سمجھ میں تب آئے گا جب آپ سمجھنا چاہیں گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی...... بات تو تم نہیں سمجھ رہے، ایسا لگ رہا ہے جو دل چاہا منہ اٹھا کر بول دیا۔''

''امی!'' بلال نے کچھ کہنا چاہا۔

''اور نہیں تو کیا تمہیں کچھ ہوش بھی ہے کیا بکواس کر رہے ہو؟'' وہ ایک دم ہی غصے میں آگئیں۔ بلال دنگ رہ گیا۔ انہوں نے کبھی اس طرح چیخ کر بات نہیں کی تھی۔

''امی پلیز آرام سے بات کریں۔''

''آرام سے بات کروں۔ تمہیں اندازہ ہے کتنے بڑے طوفان کو دعوت دے رہے ہو اور اوپر سے مجھ سے کہتے ہو آرام سے بات کروں۔''

''میں نے کس طوفان کو دعوت دی ہے امی؟''

''یہ طوفان کو دعوت دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ اپنی بہن کی لڑکی چھوڑ کر میں اس کی سوکن سے رشتہ کرلوں۔ وہ بھی اس صورت میں جبکہ اپنی بہن کو مجھے بیٹی دینی بھی ہے۔''

وہ لب بھینچے بیٹھا تھا۔

''غضب خدا کا...... ایک لمحے کے لیے باقی زندگیوں کے بارے میں سوچ لیا ہوتا تو یہ بات منہ سے ہی نہ نکالتے تم۔''

''شاہ نور اور دانیال کی بات الگ ہے۔ لیکن میں نے کبھی ہانیہ کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا۔''

''تو کیا اس میں بھی میرا قصور ہے۔'' وہ اور غضب ناک ہوئیں۔

''کتنے سالوں سے تو پتا تھا تمہیں کہ وہ تمہاری بیوی بنے گی۔ پھر کیوں نہیں دیکھا اسے اس نظر سے۔'' بلال نے خود کو سخت مشکل میں محسوس کیا۔ بات وقت سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ لیکن یقیناً وقت سے پہلے تو کیا، وقت پر بھی ختم ہونے والی نہ تھی۔

''اور وہ جس نے تمہارے علاوہ کسی اور کی طرف کبھی دیکھا ہی نہیں...... وہ کیا کرے۔''

''آپ کو اس کا کتنا خیال ہے اور میں......؟ میرا کوئی خیال نہیں۔''

''کیوں نہیں، تمہارے بارے میں میرا صرف یہ خیال ہے کہ تم پاگل ہو چکے ہو اور کچھ نہیں۔'' انہوں نے قطعی انداز میں ہاتھ اٹھا کر بات ختم کردی اور کمرے سے فوراً باہر نکل گئیں۔

آج انہیں اپنے بیٹے پر اس قدر غصہ آیا تھا۔ جتنا پوری زندگی میں کبھی نہیں آیا ہوگا۔ جبھی اپنے شوہر ریحان سعدی کو ساری بات بتاتے ہوئے وہ اختیار ہو کر سسکنے لگیں۔

''میں نے کبھی نہیں سوچا تھا زندگی میں کہ بلال اس طرح کی بات کرسکتا ہے۔'' ریحان صاحب خود اتنے شاکڈ ہوئے ان کی بات سن کر کہ بجائے انہیں تسلی دینے کے خود سوچ میں پڑ گئے۔

''اگر یہی ضد رہی تو میں اپنی بہن کو کیا منہ دکھاؤں گی۔'' ان کا گلا رندھ گیا۔

''اُفوہ، تم اتنی جلدی کیوں حوصلہ ہارنے لگیں بھئی۔ بچہ ہے بلال سمجھ جائے گا۔ تم اب آئندہ ایسے غصہ مت کرنا ورنہ بات بگڑ بھی سکتی ہے۔''

خود اندر ہی اندر فکر مند ہو جانے کے باوجود اس وقت انہوں نے کمالِ اطمینان کا مظاہرہ کیا تھا۔

☆☆☆

بہت سال پہلے جب صداقت صاحب کے گھر میں روبیشہ نے اپنی ہم شکل اور ہم عمر بہن کے ساتھ دنیا میں آنکھ کھولی تو وہ اپنے ماں باپ کے لیے اپنے ساتھ زندگی بھر کے دکھ لے کر آئی تھی۔ ننھی پری کو اس بات کا علم نہ تھا کہ اس سے جڑے دوسرے وجود کی محرومیوں نے ماں، باپ کے دلوں پر کیسی قیامت ڈھائی ہے۔ صبغہ کی آنکھوں میں نقص تھا۔ وہ دماغی طور پر اپنے

ساتھ کے بچوں سے پیچھے تھی۔ ستم بالائے ستم اس کی ایک ٹانگ بھی تقریباً بیکار ہی تھی۔

روبیشہ کے صحت مند جسم اور صحت مند دماغ کی ساری خوشی صبغہ کی کمزوری نے ڈھانپ لی اور ہر ایک خوشی پر اس کے ادھورے پن کا غم غالب آ گیا۔ پھر بساط بھر علاج ناامیدی کے سائے میں کروایا بھی گیا لیکن بے سود۔ صداقت صاحب کو اولادِ نرینہ کی بے انتہا خواہش تھی۔ لیکن جڑواں بیٹیوں کی پیدائش اور اس کے بعد ان میں سے ایک کو اس قدر غیر متوازن دیکھ کر ان کا دل بے انتہا ڈر گیا۔ اور انہوں نے سوچا۔

''میں کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوا ہوں۔ اللہ کی رحمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے شاید میں بیٹا نہ ہونے پر مایوس ہو چلا تھا۔ جبھی میرے رب نے مجھے نامکمل اولاد دے کر میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ بیٹا یا بیٹی ہونا اتنا ضروری نہیں۔ جتنا اولاد کا صحت مند ہونا۔'' انہوں نے اپنی خواہش دل میں دبا کر صبر کر لیا۔

پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ امینہ بیگم، روبیشہ کے بعد بھی دو بار امید سے ہوئیں اور دونوں بار انہوں نے صحت مند بیٹوں کو جنم دیا۔ لیکن شومئی قسمت کہ دونوں میں سے کوئی بھی چند گھنٹوں سے زیادہ نہ جی سکا۔ صداقت علی کو پے در پے دو بیٹوں کی نارمل پیدائش اور فوراً بعد اموات کے صدمے نے نڈھال کر دیا۔ وہ جو صبر کی تلقین خود کو اور سب گھر والوں کو کر کے بیٹھے تھے۔ ایک دم بے صبرے سے ہو گئے۔ اور سب گھر والوں سے چھپ کر محض اولادِ نرینہ کی خواہش میں دوسری شادی رچا لی۔

شادی کو دوسرا سال لگا ہی تھا کہ اللہ نے ایک خوب صورت بیٹے سے نواز دیا۔ اور وہ تمام دنیاداری بالائے طاق رکھ کر اپنی خوشی میں سب کو شریک کرنے دوسری بیگم اور بیٹے کے ساتھ چلے آئے۔ یہ بھول کر کہ ان کی خوشیاں کسی کے لیے اندوہ ناک بھی ہو سکتی ہیں۔ امینہ بیگم پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس وقت تک زین العابدین کے ماں باپ الگ گھر میں شفٹ ہو چکے تھے۔

امینہ بیگم اپنی ساس کے ساتھ اسی گھر میں رہتی تھیں۔ امینہ بیگم نے بوجھل دل کے ساتھ خود کو کمرے میں بند کر لیا۔ لیکن ان کی ساس تو صداقت علی کی ماں تھیں کب تک پوتے کو نظر انداز کرتیں۔ صداقت علی کی طرح وہ بھی دو بچوں کی موت کا صدمہ دل پر لے کر بیٹھی تھیں۔ سو دل کا نرم پڑنا تو فطری تھا...... بعد میں صداقت علی نے امینہ بیگم سے معافی بھی مانگی۔ لیکن وہ اپنی سوکن کو دل میں جگہ دے سکیں نہ گھر میں۔ صداقت علی کے لیے یہی بہت تھا کہ امینہ نے اس شادی کو دل سے قبول کر لیا تھا اور اسے قبول کرنا بھی امینہ کی مجبوری تھی۔ نہ کرتیں تو کون سا صداقت علی نے پروا کرنی تھی۔

جو ہونا تھا ہو چکا کے مصداق دن اپنی ڈگر پر چل نکلے۔ صداقت صاحب کی نئی بیگم صالحہ، تائی امی کی دور کی کزن تھیں۔ دیورانی، جیٹھانی کے تعلقات میں ہونے والے معمولی فطری کھنچاؤ کو اس بہانے سے خوب ہوا ملی۔ امینہ بیگم کو بھی بیٹوں کی پیدائش کے فوراً بعد بغیر کسی وجہ کے موت کے منہ میں چلے جانے کا صدمہ تھا۔ بلکہ ان کا دکھ تو سب سے بڑھ کر تھا۔ انہیں اولادِ نرینہ تو ملی نہیں، دنیا میں جو واحد سہارا تھا وہ بھی ساتھ چھوڑ گیا۔ شوہر کی طرف سے لگایا گیا ذہنی دھچکا کم نہ تھا۔ وہ ذہنی طور پر اس قدر مضطرب ہو گئیں کہ نہ گھر کی ٹھیک طرح دیکھ بھال کر پائیں نہ بچوں کی۔ جبکہ صبغہ تو ہر وقت خاص توجہ کی متقاضی تھی۔

صداقت علی کے دل میں ان کا مقام پہلے ہی گر چکا تھا۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد وہ بالکل ہی دوسری بیوی کے ہو گئے۔ ایک ماں کے دم سے تعلق بحال تھا۔ اِدھر ان کی آنکھیں بند ہوئیں اُدھر صداقت صاحب کی آمد و رفت بھی بالکل بند ہو گئی۔ وہ اس گھر کا راستہ ہی بھول گئے۔ جہاں صحیح معنوں میں ان کی ضرورت تھی۔ سوائے پہلی تاریخ کو ماہانہ خرچہ بھیجنے کے انہوں نے کبھی بیوی بچیوں کی خبر گیری نہ کی۔ سوائے بڑی بیٹی یمنیٰ کی شادی کے وقت مالی امداد کے وہ دونوں بیویوں میں کبھی انصاف نہ کر سکے۔

گزرتے وقت نے جہاں ہر زخم داب دیا۔ وہیں امینہ بیگم کی زندگی بھی ایک نئے ڈھب سے گزرنے لگی۔ انہوں نے معصوم بچیوں کی تعلیم و تربیت میں خود کو اس طرح گم کرلیا کہ سرے سے بھلا ہی بیٹھیں کہ وہ سہاگن ہیں یا صداقت علی نامی کسی شخص سے ان کی شادی بھی ہوئی تھی۔ امینہ بیگم کو بھی جلد ہی اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ دنیا میں ان بچیوں کا ان کے سوا اور ان کا ان بچیوں کے سوا کوئی نہیں انہوں نے خود کو بھی سنبھالا اور اپنی اولاد کا بھی سہارا بن گئیں۔

بیٹے کے بعد صداقت علی کو اللہ نے بیٹی سے بھی نوازا۔ ان کی زندگی ان کا خاندان ہر لحاظ سے مکمل ہو چکا تھا۔ ان کی بڑی سالی جنہوں نے ان کی دوسری شادی کروانے میں بہت ساتھ دیا تھا۔ دو بچوں دانیال اور ہانیہ کی ماں تھیں۔ صداقت علی ان کے دونوں بچوں سے اپنے دونوں بچوں کو منسوب کر کے مطمئن ہو بیٹھے۔

بلال ان چاروں میں سب سے بڑا تھا۔ جبکہ دانیال اور شاہ نور کے درمیان عمروں کا فرق بہت کم تھا۔ دونوں میں ذہنی ہم آہنگی بھی بہت تھی۔ جبکہ ہانیہ ان تینوں سے چھوٹی اور کچھ بے پروا قسم کی لڑکی تھی۔

☆☆☆

موسم ابر آلود تھا۔ عین ممکن تھا کہ اگر بارش ہو جاتی تو سردی کی شدید لہر اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ خشک ہوائیں اور سوکھے پتے دن بھر گھاس کے چھوٹے سے قطعے پر بار بار بکھرتے رہتے۔

اپنے کمرے کی بڑی ساری گلاس ونڈو کے پردے سرکا کر اس نے باہر دیکھا۔ ہلکی بونداباندی شروع ہو چکی تھی۔ ایک نظر اس موسم پر اور دوسری بستر پر نیم دراز اپنے مجازی خدا پر ڈالی۔

''موسم بہت اچھا ہو رہا ہے۔ ڈرائیو پر چلیں۔''

اسے ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا کہ وہ اس کی بات مان لے گا۔ جبھی اسے اٹھتے دیکھ کر اپنی ساس کو بتانے بھاگی۔

ہوش والوں کو خبر کیا

بے خودی کیا چیز ہے

دھیمے سُروں میں بجتی موسیقی، ہلکی کن من اور قدرے زیادہ خنکی۔ گاڑی کے اندر مہکتا قرب اور دھیمی سی حدت۔ سب ہی کچھ سامنے والے پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے ایک مکمل منظر پیش کر رہا تھا۔ اس نے بے حد محبت سے زین کی سنجیدگی کو دیکھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں!'' دل ایویں میں شوخ ہوا۔

''کچھ نہیں۔ کچھ کھاؤ گی۔'' شاید اسے بھی ''آداب آؤٹنگ'' یاد آگئے۔ وہ اسے ایک مشہور ڈھابے پر لے آیا تھا۔ بھوک تو تھی نہیں اور گاڑی سے نکلنے کا بھی دل نہ چاہا۔ گاڑی کے اندر ہی بھاپ اڑاتی چائے اور گرما گرم پکوڑوں سے مزاج کی خوشگواریت سوا ہوگئی۔ وہ اسے دیر تک اپنے کالج کے قصے سناتی رہی۔ زین دھیرے، دھیرے مسکراتا رہا۔

''آپ بھی تو کوئی بات کریں۔ اپنے فرینڈز کی یا کالج لائف کی۔'' اسے یا لآخر خیال آگیا کہ وہ خود ہی بہت دیر سے بولے جا رہی تھی۔

''میرا کوئی اتنا قریبی دوست نہیں تھا۔'' وہ یونہی بول پڑا۔

''واقعی کوئی بھی نہیں۔'' اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

''نہیں، میری روبیشہ کے سوا کسی سے بھی دوستی نہیں ہو سکی بس وہ ہی تھی۔'' وہ سادگی سے بتا کر چائے کا سپ لینے لگا۔ یہ دیکھے بنا کہ اس کی سادگی نے کسی کے دل پر کیسی قیامت ڈھائی تھی۔

''دوستی ہو نہیں سکی یا اس نے کرنے نہیں دی۔'' اس نے حتی الامکان لہجے کو سرسری ہی رکھا تھا۔ مگر پھر بھی زین چونک سا گیا۔

''ہاں کہہ سکتی ہو۔ اس نے کوئی شعوری کوشش نہ بھی کی ہو تب بھی اس کی موجودگی میں مجھے......''

''تو آپ نے اس سے شادی کا نہیں سوچا؟'' چائے کی ساری تلخی یکلخت اس کے لہجے اور آواز کو چھوڑ کر باقی ہر چیز میں اُمڈ آئی۔

''سوچا تھا۔'' اس کا اطمینان قابلِ دید تھا۔ وہ جانتا تھا اس کا یہ سکون کسی کا سکون غارت کر رہا ہے پھر بھی......

''پھر؟'' منہل کو لگا اس کے اردگرد کا سارا منظر پت جھڑ میں اڑتے سرخ بگولوں میں بدل گیا ہے اور ان بگولوں کے بیچ کہیں ایک صدا چکراتی پھر رہی ہے۔

''پھر؟''

''پھر...... پھر......''

''پھر خیال آیا کہ دوست، دوست ہوتا ہے اور بیوی، بیوی۔ دونوں رشتے اپنی جگہ پر رہیں تو بہتر ہے۔''

خدا جانے اس نے بات سنبھالی یا پلٹ دی۔ منہل کو تو لگا کہ سننے میں مغالطہ ہوا ہے وہ جگہ کی جگہ لفظ ''حد'' استعمال کرنا چاہتا تھا شاید۔

''چلیں۔''

واپسی میں پارسل اس کے ہاتھوں میں پکڑاتے ہوئے وہ بے نیازی سے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ کسی کا مزاج تو کیا نظامِ ہستی ایک خیال نے درہم برہم کر دیا ہے۔

''تو میں کیا ان کی دوست نہیں بن سکتی۔'' اس کے دل پر بوجھ آپڑا۔ ستم بالائے ستم واپسی پر زین کو اپنی دوست کی یاد ستانے لگی۔ پارسل اس کے لیے بنوائے گئے تھے۔ منہل کو اب پتا چلا۔

''میں نہیں جاؤں گی۔''

''کیوں، اس کے لیے تو یہ چیزیں لی ہیں دے تو آئیں۔''

''ہاں تو آپ نے لی ہیں، آپ دے آئیں۔ مجھے فورس مت کریں۔'' اس کے اکھڑ لہجے میں عجیب سی ضد تھی۔ زین کو خاموش ہونا پڑا۔

گیٹ پر گاڑی روک کر وہ شاپر لے کر اترا اور گیٹ پر لگا لوہے کا گول دائرہ گھما کر ٹک کی آواز کے ساتھ گیٹ کھولا اور بے تکلفی سے اندر گھستا چلا گیا۔

منہل کے لیے ہر بات دکھ کا باعث بن رہی تھی۔ پہلے آؤٹنگ کے پروگرام میں بدمزگی پھر اسے زبردستی یہاں لے کر آنا۔ اور اسے بیٹھا چھوڑ کر چلے جانا پر سے اتنی بے تکلفی سے اور اب یہ طویل انتظار...... اسے ہر پہلو میں چبھن محسوس ہونے لگی۔

بوندا باندی کے بعد کا حبس، مچھر، مکھیاں اور آتے جاتے لوگ وہ مشکوک بن رہی تھی۔ محلے والے یقیناً زین کی گاڑی پہچانتے ہی ہوں گے۔ چودہ منٹ کے صبر آزما انتظار کے بعد دروازے پر کھٹکا ہوا۔ لیکن دروازے پر نمودار ہونے والا مسکراتا چہرہ اور بھی جی جلانے کا باعث بن گیا۔

''زین تو اس قدر بدتمیز ہیں کہ حد نہیں۔ خود تو اندر چائے پی رہے ہیں اور بتایا تک نہیں کہ آپ باہر گاڑی میں بیٹھی ہیں، اندر کیوں نہیں آئیں؟ آیئے ناں!'' وہ ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی میں جھک کر بولے گئی۔

''آئی ایم سوری منہل آپ کو بہت کوفت اٹھانی پڑی۔'' منہل کے چہرے پر بھولے سے بھی مسکراہٹ نہیں آسکتی تھی۔

''زین کو بھیجو جلدی۔'' رُبا کی چلتی زبان کو کسی نے فل پاور سے بریک لگایا۔

''او کے۔'' وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

دو تین منٹ بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا۔ سنجیدہ چہرہ، بگڑے تیور...... لیکن دوسری طرف بھی جو خاتون موجود تھیں، کسی مڈل کلاس نیم خواندہ گھرانے سے تعلق رکھنے والی عورت نہ تھی کہ مجازی خدا کی پیشانی کی شکن اس کی ہتھیلیاں نم کر دیتی۔

''کیا کرنے بیٹھ گئے تھے جو دس گھنٹے لگا دیے آنے میں۔'' زین چپ رہا۔ اسے اور غصہ آیا۔

''دو شاپر پکڑانے کے لیے تو گیٹ سے اندر جانا بھی ضروری نہیں تھا اور یہاں بیٹھ کر تی پارٹی انجوائے کی جا رہی تھی۔''

''اندر نہ آنے کا فیصلہ تمہارا اپنا تھا۔''

''اور چائے کے بہانے آنکھیں سینکنے کا فیصلہ آپ کا اپنا۔''

بدلحاظی کبھی الفاظ کا چناؤ نہیں سکھاتی۔ ہم ایک شہد آگیں بات کو حلق کا کانٹا بھی بنا سکتے ہیں۔ جس کی کڑواہٹ برس، برس کر حلق میں جاتی رہے۔ زبان پر

بھی جلتی رہے۔ لیکن نہ اگل سکیں نہ نگلتے بنے۔
زین کے جبڑے بھنچ گئے۔ اس نے فی الفور بحث کا ارادہ ملتوی کر کے گاڑی گھر کی طرف موڑ لی۔ اس کی خاموشی اور جلتی پر تیل کا کام کرتی رہی۔

☆☆☆

ناپسندیدہ بات اور ناگوار قدم کتنے ہی دیو قامت کیوں نہ ہوں۔ صرف پہلی بار مشکل ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جھجک ختم ہو جاتی ہے۔ پردہ سرک جاتا ہے اور بھرم کرچی، کرچی...... جیسے آمنہ ریحان کا بھرم ٹوٹا بالکل اچانک ان کی اپنی بہن کے آگے۔ وہ بڑے فیصلہ کن انداز میں اپنا پرس اور شال لے کر لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے بلال کے پاس آئی تھیں۔

''میں جا رہی ہوں صالحہ کے گھر تمہاری اور ہانیہ کے رشتے کی بات کرنے۔'' ان کی آواز تیز لیکن کھوکھلی سی تھی۔ بلال کے لیے ان کی بات اتنی ہی غیر متوقع تھی۔ جتنی انہوں نے سوچی تھی۔ وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا۔

''لیکن کیوں؟ میں آپ کو منع کر چکا ہوں، میں ہانیہ سے شادی نہیں کروں گا۔'' اس کا لہجہ دھیما لیکن مضبوط تھا۔

''جہاں تم چاہتے ہو وہاں تمہاری شادی نہیں ہوسکتی اس لیے بہتر ہے کہ...'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر گہری سانس لی۔ اور بازو لپیٹ کر قالین گھورنے لگیں۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں۔''
وہ ہنوز منہ موڑے قالین کا ڈیزائن یاد کرتی رہیں۔

''آپ کے پاس روبیشہ کو ریجیکٹ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''تمہارے پاس ہانیہ کو ریجیکٹ کرنے کی وجہ ہے؟'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولیں۔ وہ جھنجلا گیا۔

''یہ وجہ کیا کم ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔''

''تو میں بھی روبیشہ کو پسند نہیں کرتی بس۔'' وہ مسلسل اسے زچ کر رہی تھیں۔

''اُف خدایا!'' اس نے شدید غصے میں ریموٹ پٹخا۔ ''آپ امی! آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں زندگی مجھے گزارنی ہے آپ کو نہیں۔'' اس نے بے مروتی کی انتہا کر دی۔

''اور تم کیوں نہیں سمجھتے کہ خاندان والوں کو منہ مجھے دکھانا ہے، تمہیں نہیں۔'' انہوں نے بھی آج ہی سب کہنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

''خاندان والے آپ کے لیے میری خوشیوں سے زیادہ اہم ہیں؟''

''ہاں! بالکل ایسے ہی جیسے وہ دو ٹکے کی لڑکی تمہارے لیے ماں سے زیادہ اہم ہے۔''

''میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے خاندان والوں پر اور......'' اس نے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ کہنے سے روکا۔

''اور...... اور کیا...... مجھ پر اپنی ماں پر، بولو...... کہہ دو، ابھی وہ منحوس گھر میں آئی نہیں اور میری اولاد کا یہ حال ہے...... بعد میں تو......''

وہ اسے کچھ بھی بولنے کا موقع دیے بغیر بھڑک سی گئیں۔ وہ نفی میں سر ہلاتا کچھ کہنے کی کوشش میں ناکام ہو کر سر تھام کر صوفے پر گر گیا۔

''ماما!'' شاہ نور نے لاؤنج کے داخلی دروازے میں قدم رکھ کر ان کی بے بھاؤ سناتی آواز کو روکا۔

''کیا ہوا ہے؟ آپ کا اور خالہ کا جھگڑا...؟''
وہ ابھی ابھی کہیں باہر سے لوٹی تھی۔ چہرے پر پریشانی اور گھر میں پکنے والی کھچڑی کے پس منظر سے کسی حد تک واقف ہو چکی تھی۔

''خالہ؟ خالہ سے کیوں ہوگا جھگڑا۔ میں تو ابھی ان ہی سے نہیں نمٹی۔''

''تو پھر وہ اتنے خراب موڈ میں کیوں تھیں۔ تیزی سے گیٹ سے نکلیں اور چلی گئیں۔''
بلال ہکا بکا سا سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''کیا، صالحہ آئی تھی یہاں؟'' انہیں اپنے پیروں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

دوسرا اور آخری حصہ اگلے ماہ

رنگ ہائے زیست

سحرش فاطمہ



وہ پینٹر تھا اس کا کام ہی تخلیق کرنا تھا۔ اپنی سوچ سے وہ نہ جانے کون، کون سے مناظر اپنے کینوس پر رنگوں کو پھیلا کر قید کر لیتا تھا۔

☆☆☆

''کبھی تم نے سوچا ہے کہ یہ دنیا بھی کسی کی تخلیق ہے؟'' عاقب نے اس سے پوچھا۔

''ہاں وہی جو ہم سب کا خالق ہے ہم اسی کی تو تخلیق ہیں یہ کون سا بونگا سا سوال کر دیا تم نے بھی۔'' مسکان نے اس کے سامنے سوالیہ انداز میں انگلیاں نچائیں۔

عاقب ہنسا اور مسکان نے دونوں ہاتھ کی

شہادت والی انگلیوں سے کان بند کر لیے۔
''پاگل ہی رہنا تم۔'' عاقب نے اس کے سر پر ہلکے سے چپت لگائی۔
''ہاں اور تم مہا پاگل!'' مسکان نے زبان چڑائی۔ اسے پھر بھی سنائی دے گیا تھا۔
''کبھی، کبھی میں سوچتا ہوں، میں کچھ ایسا تخلیق کروں جو کسی نے نہ کیا ہو۔''
''کیا مطلب تمہارا؟'' مسکان نے حیرانی سے پوچھا۔ اب وہ دونوں انگلیاں کانوں سے نکال چکی تھی۔
''تم نہیں سمجھو گی، ابھی تم جاؤ یہاں سے میں اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔'' عاقب نے دروازے کی طرف دیکھا اور مسکان کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
مسکان نے اثبات میں سر ہلایا اور باہر چلی گئی۔

☆☆☆

عاقب کو رنگوں سے کھیلنے کا شوق بچپن سے ہی تھا جو کاغذ ملتا اسے رنگوں سے بھر دیتا چاہے وہ اخبار ہی کیوں نہ ہو..... اس نے اپنے اس جنون کی وجہ لاہور کے بہترین آرٹس کالج NCA میں داخلہ لے لیا تھا..... وہ دنیا کوئی نرالی ہی تھی وہاں آرٹ کا ہر شعبہ موجود تھا..... عاقب وہاں جا کر صرف اپنے جنون کو ہی تراشتا رہا۔
رنگ ہی مانو اس کی کل کائنات تھی اس کے تخیل میں جو بھی سماتا، وہ رنگوں میں اتار دیتا..... جیسے یہ سب بنا ہی اس کے لیے ہو۔
اس کا کالج ختم ہونے میں ڈیڑھ سال کا عرصہ باقی تھا..... ان کے کالج میں آئے دن کچھ نہ کچھ منعقد ہوتا رہتا کبھی فیشن شو تو کبھی میوزکل شو کبھی آرٹ ایگزی بیشن تو محفلِ غزل نہ جانے کیا، کیا.....
اس روز اس کی کلاس پکنک پہ جا رہی تھی جہاں سب اپنے حساب سے چیزیں رکھ رہے تھے کچھ کھیلنے کے لیے وہیں عاقب کے ہاتھ میں اس کا کینوس تھا اور کندھے پہ لٹکا رنگوں سے بھرا بیگ تھا..... اسے جہاں بھی موقع ملتا وہ شروع ہو جاتا لیکن اس پکنک پہ جاتے ہوئے ان کی بس کا حادثہ ہو گیا اور جہاں کچھ طلبہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو وہیں عاقب کو بھی گہرا صدمہ لگا۔

☆☆☆

''عاقب کیا بات ہے بہت چپ، چپ سے ہو گئے ہو؟'' مسکان نے اسپتال کے بیڈ پہ کسی سوچوں میں گم چپ، چپ لیٹے ہوئے عاقب کو دیکھا۔ عاقب پہ گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
''اچھا میں وہیل چیئر منگواتی ہوں تھوڑی دیر کے لیے باہر چلتے ہیں ٹھیک ہے؟'' مسکان کو عاقب کا چپ رہنا ستا رہا تھا۔ ''عاقب پتا ہے آرٹ گیلری میں ایگزی بیشن لگ رہی ہے میں معلوم کر کے آئی تھی نئے آرٹسٹ کو موقع دے رہے ہیں تمہارا نام لکھوا دوں؟''
مسکان نے اس کے جنون کا نام لیا۔
''عاقب تم آخر.....'' مسکان ابھی بول ہی رہی تھی کہ عاقب نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس کے منہ کے آگے کر دیا۔
''نہ خود بول رہے ہو نہ مجھے بولنے دے رہے ہو آخر کیوں؟ میں چلی ہی جاتی ہوں اگر تم میرے منگیتر نہ ہوتے تو میں یوں.....'' مسکان اٹھی اپنی چیئر پیچھے کھسکائی اور باہر چلی گئی۔
پانچ، چھ روز گزر گئے تھے۔ ڈاکٹر نے عاقب کو اب گھر جانے کی اجازت چھٹی دے دی تھی۔ وہ وہیل چیئر پہ تھا اور مسکان اسے گھر لے آئی۔
عاقب کے ماں باپ ایک کار حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے تب سے مسکان کے بابا یعنی عاقب کے ماموں نے ہی اسے ساتھ رکھا ہوا تھا اور اب خود عاقب کو ہمہ وقت سہارے کی ضرورت تھی، مسکان جو اس کے ماموں کی بیٹی تھی اور اس کی چاہت تھی۔ اس کی منگیتر، اسے اچھی طرح سمجھتی تھی لیکن جب سے اس کے ساتھ یہ حادثہ ہوا تھا مسکان کے لیے یہ وقت زیادہ صبر آزما تھا کیونکہ عاقب چڑچڑا

ہو گیا تھا...... پکنک والے حادثے نے اس کی ٹانگیں اس سے چھین لی تھیں۔

☆☆☆

عاقب اور مسکان دونوں اس کمرے میں موجود تھے جہاں عاقب اپنی تخلیق کاریاں کرتا تھا اور رنگوں سے کھیلتا تھا لیکن مسکان کو اس وقت اس نے باہر بھیج دیا تھا...... مسکان کو کئی عجیب سوچیں آنے لگیں دل دھڑک رہا تھا اور مردہ پیروں سے وہ اپنے کمرے میں جانے لگی۔ عاقب وہیل چیئر پر بیٹھا کسی سوچ میں گم تھا اتنے میں اسے اذان کی صدا سنائی دی اس نے اسے غور سے سننا شروع کیا۔

''اللہ اکبر!''

جب اس نے تکبیر سنی تو اس نے دُہرایا۔

''بے شک اللہ سب سے بڑا ہے۔''

اس نے بعد میں اذان کے ہر جملے کو دُہرانا شروع کیا کہ وہ ''حیَ علی الصلوۃ'' اور ''حیَ علی الفلاح'' پہ آیا اور خاموش ہو گیا۔

اس نے کئی تخیلاتی مناظر رنگوں میں قید کیے تھے مگر اب کی بار وہ چاہ رہا تھا کچھ الگ کرے جس سے اس کا دل مطمئن ہو لیکن کیا تھا ایسا اسے خود کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''الفلاح یعنی کامیابی کی طرف اور صلوۃ یعنی نماز، نماز میں کامیابی؟ اے اللہ یہ آج میں نے اذان کو اتنے غور سے سنا! میں اپنی جسمانی معذوری کی وجہ سے یہ کیسے بھول گیا کہ مجھے نماز پڑھنی چاہیے۔ مجھے معاف کر دے میرے اللہ، میں اپنی ہی کامیابی سے دور بھاگتا رہا مجھے موقع دیا گیا کہ میں تیرے پاس آؤں اس کامیابی کے ذریعے اپنے خالق کے پاس جس نے مجھے تخلیق کیا ہے میں بھلا... وہ خیال کیسے تخلیق کر سکتا ہوں کہ جو کسی نے نہ کیا ہو؟ سب سے بڑا خالق تو، تو ہی ہے۔ میرے اللہ اور میں مٹی سے بنا تیرا ایک عاجز اور کمزور بندہ...... مجھے معاف فرما میرے رب۔'' آنسوؤں سے عاقب کا چہرہ بھیگ چکا تھا اپنی وہیل چیئر کو اس نے کمرے کے دروازے تک گھمایا اور باہر آیا اور مسکان کو آواز دی۔

مسکان نے اس کی آواز سنی تو خوشی، خوشی بلکہ بھاگتی ہوئی اس طرف آئی جہاں عاقب موجود تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ حیران ہو گئی۔

''مجھے وضو کرنا ہے۔'' اس کی بھرائی آواز سے وہ سمجھ گئی تھی کہ ضرور عاقب رویا ہے۔

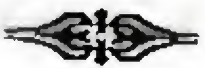
اس نے وضو کروانے میں اس کی مدد کی اور ٹیبل پہ جائے نماز بچھا کر چیئر گھما کے وہاں تک لائی۔

عاقب نے نماز پڑھنا شروع کی اور مسکان باہر چلی گئی۔

☆☆☆

آج آرٹ گیلری میں اس کی پینٹنگز کی نمائش تھی جہاں ایک طرف وہ پینٹنگز تھیں جن میں دریا، پہاڑ، سمندر، سبزہ زار وادیوں کے خوب صورت مناظر کے ساتھ، ساتھ عورت کے حسین پورٹریٹس تھے تو دوسری جانب عاقب نے بہت ہی خوب صورتی سے قرآن کی آیات کو کینوس پر اتارا تھا جو بھی آتا ان آیات کو پڑھتا سبحان اللہ کہتا اور تعریف کیے بغیر نہ رہ پاتا۔

اس کی پینٹنگز کی ہر تعریف اس کے دل میں موجود اللہ کی محبت کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔ وہ اب ایک نئے عزم کو اپنے اندر محسوس کر رہا تھا۔ وہ مسکان کی جانب دیکھ کر مسکرا رہا تھا جو اس کے وجود کا حصہ بنتے جا رہی تھی جس کا ہر پل کا ساتھ تھا۔ عاقب نے اسی پل سوچا کہ وہ باہر جا کر اپنے لیے مصنوعی ٹانگوں کا انتظام کرے گا پھر اللہ کے بابرکت گھر حرم شریف جا کر اس کا شکر ادا کرے گا اور وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ اصل کامیابی کس چیز میں تھی...... بے شک ہم اپنے رب کی کسی بھی نعمت کو جھٹلا نہیں سکتے۔ وہ ایک نعمت لے کر دس مزید نعمتیں عطا کرتا ہے، آج عاقب کی روح سرشار تھی۔





مکمل ناول

تم نے کہا تھا

بشریٰ گوندل

پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ مسلسل رسہ کود رہی تھی اور ساتھ، ساتھ بہ آواز بلند گا رہی تھی کہ اچانک ہائے، ہائے، اوئی اللہ میاں کی صدائیں بلند ہوئیں اور رسہ [illegible] میں کا ردھم ٹوٹ گیا وہ پاؤں پکڑ کر وہیں بیٹھتی چلی گئی۔ ساتھ، ساتھ وہ بہ آواز بلند بددعائیں دے رہی تھی۔

''ہائے...... رستے میں کانٹے بچھانے والو تمہاری زندگی خار، خار گزرے'' الو کے پیٹھے کے

چھدرے سائے میں کرسی پر بیٹھ کر عشق کا عین پڑھتی فروا نے بہ دقت چشمے کے اوپر سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''کیا ہوا، خیریت تو ہے، کس کو بددعائیں دے رہی ہو؟''

''پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے۔'' وہ ایڑی موڑ کر اپنے پاؤں کا جائزہ لیتے ہوئے رو دینے کے قریب تھی کہ فروا کو کتاب رکھ کر اٹھنا ہی پڑا۔ قریب جا کر دیکھا تو کانٹا واقعی ایڑی میں چبھ کے آدھا اندر اور آدھا باہر تھا۔

''یہ کانٹا یہاں کہاں سے آ گیا؟'' فروا نے حیران ہو کر ماربل کے سفید شفاف فرش کو کونوں تک دیکھا کسی کانٹوں بھری جھاڑی کا نشان تک نہیں تھا۔

''کسی دشمن نے ہی پھینکا ہوگا۔'' نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اس نے تکلیف برداشت کرتے ہوئے کہا۔

''دشمن، کون؟'' فروا نے ناک سے پھسلتی عینک درست کرتے ہوئے کسی نادیدہ دشمن کو تلاشا..... تبھی برآمدے کی جالیوں سے ناک چپکا کر ان کو جھانکتے سعد کو دیکھا۔ فروا سمجھ گئی کہ یہ اسی کی شرارت ہو سکتی ہے۔

''کیا ہوا ہے کشف کو، ابھی تو سکنگ پریکٹس کرتے ہوئے رسہ کود رہی تھی۔'' وہ تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں پھلانگ کر ان کے سامنے آ گیا۔

''کیا ہوا کشف.....؟'' وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے آ بیٹھا۔ کشف کچھ نہ بولی ویسے بھی زیادہ غصے میں اس سے کچھ بولا ہی نہیں جاتا تھا۔

''تم تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے تمہیں تو خبر ہی نہیں ہے۔'' فروا نے کہا۔

''کس چیز کی خبر.....؟'' اس نے حیران ہونے کی اداکاری کی۔

''یہی کہ کشف کے پاؤں میں رسہ کودتے ہوئے کانٹا چبھ گیا ہے۔''

''اچھا..... مگر کانٹا یہاں کہاں سے آ گیا۔''

''امپورٹ ہوا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''بھئی ہمارے گھر میں تو کیا آئی تھنک اس پوری کالونی میں کیکر کا کوئی درخت نہیں ہوگا تو ظاہر سی بات ہے کہ کانٹا امپورٹڈ ہی ہوا ناں.....''

''او بھئی..... پہلی مرتبہ ایسی اصطلاح سنی ہے۔'' فروا کی وضاحت پر سعد کی ہنسی چھوٹ گئی۔

سعد زخمی ایڑی پر ہاتھ پھیرتی کشف کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے کل بھی کشف سے کہا تھا کہ یہ رسہ کودنا چھوڑ دو۔ بیکار کی مشقت ہے، تمہارا ویٹ سیونٹی فور تو ہو سکتا ہے فورٹی سیون نہیں ہو سکتا..... ناپ میں اچانک اتنی کمی بیشی امپاسبل..... ''پتلو جی'' کا ٹائٹل سونگ ابرار تمہارے لیے تو گا نہیں سکتا۔''

''اسی لیے تم نے کانٹا کہیں سے لا کر یہاں پھینک دیا۔'' سوں، سوں کرتی ہوئی کشف نے بھیگی ہوئی غصہ بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''وہ تمہارے جیسے دشمن ہی ہوتے ہیں جن سے آسمان بھی پناہ مانگتا ہے۔ اللہ کرے تمہارے سارے جسم میں کانٹے چبھیں۔''

''ہائے بددعا تو نہ دو۔ تمہاری زبان بھی کالی ہے اور کالی زبان والوں کی بددعائیں سنا ہے بہت لگتی ہیں۔'' سعد مصنوعی بیچارگی سے بولا۔

''ویسے یار تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی کہیں سے ہوا سے اڑ کر کانٹا آ گرا ہوگا ورنہ میں کیوں تمہارے قدموں میں ڈالوں گا کانٹے بلکہ میرا بس چلے تو میں پھول بچھا دوں تمہارے رستے میں۔''

''جی نہیں.....!'' کشف اس کی بات کاٹ کر بولی۔ ''یہ منحوس حرکت تم نے ہی کی ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اس دنیا میں میرے واحد دشمن صرف تم ہی ہو۔''

''اچھا..... ابھی تو یہ لڑائی جھگڑا کچھ دیر کے لیے چھوڑ دو..... پھر فرصت سے بیٹھ کر لڑ لینا..... سعد پہلے اس کے پاؤں سے کانٹا تو نکالو۔'' فروا نے انہیں چپ کرایا ورنہ وہ جانے کب تک اسی طرح جھگڑتے رہتے۔ فروا اکثر ان دونوں کے درمیان جھگڑے کی صلح کراتی لیکن

انجام ہمیشہ وہی ہوتا یعنی معاہدے کی خلاف ورزی۔ اس خلاف ورزی کا سہرا عموماً سعد کے سر ہوتا، وہ کوئی اس طرح کی حرکت کر گزرتا کہ پھر کشف آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتی۔

''لاؤ کانٹا نکال دوں۔'' وہ اس کا پاؤں پکڑتے ہوئے بولا تو کشف نے بھی خلافِ توقع اپنا پاؤں آگے کر دیا۔ وہ اس کا پاؤں اپنے گھٹنے پر رکھ کر کسی ماہر سرجن کی طرح معائنہ کرنے لگا۔ کانٹا واقعی آدھے سے زیادہ ایڑھی کے اندر تھا اور اس کا تھوڑا سا حصہ باہر..... اسے اپنی شرارت پر افسوس ہوا۔

''سی.....'' اس نے ابھی ایڑی میں نصب کانٹے کو چھوا ہی تھا کہ کشف نے سی کر کے پاؤں کھینچ لیا۔

''حوصلہ کرو یار..... دیکھنے تو دو۔'' اس نے دوبارہ پاؤں پکڑا تو کشف نے حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنے دوپٹے کا گولا سا بنا کر منہ میں ٹھونس لیا اور آنکھیں زور سے میچ لیں۔

''دھیان سے، دوپٹا حلق میں نہ پھنس جائے۔'' فروا ہنس دی۔

سعد نے انگوٹھے کی انگلی کے ناخن سے کانٹا کھینچا تو کانٹا اوپر سے ٹوٹ کر مزید گوشت میں دھنس گیا۔ کشف نے پانی سے لبالب آنکھیں کھول کر سعد کو گھورا۔

''بس یار تھوڑی دیر اور.....'' اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''ہوں.....'' وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم ایسا کرو فروا وہ لے کر آؤ۔''

''وہ کیا.....؟''

''وہ جو.....'' اسے نام بھول گیا تھا۔

''چھری؟''

''نہیں یار.....'' وہ زچ ہوا۔

''ہتھوڑی..... یا پھر پلاس..... اچھا اسکرو ڈرائیو.....؟'' فروا سوچ، سوچ کر بول رہی تھی۔

''نہیں ناں..... وہ جو.....''

''کیا وہ، وہ کی پہلیاں بجھوا رہے ہو..... میں جا رہی ہوں خود ہی لے لینا اپنا مطلوبہ ہتھیار.....''

فروا غصے سے پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے جانے لگی۔

''یار، وہ جس کے ساتھ تم لوگ اپنی بھوؤں کے، میرا مطلب ہے آئی بروز کے بال نوچتی ہو۔'' سعد نے بالآخر اس کی مشکل آسان کر دی۔

''تم سیدھا، سیدھا ٹیوئزر بلکہ نہیں کہہ سکتے ہو، جاہل ہو بالکل۔'' وہ غصے سے کھولتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''بھئی مجھے نہیں آتے ان خالص زنانہ ہتھیاروں کے نام۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے ایڑی میں دھنسے کانٹے کے گرد و نواح میں تیزی سے سرخ ہوتی اسکن کو دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر کے پلر کے ساتھ ٹیک لگائے کشف کو دیکھا۔ کشف کی آنکھیں ابھی تک بھیگی ہوئی تھیں..... اس کے دل کو کچھ ہوا اس نے دوبارہ اس کی آنکھوں کو دیکھنے سے گریز کیا۔

''کیا ضرورت تھی مجھے یہاں کانٹا لا کر پھینکنے کی.....'' ندامت کے ساتھ اسے ایک بار پھر افسوس ہونے لگا۔

''کشف..... کیا بہت درد ہو رہا ہے؟'' جب وہ بولا تو اسے اپنی آواز بوجھل سی لگی۔ کشف نے ایک بار پھر روئی، روئی آنکھوں سے اسے دیکھا اور پھر اس کے دونوں ہاتھوں میں دبے اپنے پاؤں کو اسے نئے سرے سے غصہ آ گیا۔

''تم چھوڑو میرا پاؤں، میں خود نکال لوں گی کانٹا۔'' اس نے پاؤں کھینچنا چاہا لیکن سعد نے اور مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''ٹھہرو ناں بس میں ابھی نکال دیتا ہوں، تم سے نہیں نکلے گا۔'' تبھی فروا آ گئی تھی اس کے ہاتھ میں ٹیوئیزر تھا۔

''لو، اب نکالتے رہو۔'' وہ سعد کو تھما کر وہ اپنی جگہ جا بیٹھی اور کتاب کھول کر گمشدہ صفحہ ڈھونڈنے لگی۔

''کشف ویسے تو تم بڑی بہادر بنتی ہو۔ ذرا ذرا سی بات پر کاٹ کھانے کو دوڑتی ہو اور اب..... یہ ننھا سا کانٹا کیا چبھا ہے کہ تم نے رو، رو کر آنکھیں سجالی

ہیں...... چھی چھی اپنی ناک تو صاف کرو تم، گندی لڑکی۔'' سعد نے جان بوجھ کر اس کا دھیان دوسری طرف لگایا اور واقعی ایسا ہی ہوا اس نے دوپٹے کے پلو سے اپنی ناک رگڑ، رگڑ کر مزید سرخ کرلی۔

''یہ لو، اتنا سا تو کام تھا۔'' سعد نے ٹیوٹزر کی مدد سے کانٹا نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا اور انگلی کی پور سے اس کی ایڑھی صاف کردی جہاں خون کا ننھا سا قطرہ نمودار ہوگیا تھا۔

کانٹا اس کی ہتھیلی سے اٹھا کر لان کی کیاری میں پھینکتے ہوئے آہستہ سے بولا۔'' ایک بات کہوں...... میں تمہاری زندگی سے سارے کانٹے اسی طرح چن لوں گا اگر اب بھی تم مان جاؤ تو......

''میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔'' غضب ناک تیور لیے وہ اس کی طرف لپکی اور اس سے قبل کہ وہ بچی کچی اپنے ارادے پر عمل کر ڈالتی سعد وہاں سے ہٹ گیا۔

☆☆☆

''کوئی اس لڑکی کو اٹھا دو، دوپہر ہونے کو آئی ہے اور یہ ابھی تک اونٹ، گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے۔ شادی ہونے والی ہے اور یہاں ابھی تک نیندیں ہی پوری نہیں ہو رہیں۔ اس کے یہ طور طریقے اگلوں نے کوئی برداشت نہیں کرنے۔ دن چڑھے تک اگر سوتی رہے گی تو گھر کیسے بسے گا۔ فاطمہ اور نہیں تو اپنی بیٹی کو کچن کا کچھ کام سکھادو۔'' دادی جان نے کچن میں کام کرتی فاطمہ کو مخاطب کیا۔

''ماں جی میں نے تو اسے سو دفعہ کہا ہے میری تو نہ مانتی ہے اور نہ سنتی ہے۔ الزام تو سارا پھر بھی مجھ پر ہی آئے گا ناں کہ ماں نے کچھ سکھا کر نہیں بھیجا آپ ہی بتائیں آخر میں کیا کروں؟''

''توبہ توبہ آج کل کی یہ لڑکیاں ماں، باپ کو تو کچھ سمجھتی ہی نہیں۔ ایک ہمارا زمانہ تھا کہ ماؤں نے ہر ہنر میں طاق کردیا تھا۔ سینا، پرونا، کھانا پکانا، سلیقہ، طریقہ، گھرداری کے تمام امور منہ زبانی یاد تھے اور اب دیکھو...... آج کی لڑکیوں کو پروا نہیں اگلے گھر جانے کی۔ اگلوں نے کوئی فیشن پریڈ نہیں کرانی ہوتی۔ یا صرف شکلیں پوجنا نہیں ہوتا۔''

''دادی جان اگلے گھر کے حوالے سے ڈرا، ڈرا کے اگلے گھر کی اس طرح تصویر کشی کرتی ہیں۔ لگتا ہے اگلا گھر کوئی بھوت بنگلا ہوگا۔'' کروٹیں بدلتی کشف بولی تو کتاب کے اندر ڈائجسٹ رکھ کے پڑھتی فروا ہنس دی۔

''ہم میکے سے سسرال میں رہنے کے گُر سیکھ کر آئے تھے۔ تبھی سسرال میں بھی واہ، واہ ہوئی اور میکے کی بھی لاج نبھائی۔''

''اُف...... دادی جان بھی ناں بس......'' کشف کو نیند ٹوٹ جانے کا افسوس ہوتا تھا۔ بقول اس کے ساری عمر کے بعد اب تو سونا نصیب ہوا ہے۔ پہلے اسکول پھر کالج اور یونیورسٹی...... ابھی کچھ مہینے ہی ہوئے تھے اسے فارغ ہوئے پھر منگنی ہوگئی اور اب شادی کے دن بھاگم بھاگ قریب سے قریب چلے آرہے تھے یہ کچھ دن غنیمت تھے کہ جی بھر کے سولیا جائے۔

''تو یہ ہے دادی جان کے زمانے کی لڑکیاں......'' وہ دبی دبی آواز میں بولی۔'' بھئی ان کے زمانے میں اور ہمارے زمانے میں فرق بھی تو ہے ان کے زمانے میں بقول دادی جان کے واہ، واہ کی بڑی چاہ ہوا کرتی تھی عورتوں کو۔''

''یہ ہر زمانے کی عورت کی چاہ ہے بس فرق صرف یہ ہے کہ اب چاہ کے معیار بدل گئے ہیں۔'' ڈائجسٹ کے صفحے پر نظر جمائے فروا بولی۔'' آج کی عورت کو پیسے کی ریل پیل کی چاہ ہے۔ بازاروں میں مارے، مارے پھرنے اور دھڑا دھڑ شاپنگ کرنے کی چاہ ہے۔ فیشن کی دوڑ میں تمام عورتوں کو مات دینے کی چاہ ہے اور مردوں کی برابری کرکے ان سے آگے نکل جانے کی چاہ ہے جبکہ دادی جان کے زمانے میں تو فقط خدمت کرکے دوسروں سے واہ، واہ کروانے کی چاہ ہوتی تھی۔''

''توبہ ہے فروا، تم بات کو کتنا گھما دیتی ہو کہ سننے والا اچھا خاصا چکرا جائے۔'' کشف نے تکیہ کانوں

سے ہٹا کر سر کے نیچے رکھا اور دوبارہ کمبل خود پر تان لیا کچھ ہی دیر بعد کمرے میں اس کے ہلکے، ہلکے خراٹے گونج رہے تھے۔ جبکہ فروا ناول ختم کرنے کے چکر میں تھی جو رات کو تھوڑا سا بچ گیا تھا..... شہرینہ کا بیڈ خالی تھا کیونکہ اسے صبح خیزی کی عادت تھی نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کے بعد وہ امی اور چچی کے ساتھ کچن میں مصروف ہو جاتی تھی۔

شہرینہ بڑے ابا کی بیٹی تھی سعد اور عثمان کی اکلوتی بہن، کشف چچا، چچی کی منتوں مرادوں کی اکلوتی اولاد تھی جبکہ فروا مسرت پھپو کی بیٹی تھی پھپو چونکہ سرگودھا میں رہتی تھیں اور فروا تعلیم کی غرض سے گزشتہ تین سالوں سے یہاں تھی۔ دادی جان اس کے رسالے پڑھنے کی عادت سے اچھی خاصی تنگ تھیں۔

''مسرت نے اپنی لڑکیوں کو یہاں بھیجا تھا پڑھنے کے لیے اور یہ یہاں آ کر رسالوں پر لگ گئی۔''

''دادی جان اس طرح کہتی ہیں جیسے تم نشے پہ لگ گئی ہو۔'' کشف مذاق اڑاتی۔

اس دن کشف کا آخری پریکٹیکل تھا جب وہ یونیورسٹی سے لوٹی تو کچن، ڈرائنگ روم کی چہل پہل سے اسے اندازہ ہوا کہ کوئی مہمان آئے ہیں وہ نظر انداز کرتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی کہ وہ گزشتہ کئی دنوں کی نیند پوری کرنا چاہتی تھی؟ ایگزامز کی تھکن اور نیند اکٹھے حملہ آور ہوئے تھے کہ وہ رات تک فروا کے جھنجوڑنے پر ہی جاگی۔

''بنو رانی کی آنکھ ہی نہیں کھل رہی۔ ابھی ایسی خبر سناؤں گی کہ ساری نیندیں اڑ جائیں گی۔''

''تمہاری شکل دیکھ کر نیند تو اڑ ہی گئی۔'' اس نے مندی، مندی آنکھوں سے فروا کو دیکھا۔

''اچھا جناب جی.....'' وہ ہنس دی۔ ''آج کی بریکنگ نیوز یہ ہے کہ بغیر کسی اطلاع و افواہ کے آج کچھ لوگ آئے تھے تمہیں دیکھنے کے لیے..... تم تو چونکہ یونیورسٹی گئی ہوئی تھیں چنانچہ انہوں نے مجھے ہی جی بھر، بھر کے دیکھا اور عین اس وقت جب میں نے اپنے دل میں اچھی امیدیں وابستہ کر لی تھیں اور یہ رشتہ اپنے لیے تقریباً پکا ہی سمجھ رہی تھی کہ تمہاری انٹری نے میرے نئے نویلے خوابوں پر پانی پھیر دیا۔ آنے والوں نے ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے تمہیں جی بھر، بھر کر دیکھا جب تم کچن کے دروازے میں کھڑی ہو کر کسی پیاسے اونٹ کی طرح غٹا غٹ پانی پی رہی تھیں..... اب چاہیے تو یہ تھا کہ وہ تمہیں ریجیکٹ کر کے کسی اور در پر لڑکی ڈھونڈنے چل دیتے مگر خدا جانے انہیں تمہاری پانی پینے کی ادا بھائی یا تمہارا قدرے گندا سا میلا کچیلا حلیہ پسند آیا کہ انہوں نے فوراً اوکے کر دیا۔'' فروا نے پوری تفصیل سے اسے آگاہ کیا۔

''کیا.....؟'' وہ اچھلی اب کے اس کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں اور نیند بھی کہیں بھاگ گئی۔

''نہیں یقین آیا ناں.....'' فروا نے مزے سے بتایا..... ''ہم میں سے کسی کو بھی یقین نہیں آیا تھا پھر سوچا کہ یا تو ان کا ٹیسٹ خراب ہے یا پھر نظر کا کوئی مسئلہ ہوگا ورنہ تو.....''

''کیا فضول بات ہے۔'' وہ الجھی اور پھر سوچنے لگی کہ یونیورسٹی سے واپسی پر وہ واقعی قابلِ دید حلیے میں نہ تھی۔

''اچھا جی فضول بات ہے، دل میں چاہے لڈو پھوٹ رہے ہوں۔'' فروا نے کہا۔ ''اور ہاں یہ تو میں نے بتایا ہی نہیں کہ لڑکا تین بہنوں کا اکلوتا بھائی اور کسی گورنمنٹ ادارے میں اعلیٰ پوسٹ پر ہے۔ وہ لوگ تو لگتا تھا بہت جلدی میں ہیں۔ ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے تھے کہ آج ہی جواب لے کر جائیں گے اور وہ بھی ہاں میں..... دیکھو بھلا اچھی زبردستی ہے۔''

''پھر.....؟'' وہ آگے کی تفصیل سننا چاہتی تھی۔

''پھر کیا..... دادی جان نے کہا ہے کہ ہم سوچ کر جواب دیں گے اور یہ بھی بتایا ہے کہ گھر میں بھی لڑکے ہیں تو کیا پتا کہ گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے۔'' فروا پوری تفصیل بتا رہی تھی۔

''کون سے لڑکے.....؟'' اس کے ماتھے پر بل پڑا۔

''تمہاری قریب کی نظر لگتا ہے حد سے زیادہ کمزور ہے۔''
''اگر تمہارا اشارہ سعد کی طرف ہے تو میری طرف سے نہ ہے۔'' وہ فروا کو گھورتے ہوئے بولی۔
''کیوں...... سعد میں کون سی کمی ہے؟''
''جی نہیں، کمی تو کوئی نہیں، بس زیادتی ہی زیادتی ہے۔'' اس نے یوں منہ بنایا جیسے دانتوں تلے کوئی کڑوی گولی آگئی ہو اور فروا اسے دیکھ کر رہ گئی۔ کیا سعد واقعی اس قابل ہے کہ اسے ریجیکٹ کیا جائے۔ پھر دادی جان نے بھی اسے آنے والے پرپوزل کا بتایا لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ وہ سعد کے لیے ایسا چاہتی ہیں۔ امی نے بھی سعد کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور یہ بھی بتایا کہ تمہاری تائی کی بھی یہی خواہش ہے۔ انہوں نے کافی عرصہ پہلے سعد کا پرپوزل دیا تھا گویا سارا زمانہ جانتا تھا اگر بے خبر تھی تو صرف کشف...... اس نے سب کو وہی جواب دیا جو فروا کو دیا تھا۔
''سعد گھر کا لڑکا ہے، دیکھا بھالا ہے۔'' دادی جان نے اسے بہت سمجھایا۔
''باہر کا بھی جو ہوگا اس کو بھی دیکھیں گے تو دیکھا بھالا ہو جائے گا۔'' اسے بھی کوئی ضد سی ہوگئی تھی۔
''وہ اپنا ہے اور اپنے اگر ماریں بھی تو چھاؤں میں ڈالتے ہیں۔'' دادی جان نے بہت پرانا مقولہ دُہرایا۔
''جو ہمارے اپنے ہوتے ہیں ناں دادی جان وہ صرف مارتے ہی نہیں ہیں اور جب جان سے مرجانا تو پھر دھوپ چھاؤں کا کیا جھگڑا......'' کشف نے سہولت سے جواب دیا۔''مجھے ساری عمر پرانے رشتوں کو نباہتے، نباہتے نہیں بوڑھے ہو جانا۔''

''تم ایک بار ہی بتادو کہ تم چاہتی کیا ہو......؟''
امی کا لہجہ اگرچہ نرم ہی تھا مگر ان کے رویے سے لگ رہا تھا کہ انہیں کشف کی ضد سے صدمہ ہو رہا ہے۔ ان کی ایک بیٹی تھی اور بڑا عرصہ بیٹے کی خواہش دل میں دبائے اب اندر سے کمزور ہوگئی تھیں اور دل سے چاہتی تھیں کہ کشف ہمیشہ اس گھر میں ان کی نظروں کے سامنے رہے۔ تایا جان اور تائی جان کی بھی دلی خواہش تھی۔ اس کے ابو بھی اگرچہ ایسا ہی چاہتے تھے مگر وہ چاہتے تھے کہ فیصلہ کشف خود کرے۔ سب سے بڑھ کر سعد فرمانبردار، تمیز دار اور ہر ایک سے محبت کرنے والا لڑکا تھا۔ وہ چچا، چچی کی اپنے ماں، باپ سے بڑھ کر عزت کرتا تھا پھر انکار کی کیا وجہ تھی؟ سمجھ کے بالاتر تھا...... سعد ان دنوں کسی کورس کے سلسلے میں اسلام آباد میں قیام پزیر تھا اور اس کی عدم موجوگی میں ہی اس کا مقدمہ لڑا جارہا تھا۔ جس میں جیت بالآخر کشف کی ہوئی۔ دادی جان نے شایان کے گھر والوں کو ہاں کہہ دی تھی چونکہ کوئی بھی اس رشتے پر دل سے راضی نہیں تھا اسی لیے گھر کا ماحول کچھ دنوں تک کشیدہ رہا...... پھر بالآخر دادی جان نے ہی سب کو سمجھایا کہ یہ آسمانوں کے فیصلے ہیں، جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں جس کا جوڑ جس کے ساتھ لکھا گیا ہو پھر خواہ مخواہ آپس میں دل میلا کرنے کی کیا ضرورت...... بس تم لوگ بچی کے اچھے نصیبوں کی دعا کرو...... اور یہ دادی جان کی سب کے ساتھ مساوی محبت و یگانگت اور صحیح تربیت کا اثر تھا کہ سب نے دلوں میں آئے میل کو صاف کرلیا اب سعد بھی اسلام آباد سے واپس آگیا تھا اور بہت سوں نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھا مگر اس کا رویہ نارمل تھا وہ آتے جاتے کشف کو چھیڑتا۔
''اے...... ہم نے سنا ہے تم نے جیون ساتھی چنا ہے۔ کیا چیز ہے وہ؟''
''تم سے تو اچھی ہی چیز ہے وہ۔''
''او ہو ہو......'' کشف کے جواب پر سب نعرے لگانے لگتے اور یہ تو منگنی کے دن ہی کچھ انوکھا ہوا تھا کوئی انہونی سی بات ہوئی تھی جب اسٹیج پر کشف کو لایا گیا تو اس کی چھب ہی نرالی تھی ہر دیکھنے والی آنکھ نے اسے سراہا وہ اتنی معصوم اور پیاری لگ رہی تھی کہ کبھی پوری زندگی میں نہ لگی تھی۔ سعد اسے ہی دیکھ رہا تھا جب فروا اس کے ساتھ آکھڑی ہوئی اور اس کا انہماک توڑا۔
''دیکھو تو کتنی پیاری لگ رہی ہے لگتا ہی نہیں کہ وہ

پہلے والی کشف ہے، کتنی عام سی ہوتی تھی ناں......''
''ہوں......'' سعد نے نارمل سی ''ہوں'' کی۔
''ہم سب نے تو اسے بہت منایا...... یہی نہیں مانی۔''
''کس چیز کے لیے......؟'' وہ چونکا۔
''تمہارے لیے......'' فروا نے انکشاف کیا۔
''دادی جان کے ساتھ، ساتھ ہم سب کی بھی یہی خواہش تھی لیکن چلو جس کا نصیب......'' فروا تو نصیبوں کا لکھا کہہ کر سکون سے ایک طرف ہوگئی مگر سعد کو بے سکون کر گئی۔ کوئی مدھم سی چنگاری جو اندر بھڑکی تھی سینے میں بائیں طرف تپش کا بے پناہ احساس ہوا تھا اس نے ایک بار پھر نظر اٹھا کر بنی سجی کشف کو دیکھا اور اس کا دل چاہا کہ اندر ابھی ابھی بھڑکنے والی آگ سے سارا کچھ بھسم کر دے، ہر چیز کو فنا کر دے۔ یہ اسٹیج، یہ پھولوں کی لڑیاں، یہ گہنے، یہ زیور...... سب کچھ...... اس نے لمحہ نہ لگایا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ خود کو بہلانے لگا، کوئی لمحوں کی کشش، کوئی وقتی جذبہ...... کوئی پل کا احساس...... یا شاید ریجیکٹ ہونے کا احساس...... وہ خود کو سمجھا رہا تھا لیکن نہیں، کوئی اور بات تھی کوئی نئی بات...... بچپن سے لے کر لڑکپن پھر جوانی...... وہ ایک گھر میں ایک چھت تلے...... مل کے کھیلے...... لڑے جھگڑے پھر صلح ہو جاتی اور پھر وہ پہلے جیسے ہو جاتے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہو۔ اور اب...... اب یہ کیسا دکھ تھا جس نے دل کو لہو، لہو کر دیا تھا کیسا صدمہ تھا جو جھیلا ہی نہیں جا رہا تھا۔

کئی دن گزر گئے تھے اس نے ہر طرح سے آزمایا تھا' خود کو ٹٹولا تھا یہ کوئی وقتی جذبہ نہیں تھا یہ کوئی لمحوں کی کشش نہ تھی، ہاں ضرور یہ کوئی پل بھر کا کھیل تھا جو دل کے ساتھ کھیلا گیا تھا۔ ذرا دیر لگی اور دل کی بستی لٹ گئی۔ بچپن سے لے کر اب تک اس نے کشف کو بہت دفعہ اس سے بھی زیادہ تیار ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اس سے بھی زیادہ اچھی لگ رہی ہوتی تھی مگر...... ایسی انوکھی واردات کب ہوئی تھی بھلا...... وہ کئی دنوں تک...... بے سکون پھرتا رہا تھا بالآخر کشف کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

وہ کپڑے استری کر رہی تھی۔
''کشف...... تم ایسا کرو دادی جان سے کہہ کر شایان سے اپنی منگنی ختم کرا دو۔'' اس مسئلے کا یہی حل سوجھا کہ وہ خود سے لڑتے لڑتے تھک گیا تھا اور اس نے شاید سوچا ہو کہ یہ سب بہت آسان ہو۔
''یہ فضول اور بے تکا لطیفہ ہے...... سوری مجھے اس پر بالکل بھی ہنسی نہیں آئی۔'' وہ ہنوز اپنے کام میں مصروف تھی۔ وہ تھوڑی دیر اس کی پشت پر پھیلے بالوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔
''میں مذاق نہیں کر رہا کشف میں سیریس ہوں۔''
کشف نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر ہنستے ہوئے بولی۔ ''ہاں واقعی تم اس وقت سیریس لگ رہے ہو، سیریس پیشنٹ...... تمہیں تو اس وقت آئی سی یو میں ہونا چاہیے۔''
وہ ایک دم اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور استری اسٹینڈ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔
''تمہیں میری بات واقعی مذاق لگ رہی ہے جبکہ میں سچ بول رہا ہوں۔ مجھے نہیں پتا کہ ایسا کیوں ہوا ہے لیکن یہی سچ ہے کہ میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں، تم سے محبت کرنے لگا ہوں پہلے میرے دل میں ایسا کوئی خیال کبھی نہیں آیا تھا لیکن تمہاری منگنی کی شام خدا جانے کیا ہوا...... اور میں جو مذاق اڑاتا تھا کہ برسوں سے ایک ہی گھر میں رہنے والے کزنز آپس میں انوالو کس طرح ہو جاتے ہیں۔'' وہ ٹوٹے پھوٹے بے ربط سے جملے بول رہا تھا اور کشف اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کی ذہنی صحت پر شبہ ہو۔ ''تم اس رشتے سے انکار کر دو پلیز...... میں نے اگرچہ دیر کر دی ہے مجھے احساس ہے مگر خود مجھے خبر نہیں تھی کہ میں تمہارے حوالے سے اس طرح سوچنے لگوں گا پلیز میری بات کا یقین کرو کشف...... میں بہت اذیت میں ہوں۔''
''تمہیں اور کوئی نہیں ملا اس طرح کا مذاق کرنے کے لیے...... ہٹو آگے سے۔'' کشف نے ایک جھٹکے سے استری اسٹینڈ پر جمے اس کے ہاتھ ہٹائے اور یہ کہا...... استری اس کی نئی شیفون کی شرٹ کے ساتھ چمٹ چکی تھی

جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ کشف کھلے منہ پر ہاتھ جمائے، بے یقینی اور صدمے سے کبھی سعد کو اور کبھی استری پر دھواں اگلتی شرٹ کو دیکھتی رہی اور سعد کو یہ دھواں اپنے اندر پھیلتا ہوا محسوس ہوا۔ محبت نے دل پر کیسا وار کیا تھا اور کہاں آ کے..... ہاں اس کے بعد بھی اکثر کشف سے جھگڑ پڑتا، خواہ مخواہ الجھنے لگتا..... جب اس کی سسرال والے ہر ویک اینڈ پر آتے تو اور زیادہ زچ کرتا اور کشف اس کی اس طرح کی باتوں کو مذاق سمجھ کر دو بدو جواب دیتی اور کبھی چپ چاپ اس کی صورت کے نارمل نقوش میں کوئی ابنارمل بات ڈھونڈنے لگتی..... بہر حال وہ اس کی اس طرح کی باتوں سے اچھی طرح خاصی ڈسٹرب ہو جاتی تھی ان لوگوں کی آمد پر پوری طرح خوش بھی نہ ہو پاتی۔

☆☆☆

کشف کے ہاتھوں کے طوطے تو کیا سب چرند پرند اڑ گئے جب دادی جان کی عدالتِ عظمٰی نے یہ حکم نامہ جاری کیا کہ صبح کا ناشتا کشف بنائے گی اور ستم بالائے ستم کے مصداق کچن کا زیادہ سے زیادہ کام اس کے سپرد کیا جائے تاکہ اگلے گھر کچھ تو سیکھ کر جائے اور دادی جان کے حکم نامے پر تصدیق کی مہر ثبت کرتے ہوئے امی نے اسے علی الصباح جب میٹھی نیند میں سہانے خواب دیکھنے کا وقت تھا۔ آدھی سوئی آدھی جاگی کشف کو اٹھا کر کچن میں بھیج دیا گویا اپنے ہی ننھے ستم ڈھانے والے..... اور اب وہ بڑی دیر سے ایک کرسی پر بیٹھی جمائی پہ جمائی لے رہی تھی بالآخر نیند کا ایسا سرور آمیز جھونکا آیا کہ وہ ٹیبل پر لٹائے بازو پر سر رکھ کر اونگھتی ہوئی ایک بار پھر خوابوں کی وادیوں میں اتر گئی۔ ابھی سندر سہانے خواب کا آغاز ہوا ہی تھا کہ شہرینہ کی پکار نے خواب کا سلسلہ توڑ دیا۔

''واہ جی واہ..... کیا بات ہے محترمہ یہاں سونے آئی ہیں یا سب کے لیے ناشتا بنانے؟'' اس نے نیند سے بوجھل ہوتی آنکھیں کھولیں۔ ''وہ تو شکر ہے کہ تم پر ترس کھا کے دادی جان نے مجھے کچن میں بھیجا ہے کہ جا کر بہن کا ہاتھ بٹا دو ورنہ تو تمہاری نیند کی طوالت کا مجھے پتا ہے اور لگتا ہے جب ناشتے کے لیے کچن میں دھاوا بولنا تھا تب ہی تمہاری آنکھ کھلنی تھی، شاباش ہے بھئی۔''

''مجھ سے نہیں بنتا ناشتا واشتا۔'' اس نے پورے کا پورا منہ کھول کے جمائی لی۔

''وہ تو ٹھیک ہے دادی جان کو بتا دو جا کر۔'' شہرینہ نے آرام سے کہا۔

''اچھا، میں چائے بنا دوں گی۔'' وہ بادلِ ناخواستہ اٹھی کہ نہار منہ دادی جان کی باتیں سن کر ہضم کرنا بھی مشکل تھا۔

''جی نہیں، پراٹھے بنانا ہوں گے کیونکہ سب لوگ ہر روز صبح ناشتے میں پراٹھے کھانا ہی پسند کرتے ہیں۔'' شہرینہ نے یاددہانی کرائی۔

''کیا یہ کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ہر روز پراٹھا کھانا اور پراٹھے کے سوا کچھ نہیں کھانا۔'' وہ بھرپور انگڑائی لے کر اٹھتے ہوئے بولی۔ ''کسی کو خیال ہی نہیں ہے کہ ڈاکٹری نقطۂ نظر کے مطابق ناشتا ہمیشہ ہلکا پھلکا ہی لینا چاہیے اور پراٹھا تو ویسے بھی مضرِ صحت ہے۔''

''اچھا..... ویسے صحت کے سنہری اصول تمہیں اچانک آج ہی پتا چلے ہیں، پہلے تو تم ہر روز دو پراٹھے کھا کر تیسرے کو بھی للچائی نظروں سے دیکھتی تھیں۔'' شہرینہ نے پرات میں آٹا نکال کر اس کے سامنے رکھا۔

''لو آٹا گوندھو پہلے۔''

''کیا.....'' وہ بدکی۔ ''مجھ سے آٹا نہیں گوندھا جاتا۔''

''نہ گوندھو..... تمہاری مرضی۔'' شہرینہ نے بھی گویا قسم اٹھالی تھی اس کی مدد نہ کرنے کی۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا پھر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق دونوں آستینیں فولڈ کر کے پانی سے لبالب باؤل آٹے کی پرات میں الٹ کر دونوں ہاتھ چلانا شروع کر دیے..... کوئی ملغوبہ سا تیار کر کے وہ ہانپ گئی۔

''یہ تم نے پراٹھے بنانے ہیں یا جلیبی.....؟'' شہرینہ ہنس ہنس کر دہری ہو گئی۔

''تو میں کیا کروں..... مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب۔'' وہ رونے کے قریب تھی اور شہرینہ کو آخر کار اس کی حالت پر رحم آ گیا۔

''اس طرح تو واقعی تم سے کچھ نہیں ہوگا۔'' شہرینہ نے تاسف سے سر ہلایا اور پرات اپنی طرف کھسکا کر اس میں مزید آٹا ملانے لگی کہ فروا چلی آئی۔

''میں تو جلدی، جلدی آگئی ہوں کہ سب سے پہلا پراٹھا اور وہ بھی کشف کے ہاتھوں کا تناول کروں مگر......'' بات کرتے، کرتے وہ چونکی۔ ''کشف تو لگتا ہے کہ آج ناشتے میں گلگلے بنائے گی یا شاید جلیبیاں......''

''بھئی مجھ سے نہیں ہوتا ہے یہ سب کچھ۔''

''اچھا...... پھر دادی جان کو بتا دیں کہ وہ تمہاری شادی کا پروگرام ملتوی کر دیں۔'' شہرینہ نے شرارت سے کہا۔

''تو کیا جن کو کچن کا کام کرنا نہیں آتا ان کی شادیاں نہیں ہوتیں، وہ ساری عمر کنواری رہ جاتی ہیں؟'' وہ بھڑکی۔

''نہیں خیر ایسی بھی بات نہیں ہے لیکن دادی جان نے تمہارے لیے ہی الٹی میٹم دیا ہے۔ ویسے بھی تم نے وہ محاورہ سنا تو ہوگا کہ دل کی سڑک معدے کی ہائی وے سے نکلتی ہے؟'' فروا نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں، مجھے معدے کی ہائی وے پر کوئی ٹریفک نہیں چلانی۔'' کشف نے کہا۔

''رابعہ بھابی بھی تو ہیں جن کو کوکنگ کی اے بی سی بھی نہیں آتی پھر بھی کیسے آصف بھائی کے دل پر راج کر رہی ہیں۔'' اس نے سامنے والے کرنل انکل کی بہو کا ذکر کیا۔

''تم اپنے آپ کو ان کے ساتھ کمپیئر نہ کرو کیونکہ وہ گائنی ڈاکٹر ہیں، ان کو ٹائم ملے تو وہ کوکنگ کی اے بی سی پڑھیں ناں......'' شہرینہ نے توا چولھے پر رکھ دیا اور پیڑے بنانے لگی۔

''ویسے بھی رابعہ بھابی بتا رہی تھیں کہ انہوں نے کوکنگ کے کئی کورسز کیے ہوئے ہیں۔'' فروا نے بتایا۔

''میری ایک بات اپنے پلو سے باندھ لو کشف کہ کوکنگ کی اے بی سی زیڈ تک ہر لڑکی کو آنا چاہیے۔'' شہرینہ نے پراٹھا بیلتے ہوئے بڑی بوڑھیوں کی طرح اسے مشورے سے نوازا۔ ''کیونکہ کچن عورت کی راجدھانی ہوتی ہے جہاں وہ راج کرتی ہے چاہے وہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتی ہو، کسی بھی شعبے سے وابستہ ہو اس کے گھر کے اندر اس کا سلیقہ اس کے ہاتھ کے ذائقے سے ہی پہچانا جاتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ایسی لڑکیوں سے مل کر جو بہت فخر سے یہ بتاتی ہیں کہ ہمیں تو انڈا بوائل کرنا بھی نہیں آتا، چائے بنانی تک نہیں آتی، بھئی جب آپ اتنی پھوہڑ اور نکمی ہو تو انگلیوں سے گیا توقع رکھتی ہو۔''

''ہاں واقعی......!'' کشف نے دل ہی دل میں کہا کیونکہ شہرینہ کی بات نے سوچ کی کوئی نئی کھڑکی کھول دی تھی۔

''اور تمہاری سسرال والے تو اس معاملے میں ویسے بھی بہت چٹورے ہیں۔'' فروا نے اپنے لیے سلائس گرم کرتے ہوئے کہا۔ ''اور اس وقت تمہیں احساس ہی نہیں ہوتا اور شرم نہیں آتی جب دادی جان ہم میں سے کسی کے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانے تمہاری سسرال کے سامنے تمہارے بنائے ہوئے کہہ کر پیش کرتی ہیں اور تمہاری ساس بھی کیسے شکی لہجے میں بار بار پوچھتی ہیں کہ ''کشف نے کیا بنایا؟'' وہاں جا کر وہ تم سے کوئی چیز پکانے کی فرمائش جب کریں گے تو کیا کرو گی؟''

''تو کیا وہ جاتے ہی مجھے کچن میں جھونک دیں گے؟''

''جاتے ہی نہ سہی، دس دن بعد سہی...... آج کل دلہنوں کے نخرے اتنے ہی اٹھائے جاتے ہیں کسی غلط فہمی میں مت رہنا۔ لو پیاز کاٹو، آملیٹ کے لیے......'' شہرینہ پراٹھے پکا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ رہی تھی پیاز اور چھری کشف کو تھمائی جو اس نے خلافِ توقع نہایت فرمانبرداری سے تھام لی۔ جس کا مطلب تھا کہ شہرینہ کی باتوں کا کچھ نہ کچھ اثر ہو گیا تھا۔

''ناشتے میں کتنی دیر ہے؟'' کف فولڈ کرتا سعد کچن کے دروازے سے داخل ہوتے ہی چونک گیا۔

''ارے...... یہ کچن کی کابینہ بدل گئی ہے کیا؟'' کشف کے ہاتھ میں چھری اور پیاز دیکھ کر وہ اچھا خاصا حیران ہوا۔

''ڈنڈے کے زور پر......'' فروا نے پھلجڑی چھوڑی۔

وہ کشف کے سامنے جا کھڑا ہوا پیاز کاٹتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''کشف تم رو رہی ہو......؟'' کشف نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اس کی سنہری آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

''ہاں رو رہی ہوں، تمہیں کیا تکلیف ہے۔''

''تمہارے رونے سے مجھے تکلیف نہیں ہوگی تو اور کسے ہوگی......'' اس کی سرگوشی اتنی مدھم تھی کہ یقیناً صرف کشف کی سماعتوں نے ہی سنی۔

''دفع ہو جاؤ تم۔'' اس نے چھری کی نوک سعد کے سامنے کی جو اس سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر تھی وہ دہل کر پیچھے ہٹا۔

''تم تو واقعی بہت ظالم ہو۔''

''ہاں، ہیروشیما اور ناگا ساکی پر بم میں نے گرائے تھے۔''

''ہیں واقعی...... پھر تو تم پرانی بھی بہت ہو...... اور پھر تو تمہارا رونا بنتا ہے، رب روتا ہوا رکھے تم کو۔ تم تو رونے کی عادی ہو، اس گھر میں بدحالی آئے، جس گھر میں تمہاری شادی ہو۔'' گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے وہ گنگنا رہا تھا۔

''تم جیسے دشمنوں کی بددعائیں قبول نہیں ہوں گی۔'' وہ چھری، پیاز وہیں پھینک کر آنسو صاف کرتی کچن سے باہر نکل گئی۔

''کیا ہے سعد، کیوں ستاتے ہو اسے۔'' شہرینہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یار ویسے ہی مزہ آتا ہے۔'' گلاس کا سارا پانی غٹاغٹ پی کر وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔ یہ دیکھنے کہ وہ کس کی گود میں سر رکھ کے روتی ہے۔ وہ کسی کو بھی نہیں بتاتا تھا کہ جب وہ روتی ہے تو کوئی کھارا نمکین پانی اس کے دل پر بھی گرتا ہے۔

☆☆☆

''کشف کی سسرال والوں نے فون کیا ہے کل وہ لوگ آرہے ہیں۔'' دادی جان نے اطلاع بہم پہنچائی۔

''کیا اس ویک اینڈ پر پھر......؟'' فروا اور شہرینہ سب سے زیادہ چونکیں کیونکہ وہ لوگ باقاعدگی سے ہر ویک اینڈ پر آتے تھے جب سے منگنی ہوئی تھی اور پھر سب سے زیادہ کام بھی فروا اور شہرینہ کو ہی کرنا پڑتا تھا۔ امی اور تائی زیادہ تر مہمانوں کو کمپنی دیا کرتیں اور دادی جان ڈھیر سارا مینیو بتا دیا کرتیں جس میں کمی بیشی بالکل بھی ممکن نہیں ہوتی۔

''یہ کون سا شریفانہ طریقہ ہے، ہر ویک اینڈ پر تو وہ لوگ آجاتے ہیں باجماعت اور وہ بھی بغیر انوائٹ کیے۔'' شہرینہ کی اچھی یا بری یہ عادت تھی وہ دل کی دل میں نہیں رکھتی تھی بول دیا کرتی تھی۔

''آپ نے کہنا تھا اس ویک اینڈ پر ہمارا خود پروگرام ہے ان کی طرف آنے کا۔''

''ہیں واقعی......؟'' دادی جان کو حیرت سے زیادہ صدمہ ہوا کہ یہ کون سا پروگرام تھا جو اُن کی مرضی اور اجازت کے بغیر ہی بن گیا اور انہیں کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

''ویسے ہی کہہ دینا تھا......'' اور شہرینہ کی اس بات سے ان کے صدمے سے چور، چور خدو خال نارمل ہوئے۔ ''اور کیوں ہم ان کے گھر نہیں جاسکتے کیا، صرف ان کا ہی آنا بنتا ہے؟''

''ہاں......'' دادی جان بولیں۔ ''ابھی ان کا ہی آنا بنتا ہے کیونکہ وہ سمدھی ہیں۔''

''عجیب لاجک ہے یہ۔'' فروا نے گفتگو میں حصہ لیا۔ ''اگر وہ سمدھی ہیں تو اسی حساب سے ہم بھی ان کے سمدھی ہوئے۔''

''اچھا چھوڑو، اب میں ان کو یہ تو کہنے سے رہی کہ یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' دادی جان برہم ہوئیں۔

''سعد حسن کو بلاؤ، بازار سے سامان لا دے اور کاپی پنسل بھی لے آؤ، سودا سلف لکھواؤں۔'' فروا بھاگ کر کاپی پنسل کے ساتھ سعد کو بھی بلا لائی وہ آتے

ہی بگڑ گیا۔
''کیا...... کشف کے سسرال والے آج پھر آ رہے ہیں...... اور میں نوکر ہوں اُن کا جو بازار میں دوڑیں لگاتا پھروں...... آپ کہہ دیں ہم گھر پر ہی نہیں ہیں اور بہت دور دراز کسی علاقے میں چلے گئے اور ابھی کم از کم چھ ماہ تک تو واپسی کا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے۔'' سب کی ہنسی نکل گئی۔
''جا میرا بچہ شاباش......'' دادی جان نے پچکارا۔ ''کرنا پڑتا ہے، غیروں میں رشتہ ہوا ہے اور آخر ہم بیٹی والے ہیں پھر یہ آؤ بھگت شادی تک ہی ہوتی ہے بعد میں کون کب تک آتا ہے۔''
''جی نہیں......'' وہ منہ بنا کر بولا۔ ''ان کو عادت ہوگئی ہے خاطریں کروانے کی اور جن کے منہ کو مفت کی توڑنے کی عادت لگ جائے تو وہ پھر پیچھا نہیں چھوڑتے، لکھ لیجیے آپ میری بات۔''
''اچھا فضول باتیں چھوڑو، پہلے تو یہ کاپی پنسل پکڑو اور سودا سلف کی لسٹ بناؤ۔''
''لکھنے کی کیا ضرورت ہے دادی۔'' اس نے کاپی پکڑتے ہوئے کہا۔ ''آج کی ڈیٹ میں بازار میں جو چیزیں بھی کھانے پینے سے متعلق ہوئیں لے آؤں گا' کم پڑ جائیں گی وہ بھی دیکھ لیجیے گا۔''
''سعد بس کرو۔'' امی نے اشارہ کیا کیونکہ کشف کا سرخ پڑتا چہرہ وہ دیکھ چکی تھیں جو بڑی مشکلوں سے سعد کی باتیں برداشت کر رہی تھی۔
دادی جان لڑکیوں سے مشورے کے بعد مینیو ترتیب دیتے ہوئے بولیں۔ ''کوفتے، بریانی، فرائی چکن، رشین سلاد، دو سالن اور میٹھے میں سلائس کا حلوا اور کوئی دوسری چیز بھی ہو۔''
''نیلا تھوتھا۔'' سعد نے بے ساختہ کہا تو ضبط کرتے، کرتے بھی سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔
''وہ تم اپنے لیے لے آنا' تمہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔'' بالآخر کشف کا ضبط جواب دے گیا۔
''ایک بات کہوں دادی جان۔'' شہرینہ نے بھی

خطاب بہ جوانانِ اسلام

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار، وہ کردار، تُو ثابت، وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

کلام: شاعرِ مشرق علامہ اقبال
پسند: زریں زبیر، کراچی

ہنسی ہونٹوں میں روک کر کہا۔ ''کھانے میں کوالٹی سے زیادہ کوانٹٹی کا خیال رکھیے گا۔''

''ہاں واقعی ......'' فروا نے بھی شہرینہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ''وہ لوگ مقدار ہی دیکھتے ہیں بس ڈونگے بھرے ہوئے ہونے چاہئیں۔ پیٹو کہیں کے۔ اور پھر بار بار ان کی یہ تکرار کہ ہماری بیٹی نے کیا، کیا بنایا ہے اور میں اس وقت سچ بولتے بولتے رہ جاتی ہوں۔''

''اور آنے والوں کی تعداد کو بھی مدِ نظر رکھیے گا...... پھوپیاں، تائیاں، چاچیاں، بھابیاں اور دیگر عزیز و اقارب یعنی پوری برادری آجاتی ہے ویکلی ملاقات کے لیے۔'' سعد نے ایک بار پھر کشف کو تپایا۔

''تم سے ملنے نہیں آتے ہیں وہ لوگ۔''

''مجھے ان جیسے لوگوں سے ملنے کا کوئی شوق بھی نہیں ہے۔ تمہیں ہی مبارک ہوں یہ ہفتہ وار ملاقاتیں۔'' یہ کہہ کر وہ ٹیبل سے بائیک کی چابی اٹھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

''اُف توبہ...... دادی جان بھی اتنے مشکل، مشکل مینیو بتادیتی ہیں کہ بندے کا اپنا آپ نچڑ جاتا ہے۔ اب یہ کوفتے بھی بھلا کوئی کھانے والی چیز ہوتی ہے۔ بندہ سیدھا، سیدھا گوشت کھالے۔ انور مسعود صاحب ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ پہلے بوٹی کوٹ کر قیمہ بناؤ اور قیمے کو یکجا کرکے پھر بوٹی ترتیب دو اور دانتوں کے ساتھ کھاتے ہوئے ایک بار پھر قیمہ کردو...... بوٹی قیمہ...... قیمہ بوٹی...... بکواس......'' فروا پچھلے ایک گھنٹے سے کوفتے بنا، بنا کر ہانپ گئی تھی اور اب غصے سے کھول رہی تھی۔

''بڑی سوہنی گل دسی اے باجی جی تسی'' ملازمہ پروین، فروا کے اس شاعرانہ بیان پر اش اش کر اٹھی۔

''میں جا کے اپنے گھر والے کو بھی بتاؤں گی جی اسے کوفتے بڑے پسند ہیں کہتا ہے کہ کوفتے کھاؤ تو چٹا ان پڑھ بندہ بھی ذرا فیشنی لگتا ہے۔''

''تم تو چپ کرو پروین جاؤ دادی جان بلا رہی ہیں۔'' کشف نے اسے ڈانٹا تو وہ چپ ہوگئی آج اپنی سسرال والوں کے لیے لوازمات تیار کرنے کشف بھی بہ نفسِ نفیس موجود تھی وہ بھی انتہا کے خراب موڈ کے ساتھ کیونکہ لہسن چھیلتے ہوئے اس کی شہادت کی انگلی کا ناخن ٹوٹ گیا تھا جسے اس نے لہسن کا پانی لگا لگا کر مضبوط کیا تھا۔

''لو جی فروٹ ٹرائفل تو تیار ہوگیا ہے۔'' شہرینہ نے فروٹ ٹرائفل کا باؤل فریزر میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''کسٹرڈ اور فروٹ ٹرائفل میں معمولی سا ہی فرق ہے اس سے بہتر ہے کہ کسٹرڈ بنا کر تین چار کیلے کاٹ کر اندر لٹا دو بس...... اور فروٹ ٹرائفل کا نام سن کر جنگی رائفل کا خیال ذہن میں آتا ہے۔''

''کشف کے سسرالیوں کے لیے اس سے بہتر ہتھیار اور ہو بھی کوئی نہیں سکتا۔'' سعد کچن کے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔

''تم تو ناں...... جب بھی میرے سسرالیوں کی برائی ہونے لگتی ہے۔ تم بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوجاتے ہو۔'' کشف نے پلٹ کر اسے گھورا۔

''وہ اس لیے کہ کوئی ڈائیلاگ رہ نہ جائے میری عدم موجودگی میں۔'' گرما گرم کباب اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے وضاحت دی۔

''او خدایا۔'' شہرینہ نے پریشانی سے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''کیا ہوا کہیں چھپکلی تو نہیں بھون ڈالی۔'' سعد نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یار ایک چیز تو رہ گئی...... چپلی کباب کہاں ہیں دادی جان تو سب سے پہلے چپلی کباب ہی ڈھونڈیں گی اور ان کی عدم موجودگی اٹھارہ گھنٹوں کی محنت پر پانی پھیر دے گی۔ اب کیا کریں......'' شہرینہ اچھی خاصی پریشان ہوگئی۔

''سعد......'' فروا نے سعد کی طرف اشارہ کیا۔ ''سعد ہی اس مسئلے کو حل کرسکتا ہے۔''

''لو، مسئلہ ہی کوئی نہیں...... تم لوگ خواہ مخواہ

پریشان ہو رہے ہو۔'' سعد نے چٹکی بجائی تو ان کے اوسان قدرے بحال ہوئے۔

''پھر کیا کریں؟''

''ویری سمپل...... پورے گھر کے چپل اکٹھے کر کے اور واش رومز کے دروازوں سے بھی ڈھونڈ ڈھانڈ کے ٹیبل پر سجا دیں گے۔'' اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ سب کی ہنسی کے فوارے چھوٹ گئے سوائے کشف کے جو اسے گھور کر بولی۔

''تم سے تو یہی امید تھی۔''

''ہاں لیکن تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔'' وہ اس کے پاس سے ہوتا کچن کے دروازے سے نکلتے ہوئے آہستگی سے کہہ گیا کہ کشف نے تو سنا ہی فروا نے بھی سن لیا اور وہ کچھ الجھ کر، کچھ حیران ہو کر کچن کی کھڑکی میں سے نظر آتے سعد کو دیکھتی رہی اور اس کے کہے جملے کا مفہوم سوچتی رہی۔

تبھی ڈرائنگ روم سے آتی زنانہ، مردانہ اور بچگانہ آوازوں سے اندازہ ہوا کہ مہمان تشریف لا چکے ہیں اور ان کا یہ فکس ٹائم تھا کہ وہ کھانے سے چند منٹ قبل ہی تشریف لاتے تھے۔ ابھی تو شکر ہے وہ اپنے آنے کی اطلاع دے دیتے تھے ورنہ ایک دو دفعہ تو وہ بغیر بتائے آگئے اور گھر والوں کے ہاتھوں کے طوطے، چڑیا، کوے سب چرند پرند اڑ گئے۔ ٹھکا ٹھک تین گاڑیوں کے دروازے جب عین گیٹ کے سامنے بجے تو اہل خانہ کے تراہ نکل گئے...... یہ تو بھلا ہوا سعد کا جس نے سہولت سے بڑے بھائی جان کو ہنسی، ہنسی میں جتا دیا کہ پیارے پاکستان میں ترقی کے اس تیز ترین دور میں اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اب بھی بن بتائے دوسروں کے گھروں میں آجاتے ہیں اس طرح تو پولیس چھاپے مارتی ہے مفرور اور اشتہاری مجرموں کی تلاش میں...... بڑے بھائی جان خاصے شرمندہ ہوئے اور دھیما سا مسکرا دیے۔ جس پر مہمانوں کی رخصتی کے بعد دادی جان نے سعد کو اچھا خاصا ڈانٹا وہ بھی خندہ پیشانی سے ڈانٹ سنتا رہا پھر بولا۔

''جب ان کے گھر میں ہر فرد کے پاس حتیٰ کہ نوکروں کے پاس بھی فون موجود ہیں لینڈ لائن کے علاوہ تو ایک کال کرنے میں کتنا ٹائم لگتا ہے بھلا...... وہ جان بوجھ کر ہماری دوڑیں لگواتے ہیں۔''

اور اب مہمانوں کے ہمراہ آئے بچوں نے پورے گھر میں اولمپکس دوڑیں لگائی ہوئی تھیں اور جن گلاسوں میں کولڈ ڈرنک سرو کی گئی تھیں ان میں سے آدھے واپس آئے باقی وہیں شہید ہو گئے۔

''آج ان گملوں کی خیر نہیں......'' شہرینہ نے کانپ کر دیکھا۔ اب وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر سجے گملے ایک دوسرے پر اچھال رہے تھے۔

''بس تم ایک کام کرنا کشف جاتے ہی ان کے نونہالوں کو کھیلنے کی تمیز سکھانا۔'' شہرینہ نے کہا۔

''اور لگے ہاتھوں ان کے بڑوں کو کھانے کی تمیز سکھا دینا۔'' یہ فروا کا مشورہ تھا۔

''ہاں، میں جاتے ہی تمیز دار اکیڈمی کھول لوں گی۔'' کشف ہنسی۔

''یہ پکڑو...... بڑی مشکل سے لایا ہوں۔'' کچن کی کھڑکی سے سعد نے شاپر اندر لٹکاتے ہوئے کہا۔

''تھینکس یار...... ہم دادی جان کی چپلیں کھانے سے بچ گئے۔'' شہرینہ نے شاپر کے اندر سے فٹافٹ گرما گرم چپلی کباب برآمد کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے سوچا کہ کشف کو پوری رات نیند نہیں آئے گی کہ اس کی سسرال والے چپلیں کھائے بغیر رخصت ہو گئے۔''

''جواب ادھار رہا۔'' کشف نے کھڑکی میں جھانکتے سعد کو دیکھ کر کہا۔

''ادھار تو ڈیئر کزن محبت کی قینچی ہے۔ اب جلدی سے انہیں کھانا دے کر رخصت کرو، یہ نہ ہو کہ کوئی کھائے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے۔'' یہ کہہ کر وہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ پھر ان تینوں نے مل کر جھٹ پٹ کھانا لگا دیا اور ٹیبل کو توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خود کو شاباش دی کہ ٹیبل پر سجے ڈونگوں اور ڈشز کے درمیان برتن

رکھنے کی جگہ تھوڑی ہی بچی تھی...... دادی جان کی نظروں میں اپنے لیے ستائش دیکھ کر انہیں یک گونہ مسرت ہوئی کہ چلو محنت وصول تو ہوئی۔

''ایک چیز کی پھر بھی کمی رہ گئی۔''

''کس چیز کی؟'' سعد نے فروا کی طرف دیکھا۔

''سانپ کی۔'' وہ ہنس دیا۔ ''وہ ...... اصل میں آج کوئی زہریلا ناگ نہیں مل رہا تھا نیکسٹ ٹائم سہی...... ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔'' ٹھنڈی آہ بھر کر اس نے کشف کو دیکھا تھا۔

جتنی فٹافٹ انہوں نے کھانا لگایا تھا کھانے والوں نے اس سے بھی زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کیا اور جھٹ پٹ ہر چیز چٹ کر گئے۔

''کشف کی چھوٹی نند نے اپنی پلیٹ میں کتنی بڑی پہاڑی بنائی ہوئی تھی۔'' شہرینہ اور فروا ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کے ہنس رہی تھیں۔

''دفع ہو جاؤ تم ان کے نوالے گن رہی تھیں۔'' کشف نے چائے میں الائچی ڈالتے ہوئے انہیں ٹوکا۔ مہمانوں نے کھانے کے دوران ہی چائے کی فرمائش کر دی تھی۔

''اُف...... اب وہ جلوس کچن میں آ رہا ہے۔'' شہرینہ نے کچن کی کھڑکی سے اس طرف آتی کشف کی تینوں نندوں کو دیکھا اور پھر کچن میں یہاں وہاں پھیلے دیگچوں اور برتنوں کو...... ''کیسی ابتر حالت ہو رہی ہے کچن کی، مجھے زہر لگتے ہیں ایسے مہمان جو پرسنل ہوتے ہوتے کچن میں گھس آتے ہیں، یہ کون سا اپنا پن ہے بھئی۔'' وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی کہ وہ لوگ چلی آئیں۔

''ہم نے سوچا ہم لوگ ہی کچن میں جاتے ہیں، آپ لوگ تو ہمارے پاس بیٹھتے ہی نہیں ہو۔'' بڑی نند نے کچن میں پھیلے بے دھلے برتنوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم لوگ اسی لیے تو فون کر کے انفارم کر دیتے ہیں کہ آپ لوگ بھی کوکنگ سے فارغ ہو جاؤ گے اور پھر آرام سے مل بیٹھنے کا موقع ملے گا۔'' چھوٹی نند نے ماچس کی تیلی سے دانتوں میں خلال کرتے ہوئے یوں کہا جیسے وہ چاروں صبح سے کچن میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے ہوں اور دیگچے بھر بھر کر کھانا جنات بنا گئے ہوں۔

''کھانا بہت اچھا تھا سب چیزیں بہت مزے کی تھیں۔'' بڑی نند نے دانتوں میں دبا بوٹی کا ٹکڑا شاید نکال کر دوبارہ دانتوں سے چباتے ہوئے اپنے ڈھول جیسے پیٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے کھانے کی تعریف کی۔

''چپلی کباب بہت ہی مزے کے تھے کس نے بنائے؟''

''فرائی چکس والوں نے۔'' فروا نے کچھ اس طرح بے ساختہ کہا کہ سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد بھی اور پھر شام تک فروا کا ریکارڈ لگتا رہا۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں یہ بتانے کی کہ فرائی چکس والوں نے بنائے ہیں۔'' دادی جان نے ڈانٹنا ضروری سمجھا۔

''ہاں آپ کی طرح جھوٹ بول کر خواہ مخواہ ایک گناہ اپنے کھاتے میں لکھوا لیتی نا نو جبکہ وہ بھی جان بوجھ کر کسوٹی کھیل رہی تھیں۔ کبابوں کی ساخت سے ہی پتا چل رہا تھا کہ بازار کے ہیں۔''

''شرم کرو دادی جان کو جھوٹی کہہ رہی ہو۔'' سعد نے اسے گھرکا۔ ''ویسے بھی انہیں کون سا پتا لگنا تھا کہ انہوں نے کبھی بازار کا کھانا کھایا ہو تب ناں...... وہ تو اسی طرح پھرتے پھراتے کھانے کی عادی ہیں۔''

''تمہاری تو لگتا ہے ان کے ساتھ اللہ واسطے کی دشمنی ہے۔'' کشف کو غصہ آ گیا۔

''رقیبوں سے دوستی کس کی ہوتی ہے؟'' بہت گہری نظر سے دیکھ کر وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

ٹھیک تین دن کے بعد کشف کی تینوں نندیں چلی آئیں کشف کا ناپ لینے...... شام کا وقت تھا۔

''خدا خیر کرے آج یہ تینوں اکیلی ہیں۔'' فروا نے ناک پر گری عینک کے اوپر سے شہرینہ کو دیکھا۔

''فروا یا تو تمہارے چشمے کا نمبر بڑھ گیا ہے یا

تمہیں یہ نہیں پتا کہ تین لوگ اکیلے نہیں ہوتے۔'' شہرینہ نے جل کر کہا۔

''آج نوجیں ہمراہ نہیں ہیں ناں...... اس لیے اکیلی، اکیلی لگ رہی ہیں۔'' فروا نے فریزر سے کباب اور رول نکالتے ہوئے جواب دیا۔

''اللہ خیر کرے آج دشمنوں نے پہلی مرتبہ کھانے کا ٹائم مس کیا ہے۔'' سعد بھی کچن میں ان کے پیچھے لپکا۔

''کیا پتا انگلیوں نے ڈائٹنگ شروع کر دی ہو۔'' فروا نے کہا۔

''جی نہیں...... اب یہ گوشت کے پہاڑ خالی خولی ڈائٹنگ سے نہیں اترنے والے، سیدھا سیدھا سرجری کا کیس ہے۔''

''سعد تمہیں شرم نہیں آتی اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے۔'' کشف نے کچن میں آتے، آتے سعد کی بات سن لی تھی۔

''چلو جی، اب بھی مجھے شرمانا چاہیے۔ اس طرح کی سسرال کے لیے ہاں کہتے ہوئے جب تمہیں شرم نہیں آئی تو میں کیوں خواہ مخواہ شرماتا پھروں۔'' سعد لڑاکا عورتوں کی طرح اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''اینی ہاؤ...... میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ بازار سے کچھ منگوانا تو نہیں ہے۔''

''ہوں...... تین چار چیزیں ہیں تو لیکن پھر بھی کچھ لیتے آؤ۔'' شہرینہ نے سوچ کر جواب دیا۔

''اچھا۔'' وہ جانے کے لیے مڑا پھر کشف کی طرف معنی خیزی سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ویسے یار کتنی مہنگی پڑی ہے ہمیں یہ منگنی...... اسی لیے تو اس سال کا بجٹ خسارے میں رہا...... میں نے کہا بھی تھا کہ......'' دروازے کے ساتھ کھڑی کشف کے کان میں سرگوشی کرنا وہ نہیں بھولا تھا۔

''ہم لوگ جب بھی آتے ہیں آپ لوگ کچن میں مصروف ہو جاتے ہو۔'' وہ تینوں کی تینوں کچن میں گھستی چلی آئیں۔

''ارے آپ...... امی لوگوں کے پاس بیٹھیں ناں...... ہم لوگ ابھی آ رہے ہیں۔'' چکن پکوڑوں کے بیسن گھولتی شہرینہ ان کی اچانک آمد پر اچھا خاصا بوکھلا گئی تھی اس کے دونوں ہاتھ لتھڑے ہوئے تھے۔

''نہیں نہیں ہم لوگ اِدھر ہی ٹھیک ہیں۔'' وہ لوگ کرسیاں گھسیٹ کر دھپ سے وہیں بیٹھ گئیں تو شہرینہ کے ساتھ فروا بھی اچھا خاصا بوکھلا گئی اور نہایت پھرتی سے چلتے ان کے ہاتھ سست پڑ گئے۔ کشف تو ویسے بھی ان لوگوں کی آمد پر سارا وقت بوکھلائی رہتی تھی۔

''ہم ذرا ٹیلر کے پاس جا رہے تھے تو سوچا کہ کشف کا ناپ لیتے چلیں۔'' انہوں نے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

''جی میں نے ناپ کے لیے جوڑا نکال کر رکھ دیا ہے۔'' کشف انتہائی تابعداری سے بولی۔ ویسے بھی آنے والیاں کشف کو سر سے لے کر پاؤں بلکہ پاؤں کے انگوٹھے تک اتنے غور سے دیکھتی تھیں کہ وہ اچھی خاصی کنفیوز ہو جاتی۔

''ارے نہیں ناں...... یہ جو ٹاپ کلاس ٹیلرز ہوتے ہیں ناں یہ سلے ہوئے کپڑوں کے ناپ قبول نہیں کرتے، خود جا کے ناپ لکھوانا پڑتا ہے...... ہم نے آنٹی سے کہا ہے کہ تم خود ہمارے ساتھ چلی چلو مگر وہ جانے کیوں نہیں مانی ایک تو ہماری ماؤں کی یہ کنزرویٹو اپروچ۔'' بڑی نند صاحبہ کے منہ کے زاویے ویسے بھی زیادہ تر بگڑے رہتے تھے مگر یہ جملہ تو انہوں نے اچھے خاصے تضحیک آمیز انداز میں بولا کہ وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں...... مگر وہی ہر بات چپ چاپ برداشت کرنے کا دادی جان سے کیا ہوا وعدہ......

''بھئی کل کلاں کو سلائی میں کوئی کمی بیشی رہ گئی تو گلہ مت کرنا۔'' چھوٹی نند فوراً اپنے بیگ میں سے انچی ٹیپ نکال کر کشف کا ناپ لینے لگیں۔ لمبائی، گھیرا، بازو، کاندھے، تیرا، کمر، فٹنگ...... نہایت مشاقی سے ان کے ہاتھ کسی ماہر درزی کی طرح کشف کے جسم پر تھرک رہے تھے جو دوپٹا ہاتھ میں پکڑے خاصی بیزاری

لگ رہی تھی اس تمام کارروائی سے۔

''اب تم نے اپنا ویٹ پہلے سے کافی کنٹرول کرلیا ہے لیکن......'' منجھلی نند صاحبہ جن کی اپنی توند بقول فروا کے کھاتے پیتے پولیس افسران کے جیسی تھی وہ اپنی نظر کی ایکسرے مشین سے کشف کا جائزہ لیتی ہوئی اسے اچھا خاصا پزل کررہی تھیں۔

''بس کہنیوں سے اوپر گوشت اور یہ کمر کی اضافی چربی یہ ساری فٹنگ کا ستیاناس کردیتی ہے۔ ایکسرسائز بھی کیا کرو اور ڈائٹنگ بھی...... لہنگا اسمارٹ لڑکیوں پر ہی اچھا لگتا ہے۔''

''جی......!'' کشف جواب میں اور بھلا کیا کہتی چنانچہ ایک مسکین اور لاغرسی جی کردی۔

شہرینہ تو چائے کے انتظام میں لگی ہوئی تھی جبکہ اس کا ہاتھ بٹاتی فروا گاہے بگاہے اس تمام کارروائی کو اور بدحواس ہوتی کشف کو دیکھ رہی تھی...... اس دوران اس کی عینک ناک کا آخری کنارہ چھور ہی تھی مگر اسے پروا نہیں تھی...... اسی بات پر اکثر سعد اسے تنگ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ چھوٹی ناک والوں کو عینک نہیں لگانی چاہیے۔

''بھئی تمہارا ہی حوصلہ ہے جو اتنی باتیں سن کر چپ چاپ تحمل سے برداشت کرلیتی ہو۔ میں اگر تمہاری جگہ ہوتی تو ایک کی دس سناتی۔'' نندوں کا ٹولا جب رخصت ہوا تو شہرینہ اور فروا نے اس کی کلاس لینا شروع کردی۔

''گفتگو کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ یہاں گوشت اضافی ہے اور یہاں کم...... خود تو جیسے مس یونیورس ہوں منہ نہ متھا...... بھئی ان کو احساس ہونا چاہیے ان کو پتا ہونا چاہیے کہ آخر تم ان کی بھابی بننے جارہی ہو۔ بھابی جیسی ریسپکٹ دیں نہ کہ ہوٹ کریں...... اور تم...... تم گونگی ہو جواب نہیں دے سکتی ہو آگے سے...... ہمارے سامنے تو زبان قینچی کی طرح چلتی ہے اور ادھر چپ لگ جاتی ہے۔ تم نے تو لگتا ہے ابھی سے خود کو ان کی غلامی میں دے دیا ہے۔'' فروا نے اچھا خاصا سنادیا ویسے بھی وہ دل کی دل میں نہیں رکھتی تھی۔

''تو کیا کروں......؟'' کشف روہانسی ہوگئی۔

''مجھے تو بہت غصہ آرہا تھا جب وہ تمہارے اوور ویٹ ہونے کا ذکر انتہائی مضحکہ خیز انداز میں کررہی تھیں۔ خود یا تو سلم اور اسمارٹ ہوں ناں...... خود تو لگتا ہے کہ گوشت کا پہاڑ...... موٹی بھینس......'' فروا کا غصہ کم ہی نہیں ہورہا تھا۔

''چھوڑو یار ہر کسی کی اپنی نیچر ہوتی ہے۔'' شہرینہ نے کہا۔

''لیکن نیچر کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ اگلے کو ٹارچر کرو...... اس کی عزت نفس کا بالکل بھی خیال نہ کرو اور وہ بھی ایک بار نہیں بار بار...... اور جسم کے خدوخال میں عیب ڈھونڈ ڈھونڈ کر اگلے کی ذات پر براہِ راست حملہ کرو اور وہ بھی اس طرح کے نازک رشتوں کے معاملے میں...... ابھی تو کشف اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھی ہے تو یہ حال ہے...... وہاں جا کر خدا جانے کس طرح کا بی ہیو کریں گی۔''

''اللہ ان کو ہدایت دے گا۔'' شہرینہ نے کشف کی آنکھوں میں تیرتے آنسو دیکھ لیے تھے اور فروا کو بھی اشارہ کیا مگر فروا اشاروں کی زبان ذرا کم ہی سمجھتی تھی پھر بولی۔

''ان جیسوں کو اللہ بھی ہدایت نہیں دیتا۔ کشف کو ہی شوق چڑھا تھا آؤٹ آف فیملی رشتے کرانے کا...... اب بھگتو، کتنا سمجھایا تھا سب نے تمہیں۔'' فروا کی نگاہ میں سعد کا خوبرو سراپا گھوما۔

''میں نے کوئی خود نہیں ڈھونڈے ہیں اس طرح کے لوگ۔'' کشف کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

''تم ڈھونڈنے نکلتیں تو تم اس سے بھی بدتر ڈھونڈ لاتیں۔'' فروا نے منہ بنا کر کہا۔ ''دادی جان نے خدا جانے رشتہ کرنے سے پہلے اچھی طرح جانچ پڑتال کیوں نہیں کرائی تھی۔''

''شکلیں دیکھ کر نیتوں اور رویوں کا پتا کہاں چلتا ہے۔'' شہرینہ نے کہا۔ ''ویسے ٹھیک ہی تو ہیں ویسے بھی اس دنیا میں سو فیصد پرفیکٹ تو کوئی بھی نہیں ملتا۔ چھوٹی

موٹی خامیاں تو ہوتی ہی ہیں جن کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔لڑکا اعلیٰ پوسٹ پر ہے اور تین بیاہی بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔''

''ہاں، یہی اکلوتی خوبی بھی ہے اور بہنیں کیسی تھڑ دلی سی ہیں۔'' فروا نے آہستگی سے کہا۔

''اچھا چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔'' شہرینہ، کشف کی دلی کیفیت سمجھ رہی تھی چنانچہ اس موضوع کو ختم کرنے کا اشارہ کیا اور صد شکر کہ زندگی میں پہلی بار فروا اس کا اشارہ سمجھی۔

☆☆☆

موسم اچانک بدل گیا تھا دسمبر جب خیر خیریت سے گزرا تو جنوری کے پہلے، پہلے دن ہی دھند کی لپیٹ میں آگئے اور سردی میں ایک دم بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ دن رات، ہیٹر آن کر کے لحافوں میں دُبکے رہنے سے زندگی بہت بوجھل، بور اور بے کیف سی ہوگئی تھی۔

''اے دسمبر..... تو پھر سے لوٹ آ

یہ جنوری تو منہ بھی نہیں دھونے دیتی''

دادی جان کے لحاف میں گھسا ہوا سعد بہ آواز بلند موسم سرما کے حوالے سے کامیڈی میسج سنا رہا تھا۔

''چھی چھی گندا لڑکا.....'' فروا نے کہا۔''جب پوری سردیاں منہ نہیں دھوؤ گے تو تم تو گرمیاں آنے تک پہچانے بھی نہیں جاؤ گے۔''

''شیروں کے منہ ویسے ہی دھلے ہوتے ہیں۔''

''اچھا، کون سے شیروں کے۔''

''سرکس کے شیروں کی بات کر رہا ہے سعد.....'' فروا کی رضائی میں گھسی کشف اندر سے ہی بولی۔

''سردی .....اُف ،ہائے سردی۔'' تبھی عثمان اُف ،اُف کرتا ہوا ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ رگڑتا سردی کو دہائیاں دیتا فروا اور کشف کی رضائی میں گھسنے لگا جسے فروا نے زوردار دھکا دے کر ناکام بنا دیا۔

''یہ تم زنانہ ڈیپارٹمنٹ میں گھسنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟''

''ہائے ظالموں.....اتنی بدسلوکی پروسیوں کے ساتھ.....اس سے تو بہتر تو جی سی کا ہاسٹل ہے۔''

''کیوں...... وہاں گرمی کا موسم ہے ان دنوں؟'' کشف نے پوچھا کیونکہ وہ ان دنوں ہاسٹل میں مقیم تھا۔

''گرمی کا موسم تو نہیں ہے البتہ لوگ اتنے بے مروت نہیں ہیں وہاں کے۔'' صوفے پر کمبل لے کر لیٹتے ہوئے وہ بولا۔

''لگتا ہے تمہارا وہاں زیادہ وقت زنانہ ڈیپارٹمنٹ میں ہی گزرتا ہے۔'' فروا نے چھیڑا۔

''توبہ کرو، جوتیاں کھانی ہے ان کی وہ بھی ہیلوں والی..... ویسے اگر ہمارا بس چلے تو ہم لیڈیز شوز کے نیچے کھڑی ساری ہیلوں کو توڑ کر پنسلیں بنالیں۔''

''وہ کیوں......؟''

''لو لیٹر لکھنے کے لیے..... حفظِ ماتقدم کے طور پر، سر پر لگی ہائی ہیل کا زخم بڑا گہرا ہوتا ہے۔''

''چھوڑو.....'' سعد اس ٹاپک سے بور ہوا۔''میں آپ سب کو سردی کے حوالے سے ایک شعر سناتا ہوں۔''

''رہنے دو۔'' کشف نے اسے ٹوکا۔''اتنے شعر تم نے سنائے ہیں کہ سردی کا مزید احساس ہو رہا ہے۔''

''دادی جان کل کہہ رہی تھیں کہ اس دفعہ جتنی کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہے اتنی ہی زوروں کی گرمی بھی ہوگی۔'' عثمان نے موسم کے حوالے سے دادی جان کی پیش گوئی سنائی۔

''اب کے برس جتنے ڈرائی فروٹس ہم لوگوں نے سردی کا بہانہ کر کے کھائے ہیں ناں ضرور کوئی عالمی ریکارڈ قائم ہونا چاہیے۔'' اندر داخل ہوتی شہرینہ سب کے لیے بوائل انڈے اور چائے لے کر آئی تھی۔ ڈشیں ڈرائی فروٹ کے چھلکوں سے بھری دیکھ کر بولی تھی۔ اپنے حصے کا ایک انڈا اٹھا کر دوسرا انڈا اٹھانے کی سعد کی کوشش عثمان نے پھرتی سے پلیٹ اپنی تحویل میں لے کر ناکام بنا دی تھی۔

''ارے صرف ایک انڈا......؟''

''جی ہاں، یہ پاکستان ہے اور پیارے پاکستان

میں ایک انڈا بھی اگر مل رہا ہے تو غنیمت جانو۔'' عثمان نے کہا۔

''ایک انڈا اور وہ بھی اتنا چھوٹا سا، اُف یہ پاکستانی عوام، مسائل اتنے بڑے، بڑے اور اشیائے خورونوش بس اتنی سی۔'' اس نے انگلی اور انگوٹھے کو چٹکی سی بنائی۔

''انڈے کا وہ بھی مرغی کے انڈے کا حجم پوری دنیا میں کم و بیش اتنا ہی ہوتا ہے۔'' فروا نے معلومات فراہم کیں۔

''اور تمہیں تو عادت ہے ہر وقت پاکستان کی برائیاں بیان کرنے کی۔''

''اچھا...... اپنے پیارے پاکستان میں اچھائی ہے کیا، کوئی ایک تو بتاؤ...... غربت، بیروزگاری، بھوک، مہنگائی، بجلی، گیس کی غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ، قتل و غارت، ڈرون حملے، مسئلوں کے انبار اور والی وارث کوئی نہ...... کیا یہ سب اچھائیاں ہیں۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے کوئی گھر کے اندر محفوظ ہے نہ کوئی گھر سے باہر...... یہ سب ہوتے ہوئے زندگی سہل ہوسکتی ہے بھلا......؟''

''رہنے دو۔'' دادی جان نے اپنے حصے کا آدھا انڈا اس کی ہتھیلی پر منتقل کرتے ہوئے کہا۔''نہ بیٹا، اس طرح نہیں کہتے وطن گھر ہوتا ہے اور اپنے گھر کی برائیاں دوسروں کے سامنے بیان کروگے تو حیثیت دو کوڑی کی ہوجائے گی۔ یہ ملک جیسا بھی ہے اپنا ہے ایک بات یاد رکھنا بیٹا، یہ ملک ہے تو ہم سب ہیں ہماری حیثیت ہے اور یہ مسائل جو کالی بلاؤں کی طرح چاروں جانب سے گھیرے ہوئے ہیں ناں اگر اللہ نے چاہا تو کل ختم ہوجائیں گے اور یہ پاکستان علامہ اقبال کے خواب جیسا ہوجائے گا۔ اچھی امیدوں کے ساتھ گمان بھی اچھا رکھو اور گمان جیسا رکھو گے اللہ ویسا ہی کرے گا۔''

''گویا دیوانے خواب دیکھتے رہیں۔'' سعد نے انڈا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا تو اسے انڈے کا ذائقہ عجیب کڑوا اور بدمزہ سا لگا تھا یہ شاید اس کے اندر کی تلخی کی ملاوٹ تھی۔ کوئی کتنا انتظار کرے اچھے دنوں کا۔ مجھے تین سال ہوگئے ہیں ایم سی ایس کر کے فارغ پھر رہا ہوں۔ کیا کمی ہے مجھ میں...... جاہل، ان پڑھ اور گنوار ہوں یا نالائق اور نکما جو تین سال سے اخباروں کے تراشے لے کر آپ کے پیارے پاکستان کی سڑکوں پر بیروزگار پھر رہا ہوں...... کتنی ڈگریاں لوں اور کتنے کورس کروں، کوئی لمٹ بھی تو ہو۔'' سعد کبھی کبھار اس طرح قنوطی اور روکھی ہوجاتا تھا پھر وہ پہلے والا سعد لگتا ہی نہیں تھا۔

''ہاں تو کتنی دفعہ کہا ہے تمہارے باپ نے تمہیں کہ اس طرح آوارہ اور لور، لور پھرنے سے بہتر ہے کہ ان کے ساتھ کام شروع کردو لیکن نہ جی تمہیں تو اپنے بل بوتے پر اپنے زور بازو پر اور اپنی ڈگریوں کے غرور پر کوئی عظیم الشان نوکری چاہیے اور اگر اتنے ہی ہائی فائی ہو تو صدر اور وزیراعظم سے کہو وہ اپنی کرسی تمہارے لیے چھوڑ دے۔'' دادی جان کی اس بات پر سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''وہاں تو پہلے ہی بڑے رولے پڑے ہوئے ہیں دادی جان، اقتدار میں آنے کے لیے ہر کوئی دوسرے کی ٹانگ کھینچ رہا ہے۔'' عثمان مزے سے بولا۔

''بس میں یو کے چلا جاتا ہوں۔''

''ہاں یو کے والے تو صرف تمہارے ہی انتظار میں ہیں ناں......'' فروا نے فوراً کہا۔''مجھے ہمیشہ ایک بات کی سمجھ نہیں آتی کہ یہاں اپنے ملک میں جن کو کام کرتے موت پڑتی ہے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں کہ دوسرے ہی نوالے توڑ کر ان کے منہ میں ڈالیں گے وہی لوگ...... وہی کاہل، سست اور انتہا درجے کے نکھے لوگ باہر جا کر ہر قسم کی مشقت اور مزدوری کرتے ہیں چند ڈالرز کے عوض گوروں کے کتے تک نہلاتے ہیں حتیٰ کہ ان کے گٹر تک صاف کرنے پر رضامند ہوجاتے ہیں۔''

''ہم نے بھی ان کے لوگوں کو ادھر اسی کام پر لگایا

ہوا ہے۔'' کشف نے لقمہ دیا۔
''ہونہہ......'' سعد بولا۔ ''اسی لیے ہر گلی میں گٹر ابل رہے ہیں۔''
''تو وہی صاف کرو، باہر جا کر بھی تو......''
''دفع ہو جاؤ تم سب لوگ۔'' کشف کی بات ادھوری رہ گئی وہ چائے کا خالی کپ دیوار پر مار کے توڑتے ہوئے باہر نکل گیا۔
''ہاں تمہیں بس یہی آتا ہے برتن توڑنا...... باہر سے لبی رقمیں جب بھیجو گے تو ہم سب سے پہلے کراکری خریدیں گے۔'' کشف ٹکڑے چنتے ہوئے بولی۔ وہ رنگ پر آئی محفل کا سارا مزہ خراب کر گیا تھا۔

☆☆☆

''نائنٹی ایٹ...... نائن ٹی ...... نائن...... ہائے اور یہ رہا بن...... ہنڈرڈ...... اُف ف ف۔'' بالآخر سو چکر پورے کرنے کے بعد وہ تھک ہار کر آخری سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ اور اب گھٹنوں میں سر دبائے بیٹھی ہانپ رہی تھی۔
''پورے ہوگئے سو چکر...... توبہ توبہ......'' فروا نے کہتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے اور گھٹنوں میں سر دبائے کشف کو تاسف سے دیکھ کر جو پچھلے پون گھنٹے سے بنا رکے لاؤنج سے متصل گول زینے پر سو چکر پورے کرکے اب آخری سیڑھی پر بیٹھی ہانپ رہی تھی۔ سیڑھیاں پھلانگنے کے علاوہ وہ پچھلے کئی دنوں سے پارک میں واک کے لیے بھی باقاعدگی سے جارہی تھی پھر واپس آکر ہر زاویے سے بڑی دیر تک اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتی رہتی اور نادیدہ اضافی گوشت تلاش کرتی رہتی۔
''یا اللہ توبہ...... کتنا مشکل ہوتا ہے یہ شادی کا پراجیکٹ...... بندے کو تھکا کے مار دیتا ہے اسے دیکھو، بیچاری کیسے ہانپ رہی ہے۔'' فروا نے لیپ ٹاپ پر مصروف سعد کو متوجہ کیا۔
''اتنے تک یہ زندہ بچی تو شادی ہوگی ناں......'' سعد بھی کام چھوڑ کر اٹھ آیا اور سینے پر بازو

غزل

اور کیا کرتا بیانِ غم تمہارے سامنے
میری آنکھیں ہوگئیں پُرنم تمہارے سامنے
ہم جدائی میں تمہاری مر بھی سکتے ہیں مگر
چاہتے یہ ہیں کہ نکلے دم تمہارے سامنے
جس میں ہم دونوں کے بچپن کی بھی اک تصویر ہے
ڈھونڈ کر لایا ہوں وہ البم تمہارے سامنے
آتے آتے لب پر رہ جاتی ہیں دل کی حسرتیں
کھولتے ہیں ہم زباں کم، کم تمہارے سامنے
تم سمندر کی طرح آغوش وا کرتے نہیں
ہم تو بن جاتے ہیں موجِ یم تمہارے سامنے
کس لیے تم نیند میں شرمار ہے ہو اس طرح
خواب میں کیا آگئے ہیں ہم تمہارے سامنے

شاعر: یاور عظیم
انتخاب: رضیہ جاوید، کراچی

نظم

کبھی دل چاہتا ہے ناں
کہ ہم دنیا سے چھپ جائیں
نہ آنکھوں میں کوئی منظر
نہ دل میں خواہشیں باقی
نہ دلکش خواب پلکوں پر
نہ امیدیں نگاہوں میں
نہ پاؤں میں سفر کوئی
نہ آسیں دل کو بہلائیں
رگوں میں دوڑتے آنسو
کہیں تو اب ٹھہر جائیں
گرے پتوں کے بستر پر
چلو اک نیند سو جائیں

مرسلہ: صدف آصف، کراچی

لپیٹے کشف کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''خالی پیٹ جتنی دوڑیں یہ لگاتی ہے ایک دفعہ گر گئی ناں تو پھر روزِ محشر ہی اٹھے گی۔'' کشف نے سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے سعد کو دیکھا اور پھر کتاب میں گم فروا کو...... سب کیسے مطمئن اور بے فکر تھے۔ سعد نے اس کے چہرے کے دل نشیں خدوخال پر چھائی تھکن کو اپنے دل پر محسوس کیا۔ وہ آہستگی سے سیڑھیوں کی ریلنگ تھام کے پنجوں کے بل اس کے سامنے آ بیٹھا۔

''کشف...... ایک بات بتاؤں میں تمہیں۔'' وہ کہتے کہتے رکا تو کشف نے سعد کی سرخ ہوتی آنکھوں میں تیرتی ہلکی سی نمی کو دیکھا...... اس کا چہرہ کشف سے چار، چھ انچ کے فاصلے پر ہی تھا۔

''آئی سوئیر یار، تم موٹی دوٹی کوئی نہیں ہو، اگر بہت سلم اور اسمارٹ لوگوں میں شمار نہیں ہوتی تو موٹے لوگوں میں بھی نہیں...... بس ٹھیک ٹھاک ہو، تم ایویں اتنی زیادہ مشقت کر کے خود کو تھکا رہی ہو...... کس نے کہا ہے کہ تم اپنی ہڈی پسلی ایک کر دو۔''

''اس کی نندوں نے۔'' فروا بولی۔ ''تمہیں کیا پتا وہ جب بھی آئیں کیسے اسے ٹٹول، ٹٹول کر دیکھتی ہیں کہ کہاں یہ کوئی اضافی بوٹی ہے۔''

وہ اسے دیکھنے لگا اور بہت دیر تک اس کی آنکھوں کی سنہری زمینوں پر اپنی محبت کی فصل ڈھونڈتا رہا جہاں اجنبیت کے ببول اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

''چھوڑو، رہنے دو۔'' اس کی معنی خیز سرگوشی فقط اتنی بلند تھی کہ کشف بہ مشکل سن پائی۔

''سعد......'' دادی جان کی پکار پر وہ کسی گہرے خواب سے جاگا تھا۔ وہ فوراً سیدھا ہوا اور لمبے، لمبے ڈگ بھرتا دادی جان کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

''کشف یار، سعد ٹھیک کہتا ہے، اس طرح تو تم واقعی ختم ہو جاؤ گی...... بس صرف وہ پارک والی روٹین ہی ٹھیک ہے، ٹھیک ٹھاک واک ہو جاتی ہے۔''

''کہاں وہ بھی ٹھیک ہے۔'' سیڑھیاں اترتی شہرینہ نے فروا کی بات سن لی تھی۔ ''شام کو پارک کے ٹریکس پر گھنٹا دوڑیں لگا کے جب آتی ہے تو بھوک کا شور مچائی ہوئی اور پھر اس طرح کھاتی ہے جیسے سالوں کی بھوکی ہو۔''

''کھانا مجھ سے نہیں چھوڑا جاتا۔'' وہ رونے والی ہوگئی۔ ''جس دن اپنے آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آج کے بعد کم کھاؤں گی اس دن ہی روٹین سے زیادہ بھوک لگتی ہے۔'' اس کا مین پرابلم سن کر فروا اور شہرینہ ہنس دیں۔ سردیوں کے دن جانے لگے تو جرسیاں، سوئیٹر اور گرم کپڑے اترے...... تب شروع سے قدرے فربہ مائل جسم کی حامل کشف کو اپنے بڑھتے وزن کی طرف سے فکر لاحق ہوئی لیکن اس کی سسرال والوں نے تو آتے جاتے یہ رٹ لگائی تھی کہ وزن کم کرو ڈائٹنگ کرو۔

کھانا اگرچہ وہ نہیں چھوڑ سکتی تھی کیونکہ اسے بھوک برداشت نہیں ہوتی تھی باقی ہر حربہ آزما دیکھا تھا مگر کوئی خاطر خواہ کامیابی ابھی تک نہ ہوئی تھی۔ وہ سرِشام پارک میں جاتی اور خوب دل لگا کر گھنٹا دوڑتی، سیڑھیاں پھلانگتی، رسہ کودتی مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی سسرالی رشتے دار پھیرا لگا کر پھر سے اسے بتا کر اس کی پریشانی میں اضافہ کر جاتا کہ شادیان کو موٹی لڑکیاں پسند نہیں ہیں چنانچہ مزید دبلا ہونے کی مزید کوشش جاری رکھو اور وہ نئے سرے سے نئی ترکیبیں آزماتی...... اور اب جب سے ڈیٹ کنفرم ہوئی تھی اس نے بھی اپنی سرگرمیاں تیز کر دی تھیں...... دادی جان ڈانٹتیں۔

''باؤلی ہوگئی ہے لڑکی تو...... پاگل نہ ہو تو، کس نے بتایا ہے اسے کہ اس بھاگ دوڑ میں خوب صورتی چھپی ہے۔ ہمارے زمانے میں تو اچھی خاصی صحت مند لڑکیاں ہی خوب صورتی کا معیار ہوتی تھیں جن پر پہنا ہوا جچتا بھی تھا، کھایا پیا دکھتا بھی تھا لیکن آج کل کی یہ سیخ، سلائی بھوک ہڑتال کر کے بھاگم بھاگ دوڑ دوڑ کر نقاہت زدہ زرد بیمار چہرے اور کمزور اور لاغر جسم لے کر جب اگلے گھر جائیں گی تو کیا خاک متاثر

کریں گی۔''

''یہ اگلوں کی ہی ڈیمانڈز ہیں دادی جان سوکھی سڑی مریل لڑکیاں......'' سعد نے دادی جان کو بتایا۔

''تو یہ عجیب زمانہ آگیا ہے۔ بندہ پوچھے جب بدن پر بوٹی نہیں رہے گی تو خالی ہڈیوں کے ڈھانچے بیاہ کرلے جاؤ گے۔'' دادی جان کے اس بیان پر کشف کی آنکھوں کے سامنے اہرامِ مصر سے نکالے گئے ٹی وی پر دکھائے جانے والی ممیوں کے ڈھانچے گھوم گئے۔

☆☆☆

مسرت پھپھو نے آصف بھائی کے لیے شہرینہ کا رشتہ مانگا تھا جو بڑوں کے درمیان ابھی تک زیرِ غور تھا۔ بڑوں نے بہت چھپایا، بہت راز داری کی مگر چھوٹوں کو بھی بالا آخر خبر ہو ہی گئی تھی۔

''کوئی نہیں، بالکل بھی نہیں، قطعی نہیں......'' سعد کی زوردار نہ پر جہاں فروا اور کشف کے منہ کھلے تھے وہیں شہرینہ بھی حیرت سے دنگ رہ گئی۔ سعد کے اتنے شدید ردِعمل کی توقع نہیں تھی اسے......

''کیوں، تمہیں کیا تکلیف ہے اور پھر تم سے اجازت کون طلب کررہا ہے۔ جب بزرگ اللہ ان کو سلامت رکھے وہ چاہے ہاں کریں یا نہ......تم کون ہوتے ہو بڑوں کی موجودگی میں اتنی زوردار نہ کرنے والے۔'' فروا کو سخت غصہ آیا اور پھر بات اس کے بھائی کی تھی رشتہ اس کے گھر سے آیا تھا۔ اسے آصف بھائی کے حالِ دل کی خبر تھی اور یہ آج کل گھر میں ہونے والی سرگوشیاں سن کر شہرینہ کی آنکھ کنارے جمع ہونے والے جگنو اس نے دیکھ لیے تھے۔ اسی لیے سعد کی بات اسے بہت بری لگی۔

''میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ ابھی اگلی کے سسرال والوں نے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔'' سعد نے کچھ اس انداز میں کہا کہ سب کی ہنسی نکل گئی اور شہرینہ کی کئی لمحوں کی رکی ہوئی سانس بحال ہوتی فروا نے خود دیکھی۔

''پھپھو ویسے بھی سال میں گنتی کے تین چکر لگاتی ہیں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' کشف نے کہا۔

''پھپھو کے آنے جانے سے پریشان نہیں ہورہا تھا۔ یہ بلا ویسے ہی نہیں ٹل رہی پھر تو اس کے ہاتھ دُہرے رشتے کا بہانہ آجانا ہے ابھی تو صرف یہ اس کے نانکوں کا گھر ہے۔'' سعد مزاحیہ انداز میں بولا......؟

فروا ذرا دیر سے بات کا مفہوم سمجھی اور پھر ناک سے لڑھکتی عینک اپنی جگہ پر جما کے سعد کے پیچھے لپکی......جھکائی دے کر سعد نے اس کے وار سے خود کو بچایا۔

''سوری یار مذاق کررہا تھا۔'' اس نے ہاتھ اٹھائے۔'' بھئی ظاہر ہے ابھی تو ہم کشف کی جدائی کا صدمہ بڑی مشکلوں سے سہہ پائیں گے۔ آہ......اور پھر شہرینہ......یہ دل تو جدائی کے داغوں سے بھر جائے گا۔'' اس نے رونے کی ایکٹنگ کی۔

''تمہیں تو بہت خوشی ہوگی میرے یہاں سے جانے پر۔'' کشف سے تڑخ کر بولی۔

''یار ابھی تو میں نے ایک ٹھنڈی ٹھار آہ بھری ہے تمہارا کیا دل ہے میں دھاڑیں مار کے رونا شروع کردوں قبل از وقت......تم دیکھ لینا تمہاری رخصتی پر سب سے زیادہ میں ہی روؤں گا۔''

''دھیان سے۔'' شہرینہ بولی۔'' کشف اس گھر سے رخصت ہورہی ہے کوئی دنیا سے نہیں۔''

جوں جوں شادی کے دن قریب آرہے تھے کشف اپنی اسکن خراب ہونے اور رنگت ماند ہونے کے وہم میں مبتلا ہوگئی اور اب ہر وقت چہرے کو کسی نہ کسی چیز سے مانجھتی رہتی۔

''اور بیٹھو دھوپ میں۔'' فروا بولی۔'' پوری سردیاں تم نے دھوپ سینکی ہے، باقاعدہ سورج کی طرف منہ کرکے بیٹھتی تھیں اور اب سن بلاک تھوپ کر کمرے میں گھسی رہتی ہو۔''

''پھر کیا کروں......؟'' اس نے مختلف کریموں کے انبار لگادیے۔ نائٹ کریم، ڈے کریم، اسکرب، ماسک، فیس واش اور نہ جانے کیا، کیا بیوٹیشن کے نسخے

پر خرید لائی اور اب زیادہ وقت چہرے کی رگڑائی میں گزار دیتی۔ اب بھی وہ اسکرب سے ہاتھ اور چہرہ رگڑ رہی تھی۔ قریب بیٹھی شہرینہ آئینہ گود میں رکھ کے انگلیوں میں دھاگا پھنسائے اپرلپس صاف کر رہی تھی۔

''شادی کی یہ تیاریاں پہلے زندگی میں دیکھی نہ سنی..... توبہ توبہ.....'' دادی جان کانوں پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا بھول گئی تھیں۔ ''شادیاں ہمارے دور میں بھی ہوتی تھیں لیکن شادی سے پہلے لڑکیاں گھر داری سیکھتی تھیں یہ آج کل کی لڑکیاں..... ان کو اور تو کوئی کام ہوتا نہیں ہے بس..... فیشن کی دوڑ میں لگ گئی ہیں۔''

''توبہ ہے ایک تو دادی جان ہر وقت اپنے زمانے اور ہمارے زمانے کا موازنہ کرتی رہتی ہیں اگر آپ کے زمانے میں یہ سب کچھ نہیں تھا تو اس میں ہمارا کیا قصور..... پتا نہیں ایسا کون سا ناقابلِ فراموش کارنامہ ان کے زمانے میں ہوا تھا۔'' کشف آہستگی سے بولی۔

''ایک وقت آئے گا تم بھی اپنے پوتے، پوتیوں کو اپنے زمانے کی مثالیں دو گی۔'' ڈائجسٹ پڑھتی فروا نے کہا۔ جبکہ دادی جان سعد کے ساتھ تبادلۂ خیال میں مصروف تھیں۔

''فارغ پھرتی ہیں، کام کی نہ کاج کی..... صبح دن چڑھے اٹھیں اور اٹھ کے دھاگا اور شیشہ لے کر بیٹھ جاتی ہیں اور جسم کے جس حصے پر بھی رواں نظر آتا ہے نوچ لیتی ہیں اور نتیجہ اگلی بار موٹا بال اگ آتا ہے اسی لیے تو آج کل اکثر لڑکیوں کی مونچھیں اور داڑھیاں اگی ہوئی نظر آتی ہیں۔'' اس بات پر جہاں دادی جان کے گھٹنے سے لگے سعد کا قہقہہ نکلا وہیں لڑکیوں کی بھی ہنسی نکل گئی اور شہرینہ نے فوراً آئینہ نیچے رکھ دیا۔

''ہائے توبہ.....'' اس نے ٹھوڑی کو چھو کر کسی نادیدہ داڑھی کو تلاش کیا۔

''اور یہ مسرت کی لڑکی کو دیکھو..... گھر والوں نے پڑھنے کے لیے یہاں بھیجا تھا اور اسے رسالوں کی لت لگ گئی۔ رسالے پڑھ پڑھ کر آنکھوں پر کھوپے لگا لیے ہیں۔ اس سے بہتر تھا اپنے گھر میں ہوتی گھر داری تو کم از کم سیکھ لیتی۔'' دادی جان نے اب کے فروا پر تبصرہ کیا۔

''جی دادی جان.....'' سعد نے اب مسکراتی نظر فروا پر ڈالی جو اپنے بارے میں دادی جان کا رواں تبصرہ سن کر ناک پر گری عینک اٹھانا بھول گئی اور حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

''میرا خیال ہے اب کے تمہارے بارے میں ہی تبصرہ فرمایا ہے دادی جان نے۔'' شہرینہ نے نلکی پر دھاگا لپیٹتے ہوئے کہا۔

''اچھا..... اور پہلے والا تبصرہ یقیناً تمہارے بارے میں تھا۔''

''کون سا والا۔''

''مونچھوں اور داڑھی والا۔''

''جی نہیں.....'' شہرینہ نے چڑ کر جواب دیا۔

تبھی سعد دادی جان کے گھٹنوں کو چھوڑ کر ان کے قریب چلا آیا۔ ''ارے آپ لوگ تو اچھا خاصا مینا بازار لگا کے بیٹھی ہیں۔''

''ایک بات بتاؤں تمہیں سعد..... تمہارے اندر جاسوسی عورتوں والے جراثیم بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔''

''بھلا وہ کیسے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے فروا کی طرف دیکھا۔

''لگائی بجھائی کر کے..... دادی جان کا محاذ ہمارے خلاف کھولے رکھتے ہو۔''

''میں دادی جان کو بتاؤں کہ تم ان کو لڑاکا کہہ رہی ہو۔'' اس نے ہنسی روک کر کہا۔

''اُف..... معاف کرو۔'' فروا نے ہاتھ جوڑے۔

''چلو معاف کیا.....'' وہ بے پروائی سے بولا۔

''اچھا..... میں ذرا بازار تک جا رہا تھا کوئی چیز چاہیے تو بتا دو۔ اور کشف اگر کہو تو..... تمہارے لیے ریگ مال لیتا آؤں۔''

''وہ کس لیے.....؟'' اسکرب سے پاؤں کی رگڑائی کرتی کشف نے ہاتھ روک کر پوچھا۔

[illegible] کشف [illegible]
[illegible] سے بھاگ گئی [illegible]

☆☆☆

[illegible] کے ہاتھوں [illegible] ہوتے ہے ساختہ [illegible]

[illegible] کشف کے ہاتھ میں [illegible] ہم سے چھپا [illegible] اور اب وقت [illegible]

[illegible] ذائقے کو بھی [illegible] کہرن لگا کشف [illegible] سکے رہی تھی [illegible] دادے رہی تھی [illegible] بھی تھا کہ اس کے ہاتھوں [illegible] بے ساختہ [illegible] بھاگا کرتی تھی [illegible] تھی اور اب جب [illegible] تھے وہ یا زادے [illegible] میں جا گھسی۔

☆☆☆

اس دن ان لوگوں کے ساتھ [illegible] گئی تھیں کشف تیار ہو [illegible] دادی جان گھر [illegible] خاص کام نہ تھا ویسے بھی [illegible] اس کے اسکن بہت [illegible]

دادی اپنے کمرے میں [illegible] پچھلے صحن میں چلی آئی۔ شام [illegible] شاخوں پہ گھروں کو لوٹتے پرندوں [illegible]

میرا اللہ

[illegible] شیطان سے بحث ہوگئی۔ شیطان نے پوچھا۔ تیرا اللہ کہاں ہے۔ [illegible] پاس ہے۔ شیطان [illegible] میں بھی کھڑا ہوں پھر [illegible] شیطان نے کہا یہ [illegible] شیطان [illegible] سے بھرے [illegible] بزرگ نے جو کچھ کہا [illegible] شیطان نے ثابت کر دیا کہ [illegible] بھی [illegible] ہے بہت پریشانی [illegible] ثابت کریں لمبی [illegible] سب کو شیطان نے [illegible] ان بزرگ کے مرشد زندہ تھے، اس وقت وہ حاضر ہوئے انہوں نے کہا کہ شیطان سے [illegible] میں نے اللہ کو دلیل کے بغیر [illegible] شیطان نے کہا تیرا مرشد کامل تجھے بچا [illegible] دلیل سے ڈھونڈتا ہے اور میں تجھے [illegible] سے توڑ تا رہوں۔

[illegible] آپ اللہ کو دلیل سے نہ ڈھونڈ [illegible] آپ اس کو ایمان سے ڈھونڈ نا۔

اقتباس: واصف علی واصف کی گفتگو

مرسلہ: دیا آفریں، شاہدرہ

گناہ

عذاب الٰہی سے بے خوف ہو جانا اور جنت [illegible] سے مایوس ہو جانا سب سے بڑھا گناہ ہے۔

از کنز العمال

انتخاب: بشریٰ رضوی، کراچی

اس نے گردن اٹھا کر دیکھا کیسا خوب صورت احساس ہوتا ہے اپنے گھر کا اور اپنے گھر سے وابستگی کا...... کچھ دنوں سے وہ دل کی دیواروں سے لپٹتا دکھ کر شدت سے محسوس کر رہی تھی وہ دکھ جو گھر چھوڑنے پر ہر لڑکی کو ہوتا ہے اور کبھی، کبھی آنے والے دنوں کے ان دیکھے اندیشے بھی دل کو دہلا دیتے ہیں...... وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی اس لمحے شام کا کوئی اداس پہر لگ رہی تھی...... تبھی اس کے ساتھ ذرا فاصلے پر کوئی آ کے بیٹھ گیا اس نے رخ موڑ کر نہ دیکھا بس یہاں وہاں تیزی سے پھیلتی کلون کی مدھم سی خوشبو نے ساتھ بیٹھنے والے کا تعارف کرایا۔

کچھ لمحے یوں ہی خاموشی کی نظر ہو گئے۔

''تم نے مکلی دیکھا ہے کشف......؟''

''وہ کیا ہے؟'' کشف نے سوال کرنے والے کی طرف نہ دیکھا بس سامنے درختوں کی گھنی شاخوں کے گہرے ہوتے رنگ دیکھتی رہی۔

''جب تم اس گھر سے رخصت ہو جاؤ گی ناں تو کسی کا دل مکلی ہو جائے گا۔''

کشف نے اب بھی پلٹ کر اسے نہ دیکھا بس اس کے لہجے میں کوئی بات محسوس کی، کوئی عجیب سی بات۔

''اس دنیا کا سب سے بڑا قبرستان...... جو سندھ میں واقع ہے اسے مکلی کہتے ہیں۔''

کشف نے ایک دم پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر اسی برق رفتاری سے نگاہ واپس موڑ لی۔

اس کے چہرے پر شام کی مدھم اور نم ہوا کو محسوس کیا یا شاید یہ سعد کے لہجے کی سیلن تھی یا آنکھوں کی زمینوں کی نمناکی......

''کیا تم جانے کا ارادہ چھوڑ نہیں سکتی ہو کشف؟'' اب کے سعد کی بات سے اسے اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا۔

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں......؟''

''کیوں کا کیا مطلب...... بس میں نہیں چھوڑ سکتی اور نہ ہی چھوڑنا چاہتی ہوں۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی۔

''ایک بات تو بتاؤ...... مجھ میں کیا کمی تھی کشف جو تم نے سب گھر والوں کے کہنے کے باوجود شایان کو مجھ پر ترجیح دی؟'' سعد شاید دل کی خواہش دل میں دبائے تھک گیا تھا اور وہ نصیب کا لکھا قبول کر لینے سے قبل ایک بار کشف سے بات کر لینا چاہتا تھا کوئی خوش فہمی اگر نہ تھی تو غلط فہمی بھی پوری زندگی کی کسک نہ بن جاتی تبھی وہ ایک بار پھر اپنا مقدمہ لے کر کشف کے روبرو تھا یہ اگرچہ بہت مشکل بڑا دشوار ہوتا ہے لیکن دل کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ جسے چاہا جائے وہ نہ بچھڑے۔

''میں نے کبھی نہیں سوچا کہ تم میں کوئی کمی ہے یا زیادتی......'' وہ بے رخی سے بولی۔

''میں تمہیں شایان سے زیادہ خوشیاں دوں گا۔'' دل کو بھی کبھی، کبھی کسی ضدی ہو جاتی ہے کہ روٹھا یار منانا ہے۔

''لیکن مجھے میرے نصیب کی خوشیاں ہی چاہئیں جو میرے حصے میں لکھی ہیں۔'' اب وہ براہِ راست اس کی آنکھ میں دیکھ رہی تھی۔

''میں اپنے حصے کی بھی تمہارے نام کر دوں گا۔'' دل کیسے محبت میں انا کو بھول کر محبوب کے قدموں کو چھونے لگتا ہے۔

''میں نے کہا ناں مجھے صرف میرا ہی حصہ ہی چاہیے اور میں اپنے حصے میں خوش رہ سکتی ہوں، ویسے بھی مجھے اوروں کے حصے میں سے کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ تھوڑا زچ ہوئی۔

''گویا تم مجھے اوروں میں شمار کرتی ہو۔'' اس کے لہجے میں محسوس کیے جانے والا دکھ تھا مگر کشف محسوس کرتی تب ناں۔

''کیا ہے سعد، کیوں خواہ مخواہ تنگ کرتے ہو۔''

''تنگ کہاں کرتا ہوں۔'' ایک سرد آہ نے بے ساختہ اس کے ہونٹوں کو چھوا تھا۔ ''تنگ میں آ گیا ہوں، دل کی خواہشوں سے جو مجھے پاگل کر دیں گی۔''

اس لمحے شام نے اس کے چہرے پر سایہ سا کر دیا تھا۔
''لیکن تمہارا یہ ابنارمل رویہ مجھے پاگل کر دے گا۔'' وہ اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تو سعد بھی اس کے پیچھے لپکا۔
''ایک بات، صرف ایک بات کشف میں تم سے شیئر کرنا چاہ رہا تھا مجھے غلط نہ سمجھنا لیکن میں نے لوگوں سے سنا ہے لوگوں کی رائے میں شایان کی ریپوٹیشن...... اچھی نہیں ہے۔''
''ہوا کرے، تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اندرونی دروازے سے ٹیک لگا کے اس کے روبرو کھڑی ہوگئی۔ ''بے شک شایان میں سو برائیاں ہوں، لوگوں کی رائے کے مطابق اس کی ریپوٹیشن انتہائی خراب ہوگی لیکن ایک بات یاد رکھنا سعد کہ شایان کو اپنے لیے میں نے خود نہیں چنا نہ ہی اس کی اور میری کوئی کمٹ منٹ ہے یہ سو فیصد گھر والوں کی چوائس...... مرضی اور فیصلہ ہے تایا جان، ابو جی، دادی جان، امی...... ان سب نے کچھ دیکھ بھال کر ہی یہ رشتہ کیا ہے ناں...... ان لوگوں کو تو آج تک وہ کیڑے نظر نہیں آئے جو تمہیں اول روز سے نظر آرہے ہیں بات دراصل یہ ہے کہ تم نے خواہ مخواہ کی ضد لگالی ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ تم صرف میری راہ کھوٹی کرنا چاہتے ہو۔ پہلے تو آج تک تم نے مجھے نہیں بتایا کہ تم میرے لیے اس طرح سوچتے ہو...... جبکہ میری منگنی ہوگئی اور اب شادی ہونے والی ہے تب تمہیں یہ محبت کا کھیل یاد آرہا ہے۔''
''کیا...... تم اسے کھیل سمجھتی ہو؟'' کیسی بے یقینی تھی سعد کی آواز میں، لہجے میں، آنکھوں میں۔
''ہاں...... تم اسے کھیل ہی سمجھتے ہو۔'' اس کی آنکھ میں محسوس کیے جانے والا استہزا تھا شک بھرا استہزا...... اور سعد نے خود کو کسی پاتال میں اترتا محسوس کیا۔
وہ اندر چلی گئی جبکہ سعد دیر تک وہیں کھڑا رہا اس کے کہے لفظوں پر غور کرتا رہا اور دل کے اندر اترتے رات کے اندھیروں کو محسوس کرتا رہا۔

☆☆☆

شایان نے کشف کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ وہ شادی سے پہلے ایک بار کشف سے ملنا چاہتا تھا اسے ڈنر پر اپنے ساتھ لے جانے کا خواہش مند تھا۔ اگرچہ یہ کوئی انوکھی، انہونی یا دنیا سے نرالی خواہش نہ تھی بہت سے لوگ اپنی ہونے والی بیوی کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں کہ یہ آج فیشن بھی ہوگیا اور موجودہ وقت کی ضرورت بھی...... لیکن اس گھرانے کے لیے یہ چونکا دینے والی خبر ثابت ہوئی۔ اس بات کی تائید اگرچہ کسی نے بھی نہیں کی تھی اور پھر وہ کشف جس نے منگنی سے قبل لڑکے کی تصویر دیکھنا بھی ضروری نہیں سمجھی تھی اور کہا تھا کہ والدین چونکہ عمر اور تجربے میں ہم سے بڑے ہوتے ہیں چنانچہ بہتر فیصلہ ہی کریں گے اب وہی کشف اپنے منگیتر کے ساتھ ڈنر پر کیسے جاسکتی تھی۔
''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' سعد نے سنا تو بھڑک اٹھا۔
''میری تو خود سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کریں۔'' امی نے پریشانی سے کہا۔ اب وہ سب کو کیا بتاتیں جو راز انہوں نے خود بھی دوبارہ نہیں دُہرایا تھا اب سب کے ساتھ شیئر کرلیتیں کہ دو ہفتے قبل کشف کی بڑی نند نے فون پر کہا کہ آنٹی شایان، کشف سے فون پر بات کرنے کا خواہشمند ہے۔
شایان کی اس خواہش نے انہیں اچھا خاصا پریشان کردیا تھا وہ جانتی تھیں کہ ان کے گھر کا ماحول اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ لڑکا اور لڑکی کے درمیان شادی سے قبل ٹیلی فونک رابطے ہوں۔ دوسرا کشف بھی ایسا کبھی نہ چاہتی...... انہوں نے باقی اہلِ خانہ کے علم میں لائے بغیر ہی بڑی سہولت اور بڑے طریقے سے منع کردیا کہ کشف کے ابو کو یہ بات پسند نہیں۔
''اچھا بہت کنزرویٹو فیملی ہے آپ کی۔'' بڑی آپا کا پُرغرور لہجہ غصے سے لبریز تھا۔ امی کو برا تو بہت لگا مگر چپ چاپ ان کا یہ طعنہ برداشت کرگئیں کیونکہ وہ

جہاندیدہ، نیک فطرت اور سمجھدار خاتون تھیں۔

''آپ تو اس طرح اعتراض کر رہی ہیں جیسے ہمارے بھائی نے کوئی دنیا سے انوکھی فرمائش کر دی ہو۔ آج کل تو شادی سے قبل لڑکا لڑکی زیادہ سے زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزارتے ہیں تاکہ آپس میں انڈراسٹینڈنگ ڈویلپ ہو سکے اور ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنے میں آسانی رہے۔'' وہ بڑے کروفر سے آج کل کے فیشن کی طرح عام ہو جانے والی اس غیر ضروری رسم کو بہت اہم اور ضروری قرار دینے پر تلی ہوئی تھیں۔

''شایان کو بہت برا لگے گا آپ کی طرف سے بات کرنے کی پرمیشن نہ دینا...... پھر آج کل کے لڑکوں کے مزاج تو آپ جانتی ہی ہیں کہ سسرال والوں سے کیسی، کیسی ڈیمانڈز کرتے ہیں سوچ لیں، خواہ مخواہ کی بدمزگی نہ ہو جائے۔'' آخر میں ان کی طرف سے کھلم کھلا دھمکی سن کے تو وہ سن سی رہ گئیں۔

ان کی اس اعلانیہ دھمکی کے بعد بھی انہوں نے اپنا ردعمل نرم رکھا کچھ تو وہ فطرتاً نرم مزاج خاتون تھیں اور دوسرا دہ بیٹی کی ماں تھیں سو نرمی اور سلیقے سے معذرت کی کہ بات کو غیر ضروری طوالت دینے میں بالآخر اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔

انہوں نے یہ بات اپنے تک ہی محدود رکھی کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ خواہ مخواہ ایک کان سے دوسرے کان بات پھیلے گی اور پھر ہر کسی کے اپنے قیاس اور تبصرے وہ کشف کو بھی کئی دفعہ بتاتے، بتاتے رہ گئیں۔ کیا ضرورت ہے اس کا دل خواہ مخواہ میں برا ہوگا...... اور پھر لڑکیاں تو ان دنوں ویسے بھی بہت حساس ہو جاتی ہیں ایک پل میں ہنستی اور دوسرے پل میں روتی ہوئی ایک طرف گھر کو اور ماں، باپ کو چھوڑنے کا دکھ ہوتا ہے تو دوسری طرف نئی زندگی شروع کرنے کے سوسو اندیشے اور خوف...... اور کبھی آنے والے دنوں کے حوالے سے سندر سہانے سپنے، یہ بات سن کر وہ یقیناً ڈسٹرب ہو جاتی اگرچہ خود وہ تو اچھی خاصی ڈسٹرب ہو گئی تھیں کہ پوری، پوری رات نہ سو پاتیں۔

''یا اللہ خیر...... اکلوتی بیٹی خیر خیریت کے ساتھ اس گھر سے رخصت ہو جائے، کوئی بدمزگی نہ ہو دونوں طرف سے۔'' دعائیں مانگتے، مانگتے ان کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔

اور اب شایان اسے ڈنر پر ساتھ لے جانا چاہتا تھا جبکہ شادی میں صرف دو ہفتے رہ گئے تھے۔

''تمہاری سسرال بھی ناں بس...... اب آخر ٹائم پہ آکے یہ نیا شوشا چھوڑ ہے جب شادی سر پر آ گئی ہے اب تک شریف بن کے بڑی واہ، واہ کرائی مگر اب دکھا دی ناں اپنی اصلیت......'' فروا کو کشف کی سسرال پر پہلے سے بھی زیادہ غصہ آ رہا تھا جبکہ سعد، چچی جان کو سمجھانے بیٹھ گیا۔

''منگیتر کے ساتھ کوئی باقاعدہ رشتہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی قطعی غیر محرم ہوتا ہے اور پھر منگنی کی کوئی شرعی حیثیت بھی نہیں ہے۔ انہوں نے خدا جانے کیوں آخری ٹائم پر آکے یہ ایشو اٹھایا ہے اور پورے گھر کو پریشان کر دیا ہے...... بھئی ایسی بھی کون سی ایمرجنسی آن پڑی جہاں اتنے مہینے شرافت سے گزر گئے وہاں یہ گنتی کے دن بھی گزر جاتے پھر جہاں مرضی ہوٹلنگ کرتے پھرنا...... بہر حال آپ پریشان نہ ہوں چچی جان ہم کچھ سوچتے ہیں۔'' شہرینہ نے بھی چچی جان کو تسلی دی۔

''کشف سے تو پوچھ لو، وہ کیا کہتی ہے؟'' فروا نے مشورہ دیا تو سعد ایک بار پھر بھڑک اٹھا۔

''تم تو ہو ہی عقل سے پیدل...... کشف سے کیا پوچھنا، جب کہہ دیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''تمہیں کیوں اتنی مرچیں لگ رہی ہیں۔'' فروا نے اسے گھورا۔ ''ان کا پرسنل معاملہ ہے۔''

''مجھے کیوں مرچیں لگیں گی؟'' سعد ذرا دھیما پڑ گیا۔ ''اور پھر جب خاندان کی عزت کی بات آئے گی تو مرچیں لازمی لگیں گی۔ جہاں جوائنٹ فیملی سسٹم ہوتا ہے وہاں پرسنل معاملات نہیں ہوتے دکھ ساجھے تو سکھ

قسط 5

آخری امید

قیصرہ حیات

مکاں فانی ، مکیں آنی ، ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تُو جاوداں تُو ہے

ایک ایسی لڑکی کی کہانی . . . جو حق کی جستجو میں اپنے سفر کا آغاز کرتی ہے اور اس ابدی، لافانی حقیقت کو پالینے کے اس سفر میں اسے جن مسائل، جن شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہماری مصنفہ نے اپنے ساحرانہ قلم سے اسے بہت خوب صورت اور پُراثر انداز میں اُجاگر کیا ہے۔

اس کہانی کی اشاعت نوجوان نسل کی اسلام کے بارے میں معلومات مطالعے اور علم کو مزید وسعت دے گی۔

مایہ ناز مصنفہ کے منفرد اندازِ بیاں کا

ایک اور شاہکار

دن کافی چڑھ چکا تھا اور لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے تھے۔ اردگرد سے بھانت، بھانت کی آوازیں آرہی تھیں۔ کبھی کوئی پھیری باز محلے میں آکر اونچی آواز سے چیزیں بیچنے لگتا تو کہیں بچوں کا شور شرابا...... آمنہ ان کی آوازیں سن کر ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور گھبرا کر عبدالرحمٰن کو ہلانے لگی...... باہر ایک سبزی فروش کی پاٹ دار آواز نے اسے بری طرح ڈرایا تھا۔ سبزی فروش کیا کہہ رہا تھا اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا مگر اس کی آواز اسے قدرے خوف زدہ کررہی تھی۔

''عبدالرحمٰن یہ کیسی آواز ہے......؟ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' آمنہ نے گھبرا کر کہا تو عبدالرحمٰن نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اسے سمجھانے لگا، وہ حیران ہوکر اس کی باتیں سنتی رہی اور پھر بیڈ پر لیٹ گئی۔

باہر محلے کی سب عورتیں اکٹھی ہوکر جمیلہ کے پاس آئی تھیں۔ انہیں خبر ملی تھی کہ عبدالرحمٰن ایک میم کو بیاہ کر لایا ہے اور سب اس میم سے ملنے کے لیے بہت مضطرب ہورہی تھیں...... جمیلہ صحن میں ان کے پاس چارپائیوں پر بیٹھی تھیں اور وہ متجسس ہوکر اس سے آمنہ کے بارے میں سوالات کررہی تھیں۔

''اری جمیلہ...... تیری بہو کہاں ہے؟ بھیا اس کو بلا بھی لے تاکہ ہم بھی اس کو دیکھ لیں...... سچ اس کے بارے میں تو ہم اتنا کچھ سن، سن کر تھک گئے ہیں اور بڑا انتظار کررہے تھے کہ کب وہ آئے اور ہم اس کو دیکھیں...... اب اسے بلاؤ تو سہی......'' درمیانی عمر کی ایک عورت نے آنکھیں مٹکا، مٹکا کر کہا تو سب اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

''ہاں، ہاں اسے جلدی بلاؤ......'' دوسری عورت نے بھی کہا۔

''ارے بھئی ساری رات کے سفر سے بیچاری تھک کر صبح نماز پڑھ کر سوئی ہے ابھی کیسے اٹھادوں۔'' جمیلہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ...... لگتا ہے بڑی نمازی ہے، کیا شادی کے بعد مسلمان ہوئی ہے؟'' ایک عورت نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے نہیں...... وہ شادی سے پہلے ہی مسلمان ہوگئی تھی، اسی لیے تو میرے عبدالرحمٰن نے اس سے شادی کی ہے۔'' جمیلہ نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

''واہ...... پھر تو ہم اسے ضرور دیکھیں گے کہ انگریز مسلمان کیسے ہوتے ہیں۔'' ایک اور ہمسائی نے قدرے متجسس انداز میں کہا۔

''کہاں ہے اس کا کمرا......؟'' ایک اور عورت نے قدرے بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا اور جیسے ہی جمیلہ نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا وہ اٹھ کر جلدی سے دروازہ پیٹنے لگی۔

''ارے...... ارے شمیم یہ کیا کررہی ہو، ارے وہ سو رہی ہوگی، اسے تنگ مت کرو۔'' جمیلہ نے قدرے خفگی سے کہا۔

''ارے واہ خالہ، ہم سب آئے بیٹھے ہیں اور اس کا انتظار کررہے ہیں۔ اب ہم بار، بار تو آنے سے رہے۔'' شمیم منہ بنا کر بولی۔ ایک دم دروازہ کھلا اور آمنہ سر پر حجاب لیے کمرے سے باہر آئی اور حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''ارے واہ...... بڑھیا ہی بڑھیا...... جمیلہ تمہارے تو پورے خاندان میں اتنی خوب صورت بہو کسی کی نہیں۔'' ایک ادھیڑ عمر عورت نے آمنہ کو سر سے لے کر پاؤں تک گھورتے ہوئے دیکھا اور پھر سب اس کی تعریفیں کرنے لگیں۔ اسی لمحے ہاجرہ اور شمیم بھی اپنے اپنے کمروں سے باہر نکلیں اور صحن میں عورتوں کا جمگھٹا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''ارے ہمیں تو جیسے ہی خبر ملی ہم عبدالرحمٰن کی دلہن دیکھنے چلی آئیں۔'' ایک عورت نے ہاجرہ سے کہا۔

''ارے خالہ...... دن تو چڑھ لینے دیتیں...... دلہن کون سی بھاگی جارہی تھی۔ تم لوگ تو یوں کررہی ہو جیسے کبھی کوئی دلہن دیکھی نہیں ہو۔'' ہاجرہ نے ناگواری سے منہ بنا کر کہا۔

''ہاں، ہاں دیکھی ہیں بہت دیکھی ہیں مگر انگریز دلہن ابھی تک نہیں دیکھی تھی۔'' دوسری عورت نے جلدی

سے جواب دیا۔

''اماں...... ایسا کرو اپنی بہو پر ٹکٹ لگا دو...... اس کے جانے تک بڑا پیسہ کما لوگی...... اور ان سب کا بھی شوق پورا ہو جائے گا۔'' ہاجرہ نے قدرے طنزیہ انداز میں جمیلہ سے کہا تو ان کو غصہ ہی آ گیا۔

''آئے ہائے...... ہاجرہ کیا اول فول بک رہی ہو، نئی دلہن کو تو سارے ہی چاؤ سے دیکھنے آتے ہیں۔ یہ کون سی بری بات ہے۔'' جمیلہ نے قدرے خفگی سے جواب دیا تو ہاجرہ منہ بنا کر رہ گئی اور آنکھیں مٹکا کر شبنم کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھنے لگی۔ آمنہ حیرت سے سب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شمیم اس کا ہاتھ پکڑ کر چارپائی تک لائی اور اسے سب عورتوں کے درمیان بٹھا دیا۔

''جمیلہ...... یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تیری انگریز بہو مسلمان ہے۔'' ایک عورت نے آمنہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''ہاں...... اللہ کا شکر ہے۔'' جمیلہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اری بہو...... تو نئی، نئی مسلمان ہوئی ہے ہمیں بھی تو کلمہ سنا...... دیکھیں تجھے کلمہ آتا بھی ہے یا نہیں......؟'' ایک عورت نے معنی خیز انداز میں آمنہ سے پوچھا۔ اسے ان لوگوں کی بات کی کچھ سمجھ نہ آئی مگر کلمے کا لفظ سن کر وہ چونکی، اس نے انگریزی لہجے میں لفظ کلمہ کہا۔ عربی حروف تہجی سے تو اسے آگاہی تھی مگر اس زبان میں کہی گئی باتیں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔ سب متجسس ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ آمنہ اس کے بعد کچھ نہ بولی سب اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگیں اور انتظار کرنے لگیں کہ وہ کلمہ پڑھتی ہے۔ مگر آمنہ خاموش رہی۔

''آئے ہائے...... یہ کیسی مسلمان ہے، جس کو کلمہ ہی نہیں آ رہا......'' ایک عورت نے منہ بنا کر ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

''جسے کلمہ ہی نہیں آتا...... وہ کیسی مسلمان ہوگی یہ تو سب کو ہی پتا چل گیا ہے۔ لگتا ہے عبدالرحمٰن نے اس سے شادی کے لیے ہی وقتی طور پر اسے کلمہ پڑھایا ہوگا۔ جسے پڑھ کر وہ اسی وقت بھول گئی۔'' ایک اور عورت نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو ہاجرہ اور شبنم بھی اس کی بات سن کر ہنسنے لگیں اور سب بے ہنگم قہقہے لگانے لگیں۔ آمنہ پھٹی، پھٹی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

''نہیں نہیں ماشاءاللہ یہ بڑی پکی مسلمان ہے، تم لوگوں کی بات اسے سمجھ نہیں آئی تو وہ کیا کرے، ورنہ صبح تو وہ نماز اور قرآن پڑھ کر سوئی تھی۔'' جمیلہ جلدی سے اس کے دفاع میں بولیں۔

اسی لمحے عبدالرحمٰن کمرے سے باہر نکلا تو سب کو دیکھ کر حیرت سے چونکا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''عبدالرحمٰن بیٹا...... تم ہی اپنی بیوی کو کہو کہ ان سب کو کلمہ سنا دے......'' جمیلہ نے قدرے جلدی سے کہا تو... عبدالرحمٰن کو ایک دم غصہ آ گیا۔

''یہ کیا فضول حرکت ہے، کیا آپ لوگ اس سے ملنے آئی ہیں یا پھر اسے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دینے آئی ہیں۔'' عبدالرحمٰن غصے سے بولا۔

''ارے، ارے تم غصہ کاہے کو کر رہے ہو، ہمیں بھی تو خبر ہونی چاہیے کہ یہ مسلمان ہے یا نہیں...... کلمہ سن کر دل کو تسلی ہو جائے گی۔ ورنہ یہی شک رہے گا کہ تم کسی کافرہ کو بیاہ کر لے آئے ہو۔'' ایک عورت نے منہ بنا کر کہا۔

''خالہ...... میں تم لوگوں کا شک دور کرنے کے لیے اسے تم لوگوں کے سامنے کوئی شو پیس نہیں بنا سکتا، یہ تم سب لوگوں سے اچھی مسلمان ہے اور یہ میں جانتا ہوں۔ میرے دل کی تسلی کے لیے یہی کافی ہے۔ میں تم لوگوں کی کوئی تسلی نہیں کرنا چاہتا کہ یہ کیسی مسلمان ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ کرے گا تم لوگ نہیں۔'' عبدالرحمٰن نے قدرے غصے سے

سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور آمنہ کا ہاتھ پکڑ کر سب کے درمیان سے اسے اٹھا کر کمرے میں لے جانے لگا تو ساری عورتیں منہ بنا کر اس پر تاسف کا اظہار کرنے لگیں۔

''ارے بھئی حیرت ہو رہی ہے' یہ وہی عبدالرحمٰن ہے جس نے آج تک کبھی کسی کے سامنے اونچی آواز سے بات نہیں کی تھی اور اب کیسے تڑاخ، تڑاخ جواب دے رہا تھا۔ لگتا ہے انگریز بیوی کا حسن اس پر جادو کر گیا ہے۔'' ایک عورت نے قدرے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''ارے بھیا وہ کہتے ہیں ناں...... حسن ہو تو نزاکت آ ہی جاتی ہے یہاں حسن کو دیکھ کر منہ میں زبان آ گئی ہے۔'' دوسری عورت نے بھی بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو سب ان کا مذاق انجوائے کرنے لگیں۔

''ارے بھئی اب چھوڑ بھی دو...... تم لوگوں کو تو بس کوئی موقع ملنا چاہیے۔ کسی کے پیچھے ہی پڑ جاتی ہو...... اس بیچاری کو آئے ابھی پورا دن بھی نہیں ہوا کہ تم لوگ باتیں کرنے لگی ہو، اب جاؤ میں ولیمہ کروں گی تو پھر آ کر دلہن دیکھ لینا۔'' جمیلہ نے منہ بنا کر قدرے نرمی سے کہا اور اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔

☆☆☆

آمنہ نے کمرے میں جا کر عبدالرحمٰن سے باہر ہونے والے واقعے کے متعلق دریافت کرنا چاہا مگر وہ صرف ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے کن، کن مراحل سے گزر کر اور کیسے، کیسے ریسرچ کر کے اسلام قبول کیا تھا اور وہ ان نام نہاد مسلمانوں سے کتنی اچھی اور بہتر مسلمان تھی جو اس کے اسلام کے بارے میں مشکوک ہو رہی تھیں مگر عبدالرحمٰن اسے کچھ کہہ کر افسردہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں جو اسلام اور مسلمانوں کا ایک اچھا تصور بنا ہوا تھا وہ اسے خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے اندر بہت سے وسوسے اور خدشات جنم لینے لگے کہ کہیں ان لوگوں کے رویے اسے مسلمانوں کے بارے میں بدظن ہی نہ کر دیں...... اس نے آمنہ کو گول مول جواب دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن بعد میں موقع دیکھ کر اپنی ماں کو سمجھانے لگا کہ وہ آمنہ کو ایسے لوگوں سے دور ہی رکھے۔ وہ دونوں ماں بیٹا آپس میں راز و نیاز کر رہے تھے جب اس کے دونوں بھائی اس کے پاس آئے اور دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر ان کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

''ہاں بھئی...... اب تم نے ولیمے کا کیا پروگرام بنایا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ لگے ہاتھ یہ سنت بھی ادا ہو جانی چاہیے۔ شادی تو تم وہاں خوب دھوم دھام سے منا آئے ہو۔'' اس کے بڑے بھائی عبدالوہاب نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہا۔

''ہاں وہاں پر سب مسلمانوں بھائیوں نے ہمارا بہت زبردست استقبال کیا اور بڑے اچھے طریقے سے شادی بھی ہوئی۔'' عبدالرحمٰن نے مسکرا کر بتایا۔

''بھیا تمہاری تو لاٹری نکل آئی ہے، خوب صورت بیوی بھی مل گئی، کل کو نیشنلٹی بھی مل جائے گی، تمہارا تو حال بھی سنور گیا اور مستقبل بھی سنہرا...... دکھائی دے رہا ہے۔'' اس کے دوسرے بھائی عبدالرب نے مسکرا کر کہا تو... عبدالرحمٰن نے چونک کر ایک دم اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے یہ شادی نہ تو نیشنلٹی حاصل کرنے کے لیے کی ہے اور نہ ہی اپنا مستقبل سنوارنے کے لیے۔ میں نے صرف ایک اچھی اور نیک عورت کو اپنا ہم سفر بنانے کے لیے شادی کی ہے۔'' عبدالرحمٰن نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بھیا...... تمہیں کیا معلوم کہ وہ کتنی نیک اور پاک ہے اور گورے لوگ تو ویسے بھی......'' انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑا پھر ذرا سانس لے کر بولے۔

''یہ لڑکی آج تمہیں نیک معلوم ہورہی ہے، ہمیں کیا پتا کہ اس کا ماضی کیا تھا اور پاکیزگی کے کون، کون سے ریکارڈ توڑ چکی ہے۔'' عبدالرب نے منہ بنا کر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو عبدالرحمٰن کو اس کی بات پر ایک دم غصہ آ گیا۔

''خدا کے لیے بھائی، آپ بات کرتے ہوئے اتنا تو سوچ لیں کہ اب وہ میری بیوی ہے...... میری عزت ہے...... اور کوئی بھی شوہر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی باتیں سننا پسند نہیں کرتا اور یہ آپ کی سوچ ہے کہ سارے انگریز برے ہوتے ہیں ان کی کوئی اخلاقیات نہیں ہوتیں...... لیکن میں آمنہ کو تب سے جانتا ہوں جب وہ میرے ساتھ کالج میں پڑھتی تھی۔ اس کا کسی کے ساتھ کوئی افیئر نہیں تھا۔'' عبدالرحمٰن نے خفگی سے جواب دیا۔

''اچھا، اچھا اب ان باتوں کو چھوڑو اور ولیمے کے بارے میں کچھ فیصلہ کرو۔'' عبدالوہاب نے قدرے درشت لہجے میں کہا تو دونوں خاموش ہو گئے وہ جمیلہ کے ساتھ مل کر ولیمے کے بارے میں پلان کرنے لگا۔

عبدالرحمٰن کو کمرے میں نہ پا کر ہاجرہ کی دونوں بیٹیاں فریحہ اور شبینہ اور شبنم کی بیٹی عاصمہ، آمنہ کے کمرے میں آ گئیں۔ تینوں کالج میں پڑھتی تھیں اور اپنے آپ کو تیس مار خان سمجھتی تھیں۔ وہ انگریزی اچھی طرح پڑھنا، لکھنا اور بولنا جانتی تھیں۔ تینوں نے بہت بے ڈھنگے فیشن کر رکھے تھے۔ تینوں نے انتہائی چست اور چھوٹی آستینوں والی قمیصیں پہن رکھی تھی اور دوپٹے گلے میں برائے نام جھول رہے تھے۔ جبکہ آمنہ اپنے کمرے میں مصلیٰ بچھائے نماز پڑھ رہی تھی...... تینوں نے آنکھیں مٹکا کر معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ آمنہ بہت خشوع و خضوع کے ساتھ بدستور نماز پڑھنے میں مصروف رہی۔ اس نے نماز پڑھنے میں بہت زیادہ دیر لگا دی تو وہ تینوں اکتا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''لگتا ہے، میڈم قضائے عمری ادا کر رہی ہیں۔'' فریحہ نے آمنہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا ہوگا کہ قضائے عمری کیا ہوتی ہے...... مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ ہم لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے اچھی اور نیکی مسلمان بننے کی ایکٹنگ کر رہی ہے۔'' شبینہ نے بھی منہ بنا کر کہا۔

''لیکن جو کچھ بھی ہے، ہے بہت کیوٹ......'' عاصمہ نے اس کی حمایت میں بولتے ہوئے کہا۔

''لو...... اب چچا کی طرح تم بھی اس کے متاثرین میں شامل ہو جاؤ معلوم کرتی ہوں کہ ابھی اس کا کوئی بھیا ہے تو تمہیں اس کے حوالے کر کے اسلامی اخوت کو مضبوط بناتے ہیں۔'' فریحہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو عاصمہ منہ بنا کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ آمنہ نے نماز پڑھ کر جائے نماز اٹھائی اور مسکرا کر ان کی طرف دیکھنے لگی' فریحہ اس کے ساتھ انگلش میں باتیں کرنے لگی اور اسے اردو سکھانے کے بارے میں پروگرام بنانے لگی۔ آمنہ مسکرا، مسکرا کر ان کی باتیں سنتی رہی۔

دو دن بعد اس کے ولیمے کی رسم کو بہت اہتمام سے منایا گیا۔ لڑکیوں کی سہیلیوں اور عبدالرب کے سسرالی رشتے داروں اور محلے کے سب لوگوں نے خوب ہلا گلا کیا...... بہت ڈانس بھنگڑے ڈالے گئے اور سب بہت زیادہ انجوائے کر رہے تھے۔ آمنہ دلہن بنی کام والا غرارہ سوٹ پہنے اسٹیج پر بیٹھی تھی اور انتہائی حیرت سے سب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں جب محفل عروج پر تھی تو ظہر کی اذان ہونے لگی۔ وہ اذان ہوتے ہی نماز پڑھنے کی عادی تھی۔ اس نے چونک کر سب کی طرف دیکھا مگر کچھ نہ بولی کیونکہ عبدالرحمٰن نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ نماز اور اذان کے بارے میں کسی کو نہ ٹوکے سب مسلمان ہیں اور سب اسلام کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس لیے اس کو کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور جلدی سے اپنا کام دار دوپٹا جو کہ بیوٹیشن نے بہت پنوں کے ساتھ اس کے سر پر جمایا تھا اس نے بہ مشکل اتارا اور سر پر حجاب باندھ کر غرارہ سمیت ہی واش روم میں چلی گئی۔ اور وضو کرنے لگی آنکھوں پر لگا مسکارا اور آئی شیڈوز سب بری طرح پھیل گئے۔ اتنے زیادہ پیسے دے کر اسے پارلر سے تیار کروایا گیا

تھا اور ابھی اسے اسٹیج پر بیٹھے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس نے وضو کر کے سارے میک اپ کو خراب کر دیا تھا بلکہ مسکارے کی ساری کالک آنکھوں کے اردگرد پھیل چکی تھی۔ وہ سخت پریشان تھی کہ اتنا گہرا میک اپ آپ کیسے چھڑائے اس نے جلدی، جلدی لوشن اور روئی کی مدد سے چہرہ صاف کیا۔ دوبارہ وضو کیا اور نماز پڑھنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ لوگ باہر منتظر بیٹھے تھے اور بار، بار اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے کہ دلہن کہاں گئی ہے۔

''نماز پڑھنے...... اب دنیا کو دکھانا بھی تو ہے کہ وہ بڑی پکی مسلمان ہوئی ہے تاکہ کسی کو اس کے اسلام کے بارے میں کوئی شک نہیں رہے۔'' ہاجرہ نے ایک مہمان خاتون کو منہ بنا کر قدرے طنزیہ انداز میں بتایا تو وہ عورت بھی اس کی بات سن کر حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے منہ بنانے لگی۔

''اوہو...... آج کے دن تو وہ اپنے اسلام کا اتنا دکھاوا نہ کرتی تو کیا فرق پڑ جاتا...... مگر یہ انگریز عورتیں بھی خوب سرپھری ہوتی ہیں۔ جو دل میں آئے وہی کرتی ہیں۔ تم لوگوں کو ہی اس کو کچھ سمجھانا چاہیے تھا اگر نماز لیٹ پڑھ لیتی تو کیا فرق پڑ جانا تھا۔'' اس عورت نے خفگی سے منہ بنا کر جواب دیا۔

''ارے نہ بابا...... نہ بابا...... ہم تو اس کے اسلام کو نہیں چھیڑتے، اس کا میاں تو ہمارے گلے کو ہی آ جاتا ہے۔ پہلے تو بھیا کے منہ میں زبان نہیں تھی۔ اب جورو کو دیکھ کر تو زبان رکنے کو نہیں آتی۔ دو دن میں ہی اس نے ایسا بدل کر رکھ دیا ہے کہ وہ پہلے جیسا عبدالرحمٰن معلوم ہی نہیں ہوتا۔'' ہاجرہ نے منہ بنا کر کہا۔ اتنی دیر میں اور خواتین بھی اکٹھی ہونے لگیں اور ہر طرف شور ہونے لگا کہ دلہن کہاں ہے، اسے تو بلاؤ...... جمیلہ نے شبنم اور فریحہ کو اسے لانے کو کہا اور جب وہ اس کے کمرے میں گئیں تو وہ نماز سے فارغ ہو کر جائے نماز لپیٹ رہی تھی۔ اس کا سارا میک اپ دھل چکا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ شبنم نے تو اسے دیکھ کر انتہائی حیرت اور خفگی سے چیخ ماری۔

''ارے، ارے یہ تم نے کیا کر دیا...... سارے مہمانوں کے سامنے کیا اب اس منہ کے ساتھ جاؤ گی؟'' شبنم نے قدرے غصے سے کہا مگر آمنہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تو فریحہ نے آگے بڑھ کر اسے انگلش میں کہا کہ اس نے یہ سب کیا، کیا ہے تو وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا نماز پڑھنے سے میک اپ زیادہ ضروری ہے؟'' آمنہ نے حیرت سے کہا تو فریحہ اسے دیکھ کر گہری سانس لے کر خاموش ہوگئی۔ اور خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ارے فریحہ...... تم ہی اس کا کچھ چہرہ ٹھیک کرو...... باہر مہمان آئے بیٹھے ہیں، لوگ باتیں تو ہمیں ہی سنائیں گے، اس کو کیا خاک سمجھ آنی ہے جو اس پر ان باتوں کا کچھ اثر ہوگا۔'' شبنم نے خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے فریحہ کو کہا تو فریحہ اس کا پھر سے میک اپ کر کے دوپٹا سیٹ کر کے باہر لائی اور باہر لا کر اسے اسٹیج پر بٹھایا تو تمام خواتین اسے دیکھ کر باتیں کرنے لگیں۔

''دلہن کو تو کسی نے ڈھنگ سے تیار ہی نہیں کیا۔'' جمیلہ کو بھی اسے دیکھ کر بہت رنج ہوا کہ اتنے ہزار کا میک اپ اس نے ایک منٹ میں دھو ڈالا۔ ہاجرہ اور شبنم اسے دیکھ، دیکھ کر علیحدہ کڑھ رہی تھیں مگر آمنہ بہت مطمئن بیٹھی تھی کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا...... اسی بدمزگی میں ولیمے کی رسم ختم ہوگئی۔ رات کو سب بیٹھے عبدالرحمٰن کو خوب باتیں سنا رہے تھے اور آمنہ کے اسلام اور اس کی مسلمانیت پر خوب تنقید کر رہے تھے۔

''بھیا...... ہم لوگ بھی مسلمان ہیں...... اب یہ کیا کہ ہر وقت اسلام کا ڈھول گلے میں ڈال کر اسے پیٹتے رہیں اور ساری دنیا کو بتاتے رہیں کہ ہم سے تو اچھا اور پکا مسلمان کوئی ہے ہی نہیں...... آخر...... دنیا داری اور اونچ نیچ کا کچھ خیال رکھنا چاہیے، اب تم ہی اسے سمجھاؤ...... اتنا اسلامی بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اتنے مہنگے میک اپ کا ستیاناس کر دیا...... اوپر سے خاندان بھر میں باتیں الگ ہوئیں۔'' اس کے بڑے بھائی عبدالوہاب اور ہاجرہ نے

قدرے خفگی سے کہا تو وہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔

''اور نہیں تو کیا..... آج کتنی شرمندگی ہوئی ہے جب سب پوچھ رہے تھے کہ اسٹیج خالی ہے دلہن کہاں چلی گئی۔ پتا چلا کہ دلہن صاحبہ نماز پڑھنے گئی ہیں تو سب طنزیہ انداز میں مسکرا، مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔'' شبنم نے منہ بنا کر کہا تو عبدالرحمٰن کو غصہ آ گیا۔

''وہ نماز پڑھنے ہی گئی تھی اور نماز پڑھنا کوئی برا فعل نہیں جس پر آپ لوگ یوں خفا ہو رہے ہیں۔ غیر مسلم لوگ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر جب مسلمان ہوتے ہیں تو انہیں آپ جیسے لوگوں کے رویے ہی اسلام سے متنفر کر دیتے ہیں۔ وہ تو اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اب میں اسے کیا یہ کہہ کر روکوں کہ اسلام پر عمل کرنے والے کو ہماری سوسائٹی قبول نہیں کرتی...... اس کے اعمال کو دکھاوا سمجھا جاتا ہے۔ اس کی باتوں کو مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا اسلام اور مسلمانیت دوسرے لوگوں سے ہضم نہیں ہوتی۔ اس نے تو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بہت اونچے تصورات ذہن میں بنا رکھے ہیں...... آپ ہی بتایئے میں اسے کیا کچھ کہہ کر روکوں؟'' عبدالرحمٰن ایک دم غصے سے پھٹ پڑا تو سب منہ بنا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆

فریحہ اور شبینہ نے آہستہ، آہستہ آمنہ کو اردو بولنا اور سمجھنا سکھا دیا تھا۔ یوں وہ کافی حد تک بات سمجھ جاتی تھی اور کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بولنے کی بھی کوشش کرتی۔ عبدالرحمٰن اپنے آرٹ اسکول میں کافی بزی رہتا اور آمنہ گھر میں جمیلہ، ہاجرہ اور شبنم کے ساتھ مصروف رہتی۔ وہ جمیلہ کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی تو ہاجرہ اور شبنم کو سخت ناگوار گزرتا کہ اسے آئے ہوئے ابھی چند دن ہوئے ہیں اور وہ گھر کی مالکن بننے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ انہوں نے تو کبھی ساس کے کہنے پر بھی کوئی کام نہیں کیا تھا۔ جب دل چاہتا تو اپنی مرضی سے کام کرتیں۔ ورنہ ساس خود ہی کچن میں مصروف رہتیں۔ جمیلہ بیگم ابھی خود صحت مند تھیں اور کام کرتے نہ تھکتی تھیں ان کے ساتھ، ساتھ ملازمہ بھی کام کرتی تھی۔ آمنہ کو اتنے کام تو نہ آتے تھے مگر وہ پھر بھی سارا وقت ان کے ساتھ کچن میں چھوٹے، چھوٹے کاموں میں مصروف رہتی۔ ان باتوں سے جمیلہ کے دل میں آمنہ کے لیے بہت محبت پیدا ہونے لگی تھی...... اور جب جمیلہ اس کی حمایت میں بولتیں یا کسی مہمان کے سامنے اس کی تعریفیں کرتیں تو وہ دونوں ناک منہ چڑھا کر ایک دوسرے کو دیکھتی ہوئی وہاں سے اٹھ جاتیں۔ آہستہ، آہستہ انہوں نے باقاعدہ طور پر آمنہ کے خلاف محاذ بنا لیا تھا۔ جس سے آمنہ بالکل بے خبر تھی۔ وہ تو ہر ایک کے ساتھ بہت محبت سے پیش آنے کی کوشش کرتی مگر ان دونوں کے دلوں میں اس کے لیے کدورت بڑھتی جا رہی تھی۔ جس کا اظہار وہ گاہے بہ گاہے اپنے، اپنے شوہروں کے سامنے کرتی رہتیں۔ عبدالوہاب قدرے سنجیدہ مزاج انسان تھا اور ویسے بھی گھر کا بڑا ہونے کے ناتے وہ مسائل کو الجھانے کے بجائے سلجھانے کی کوشش کرتا...... ہاجرہ جب اس کے کان بھرتی تو وہ نرمی سے اسے سمجھاتا کہ وہ ان باتوں کو ایشو مت بنائے۔ آمنہ یہاں مہمان بن کر آئی ہے جتنا عرصہ وہ یہاں رہے، اس کے ساتھ محبت سے پیش آؤ تاکہ وہ اس وقت کو ہمیشہ یاد کرے...... مگر ہاجرہ اس پر الٹا برس پڑتی کہ وہ خواہ مخواہ اس کی حمایت کر رہا ہے۔

''تمہیں کیا پتا وہ کوئی مہمان بن کر نہیں آئی بلکہ وہ تو اس گھر کی مالکن بننے کے منصوبے بنا کر آئی ہے۔'' ہاجرہ کی اس بات پر عبدالوہاب غصے میں آ جاتا اور اسے ڈانٹنے لگتا۔ اس پر ہاجرہ اور چڑ جاتی۔

''ہاں بھئی اپنے بھائی کی طرح تم بھی آمنہ کی گوری چمڑی والی شکل صورت پر مرنے لگے ہو۔'' عبدالوہاب کو اس کی جاہلانہ باتیں سن کر بے انتہا غصہ آتا اور وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا باہر چلا جاتا اور ہاجرہ غصے میں بڑبڑاتی رہ جاتی۔

عبدالوہاب شوقین مزاج اور دل پھینک طبیعت کا مالک تھا۔ وہ تو پہلے ہی آمنہ کو بھرپور نظروں سے دیکھنے کا

عادی تھا اور گا ہے بہ گا ہے شبنم کے سامنے عبدالرحمٰن کی خوش قسمتی کے قصیدے پڑھتا کہ عبدالرحمٰن کتنا خوش نصیب ہے کہ اتنی خوب صورت اور خوب سیرت بیوی اسے ملی ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ بھی باہر کے ملک جا کر کوئی میم لے کے آئے۔ شبنم پہلے ہی معمولی شکل صورت کی تھی مگر فیشن وہ بہتیرے کرتی ہر وقت اس کا چہرہ میک سے اٹا رہتا۔ وہ اپنی کم صورتی کو میک اپ کی رنگ برنگی شیڈز سے کور کرنے کی کوشش کرتی مگر پھر بھی آمنہ کے سامنے اپنے آپ کو کمتر محسوس کرتی تھی اور جب عبدالرب، آمنہ کے حسن اور سادگی کی تعریفیں کرتا تو وہ مزید کامپلیکس میں آ جاتی۔ وقتی طور پر تو وہ عبدالرب کے ساتھ لڑ جھگڑ کر اسے خاموش کرا دیتی مگر اندر ہی اندر آمنہ سے جلتی رہتی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کس طرح آمنہ کو گھر سے باہر نکال پھینکے اور یہی احساسات ہاجرہ کے بھی تھے۔ دونوں بیٹھ کر اس کے خلاف... چہ مگوئیاں کرتیں اور اس کے وہاں سے جانے کے لیے خوب دعائیں کرتیں۔

''بھابی...... خدا کے لیے کچھ ایسا کرو...... یہ بلا یہاں سے چلی جائے۔ ورنہ ہم اپنے گھروں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گی اور گھر والوں سے بھی...... ہر بندہ اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتا...... اماں کو دیکھو کیسی اس کی محبت میں پاگل ہو رہی ہیں...... انہیں ہم تو دکھائی ہی نہیں دیتیں...... عبدالرب الگ دیوانہ بنا بیٹھا ہے۔'' نادانستہ شبنم کے منہ سے نکلا تو ہاجرہ نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

''ہیں...... واقعی......'' ہاجرہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''اوہ ہاں...... مطلب ایسے ہی...... میرے منہ سے نکل گیا۔'' اس نے بوکھلا کر بات چھپانے کی کوشش کی۔

''مجھے تو پہلے ہی عبدالرب پر شک تھا۔ کئی بار میں نے خود اسے آمنہ کو گھورتے دیکھا، میں بھی شاید یہ میرا وہم ہے مگر اب یقین ہو گیا ہے۔'' ہاجرہ نے آہستہ سے کہا تو شبنم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

''بھابی خود سوچو...... جس عورت کا شوہر اس کے سامنے دوسری عورت کی شان میں قصیدے پڑھتا ہو...... اس کی خوب صورتی پر مرتا ہو تو اس عورت کے دل کی بھلا کیا حالت ہو گی۔ میں تو بہت بڑی آزمائش میں سے گزر رہی ہوں۔ جسے صرف میں ہی جانتی ہوں اور میرا دل۔'' شبنم نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... میں تمہارے دل کی حالت کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں پر کیا کروں......؟ عبدالوہاب بھی اس کی حمایت میں بولتا ہے۔'' ہاجرہ نے پُرتاسف لہجے میں کہا۔

''کیا...... وہ...... بھی؟'' شبنم حیرت سے چلائی۔

''ارے نہیں، وہ ہمدردی میں بولتا ہے، محبت تو وہ مجھ سے ہی کرتا ہے۔'' ہاجرہ نے معنی خیز انداز میں آنکھیں مٹکائیں۔

''ہاں، پہلے سب ہمدردی کرتے ہیں...... پھر ہمدردی، محبت میں بدلنے لگتی ہے۔ بھابی یہ لڑکی ایک سال یہاں رہی تو سمجھو میں اور تم اس گھر سے فارغ...... ابھی سے کچھ کر لو...... خدا کے لیے...... ورنہ ہم دونوں کہیں کے نہیں رہیں گے۔'' شبنم نے سر پر ہاتھ رکھ کر دہائی دیتے ہوئے کہا تو ہاجرہ نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

''ہاں...... اب کچھ کرنا ہی پڑے گا...... سن...... یہاں پیر صاحب کی جو درگاہ ہے۔ وہاں جا کر جو بھی منت مانگیں ضرور پوری ہوتی ہے، آج جمعرات بھی ہے، چل وہاں جا کر ہم دعا کرتے ہیں۔'' ہاجرہ نے رائے دی تو شبنم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''نہیں، میں نے ایک بار وہاں جا کر منت مانی تھی، وہ پوری نہیں ہوئی تو پھر میں کبھی نہیں گئی۔'' شبنم نے منہ بنا کر کہا۔

''تم نے نہ جانے کیسے دعا کی ہو گی۔ میں نے تو آج تک جتنی دعائیں کی ہیں اور منتیں مانی ہیں، سب پوری ہوئی ہیں۔ تم میرے ساتھ چلنا...... دیکھتی ہوں اب کی بار کیسے منت پوری نہیں ہو گی۔'' ہاجرہ نے قدرے رعب سے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر سہ پہر میں ہی چلتے ہیں۔ عبدالرب اور عبدالوہاب کو اس بات کی خبر نہ ہونے دینا...... خواہ مخواہ پیچھے پڑ جائیں گے کہ درگاہوں پر اکیلی کیا کرنے گئی تھیں۔'' ہاجرہ نے منہ بنا کر کہا۔

''ٹھیک ہے، میں تیاری کرتی ہوں۔'' شبنم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

آمنہ کچن میں جمیلہ کے ساتھ مصروف تھی اور ان سے روٹی بنانا سیکھ رہی تھی۔ وہ بار، بار روٹی کو خراب کرتی پھر اس کا پیڑا بناتی۔ پھر روٹی بیلتی...... جمیلہ اس کو دیکھ، دیکھ کر ہنس رہی تھیں اور آمنہ منہ بنا کر پھر روٹی بنانے لگتی۔ بالآخر اس نے چھوٹی سی روٹی بنائی جو نہ گول تھی نہ چوکور اور نہ ہی مثلث مگر جمیلہ نے اسے بہت سراہا اور اس کی حوصلہ افزائی کی اور مسکرا کر اس کے سر پر پیار دینے لگیں۔

''تم فکر نہیں کرو...... واپس جانے تک تم بہت اچھی روٹی بنانی سیکھ لوگی۔'' جمیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''واپس...... کہاں......؟'' آمنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''اپنے ملک...... جرمنی......'' جمیلہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر سوچتے ہوئے کہا۔

''جرمنی، واپس......؟ نہیں اماں، میں اب ہمیشہ تمہارے پاس یہاں رہوں گی۔'' آمنہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسی لمحے ہاجرہ اور شبنم برقع پہنے کچن میں آئیں اور دونوں نے آمنہ کی بات سن کر ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا اور منہ بنانے لگیں۔

''خیر ہے...... آج تم دونوں اکٹھی کہاں جا رہی ہو؟'' جمیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

''اماں...... ہم پیر صاحب کی درگاہ شریف پر جا رہے ہیں۔'' ہاجرہ نے تنک کر جواب دیا۔

''کیوں...... کون سی آفت آن پڑی ہے کہ تم دونوں اکٹھی جا رہی ہو؟'' جمیلہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

''اماں...... تم تو کھوج میں ہی پڑ جاتی ہو...... جا رہے ہیں، کوئی مسئلہ ہی ہے ناں...... مگر نہ بھیا...... یہاں تو تفتیش مکمل کراؤ، پھر کہیں جاؤ......'' ہاجرہ نے خفگی سے کہا۔

''ارے ہاجو، کاہے کو بگڑ رہی ہو، جاؤ بھئی جاؤ، میں کون ہوتی ہوں روکنے والی یا کچھ کہنے والی......'' جمیلہ نے منہ بنا کر کہا اور دونوں واپس مڑنے لگیں تو آمنہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''مجھے بھی تم لوگوں کے ساتھ جانا ہے۔'' آمنہ اچانک بولی تو دونوں نے حیرت سے گھور کر اسے دیکھا۔

''کہاں......؟'' ہاجرہ نے خفگی سے پوچھا۔

''جہاں تم دونوں جا رہی ہو، میں یہاں کی سب جگہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔'' آمنہ نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں...... بیٹی چلی جاؤ۔ بیچاری سارا دن گھر میں ہی بند رہتی ہے جاؤ، بیٹی چلی جاؤ۔'' جمیلہ نے مسکرا کر آمنہ کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے کہا تو دونوں کے چہروں پر انتہائی غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

''میں ابھی اپنا حجاب لے کر آتی ہوں۔'' آمنہ نے جلدی سے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے کہا تو دونوں غصے سے نتھنے پھیلانے لگیں۔

''وہاں کتنا ہجوم ہوتا ہے، اتنی بھیڑ میں اسے کچھ ہو گیا کہیں گم ہو گئی تو......؟'' شبنم غصے سے ساس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''آئے، ہائے ساری دنیا جاتی ہے، ایک اس نے ہی بھیڑ میں گم ہونا ہے اور اس کے جانے کا سن کر تم دونوں کے چہرے پر پیلیا کیوں پڑ گیا ہے۔ درگاہ جا رہی ہو...... یا پھر کہیں اور......؟'' جمیلہ نے منہ بنا کر معنی خیز انداز میں پوچھا تو دونوں انہیں غصے سے گھور کر رہ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد آمنہ حجاب لپیٹ کر باہر آ گئی اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف غصے اور بے بسی سے دیکھنے لگیں۔

''چلو، اب جاؤ اور سنو..... آمنہ کا خاص خیال رکھنا۔ یہ یہاں نئی نئی ہے.....اور سنو..... مغرب سے پہلے گھر آ جانا..... تینوں لڑکے گھر آ گئے تو میں سب کو سمجھانے سے رہی۔'' جمیلہ نے انہیں ہدایت دیتے ہوئے کہا تو وہ منہ بنا کر اس کے ہمراہ باہر چلی گئیں۔

درگاہ پر لوگوں کا کافی رش تھا اور لوگ جوق در جوق درگاہ پر حاضری کے لیے آ رہے تھے اور مزار پر پھول اور چادریں چڑھا رہے تھے۔ آمنہ، شبنم اور ہاجرہ کے ساتھ درگاہ میں داخل ہوئی تو ہاجرہ نے انتہائی عقیدت سے درگاہ پر ماتھا ٹیکنا شروع کر دیا۔ مزار کو چومنے لگی۔ اس کی چادر کو آنکھوں سے لگاتے ہوئے پھر سجدہ کرنے لگی۔ آمنہ حیرت سے اس کی طرف دیکھے گئی اور کچھ پریشان سی ہونے لگی۔ شبنم نے بھی جب سجدہ کرنا شروع کیا تو اس نے ایک دم شبنم کو پیچھے ہٹایا۔

''یہ..... یہ تم کیا کر رہی ہو..... کیا تم اسے سجدہ کر رہی ہو؟ یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔'' آمنہ قدرے بلند آواز سے چلائی تو سب لوگ حیرت اور غصے سے اسے دیکھنے لگے۔ شبنم کا تو خون ہی کھولنے لگا۔

''یہاں آئی ہو تو چپ چاپ کھڑی رہو۔ ورنہ باہر چلی جاؤ۔'' اس نے آمنہ کا بازو قدرے مروڑتے ہوئے کہا تو وہ گھبرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں، جاؤ، باہر جا کر بیٹھو.....'' ہاجرہ نے بھی غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ منہ بناتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''کافر..... کبھی مسلمان نہیں ہو سکتے..... ہونہہ..... آئی بڑی نیکوکار.....'' شبنم غصے سے بولی۔

''سارے موڈ کا بیڑا غرق کر دیا..... پیر صاحب..... آپ نے اب خود اپنی آنکھوں سے اس بدبخت کو دیکھ لیا ہے..... یہ آپ کی ہستی کی بے ادبی کرنے سے باز نہیں آئی تو ہمارے ساتھ کیا کرتی ہوگی۔ یہ بھی دیکھ لیں۔ سرکار کسی طرح اس مصیبت کو ہمارے گلے سے اتاریں، ہم سخت تنگ پڑے ہیں۔'' ہاجرہ نے ہاتھ جوڑ کر دعا کرتے ہوئے کہا اور زبردستی آنکھوں میں آنسو لانے لگی۔

''ہاں، سرکار..... میرا تو شوہر بھی ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے..... اس چڑیل کو ہمارے گھر سے نکال دیں۔ گھی کے چراغ جلاؤں گی، آپ کی درگارہ پر..... اور میٹھے چاول کی نیاز بھی دوں گی۔'' شبنم نے گڑگڑا کر روتے ہوئے التجا کی اور جب وہ درگارہ پر پیسے ڈال کر باہر آئیں تو آمنہ انہیں کہیں دکھائی نہیں دی۔ دونوں پریشان ہونے لگیں۔

''بھابی وہ مصیبت کہاں چلی گئی، مغرب کا وقت ہو رہا ہے، اماں نے جلدی آنے کو کہا تھا۔'' شبنم نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا تو ہاجرہ بھی پریشان ہونے لگی۔

''چلو..... اسے ڈھونڈتے ہیں۔'' ہاجرہ نے کہا اور دونوں پریشان اور بدحواس ہو کر اسے اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگیں۔

ایک جانب نیاز کے چاول بانٹے جا رہے تھے اور لوگ تبرک لینے کے لیے ایک دوسرے پر پل رہے تھے۔ آمنہ انہیں حیرت سے دیکھتی ہوئی خود بھی وہاں چلی گئی۔ جب ہجوم قدرے کم ہوا تو ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں کاغذ پر گرم چاول رکھ کر اسے پکڑانے چاہے وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی تو آدمی نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑنا چاہا تو اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیچھے ہٹایا تو آدمی کے ہاتھ میں پکڑے چاول نیچے گر گئے۔

''یہ..... یہ تو نے کیا کر دیا..... کتنا بڑا گناہ کیا ہے..... تبرک کو نیچے گرا دیا۔ خدا کی پناہ..... تجھے خدا غارت کرے۔'' آدمی غصے سے بولا تو وہاں موجود لوگ بھی اسے برا بھلا کہنے لگے۔ آمنہ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔۔ ہاجرہ اور شبنم گھبرائی ہوئی وہاں تک آئیں تو آمنہ کو وہاں دیکھ کر چونکیں۔

''تم..... یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟'' ہاجرہ نے گھبرا کر آمنہ سے پوچھا۔

''کیا یہ تمہارے ساتھ آئی ہے؟ اگر اسے ساتھ ہی لانا تھا تو درگارہ کے آداب تو سکھا کر لائیں۔ بد بخت نے تبرک کے چاول نیچے گرا دیے ہیں۔'' اس آدمی نے غصے سے کہا تو دونوں گھبرا کر اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ، توبہ کرنے لگیں۔

''اللہ معاف کرے..... اتنا بڑا گناہ..... توبہ..... توبہ۔'' دونوں نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے کہا تو وہ گھبرا گئی۔

''گناہ.....؟ میں نے کیا گناہ کیا ہے؟'' آمنہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''تم نے تبرک کے چاول نیچے کیوں گرا دیے؟'' ہاجرہ نے غصے سے پوچھا۔

''وہ کیا ہوتا ہے.....؟'' اس نے حیرت سے پوچھا تو وہ دونوں بوکھلا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''لو..... جس کو تبرک کا ہی نہیں پتا..... اسے درگاہ پر لے آئیں۔ ارے بی بی..... یہ نیاز کے چاول ہیں، اللہ کے نام پر پیر صاحب کی درگاہ پر بانٹے جاتے ہیں۔'' اس آدمی نے کہا۔

''کیوں.....؟'' آمنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''لو..... اب اس کا جواب بھی میں دوں..... جاؤ بی بی اسے گھر لے جاؤ، ایسے شو پیس کو گھر میں ہی رکھو تو بہتر ہے۔'' وہ آدمی خفگی سے بولا۔

''چلو..... آمنہ، یہاں سے، گھر چلو۔'' ہاجرہ نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا تو وہ دونوں اسے لے کر درگاہ سے باہر نکلیں۔

''اب گھر جا کر اللہ سے معافی مانگنا، توبہ کرنا..... جو گناہ تم نے کیا ہے۔'' شبنم نے خفگی سے اسے کہا۔

''گناہ میں نے نہیں..... اس آدمی نے کیا ہے، اس نے میرے ہاتھ کو چھونے کی کوشش کی تھی اور اسلام میں غیر مرد کا کسی غیر عورت کو چھونا جائز نہیں.....'' وہ خفگی سے بولی تو دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

'لو بھیا..... پہلے گھر کے مرد کم تھے جواب بی بی رانی پر باہر کی دنیا بھی لٹو ہونے لگی ہے۔ اللہ کی پناہ..... نہ جانے اس حسن کا جادو کس، کس پر چلے گا؟'' شبنم نے سرگوشی کی۔

''سن..... اگر اس نے گھر میں یہ بات کہہ دی تو ہمارے شامت آجائے گی..... پھر گھر سے نکلنا بند..... اس کو ہم نے اپنے ساتھ لا کر بہت بڑی غلطی کی ہے، اب تو ہی اسے کچھ سمجھا۔'' ہاجرہ نے بوکھلا کر کہا۔

''ہجوم میں ایسا ہی ہوتا ہے، غلطی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ٹکرا ہی جاتے ہیں۔ اس بات کو دوسروں سے نہیں کہتے..... لوگ غلط مطلب سمجھ لیتے ہیں..... تم بھی گھر جا کر کسی سے مت کہنا..... عبدالرحمٰن سے بھی نہیں۔'' شبنم نے لہجے کو نرم کر کے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''او کے.....'' وہ کہہ کر خاموش ہو گئی لیکن شبنم اور ہاجرہ کے دل اندر ہی اندر خوفزدہ ہونے لگے۔ مغرب کی اذان سے پہلے ہی وہ گھر پہنچیں تو جمیلہ صحن میں تخت پر بیٹھی چھالیا کتر رہی تھیں۔ پاندان ان کے سامنے کھلا پڑا تھا۔ تینوں کو آتے دیکھ کر وہ خوش ہو گئیں۔

''اچھا کیا..... مغرب سے پہلے ہی لوٹ آئیں..... ابھی سب لوگ آنے ہی والے ہیں۔'' جمیلہ نے کہا تو آمنہ قدرے تھکے ہوئے انداز میں اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''اور سناؤ، بیٹی..... تمہیں درگاہ پر جانا کیسا لگا؟'' جمیلہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''بہت برا.....'' آمنہ نے منہ بنا کر جواب دیا تو تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیوں.....؟'' جمیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

''لوگ وہاں ایک قبر کو سجدہ کر رہے تھے..... اسلام میں، اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور بہت سے لوگ وہاں پر گناہ کر رہے تھے۔ کیا ان کو اس بات کا پتا نہیں۔'' آمنہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''ارے بی بی، سب مسلمان ہیں، تم سے زیادہ اسلام کو جانتے ہیں۔ دو دن ہوئے ہیں کلمہ سیکھے ہوئے..... لگی

ہیں اسلام کو تو لے.....'' ہاجرہ غصے سے بڑبڑائی تو اسی لمحے گھر کے تینوں مرد ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔

''اب کوئی ایسی ویسی بات نہ کرے، جاؤ سب اپنے، اپنے کمروں میں۔'' جمیلہ نے کہا تو سب اٹھ کر اپنے، اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ تینوں لڑکے ماں کے پاس کچھ دیر بیٹھے اور پھر اپنے، اپنے کمروں میں چلے گئے .... عبدالرحمٰن کمرے میں آیا تو آمنہ قدرے پریشان بیڈ پر بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا...... بہت اداس لگ رہی ہو؟'' عبدالرحمٰن نے اس کے قریب بیٹھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... عبدالرحمٰن...... میں بہت اداس اور الجھی ہوئی ہوں۔'' آمنہ نے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

''کیوں...... کیا ہو گیا؟'' عبدالرحمٰن نے مسکرا کر پوچھا۔

''عبدالرحمٰن میں نے اسلام کو صرف اس لیے قبول کیا...... کیونکہ اس کے concept of God نے مجھے بہت اٹریکٹ کیا...... اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں...... کوئی ہمسر نہیں...... وہ سب سے بڑا ہے۔ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کے ہاتھ میں ہے...... اس لیے عبادت، نماز، روزہ، سجدہ، سب کچھ اسی کو جائز ہے۔ کسی اور کی عبادت کرنا اور اسے سجدہ کرنا حرام ہے۔ بہت بڑا گناہ ہے، اتنا سمپل اور صاف ستھرا تصور مجھے کسی اور مذہب میں نہیں ملا...... مگر......'' وہ کہتے ہوئے رکی اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''مگر کیا......؟'' عبدالرحمٰن نے چونک کر پوچھا۔

''میں آج ایک درگاہ پر گئی تھی...... اور وہاں لوگ قبر کو سجدہ کر رہے تھے۔ دعائیں مانگ رہے تھے...... مرد اور عورتیں چاول لینے کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔ عبدالرحمٰن یہ سب کیا ہے...... کیا اسلام میں بھی وہ سب کچھ ہے جو دوسرے مذاہب میں ہے...... یہ سوچ کر میرا دل بہت پریشان ہونے لگا ہے۔'' آمنہ کہہ کر سسکنے لگی۔

''اسلام میں کوئی جھول نہیں اور نہ اس کی تعلیمات مبہم ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اسلام میں بدعتیں بھی ہیں جو لوگوں نے عقیدت اور محبت کے نام پر اپنے پاس سے نئی، نئی باتیں گھڑ لی ہیں۔ اور ہر بدعت یعنی نئی راہ گمراہی ہے...... تم اپنے دل کو مطمئن رکھو...... مسلمانوں میں بہت سی خرابیاں اور گمراہیاں ہو سکتی ہیں لیکن دین اسلام میں خرابی نہیں ہو سکتی...... اگر اسلام میں خرابی ہوتی...... تو اسلام پھیلنے کے بجائے سکڑ کر ختم ہو جاتا...... کیا تم نے اسلام میں کوئی خرابی دیکھی ہے؟ اس کی تعلیمات میں کہیں کوئی flaw (کمزور پہلو) نظر آیا ہے؟'' عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

''نہیں......'' اس نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا

''تو پھر تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟'' عبدالرحمٰن نے مسکرا کر پوچھا۔

''سب لوگ مسلمان ہو کر بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ دیکھو سب لوگ نماز بھی نہیں پڑھتے...... جھوٹ بھی بولتے ہیں، آپس میں جھگڑتے بھی ہیں۔ ایک دوسرے کی برائیاں بھی کرتے ہیں۔ لڑکیاں حجاب بھی نہیں کرتیں...... غیر مردوں سے بے تکلف ہو کر باتیں کرتی ہیں...... عبدالرحمٰن میں ان لوگوں کو دیکھ کر بہت الجھنے لگی ہوں۔ یہ سب ایسا کیوں کرتے ہیں، کیا ان کے لیے اسلام کی باتوں اور احکامات پر عمل کرنا مشکل ہے......؟'' آمنہ نے جھنجلا کر پوچھا۔

''اگر تم converted مسلم ہو کر اسلام کی تعلیمات پر آسانی سے عمل کر سکتی ہو تو ان کے لیے بھی عمل کرنا مشکل نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انہیں اسلام جیسی عظیم نعمت کی قدر ہی نہیں...... تم نے جس طویل عمل سے گزر کر اسلام قبول کیا ہے انہیں تو اس آزمائش کا اندازہ ہی نہیں...... یہ سب نسلی مسلمان ہیں کیونکہ ان کے باپ، دادا مسلمان تھے۔ اسلام ان کو ورثے میں ملا ہے۔ ان کے دلوں میں اسلام، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے محبت تو ضرور ہے مگر محبت کی بنیاد کیا ہے۔ یہ اس سے اصل میں بے بہرہ ہیں...... ان کے لیے اسلام محض عقائد کا نام ہے مگر نو مسلموں کے

لیے یہ اللہ کی سب سے بڑی عطا ہے۔ یہاں تو سب کو اسلام سے زیادہ اپنے سوشل کلچر اور خاندانی روایات کی فکر ہوتی ہے۔ لوگ کیا کہتے ہیں اور کیا کہیں گے...... اس بات کی زیادہ ٹینشن ہوتی ہے...... بہ نسبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے...... ہر روز ہر گھر میں نہ جانے اسلام کے احکامات کی کتنی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں...... کتنی حدود توڑی جاتی ہیں، کبھی کسی کو دھچکا نہیں لگتا...... کسی کو فکر نہیں ہوتی...... کسی کو کوئی دکھ نہیں ہوتا...... اللہ اور رسول کی بتائی گئی کسی بات کو جھٹلا کر انہیں رونا نہیں آتا مگر کسی انسان یعنی رشتے دار کی کہی ہوئی بات کو دل سے لگا کر خوب رویا جاتا ہے...... آمنہ، تمہیں ہر جگہ کم و بیش ایسے ہی مسلمان ملیں گے، کہیں بھی کوئی بھی پرفیکٹ نہیں...... تم ان سب کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو، اگر سوچو تو صرف اسلام کے بارے میں...... اور اپنے بارے میں...... کہ تم اسلام کے احکامات پر مکمل عمل کر رہی ہو یا نہیں؟'' عبدالرحمٰن نے اس کی الجھن دور کرنے کی اچھی خاصی کوشش کر ڈالی۔

''عبدالرحمٰن، مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو...... کیا تم پرافٹ آف اسلام حضرت محمد ﷺ کی حدیث بھول گئے ہو کہ برائی دیکھو تو اسے روکنے کی کوشش کرو...... اور تم مجھے صرف اپنے اسلام کی حفاظت کرنے کو کہہ رہے ہو...... جب میں کرسچن تھی تو مجھے صرف اپنے آپ سے غرض ہوتی تھی، مجھے یہ بھی فکر نہیں ہوتی تھی کہ میری ماں کرسچن ہے یا نہیں...... وہ عیسائیت پر عمل کرتی ہے یا نہیں...... سب چرچ جاتے تھے اور prayer کر کے آجاتے تھے۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں ہوتی تھی مگر جب سے میں مسلم ہوئی ہوں تو نہ جانے کیا ہو گیا ہے کہ میں جب کسی کو اسلام کے خلاف عمل کرتے دیکھتی ہوں تو پریشان ہو جاتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ سب اسلامی اصولوں پر عمل کریں...... اس میں سب کے لیے کامیابی ہے...... معلوم نہیں میں کیوں دوسروں کے بارے میں اتنی جذباتی ہو کر سوچنے لگی ہوں...... مجھے اپنے ساتھ، ساتھ دوسروں کی فکر کیوں رہنے لگی ہے؟'' آمنہ نے ایک آہ بھر کر کہا تو عبدالرحمٰن مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

''this is the true spirit of Islam اس کا مطلب ہی ساری دنیا کے لیے امن اور سلامتی ہے۔ اور یہ تم جیسے سچے مسلمانوں کے دل و دماغ کو جب اپنے سحر میں جکڑتا ہے تو ان کی روحوں میں ایسا ہی احساس بھر دیتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اور سب بھی اسی احساس سے سرشار ہوں...... اور وہ احساس...... حقیقت میں اسلام کی انتہائی عظمت کی قدر دانی ہے...... اگر سب لوگ ویسا ہی محسوس کرنا شروع کر دیں جس طرح تم کر رہی ہو تو یہ دنیا یہیں جنت بن جائے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ ہر ایک کو ہدایت نہیں دیتا...... بعض لوگوں کے دلوں پر وہ ایسی مہریں لگا دیتا ہے کہ وہ سچ کو سچ جانتے ہوئے بھی قبول نہیں کرتے...... یہی حال آج کل کے مسلمانوں کا بھی ہے۔ ان کی اکثریت سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس پر عمل نہیں کرتی...... اب تم اسی گھر کی مثال لے لو...... سب تمہیں تو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں مگر خود پڑھنے کے لیے نہیں اٹھتے...... تمہیں دیکھ کر منہ بسورتے ہیں، باتیں بھی کرتے ہیں کہ تم نئی، نئی مسلمان ہوئی ہو اس لیے ایسا کر رہی ہو...... اور ایسی باتیں کرتے ہوئے انہیں ذرا سی بھی شرمندگی نہیں ہوتی کہ اگر تم مسلمان ہو تو وہ بھی تو مسلمان ہیں...... مگر......'' عبدالرحمٰن نے افسردگی سے آہ بھری اور خاموش ہو گیا۔

''عبدالرحمٰن...... تم بہت افسردہ ہو رہے ہو؟'' آمنہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ہاں، بہت دکھ ہوتا ہے، اپنے لوگوں کی بے عملی، بداعتقادی اور مذہب سے دوری دیکھ کر......'' عبدالرحمٰن نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''عبدالرحمٰن...... ہم دوسروں کو سمجھانے کی کوشش تو کر ہی سکتے ہیں ناں...... تم مایوس نہ ہو...... ہم اپنے گھر کے لوگوں کو سچا اور پکا مسلمان بنانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔'' آمنہ نے پُرامید لہجے میں کہا تو اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر امید دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیا۔



فریحہ کے کالج میں فنکشن تھا اور وہ بہت اہتمام سے تیار ہو رہی تھی۔ اس نے پنک کلر کی سلیولیس شرٹ پہن رکھی تھی جو انتہائی چست تھی اور اس کے ساتھ ٹراؤزر...... لیکن دوپٹے کے بغیر وہ بہت ادھوری اور نامکمل لگ رہی تھی پتلے، پتلے سانولے بازوؤں کو اس نے ویکس کرنے کے بعد میک اپ سے نکھارنے کی بہت کوشش کی تھی مگر پھر بھی وہ بہت عجیب لگ رہی تھی۔ اس نے میچنگ جیولری نکال کر دیکھی تو منہ بسورنے لگی۔ وہ اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر وہ اپنے آپ کو خوب بنانے سنوارنے میں مصروف تھی۔ شبینہ بھی اپنے کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ وہ ڈریس چینج کر کے کمرے میں آئی تو فریحہ کو دیکھ کر چونکی۔

''اللہ خیر کرے آپا آج تو بڑی توپ لگ رہی ہو...... آج توپ نے کس، کس پر گولے داغنے ہیں......'' شبینہ نے مسکرا کر مذاق کرتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میرا موڈ آف ہو رہا ہے۔'' فریحہ نے منہ بنا کر جیولری باکس ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''کیوں...... کیوں...... کیا ہوا......؟'' شبینہ نے چونک کر پوچھا۔

''اس ڈریس کے ساتھ میچنگ جیولری نہیں مل رہی...... کیا کروں......؟'' فریحہ نے جیولری باکس پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''لاؤ...... میں دیکھتی ہوں......'' اور شبینہ جیولری باکس میں سے جیولری نکال کر دیکھنے لگی۔

''سنو...... آمنہ چاچی کے سلور ائر رنگز اس کے ساتھ بہت اچھے میچ کر جائیں گے۔ تم ان سے لے لو۔'' شبینہ نے اس کے ڈریس کو دیکھ کر رائے دی۔

''ہاں...... میرے بھی ذہن میں آ رہے تھے۔ اچھا میں ابھی پوچھتی ہوں۔'' اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

آمنہ اپنے کمرے میں بکھری چیزوں کو اٹھا کر کمرے کی صفائی کرنے میں مصروف تھی۔ فریحہ مسکراتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو آمنہ اس کے لباس کو دیکھ کر ایک دم چونکی۔

''ہائے، چاچی، کیسی ہیں آپ...... ایکچو ئیلی وہ مجھے آپ کے سلور ائر رنگز چاہئیں۔ وہ اس ڈریس کے ساتھ میچ کریں گے۔ آج میرے کالج میں فنکشن ہے ناں اس لیے......'' فریحہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو آمنہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اسے دیکھا اور اپنے بیگ میں سے ائر رنگز نکال کر اسے دیے۔

''تھینک یو......'' فریحہ نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے جانے لگی۔

''سنو...... فریحہ......'' آمنہ نے اسے پیچھے سے آواز دی تو فریحہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''کیا تم یونہی...... کالج جاؤ گی...... آئی مین حجاب کے بغیر......؟'' آمنہ نے پوچھا۔

''حجاب اور اس ڈریس کے ساتھ سونی...... میں نے تو اس کے ساتھ دوپٹا بھی نہیں بنایا...... حجاب کیوں لوں گی...... ساری بیوٹی خراب ہو جائے گی۔'' فریحہ نے ہنستے ہوئے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

''کیا تم ایک مسلم عورت نہیں ہو...... اور مسلم عورت کے لیے اللہ نے کیا حکم دیا ہے...... کیا تم نہیں جانتیں......؟'' آمنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''کم آن چاچی...... سب جانتی ہوں، پلیز میرا موڈ خراب مت کریں۔ ہر وقت اسلام، اسلام کی باتیں...... ہمیں بھی سب کچھ پتا ہے، پلیز آپ ہمیں اتنا سمجھانے کی کوشش مت کیا کریں...... آپ بہت ہی سخت ہیں۔'' فریحہ نے غصے سے کہا اور ائر رنگز بیڈ پر تھپک کر چلی گئی۔ آمنہ پریشان ہو کر دیکھنے لگی۔ اسے عبدالرحمٰن کی باتوں پر یقین آنے لگا...... یہ لوگ خود جان بوجھ کر اسلام پر عمل نہیں کرنا چاہتے اور جو عمل کرتے ہیں اسے اس طرح کہتے ہیں۔ اسلام پر صرف اس حد تک عمل کرتے ہیں جب تک وہ ان کی زندگیوں، ان کے فیشن ایبل لائف اسٹائل اور خواہشات میں رکاوٹ نہیں ڈالتا...... اسلام صرف ایک علامت...... ایک شناخت بن کر رہ گیا ہے...... اصل

اسلام کہاں کھو گیا ہے۔ وہ آہ بھر کر سوچنے لگی۔

فریحہ انتہائی غصے میں پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں گئی تو ہاجرہ وہاں کھڑی شبینہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ فریحہ کو منہ پھلائے دیکھ کر وہ چونکی۔

''کیا ہوا...... سج سنور کر اب منہ کیوں پھلا رہی ہو؟'' ہاجرہ نے حیرت سے پوچھا۔

''آمنہ چاچی کی اسلامی نصیحتوں نے ہماری زندگی عذاب میں ڈال دی ہے۔ یہ نہ کرو...... وہ نہ کرو...... یہ اسلام کے خلاف ہے، اُف خدایا...... ہم کہاں جائیں...... اب تو اپنے گھر میں ہی رہنا عذاب ہو گیا ہے...... انہوں نے مسلمان ہو کر ہمارے سر پر کوئی احسان نہیں کیا...... اب ہمیں کیوں اپنے جیسا بنانا چاہتی ہیں۔ حجاب لو...... دوپٹے کے بغیر کہاں جا رہی ہو...... امی آپ نے ہمیں کبھی منع نہیں کیا تو یہ کون ہوتی ہیں ہم پر حکم چلانے والی۔'' فریحہ نے غصے سے بولتے ہوئے ماں سے کہا تو اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

''اس نے تو سب کی زندگیوں کو عذاب میں ڈال رکھا ہے۔ میری اولاد پر یہ کون ہوتی ہے حکم چلانے والی ابھی پوچھتی ہوں میں اس سے۔'' ہاجرہ غصے سے بولتے ہوئے باہر جانے لگی تو شبینہ نے اسے روکا۔

''امی، بات بڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں...... چھوڑ دیں، دفع کریں۔'' شبینہ نے کہا۔

''تم اس کی زیادہ چہیتی مت بنو...... جانے دادی کو۔'' فریحہ غصے سے بولی تو اسی وقت عبدالوہاب کمرے میں آ گیا۔

''تم لوگ اتنا شور کیوں کر رہی ہو...... کیا قیامت آ گئی ہے؟'' وہ خفگی سے بولا۔

''اپنے باپ کو بتاؤ...... یہ تو اسی کی حمایت میں بولے گا۔'' ہاجرہ غصے سے شوہر کو دیکھ کر بولی تو عبدالوہاب نے حیرت سے شبینہ سے وجہ پوچھی اور وہ اسے بتانے لگی۔ فریحہ منہ بنا کر رونے لگی۔

”کہا تو اس نے ٹھیک ہی ہے، تم اپنا لباس دیکھو..... کیا تم واقعی کسی مسلمان گھرانے کی بیٹی لگ رہی ہو......؟ تم لوگوں کو شرم آنی چاہیے کہ وہ ایک نومسلم ہو کر تم لوگوں کو نصیحت کر رہی ہے۔ فریحہ تم نے آج مجھے بہت شرمندہ کرایا ہے اور ہاجرہ تم ماں ہو کر بیٹی کی لباس کے بارے میں تربیت نہیں کر سکیں۔ تم جیسی مائیں ہی بچوں کو مذہب سے دور بھی رکھ رہی ہیں اور بیزار بھی کر رہی ہیں۔“ عبدالوہاب نے غصے سے سب کو ڈانٹا۔

”ہاں، ہاں..... آپ کو تو موقع ملنا چاہیے۔ اس کی حمایت میں بولنے کا..... وہ خود وہاں نہ جانے کیا کچھ کر کے آئی ہے، آج ہمیں نیکی کے درس دینے بیٹھ گئی ہے۔ اور آپ اپنی بچیوں کا فیور کرنے کے بجائے اسے فیور کر رہے ہو۔ آج سے پہلے تو آپ نے ان بچیوں کی تیاری پر غور نہیں کیا تھا جو یوں آج کہہ رہے ہیں۔“ ہاجرہ غصے سے بولی۔

”ہاں ٹھیک ہے پہلے میں نے کبھی غور نہیں کیا مگر آج تو کہہ رہا ہوں ناں اور جہاں تک آمنہ کی بات ہے اس کا ماضی جو کچھ بھی تھا، ہمیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اب وہ جو کچھ ہے اسے دیکھ کر ہمیں شرم کرنی چاہیے اور رہی بچیوں کو فیور کرنے کی بات تو میں ان کی غلط باتوں میں کبھی حمایت نہیں کروں گا۔ اگر فریحہ کو فنکشن میں جانا ہے تو دوپٹا اوڑھ کر تمیز سے جائے اور یہ بغیر آستینوں کے جو چیتھڑا پہنا ہے اسے بدل کر جائے۔“ عبدالوہاب نے غصے سے فریحہ کا بازو پکڑتے ہوئے کہا تو فریحہ کو غصے کے ساتھ شرمندگی ہونے لگی۔ ہاجرہ کا پارہ بھی ہائی ہونے لگا۔

”آج تک آپ نے بچیوں کے ساتھ یہ رویہ نہیں اپنایا اور اب آپ......؟“ ہاجرہ نے غصے سے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

”ہاں یہی تو میری غلطی تھی کہ کبھی تم لوگوں کو نہیں روکا ٹوکا اور آج تم نے میرا سر شرم سے جھکا دیا ہے۔ آج کے بعد تم میں سے کوئی بھی حجاب کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گا۔ یہ بات شبنم اور عاصمہ کو بھی بتا دینا۔“ عبدالوہاب نے غصے سے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

”میں فنکشن میں ہی نہیں جاتی۔ اتنے شوق سے پہلی بار سلیولیس شرٹ سلوائی تھی مصیبت نے آج ہی لیکچر دینا تھا۔“ فریحہ غصے سے بولتے ہوئے کپڑے بدلنے واش روم کی طرف جانے لگی۔ ہاجرہ بھی غصے سے باہر چلی گئی۔

”اُفوہ آپا..... کیوں بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو، اس ڈریس کے اوپر بڑا سا دوپٹا لے لوگی تو کیا قیامت آجائے گی۔“ شبینہ نے قدرے نرمی سے کہا۔

”اچھا..... جو رات بھر میں بازوؤں کو ویکس کر کے صاف کرتی رہی ہوں، یہ میچنگ چوڑیاں اور کڑے لائی، وہ سب بڑے دوپٹے میں چھپ جائیں گی..... اور اوپر سے حجاب لے کر بڑی اماں بن کر فنکشن میں جاؤں تو سب لوگ میرا کتنا مذاق اڑائیں گے۔ میں جاتی ہی نہیں۔“ وہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

”آپا..... تمہیں لوگوں کی..... دوستوں کی باتوں کی فکر ہے..... ابو کی ناراضی کی کوئی فکر نہیں.....“ شبینہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”ابو..... تو خواہ مخواہ جذباتی ہو کر بھڑک اٹھے۔ اور وہ بھی اس گوری میم کی باتوں میں آکر..... ورنہ آج تک ابو نے بھلا ہمیں کسی بات سے منع کیا ہے.....“ فریحہ غصے سے بولی۔

”ویسے آپا آپس کی بات ہے، ابو نے غلط باتیں کہی ہیں اور نہ ہی آمنہ چاچی نے..... تمہارے ننگے بازوؤں کو دیکھ کر تو مجھے بھی شرم آ رہی ہے اور شرٹ کی فٹنگ تو دیکھو..... معلوم نہیں تمہیں اس میں کیا اچھا لگ رہا ہے۔ سچ ابو جب تمہارا بازو پکڑ کر دکھا رہے تھے تو بس کیا بتاؤں..... میں نے تو شرم سے نظریں ہی نہیں اٹھائیں۔“ شبینہ منہ بنا کر خفگی سے بولی۔

”اچھا، اچھا اب تم بھی مجھے لیکچر مت دو..... میں بھی اپنا اچھا برا خوب جانتی ہوں..... سب کو میں ہی بے شرم اور بے پردہ دکھائی دینے لگی ہوں..... اگر تمہیں سلیولیس شرٹ کبھی نہیں جچی تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟“ فریحہ نے

خفگی سے منہ بنا کر کہا تو شبینہ نے گھور کر اسے دیکھا اور اپنی کتابیں اٹھائیں، حجاب سر پر لیا۔ دوپٹے کو ٹھیک طرح سے لیا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ عاصمہ بھی کالج جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اس نے چھوٹا سادوپٹا گلے میں ڈال رکھا تھا اور شبینہ کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں۔ ہاجرہ، شبنم کے ساتھ سرگوشی میں باتیں کر رہی تھی۔

''ارے.... شبینہ.... آج تم نے حجاب کیوں لے لیا ہے؟ کیا تم بھی آمنہ چاچی کی نقل کرنے لگی ہو؟'' عاصمہ نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

''جناب.... تم بھی چادر یا حجاب اوڑھو.... ابو نے سختی سے حکم دیا ہے۔'' شبینہ نے مسکرا کر کہا۔

''ک.... ک.... کیا.... مگر کیوں....؟'' عاصمہ حیرت سے چلاتے ہوئے بولی۔

''ارے، بھیا، اس گھر میں نیا، نیا اسلام نازل ہوا ہے.... پہلے تو یہاں سب کافر رہتے تھے ناں.... اب باہر سے لوگ آ کر ہمیں مسلمان کریں گے۔'' شبنم نے قدرے طنزیہ انداز میں آمنہ کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ شبنم کی بات سن کر وہ چونکی مگر اسے کچھ زیادہ سمجھ میں نہ آئی اور ان کے قریب آ گئی۔

''شبینہ.... تم کتنی اچھی لگ رہی ہو.... اس حجاب میں۔'' آمنہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو....'' شبینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''عاصمہ.... کیا تم حجاب نہیں لو گی؟'' آمنہ نے اب عاصمہ سے پوچھا۔

''آپ کے ہوتے ہوئے اب سب کچھ کرنا پڑے گا....'' وہ کمرے میں چلی گئی اور چادر اوڑھ کر کمرے سے باہر آ گئی مگر اس کا موڈ سخت آف تھا۔

''اب چلو.... ورنہ کوئی نیا اسلامی حکم صادر ہو جائے گا۔'' عاصمہ منہ بنا کر سرگوشی میں بولی اور دونوں وہاں سے چلی گئیں۔

''بھابی! آپ دونوں کیا باتیں کر رہی ہیں؟'' آمنہ ان کے قریب آ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

''سوچ رہے ہیں.... کہ اس گھر میں اسلامی شریعت کیسے، کیسے نافذ کی جا سکتی ہے؟'' شبنم قدرے طنزیہ انداز میں بولی تو اس کی بات سن کر آمنہ مسکرا دی اور وہاں سے چلی گئی۔ دونوں اسے گھور کر دیکھنے لگیں۔

''بھابی یہ بڑی شاطر ہے، اب یہ اس گھر کی مالکن بنی ہی بنی.... ہم تم تو منہ ہی دیکھتے رہ جائیں گے۔ جو چاہ رہی ہے وہی کچھ ہو رہا ہے.... خدا معلوم ہمارے ساتھ کیا ہونا ہے؟'' شبنم نے آہ بھر کر افسردہ لہجے میں کہا۔

''ہار میں بھی ماننے والی نہیں ہوں۔'' ہاجرہ نے قدرے انتقامی لہجے میں جواب دیا۔ فریحہ کپڑے تبدیل کر کے اوندھے منہ بیڈ پر لیٹی رو رہی تھی جبھی ہاجرہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے قریب آ کر خفگی سے بولی۔

''تم نے سوٹ کیوں بدلا.... ارے تم نے اتنی جلدی ہار مان لی.... عورت جب انتقام پر آتی ہے تو بڑے، بڑے بادشاہ اس کے سامنے ہار مان جاتے ہیں۔ اب تو دیکھنا.... تیری چاچی کو میں کیسے ہراتی ہوں؟'' ہاجرہ نے نتھنے پھیلا کر غصے سے کہا۔

''کیا مطلب.... امی....؟'' فریحہ نے اٹھ کر حیرت سے پوچھا۔

''جا.... تو وہی سوٹ پہن کر.... تیار ہو کر کالج جا....'' ہاجرہ نے کہا۔

''میں حجاب نہیں لوں گی اور نہ ہی دوپٹا....'' فریحہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''تو.... مت لینا.... مگر گھر سے چادر لے کر چلی جا.... راستے میں اتار کر بیگ میں رکھ لینا....'' ہاجرہ نے کہا تو فریحہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''گڈ آئیڈیا.... میں نے تو اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔'' فریحہ نے خوش ہو کر کہا۔

''امی..... اگر ابو نے کہیں دیکھ لیا..... تو.....؟'' فریحہ نے گھبرا کر پوچھا۔
''تب کی تب دیکھی جائے گی۔ ابھی تو، تو جا.....؟'' ہاجرہ نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی اٹھی اور جلدی سے دوبارہ تیار ہونے چل دی۔

☆☆☆

شبینہ اور عاصمہ لوکل بس میں سوار کالج جا رہی تھیں۔ عاصمہ کا موڈ ابھی تک آف تھا۔ اس نے چادر کو گول مول کر کے انتہائی برے انداز میں اوڑھ رکھا تھا..... سر بھی آدھا ننگا تھا اور جسم کو بھی بس تھوڑا بہت ڈھانپا تھا۔ وہ غصے میں بھری بیٹھی تھی اور کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''عاصمہ..... تمہیں کیا پرابلم ہے..... کیوں اس قدر موڈ آف کر کے بیٹھی ہو۔ تم نے اور فریحہ آپا نے معمولی سی بات کو اتنا بڑا ایشو کیوں بنا لیا ہے..... بھئی ابو نے چادر ہی اوڑھنے کو کہا ہے..... اور اس میں عورت کے لیے بہت بھلائی ہے.....'' شبینہ کا اپنا ذہن بھی قدرے اسلامی تھا۔ اسی لیے وہ ان باتوں کو اچھا سمجھتی تھی۔

''مجھ سے نہیں سنبھالی جاتی اتنی بڑی چادر..... پہلے بھی تو ہم یونہی کالج جایا کرتے تھے۔ اب تایا ابو کو..... آمنہ چاچی کے کہنے پر سب کچھ یاد آ گیا ہے۔ امی اور تائی اماں..... برقع پہنتی ہیں، کیا یہ کافی نہیں..... جو ہمیں بھی مصیبت ڈال دی..... شادی کے بعد ہم نے بھی تو برقع ہی پہننا ہے، یہ چند دن آزادی سے گزار لیں گی تو کیا قیامت آ جائے گی؟'' عاصمہ کا موڈ سخت آف تھا اسے یہ سب بہت برا لگ رہا تھا۔ جبھی بھری بیٹھی تھی۔

''عاصمہ تمہاری اس چادر سے اللہ کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ کوئی نقصان..... اور نہ ہی ابو کو..... یا چاچی کو..... اللہ کے احکامات میں انسان کے لیے فائدے ہی فائدے ہیں..... اگر انسان سمجھنے کی کوشش کرے تو.....'' شبینہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

عاصمہ منہ بنائے بیٹھی رہی..... جب دونوں کالج کے اسٹاپ پر اترنے لگیں تو عاصمہ کی شرٹ بس کے دروازے کے ساتھ لگی کیل نما نوکیلی چیز کے ساتھ اٹک گئی اور کمر کے قریب سے جو پھٹی تو پھٹتی ہی چلی گئی..... عاصمہ کو ایک دم شدید شرمندگی اور پریشانی ہونے لگی۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے چادر کھول کر اوڑھی تو شرٹ کے پھٹے ہوئے حصے سے نظر آتا جسم چھپ گیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔

''شکر ہے، میں کالج تو آرام سے چلی جاؤں گی۔'' عاصمہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''عاصمہ، اگر تم اس بات کو سمجھو تو اللہ نے تمہیں اس طرح سمجھایا ہے کہ اس کے احکامات میں انسان کے لیے ہی بہتری ہے۔ سوچو..... اگر تمہارے پاس چادر نہ ہوتی تو تم اس وقت کتنی پریشان ہو رہی ہوتیں۔ شاید تمہیں گھر واپس جانا پڑتا..... پھٹی ہوئی شرٹ کے ساتھ..... تو تم کیسے جاتیں اور کیا فیل کرتیں؟'' شبینہ نے گہری سانس لے کر کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔'' عاصمہ نے آہ بھر کر کہا۔

''ہم سب آمنہ چاچی کے خلاف بولتے ہیں مگر وہ کچھ بھی غلط نہیں کہتیں۔ دراصل جو لوگ اسلام کو پڑھ کر اور سمجھ کر مسلمان ہوتے ہیں وہ ہم سے زیادہ عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے ہر قدم پر اسلام کی تعلیمات کو اپلائی کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ ان کے سامنے اس کے خلاف عمل کرتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ آمنہ چاچی بھی ہمیں دیکھ کر کنفیوز ہو جاتی ہیں۔ چلو اب جلدی چلو..... کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔'' شبینہ نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے کہا اور دونوں تیزی سے کالج کے اندر داخل ہو گئیں۔

(جاری ہے)

سا تھے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ کشف کے کمرے میں گیا وہ نیچے کارپٹ پر گپ چپ بیٹھی تھی۔ روئی روئی اور سوجی آنکھیں لیے جو رت جگے کی غماز تھیں وہ کئی لمحے دروازے میں کھڑا اس غم کے خوب صورت مجسمے کو دیکھتا رہا پھر اس کے سامنے آبیٹھا اس کی روئی، روئی صورت دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''کاش...... میرے بس میں ہوا گر تو میں تمہاری زندگی سے غم کے سارے حروف مٹادوں، تمہاری آنکھ کبھی گیلی نہ ہونے دوں۔ تمہارے ہونٹوں پہ ہنسی کے پھول سجادوں مگر...... اے کاش......'' یہ اس کے دل کی آواز تھی لب خاموش تھے۔ کشف نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا وہ نگاہ چراتے ہوئے بولا۔

''کیا فضول اور بے تکی فرمائش کی ہے شایان نے...... ابا اور چاچو کبھی نہیں مانیں گے اور پھر دادی جان...... آج ہوٹلنگ کرنے کی خواہش کی ہے تمہارے سنگ کل کوئی اور ڈیمانڈ کردے گا۔ کچھ لوگوں کو منوانے کی عادت ہوتی ہے ایک کے بعد دوسری...... پھر کب تک......؟''

''شایان اس طرح کا نہیں ہے۔'' کشف کے ہونٹوں سے پھسلا تو سعد کو آگ لگی۔

''کتنا جانتی ہو تم اسے جو اس کے بارے میں دعوے سے کہہ سکتی ہو کہ وہ اس طرح کا نہیں ہے۔ صرف منگنی کی تصویر دیکھ کر تمہیں اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ اس طرح کا نہیں ہے...... بہرحال وہ جس طرح کا بھی ہے میں تمہیں اس کے ساتھ ہوٹلنگ کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''تم سے اجازت مانگ کون رہا ہے؟'' کشف نے غصے سے اسے دیکھا۔

''گویا تم خود بھی یہی چاہتی ہو......؟'' وہ کھوجتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے سعد......؟''

''تمہیں نہیں پتا کہ مجھے کیا تکلیف ہے۔ کتنی دفعہ اپنی تکلیف کا ذکر میں تم سے کرچکا ہوں۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''دیکھو کشف...... میری طرف غور سے دیکھو...... میری ظاہری صورت کے خدوخال دیکھو...... کیا کمی ہے مجھ میں...... کیا ہے شایان میں ایسا جو مجھ میں نہیں...... پھر تم نے کہا تھا کہ تمہاری اس کے ساتھ کمٹ منٹ نہیں ہے جب تم اس کے ساتھ کمیٹڈ ہی نہیں ہو تو پھر منگنی کے رشتے کی کیا حیثیت...... کتنی دیر لگتی ہے منگنی کی انگوٹھی اتار پھینکنے میں...... اگر میرے بس میں ہو تو میں اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دوں۔ جہاں صرف تم ہو، تمہاری طلب ہے، تمہاری محبت ہے میں تمہاری محبت سے کسی صورت بھی دستبردار نہیں ہونا چاہتا۔ تم مانو یا نہ مانو کشف لیکن یہی سچ ہے۔ میری محبت مذاق نہیں ہے۔

"I can not live without you"

''یہ جملہ تم کئی بار بول چکے ہو۔'' وہ سنگدلی سے بولی۔

''ہاں لیکن یہی جملہ سچ ہے تم اس جملے کی

صداقت کو پہچانو تو...... بلیو می، میں آج دادی جان کو اگر یہ سچ بتا دوں تو وہ فوراً شایان سے تمہاری منگنی ختم کر دیں مگر میں کشف تم سے تمہیں مانگنا چاہتا ہوں۔ تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن تمہاری رضا سے...... میری ایک بات یاد رکھنا...... شایان تمہیں کبھی وہ محبت وہ خوشی نہیں دے سکتا۔''

''اچھا...... بد دعا دے رہے ہو؟'' اس کے ہونٹوں کے کنارے پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

''بد دعا نہیں دے رہا۔ میں تمہیں بد دعا کیسے دے سکتا ہوں...... محبت کرنے والے کبھی بد دعا نہیں دیتے کیونکہ ان کی بد دعا لگتی ہی نہیں اور پھر محبوب کو بد دعا کون دیتا ہے۔'' وہ بہت دیر تک اس کے چہرے کے نقوش کو حسرت سے دیکھتا رہا۔ وہ اسے کیسے سمجھاتا۔

☆☆☆

پچھلے کئی دنوں سے سعد کی حرکتیں فروا کو بڑی عجیب سی لگ رہی تھیں ہنستے، ہنستے چپ ہو جانا، بیٹھے، بیٹھے کہیں کھو جانا، کشف کی سسرال کے ساتھ مس بی ہیو کرنا اور کشف کو موقع بہ موقع بہت گہری نظر سے دیکھ کر کوئی گہری بات کہہ دینا اور اب تو جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے وہ چڑچڑا بلکہ بد مزاج ہوتا جا رہا تھا پھر جب انویٹیشن کارڈز چھپ کر آئے تھے وہ کیسے مضطرب ہوا تھا وہ بہت اداس اور غم زدہ ہو گیا تھا جیسے کوئی کسی بہت اپنے کے بچھڑنے کے خوف سے اداس ہوتا ہے۔

فروا ٹہل رہی تھی اور سوچے جا رہی تھی، خود سے سوال کر رہی تھی۔

''کیا کشف کی شایان کے ساتھ منگنی سے پہلے سعد، کشف میں انٹرسٹڈ تھا؟ اگر تھا تو اس نے گھر والوں یا کشف کو یہ بات بتائی کیوں نہیں......؟''

یہ ٹھیک ہے کہ جب کشف کی بات پکی ہوئی اس دوران وہ اسلام آباد میں تھا لیکن وہاں سے واپسی پر یہ خبر سن کر اس کا ردِعمل یقیناً نارمل سا ہی تھا یا شاید...... وہ سوچنے لگی عجیب کشش و پنج میں تھی، عجیب صورتِ حال درپیش تھی...... مختلف وقتوں میں اس کے کہے مختلف جملوں کی بازگشت تھی۔

''ہم کشف کی جدائی کا صدمہ بہت مشکلوں سے سہہ پائیں گے، یہ دل تو جدائی کے داغوں سے بھر جائے گا۔''

''تم دیکھ لینا کشف تمہاری جدائی پر سب سے زیادہ میں ہی روؤں گا۔''

''میں یو کے چلا جاؤں گا...... کشف کے بغیر دل کہاں لگے گا اس گھر میں۔''

اگرچہ یہ عام سے جملے تھے مگر سعد کا رویہ عام سا نہ ہوتا۔

''تو کیا سعد کشف کی محبت میں مبتلا تھا......؟ اس طرح کی سچویشن تو صرف کہانیوں میں ہوتی ہے ایک ہی گھر میں رہنے والے کزنز آپس میں انوالو ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ قلم کہانی کار کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ اکثر ہیپی اینڈ ہی دکھاتے ہیں وہ کزنز جس کا آپس میں اینٹ پتھر کا بیر ہوتا ہے آخر ہنسی خوشی رہنے لگتے ہیں۔

سعد اسے پورچ میں گاڑی کی صفائی کرتا ہوا مل گیا۔

''سوری سعد...... تمہارا کشف کو کیا ہوا ایک میسج آج میں نے کھول لیا ہے بلکہ پڑھ بھی لیا ہے۔''

''تو......؟'' سعد کے تاثرات نارمل تھے تو فروا کو لگا جیسے سب کچھ نارمل ہوا اور وہ ایویں خواہ مخواہ کسی کھوج میں نکلی ہو...... پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری...... آر یا پار کچھ تو نکلے گا پہاڑ کھودنے سے۔

''تم سمجھتے ہو کہ مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔''

''کس بات کا......؟'' وہ ہنوز مصروف تھا اس کے تاثرات اب بھی نارمل تھے، فروا کو ایک بار پھر کسی غلط فہمی کا سگنل ملا۔

''مجھے لگتا ہے کہ رسالے پڑھ پڑھ کر تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ دادی جان ٹھیک ہی تمہیں منع کرتی ہیں۔'' فروا اس کے چہرے کے نارمل نقوش کو بغور دیکھتی رہی۔

''تم سمجھتے ہو محبت اگر اندھی ہوتی ہے تو پڑوسی

بھی اندھے ہیں۔'' اسے معلوم تھا کہ اس نے اندھیرے میں تیر چھوڑا ہے مگر وہ اس وہم کو دور کرنا چاہتی تھی جو اسے کچھ روز سے ہو رہا تھا۔

''مجھے کشف نے سب بتا دیا ہے؟'' اور آخری تیر نے بالآخر نشانے کو چھولیا۔ سعد نے چونک کر اسے دیکھ پھر ہاتھ میں پکڑا رومال نچوڑ کر لان کی منڈیر پر پھیلانے چل دیا فروا بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

''پھر مجھ سے کیا سننا چاہتی ہو؟'' سعد کو شاید لگا تھا کہ مزید انکار کرنا فضول ہے چنانچہ سچ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ فروا بہت غور سے اس کی آنکھوں میں، اس کے چہرے کے ایک، ایک نقش میں تھکن محسوس کر رہی تھی...... وہی تھکن جو محبت کے سفر سے نامراد لوٹ آنے والوں کے چہروں پر ہوتی ہے۔

بات مختصر...... سفر طویل تھا داستان گو ہانپ گیا۔

خاموشی کا ایک طویل وقفہ گزر گیا۔ بڑی دیر کے بعد فروا بولی تو اس کی آواز کیسی نامانوس سی لگی تھی۔

''تم نے غلط کیا ہے سعد...... کم از کم داوی جان سے تو اپنی فیلنگ شیئر کر سکتے تھے......''

''اس سے کیا ہوتا؟'' اس کی آواز بہت مدھم تھی۔

''اس سے یہ ہوتا کہ تم کم از کم اس اذیت سے تو نکل سکتے تھے جو تم اب اکیلے جھیل رہے ہو۔''

''اب کیا فائدہ......'' وہ کیسے ٹوٹے پھوٹے ہارے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔ ''پھر جب کشف ہی نہیں چاہتی تو کیا فائدہ......''

''کشف اب کیسے چاہے گی یار...... جب تم نے اسے بتانے میں ہی دیر کردی کہ تم اس کے لیے کیا...۔ سوچتے ہو، تمہاری زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ اب ظاہر ہے وہ کسی اور کی منگیتر ہے، بہت جلد اس کی شادی ہو جائے گی۔ اب وہ تمہارے جذبوں کی حوصلہ افزائی کس طرح کر سکتی ہے بھلا......''

''تو پھر بات ہی ختم......'' وہ ہنسا تو جیسے کئی دکھ اس کے ہونٹوں میں رو دیے۔

''چلیں......'' فروا کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے وہ پھر پہلے جیسا ہو گیا تھا لیکن وہ پہلے جیسا کہاں تھا اور فروا جانتی تھی کہ وہ پہلے جیسا اب کبھی نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆

لیکن یہ فروا کا محض گمان تھا جو غلط ثابت ہوا۔ وہ پہلے جیسا ہو گیا تھا پہلے سے بھی کہیں زیادہ خوش باش، ریلیکسڈ، ہنستا مسکراتا ہوا...... بارش کے بعد زمین پر پڑنے والی دھوپ کے جیسا نیا نیا اور نکھرا نکھرا کہ ہر کسی نے چونک، چونک کر اسے دیکھا اور اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا دی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہ سعد حسن ہے جو پچھلے کچھ مہینوں سے ہنستا بھی اگر تھا تو آنکھوں کی اداسی صاف دکھتی تھی اور وہ گھر والوں سے کتنا دور، دور ہو گیا تھا کہ گھر میں ہوتے ہوئے بھی اسے ڈھونڈنا پڑتا اور اب وہ سب کے درمیان اس طرح موجود تھا جیسے لوٹ آنے والا کوئی گمشدہ لمحہ ہو...... اور اس کا سارا کریڈٹ تو فروا کو جاتا تھا جس نے اسی شام رات ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور داوی

جان کیسے مجھی ناسمجھی کی کیفیت میں بڑی دیر تک ٹکر ٹکر فروا کے چہرے کو دیکھتی رہی تھیں۔

اور اگلے ہی دن بند کمرے کا اجلاس جب اختتام پزیر ہوا تو فیصلہ سعد کے حق میں ہو چکا تھا۔ اور کشف نے اس تمام واقعے کو اتنے عام سے انداز میں لیا کہ سب نے حیران ہو کر اسے دیکھا اور سعد کو تو اس کا یہ بے حد نارمل رویہ اس کی دماغی صحت کا شبہ لگا اور کشف کسی کو کیا بتاتی کہ کچھ روز قبل جب شایان نے اسے ڈنر پر ساتھ لے جانے کی خواہش کی تھی تو اس نے ای جان کو ابو کے سامنے روتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ سو باتوں کی ایک بات کر رہی تھیں کہ کشف نے سعد کا رشتہ نہ ٹھکرایا ہوتو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے...... اور کشف کئی راتیں نہ سو سکی۔ کسی احساسِ ندامت نے دل کو جکڑ لیا تھا والدین کو دکھ دے کر اپنے لیے خوشیاں خریدنے والے خوش کیسے رہ سکتے ہیں...... دل کا بوجھ اتنا بڑھا کہ اس رات فروا دادی جان کے سامنے سعد کی حالتِ زار بیان نہ کرتی تو اگلی صبح کشف نے ان کی مہربان گود میں سر رکھ کر تمام آنسو بہا دیئے تھے۔

''یہ تو بالکل کہانیوں والا اینڈ ہوا ہے' آخر میں سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔'' فروا نے عینک سنبھالتے ہوئے کہا۔

''نہیں یہاں تو پاکستانی فلموں والا اینڈ ہوا ہے۔'' عثمان بھی ان دنوں چھٹی پر آیا ہوا تھا سو خوب ہلا گلا ہو رہا تھا۔

کشف کو مایوں بٹھا دیا گیا تو شادی ہونا اپنی تاریخوں پر قرار پائی تھی جو پہلے طے تھیں۔

''شکر کرو تمہاری ان تین، تین نندوں سے جان چھوٹی...... فروا کو ان بیچاریوں سے کوئی خاص دشمنی تھی۔

''اب بس ایک ہی نند ہے۔''

''اچھا کون سی......؟'' کشف نے حیران ہو کر پوچھا۔

''لو جی...... میں نے عینک بلکہ بقول نانو کے یہ کھوپے ایویں لگائے ہوئے ہیں جبکہ ان کی اشد ضرورت تو تمہیں ہے کیونکہ تمہاری قریب کی نظر خاصی

متاثر ہے۔'' فروا کی بات پر سب کی ہنسی چھوٹ گئی اور کشف شرما گئی۔

''مجھے ایک بار صرف ایک بار اندر آنے کی اجازت دے دو۔'' سعد دروازے کے باہر دہائیاں دے رہا تھا۔

''تم سے صبر نہیں ہوتا۔'' فروا نے سلائیڈنگ ہٹائی۔ دادی جان نے کشف کا سعد سے مکمل پردہ کرا دیا تھا۔

''نہیں...... مجھے اپنی ہونے والی دلہن کو بس ایک نظر دیکھنے دو ظالمو......''

''جی نہیں، دادی جان نے بہت سختی سے منع کیا ہوا ہے سوری۔''

''اُف دادی جان اتنی پابندیاں...... ان سے کہیں دادی جان بنیں امریکا نہ بنیں......'' سعد کی آہ و بکا پر سب کے ساتھ کشف بھی مزہ لے رہی تھی۔

''ایک ملاقات ضروری ہے صنم...... زندہ رہنے کے لیے تیری قسم......'' عثمان یہاں وہاں گنگناتا پھر رہا تھا۔

''اچھا چلو......'' فروا کو بالآخر رحم آ گیا۔ ''اس ونڈو سے دیکھ لو لیکن دیکھو ایک نظر کی شرط ہے۔'' فروا نے سلائیڈنگ ونڈو کھولی تو سعد دیکھتا ہی رہ گیا...... وہ اگرچہ وعدے کے مطابق ایک نظر دیکھ کر پلٹ آیا تھا مگر نگاہ میں وہ منظر ٹھہر گیا۔ وہ باہر لان میں چلا آیا۔ بہاروں کا سندیسہ دیتی پودوں کی بے لباس شاخوں نے بس ایک ہی منظر اوڑھ لیا جو کشف کی پوشاک کا رنگ تھا۔ پیلے اور سبز رنگ کا امتزاج وہ بہت بچپن میں ایک مرتبہ دادی جان کے ساتھ گاؤں گیا تھا سرما کے آخری دن تھے پھاگن کی کھلی کھلی دھوپ پھیلی تھی اور زمینوں نے اسی رنگ کی پوشاک اوڑھ رکھی تھی ہر سو سرسوں کے پھولوں کی چادریں بچھی تھیں اس کی آنکھوں میں چھم سے وہ پھاگن کی چمکیلی دھوپ پھیل گئی...... پھول کھلنے کا موسم آ گیا تھا۔

اختر شجاعت

توکّل ...... یقینِ الٰہی

تمام تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لیے جو بغیر کسی ابتدا اور آغاز کے کون ومکاں سے بھی پہلے اول و ازلی ہے۔ جس نے اپنے لطف وکرم سے ہر چیز کے وجود کو حسن بخشا اور ہر شے کی تخلیق کو کمال بخشا اور جسے چاہا اس پر اپنا فضل کیا اور سب کے لیے اپنے عدل کو پھیلایا۔ تو اے وہ عظیم الشان پروردگار (اللہ) جس کی بزرگی و عظمت کے عجائب ختم ہونے والے نہیں تو ہمیں اپنی عظمت کے پردوں میں چھپا کر کج اندیشیوں سے بچالے۔

تو اے اللہ! جس کی رحمت کے خزانے ختم ہونے والے نہیں تو اس رحمت میں ہمارا حصہ بھی قرار دے۔

اے اللہ! جس کے مشاہدے سے آنکھیں قاصر ہیں تو اپنی بارگاہ سے ہم کو قریب کرلے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے یہاں عزت عطا کر...... رسوا نہ کر......

اے رب کریم...... ہمیں اپنی بخشش و عطا کی بدولت، بخشش کرنے والوں کی بخشش سے بے نیاز کردے تاکہ تیری بخشش و عطا کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے سوال نہ کریں۔

تو اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو تیری طرف دعوت دینے والے اور تیری طرف کا راستہ بتانے والے ہیں اور اپنے خاص الخاص مقربین میں سے قرار دے۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے پروردگار تو رحمت نازل فرما نبی کریم ﷺ پر ان کی آل پر ان کے اصحاب پر...... وہ جو اولین اور آخرین کے سردار پر جنہیں فضیلت دی گئی۔ شفاعت و حوضِ کوثر کے ذریعے جو مخصوص ہیں وسیلہ اور مقام محمود کے ساتھ...... درود وسلام ہو اس نبی برحق ﷺ پر......

☆☆☆

توکّل کے لغوی معنی ہیں، بھروسا کرنا...... اپنے کام کو کسی کے حوالے کردینا۔

اللہ تعالیٰ نے توکّل کو ایمان سے وابستہ کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ ”اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر توکّل کرو۔“

ایک اور مقام پر ارشاد رب العزت ہے۔ ”مومنوں کو تو صرف اللہ پر ہی توکّل کرنا چاہیے۔“ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ”اور آپ اس زندہ ہستی پر بھروسا کریں جسے موت نہیں ہے۔“

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ”توکّل یہ ہے کہ تم اللہ کے سامنے اس طرح رہو کہ گویا تمہارا وجود ہی نہیں...... اور اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ابدیٔ ازلی صفات کے ساتھ ہے۔“ حضرت شیخ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ توکّل کے مقامات کی ابتدا یہ ہے کہ ”بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح رہے جس طرح غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں مردہ...... وہ جس طرح چاہتا ہے اس مردے کو الٹتا پلٹتا ہے۔ اس وقت اس میں نہ کوئی حرکت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی تدبیر کرسکتا ہے۔“ حضرت شیخ حمدونؒ فرماتے ہیں...... ”اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا توکّل ہے......“ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ”اگر کوئی چاہے کہ توکّل کا حق ادا کرے تو اس کو چاہیے کہ اپنے نفس کے لیے ایک قبر کھود کے اس میں اسے دفن کردے۔ دنیا اور دنیا داروں کو

فراموش کر دے۔"

توکل کا نقصان، نفس کے ظہور کے باعث ہوتا ہے..... اور اس میں کمال..... نفسانیت کی فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے..... جو لوگ روحانیت میں طاقتور ہوتے ہیں..... وہ اپنے توکل کی درستگی کی طرف اس قدر توجہ نہیں کرتے بلکہ مرادِ قلب کو تقویت پہنچا کر نفس کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ اس طرح جب نفس فنا ہو جاتا ہے تو جہل کا مادہ بھی خود بخود فنا ہو جاتا ہے اور توکل اس طرح درست اور صحیح ہو جاتا ہے۔

توکل کے تین مقام ہیں.....

1۔ توکل
2۔ تسلیم
3۔ تفویض

ان تینوں مقامات کی وضاحت اولیائے کرام نے یوں کی ہے کہ.....

1۔ توکل: اس چیز کا نام ہے جو جدوجہد کے بعد انسان کو حاصل ہو۔ اسے وہ اللہ کی طرف سے فیصلہ سمجھ کر خوشی کے ساتھ تسلیم کرے۔

2۔ تسلیم: یہ وہ مقام ہے جہاں پر اللہ کی طرف سے جو عطا نہ ہو اس پر بھی شکر اور جو عطا ہو اس پر بھی شکر ادا کیا جائے۔

3۔ تفویض: یہ وہ مقام ہے جہاں انسان اپنے ارادوں اور خواہشات کو رد کر کے مکمل طور پر اللہ کے ارادوں اور خواہشات کے تابع ہو جاتا ہے۔

کچھ اولیائے کرام نے اس کی مزید وضاحت یوں فرمائی ہے کہ "توکل" وہ مقام ہے جو مومنین کو حاصل ہے۔ "تسلیم" وہ مقام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے اور "تفویض....." اس مقام پر آقائے دو جہاں ﷺ فائز ہیں۔

مومن اللہ کے فیصلوں کو بڑی خوشی سے تسلیم کرتا ہے۔ وہ محنت کرتا ہے اور اس کے بعد جو کچھ اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے وہ اسے بہ رضا و رغبت تسلیم کرتا ہے اور اس پر وہ رنجیدہ نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیمؑ ..... کو صاحبِ تسلیم اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک مقام پر آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سوائے رب تعالیٰ کے کسی کو نہ پہچانتے تھے حتیٰ کہ جب حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ "میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کفیل ہے۔" یعنی میں تو صرف اپنے رب کو جانتا ہوں..... یہ مقامِ تسلیم ہے۔ چونکہ آپ ﷺ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اور آپ ﷺ سے سرزد ہونے والا ہر فعل من جانب اللہ تھا اس نسبت سے آپ ﷺ کو "صاحبِ تفویض" کہا جاتا ہے۔

☆☆☆

حضرت ابراہیم خواصؒ خود ایک بڑے ولی اللہ گزرے ہیں..... ایک روز انہیں راستے میں ایک شخص ملا جو اصل میں جن تھا۔ آپؒ نے پوچھا۔ "کہاں کا قصد ہے؟" اس نے جواب دیا..... "مکہ مکرمہ جا رہا ہوں۔" حضرت ابراہیم خواصؒ حیران ہو کر کہنے لگے۔

"تمہارے پاس نہ کوئی سواری ہے نہ زادِ راہ.....؟"

جن بولا..... "ہم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو توکل پر سواری کرتے ہیں۔" اس نسبت سے اولیائے کرام نے توکل کی تعریف یوں کی ہے کہ جب انسان وہ لمحہ جس میں وہ زندہ ہے اس پر تکیہ کرے اور اگلے لمحے کی فکر نہ کرے تو وہ "متوکل" ہے۔ تاجدارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا..... "مجھے دکھایا گیا کہ میری امت اس کثرت سے ہو گئی ہے کہ تمام زمین اور پہاڑ میری امت سے بھرے پڑے ہیں..... رب تعالیٰ نے پوچھا کہ اس کثرت سے خوش ہو؟ آپ ﷺ نے عرض کیا..... "خوش ہوں....." اسی ہجوم میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساٹھ ستر ہزار پر مشتمل ایک گروہ دکھایا اور آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ وہ گروہ ہے جو سیدھا جنت میں جائے گا۔ یہ آپ ﷺ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو نہ تعویذ کراتے تھے نہ جادو منتر اور نہ ہی کسی شخص سے کوئی امید رکھتے تھے بلکہ یہ لوگ صرف اللہ پہ توکل کرتے تھے اور اس وجہ سے سیدھا ان کو جنت میں داخل کر دیا گیا..... یہ واقعہ سننے کے بعد ایک صحابی حضرت عکاشہؓ..... کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ سے

درخواست کی کہ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس گروہ میں شامل کرے..... آپ ﷺ نے دعا فرمادی..... پھر ایک اور صحابی نے بس ایسی ہی دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''عکاشہؓ تم سے سبقت لے گئے۔''

حضرت شفیق بن ابراہیمؒ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک سال بلخ میں شدید قحط پڑا۔ لوگ غم زدہ اور پریشان حال تھے..... آپؒ نے ایک غلام کو دیکھا کہ وہ بازار میں ہنستا اور خوشی مناتا پھر رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے کہا۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ہنسی خوشی پھر رہا ہے جبکہ تمام لوگ پریشان ہیں..... اس نے مسکرا کر کہا..... مجھے کوئی غم اور اندیشہ نہیں ہے کیونکہ میں اس کا غلام ہوں جو اس شہر کا مالک ہے۔ اس نے میرے دل سے ہر پریشانی کو دور کردیا ہے..... حضرت شفیقؒ نے غلام کی یہ بات سن کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا.....

''اے خدا! یہ غلام جس کا آقا صرف ایک شہر کا مالک (کوتوال) ہے وہ اس قدر خوش ہے تو، تو مالک الملک ہے..... اور ہمارے رزق کا ضامن بھی پھر بھلا ہم اس قدر فکر مند اور پریشان کیوں؟'' اس خیال کے آتے ہی آپ راہِ حق میں لگ گئے اور روزی کی فکر اور غم نہیں کیا.....

ایک مرتبہ ایک شخص نے روزگار سے تنگ آکر شہر کو چھوڑنا چاہا..... جب ایک بزرگ سے وداع ہونے کو گیا تو انہوں نے پوچھا۔ ''بیٹا کہاں اور کیوں؟'' اس نوجوان نے کہا کہ ''اس شہر کو چھوڑتا ہوں شاید روزگار میں بہتری ہوجائے۔'' تو اس بزرگ نے کہا۔

''اچھا بیٹا اس شہر کے خدا کو میرا اسلام کہنا۔'' وہ جوان حیران رہ گیا اور کہا کہ ''وہاں کا خدا کیا کوئی اور ہے؟ خدا تو صرف ایک ہے۔'' اس بزرگ نے فرمایا۔ ''اے ناداں..... ! جب تو اتنا جانتا ہے کہ اس شہر میں اور اس شہر میں تیرا مقدر ایک ہی ہے..... تو جا فراخ دلی سے اطاعتِ الٰہی میں مشغول ہوجا اور پھر دیکھ کہ تجھے کیا، کیا نعمتیں ملتی ہیں۔'' بندہ اگر سو سال بھی مارا، مارا پھرے مقدر سے بڑھ کر رزق طلب کرے تو مقدر سے زیادہ ذرہ بھر بھی نہیں ملے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی توریت میں ''متوکل'' ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ سے بڑھ کر اللہ کی حقیقت کا شناسا کون ہے؟ توکل آپ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

اسبابِ دنیوی سے قطع تعلق کرلینے کا نام توکل نہیں توکل تو اسباب کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب ہم توکل کی بات کرتے ہیں تو اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے کہ توکل کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان کوشش کرنا چھوڑ دے اور اس امید پر رہے کہ اللہ تو پتھر میں کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے تو ہمیں بھی پالتا رہے گا یاد رہے کہ اللہ کو سست لوگ پسند نہیں..... وہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو مجاہدوں کی طرح ہر وقت عمل کے لیے کمر کس کے رکھتے ہیں یہ عالم الاسباب ہے اور یہاں ہر شے کا سبب ہے حتیٰ کہ موت کا بھی..... کوشش ہم پر فرض ہے۔ اللہ کی طرف سے عطا کردہ تمام جسمانی و ذہنی قوتوں کا..... بھرپور استعمال کرتے ہوئے بہترین کوشش کریں اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں..... یہ نتیجہ من چاہا ہو یا اس کے برعکس اسے ہنسی خوشی تسلیم کرلیں۔ یہی توکل ہے۔

جب یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی ہمیں مل رہا ہے وہ ہمارے حق میں بہتر ہے تو پھر ہمیں کسی بات کا غم نہیں رہے گا بات ساری رب پر بھروسے کی ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ہم رب پر یقین تو رکھتے ہیں لیکن اس پر بھروسا نہیں کرتے۔

رب تعالیٰ پر بھروسا اور یقین کا فرق یوں سمجھیے کہ کبھی گھر جاتے ہوئے ہمارے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا ہوگا کہ گھر پہنچنے پر ہماری والدہ ہمیں کھانا نہیں دیں گی۔ وہ ہمارے آرام اور لباس کا خیال نہیں رکھیں گی۔ درحقیقت ہمیں اپنی ماں کی محبت پر بھروسا ہوتا ہے..... تو وہ رب جو ہم سے ستر ماؤں کی محبت کرتا ہے اس کے بارے میں یہ کیسے سوچ لیتے ہیں کہ نہ جانے وہ یہ کام کرے گا یا نہیں۔

رب پر بھروسا کرنے کا بے حد آسان طریقہ یہ ہے کہ روزانہ رات کو لیٹتے ہوئے آپ یہ مشق کریں کہ زندگی

میں کب، کب کٹھن وقت آیا اور ہم نے سوچا کہ یہ کام ہمارا نہیں ہو پائے گا مگر اللہ نے کر دیا...... کب، کب ہم مایوس ہو رہے تھے تو اس نے ہمیں بچا لیا...... کئی معاملات میں ہمارا انتظام اس نے غیب سے کر دیا۔

اس مشق کا یقیناً یہ فائدہ ہوگا کہ رب تعالیٰ پر بھروسا حاصل ہو جائے گا...... جب انسان متوکل ہو جاتا ہے تو وہ ہر لمحہ خوشگوار موڈ میں رہتا ہے...... اس کی طبیعت میں، اس کی آواز میں اداسی کی جگہ ایک سرشاری، ایک سکون آمیز کیفیت آ جاتی ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ خوشگوار موڈ میں ملتا ہے یوں وہ اپنے گھر والوں کو اور عزیزوں کو ہر دل عزیز ہو جاتا ہے جبکہ اس کے برعکس انسان میں چڑچڑاپن اور غصہ تب آتا ہے جب اس میں مایوسی اور ناکامی کا عنصر در آتا ہے...... جو یقیناً ناپسندیدہ رویہ ہے۔

☆☆☆

نبی اکرم ﷺ سے ایک اعرابی نے سوال کیا کہ "میں اونٹ کو کھلا چھوڑ کر یا اس کا پاؤں باندھ کر توکل کروں؟" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "پہلے اونٹ کا پاؤں باندھ پھر اللہ پر توکل کر۔" حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اگر تم نے توکل کی حقیقت کو پالیا ہوتا تو اللہ تمہیں پرندوں کی طرح روزی دیتا جو صبح بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آتے ہیں۔"

حضرت ابراہیم ادھمؒ اور حضرت شفیق بلخیؒ کی ملاقات مکہ معظمہ میں ہوئی۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے سوال کیا...... "اے شفیق! آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟" انہوں نے جواب دیا...... "ایک مرتبہ میں جنگل سے گزرا وہاں ایک پرندے کو دیکھا جس کے دونوں بازو یعنی پر ٹوٹ چکے تھے...... میں یہ دیکھنے کے لیے وہاں رک گیا کہ دیکھوں اب اس کو رزق کیسے ملتا ہے؟ اتنے میں ایک پرندہ اپنی چونچ میں ایک ٹڈی لے کر آیا اور اس پرندے کے منہ میں اس کو ڈال دیا...... مجھے خیال آیا کہ رزاق اگر اسے رزق پہنچا سکتا ہے تو مجھے کیوں نہیں پہنچائے گا لہٰذا سب کچھ چھوڑ کر عبادت میں مصروف ہو گیا......" اس پر حضرت ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا...... "اے شفیق! آپ نے معذور پرندہ بننا گوارہ کیا اگر آپ تندرست پرندہ بنتے تو آپ کا مقام کچھ اور ہوتا...... آپؒ نے حضور ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے...... مومن تو ہمیشہ بلند درجات کا خواہاں ہوتا ہے...... حتیٰ کہ ابرار کے مقام کو حاصل کر لیتا ہے۔" یہ بات سن کر حضرت شفیق بلخیؒ نے آپ کا ہاتھ چوم لیا اور فرمایا کہ "بے شک آپؒ میرے استاد ہیں۔"

سردارِ کائنات ﷺ نے فرمایا...... "جو خود کو سب سے زیادہ غنی بنانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ مال سے زیادہ مقامِ باری تعالیٰ پر نظر رکھے۔"

☆☆☆

حضرت ابوحمزہ خراسانیؒ ایک دن کہیں جا رہے تھے کہ اچانک کنویں میں گر پڑے۔ تین دن کے بعد ایک قافلہ اُدھر سے گزرا اور کنویں کے کنارے اس نے پڑاؤ کیا۔ آپؒ نے دل میں سوچا کہ اہلِ قافلہ کو مدد کے لیے بلائیں یا نہیں؟ پھر خیال آیا کہ آواز دینا اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہوگا اور یہ اس کی شکایت بھی...... گویا میں یہ کہوں گا کہ خدا نے تو مجھے کنویں میں ڈالا، اب آپ لوگ مجھے یہاں سے آ کر نکال لو...... اتنے میں وہ قافلے والے خود کنویں پر آ گئے...... اور کنویں میں جھانک کر کہنے لگے...... کہ یہ کنواں تو راستے میں واقع ہے اس پر نہ کوئی روک ہے اور نہ منڈیر...... ایسا نہ ہو کوئی راہ گزر اس میں گر پڑے لہٰذا آؤ مل کر اس کنویں پر چھت ڈال دیں اور اس کا دہانہ بند کر دیں تاکہ اس میں کوئی گر نہ پڑے۔

یہ باتیں سن کر حضرت ابوحمزہؒ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اور وہ اپنی زندگی سے ناامید ہو گئے...... قافلے والوں نے کنویں پر چھت ڈالی اور زمین ہموار کر کے چلے گئے...... آپؒ اپنے رب سے دعا مانگنے لگے۔ اب کسی بھی مخلوق کی طرف سے مدد کا امکان نہیں تھا...... چنانچہ جب رات ہوئی تو آپؒ نے دیکھا کہ چھت میں جنبش پیدا ہوئی۔ جب غور سے دیکھا تو نظر آیا کہ کوئی

چیز دہانے کے سر کو کھول رہی ہے اور ایک اژدھے کے مانند بہت بڑا جانور اپنی دم کنویں میں لٹکا رہا ہے۔ اس وقت حضرت ابوحمزہؒ کو یہ یقین ہوگیا کہ یہ میری نجات کا ذریعہ ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ آپؒ نے اس کی دم پکڑلی اور اس نے آپ کو کھینچ کر باہر نکال لیا۔ اس وقت غیب سے آواز آئی۔ ”اے ابوحمزہ! کیسی اچھی تمہاری نجات ہے کہ جان لینے والے کے ذریعے تمہاری جان کو نجات دلائی گئی۔“ اور یہ یقیناً آپؒ کے اپنے اللہ پر یقین اور توکل کی وجہ سے ہوا تھا۔

☆☆☆

حضرت میاں میرؒ کا اپنے پروردگار پر توکل کا عقیدہ نہایت مضبوط تھا۔ ایک مرتبہ آپؒ کا ایک خاص مرید آپؒ کے لیے لکڑی کا بنا ہوا خوب صورت عصا لایا اور اسے بڑی محبت سے آپ کی خدمت میں پیش کیا..... آپؒ وہ عصا اپنے ہاتھ میں لے کر اٹھے اور ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ وہ عصا زمین پر پھینک دیا اور فرمایا۔ ”لاٹھی پر تو اسے بھروسا کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا نہیں کرتا ہو اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتا ہو اسے لاٹھی پر بھروسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“ اس کے بعد حضرت میاں میرؒ نے کبھی اپنے ہاتھ میں لاٹھی نہیں لی۔

اگر کوئی شخص متواتر کھانا پکا کر آپؒ کے پاس لاتا تو آپؒ اسے منع کردیتے..... آپؒ کے خادم نے آپ سے وجہ پوچھی..... تو آپ نے جواب دیا کہ اگر کوئی شخص متواتر بھیجے تو یوں دل میں امید پیدا ہوجاتی ہے کہ فلاں چیز تو فلاں شخص لے آئے گا اور کسی کے ساتھ امید وابستہ کرنا... توکل کے خلاف ہے اور یہ ایک خطرہ ہے۔

حضرت میاں میرؒ کے عقیدت مندوں میں بادشاہِ وقت بھی تھے اور عوام الناس بھی..... وہ آپ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرنا اور نذر و نیاز پیش کرنا اپنے لیے بڑے شرف کی بات سمجھتے تھے..... آپؒ بادشاہوں اور وزیروں کے نذرانے قبول نہ کرتے تھے۔ اگر کوئی بادشاہ یا وزیر آپؒ کی خدمت میں سونا، چاندی نذرانے کے طور پر پیش کرتا تو آپؒ فرماتے..... ”تم نے مجھے ایک فقیر خیال کیا ہے اور یہ سونا، چاندی لاتے ہو..... یاد رکھو کہ میں فقیر نہیں ہوں کہ تمہارے مال کا حقدار ہوسکوں میں تو خود غنی ہوں اور وہ شخص جو پروردگار عالم کو دوست رکھتا ہو وہ کبھی فقیر نہیں ہوسکتا جاؤ یہ سونا چاندی غربا اور مستحق لوگوں میں تقسیم کردو۔“

آپؒ فرمایا کرتے تھے..... ”اچھے عمل کرو..... اور مسلمانوں کے دلوں کو خوش رکھو اور اچھے عمل کے بعد بارگاہِ الٰہی میں اپنے لیے دعا مانگو اور اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ ہی کو مانگو۔ اللہ تعالیٰ سے غیر خدا کو نہ مانگو۔“

☆☆☆

سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا..... ”جو سب سے قطع تعلق کرکے یعنی ان سے بے نیاز ہوکر صرف اللہ سے تعلق جوڑ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل آسان فرمادیتا ہے اور ایسے طریقے سے رزق مہیا کرتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا..... مگر جو شخص دنیا کا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے دنیا کے سپرد کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا..... ”اے داؤد! میرا کوئی بندہ اگر مخلوق کو چھوڑ کر میرا دامن تھام لیتا ہے اور زمین و آسمان اس پر سختیاں کرے مگر میں اس کی دشواریاں دور کردیتا ہوں اس کے لیے راہ پیدا کردیتا ہوں۔“ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار انہیں بچھو ڈس گیا تب ان کی والدہ نے ان کو قسم دی کہ جا کر دم ضرور کرانا..... میں نے دم کرنے والے کو وہ ہاتھ دیا جس پر بچھو نے ڈنک نہیں مارا تھا.....

جناب ہرم بن حیانؒ نے حضرت اویس قرنیؒ سے کہا..... ”آپ مجھے کہاں جانے کا حکم دے رہے ہیں۔“ انہوں نے ملک شام کی طرف اشارہ کیا..... حضرت ہرم نے کہا..... ”وہاں میری گزر اوقات کیسے ہوگی؟“ حضرت اویس قرنیؒ نے فرمایا..... ”ہلاک ہوں وہ دل جن میں اللہ کی ذات پر اعتماد نہیں اور شک میں پڑ گئے ایسے لوگوں کو نصیحت کا کوئی فائدہ نہ پہنچے گا.....“ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جب سے میں اپنے

اللہ پر راضی ہو کر اپنا کارساز ہونے کا یقین کر لیا تو مجھے ہر بھلائی کا راستہ مل گیا..... اللہ ہمیں بھی اپنی توفیق سے حسنِ ادب عطا فرمائے..... آمین۔

☆☆☆

حضرت رابعہ بصریؒ نہایت غربت میں زندگی بسر کرتی تھیں..... حضرت مالک بن دینارؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ کی کل کائنات ایک شکستہ کوزہ..... ایک بوسیدہ بوریا اور ایک اینٹ ہے..... اس کوزے سے ہی پانی پیتیں اور وضو کرتیں..... اس بوریے پر بیٹھتیں اور سر اینٹ پر رکھ لیا کرتی تھیں۔

حضرت مالک یہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور بولے ''رابعہؒ! میرے بہت سے امیر دوست ہیں جو ضرورت ہو وہ لا دوں؟'' آپؒ نے فرمایا..... ''مالک! آپ غلطی پر ہیں..... سب کا روزی رساں ایک ہی ہے، کیا وہ درویشوں کو ان کی درویشی کی وجہ سے بھول بیٹھا ہے..... اور امیروں کو ان کی امارت کی وجہ سے یاد کرتا ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں اور وہ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے تو پھر اسے یاد دلانے کی ضرورت نہیں..... وہ اسی طرح پسند کرتا ہے تو ہم بھی اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح وہ پسند کرے۔ ایک بار بصرہ کا ایک رئیس روپیوں کا ایک تھیلا لیے دروازے پر کھڑا رو رہا تھا..... تو ایک صاحب نے پوچھا۔ ''بھائی کیوں کھڑے رو رہے ہو.....؟'' وہ بولا۔ ''ایک چیز بی بی کے لیے لایا ہوں مگر اس اندیشے سے رو رہا ہوں کہ وہ شاید قبول نہ کریں.....''

ان صاحب نے اندر جا کر اس رئیس کے آنے کا مقصد بیان کیا..... تو حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا..... ''اللہ کو جو برا کہتا ہے وہ اس کی روزی بند نہیں کرتا اور جو اس کی محبت کا دم بھرتا ہے اسے وہ رزق کے بغیر بھی زندہ رکھتا ہے..... میں نے تو معرفت کے بعد مخلوق سے روگردانی اختیار کر لی ہے پھر جس مال کے حلال، حرام ہونے کا علم نہیں اسے میں کیسے قبول کر سکتی ہوں؟''

آپؒ نے پوری زندگی عشقِ الٰہی میں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہوئے بسر کی..... اور جیسا آپؒ نے آقا کو چاہا..... آقا نے بھی ویسا ہی چاہا۔

آج ہم اپنے حالات پر غور کریں تو ہم سب رزق کے لیے کس قدر پریشان ہیں..... جو ہمارے پروردگار کی ذمے داری ہے وہ ہم نے اپنے کندھوں پر اٹھالی ہے۔ اور اپنا کام یعنی عبادت..... وہ بھول گئے ہیں..... اپنے مستقبل، اپنے کیریئر کے جنون میں ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کر رہے ہیں، ایک ملک سے دوسرا ملک بدل رہے ہیں اس دنیا کی ہوس اور اس کی برائیوں میں جکڑتے جا رہے ہیں اور اپنے اللہ پر کس قدر توکل کر رہے ہیں ..... یہ ہمارے لیے بے حد سوچنے کا مقام ہے۔

☆☆☆

حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ اپنے عہد کے مشائخین میں سے تھے آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی ایک صاحبزادی تھیں خوب صورت اور خوب سیرت ان کے لیے بادشاہِ وقت نے اپنا رشتہ بھیجا۔ آپؒ نے ان سے تین دن کی مہلت مانگی آپؒ اپنی صاحبزادوں کی شادی کسی نیک، پرہیز گار اور عبادت گزار نوجوان سے کرنے کے خواہش مند تھے آپؒ نے مسجدوں کے گرد چکر لگانے شروع کیے کہ کسی عبادت گزار نوجوان سے ملاقات ہو جائے اور پھر ہوا بھی یہی تیسرے دن آپ کی ملاقات ایک عبادت گزار جوان سے ہوگئی۔ وہ نماز میں مشغول تھا جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپؒ نے اس سے سوال کیا..... ''بیٹا! تمہاری شادی ہوگئی ہے؟'' اس نے جواب دیا۔ ''حضرت مجھ غریب کو کون بیٹی دے گا جس کے پاس تین درہم سے زیادہ نہیں.....'' حضرت شجاع کرمانیؒ نے فرمایا..... ''تم فکر مت کرو وہی تینوں درہم ایک روٹی کے لیے، ایک شیرینی کے لیے اور ایک خوشبو کے لیے خرچ کر دو..... اور عقد نکاح کر لو.....'' چنانچہ آپؒ نے اپنی لڑکی کا نکاح اس غریب نوجوان سے کر دیا۔

رخصتی کے بعد اس لڑکی نے ایک طائرانہ نظر چھوٹے سے کمرے پر ڈالی تو اسے ایک مٹی کے برتن میں خشک روٹی کا آدھا ٹکڑا نظر آیا۔ اس نے ادب سے پوچھا۔

''سرتاج......! یہ آدھی روٹی کیسی ہے؟'' اس نوجوان نے سادگی سے بتایا۔ ''یہ میری کل کی بچی ہوئی روٹی ہے' یہ اس لیے رکھی تھی کہ اسے آج کھاؤں گا......'' لڑکی نے یہ جواب سنا...... اور اس نے باپ کے گھر جانے کی تیاری شروع کردی...... وہ غریب نوجوان اسے تیاری کرتے دیکھ کر بولا......'' میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ مجھ جیسے غریب شخص کے ساتھ آپ یہاں نہیں رہ سکیں گی......'' اس کی بات سن کر وہ لڑکی بولی۔ ''میں آپ کی غربت ونا داری سے پریشان ہوکر باپ کے گھر نہیں جارہی بلکہ آپ کے کمزور یقین نے مجھے پریشان اور خوفزدہ کردیا ہے...... آپ کی تو حالت بے یقینی کی یہ ہے کہ آپ کو اپنے اس رب پر یقین اور بھروسا نہیں ہے جب ہی تو آپ نے وہ روٹی کل پوری کھانے کے بجائے آج کے لیے بچا کر رکھی...... کہ آپ کو یقین نہیں تھا کہ اس رب نے جو آج رزق آپ کو دیا ہے کل بھی وہی انتظام کرے گا...... مجھے تو حیرت اپنے بابا پر ہے کہ انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ میری شادی کسی پرہیز گار، متقی سے کریں گے اور شادی ہوئی تو ایسے شخص کے ساتھ کہ جسے اپنے رزق کے لیے بھی اللہ پر بھروسا نہیں......'' لڑکی کے لہجے میں دکھ تھا...... نوجوان اس کی بات سن کر سخت شرمندہ ہوگیا۔

نوجوان درویش بھی کامل تھا...... لڑکی کی بات سن کر بہت حیران ہوا اور اس کی سوچ پر خوشی بھی ہوئی آخر کچھ سوچ کر بولا۔

''عزیز دلہن......! آخر میری اس غلطی کا کوئی کفارہ ہے؟''

لڑکی نے روٹی کی طرف اشارہ کیا...... ہاں بالکل...... آپ مجھے گھر میں رکھیں یا اس روٹی کو...... فیصلہ کریں''۔ سبحان اللہ! کیا توکل تھا اپنے رب پر...... (کیا ہمیں بھی اپنے رب پر اتنا ہی یقین ہے؟ غور کرنے کا مقام ہے)

☆☆☆

ایک بزرگ حضرت احمد بن الجواریؒ کا ارشاد ہے کہ ''یہ دنیا گندگی کا ڈھیر اور کتوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ وہ شخص کتے سے بھی بدتر ہے جو اس پر جم کر بیٹھ جائے کیونکہ کتا اس ڈھیر سے اپنی حاجت پوری کرکے چلا جاتا ہے لیکن دنیا سے محبت کرنے والا اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی حالت میں اسے چھوڑتا ہے۔''

جب زندگی میں مشکل وقت آجائے تو وہاں رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ یوں کہ جب انسان حالات کی چکی میں سے گزارا جارہا ہوتا ہے تو ایسے میں اسے یہ سمجھا دیا جائے کہ یہ وقتی مشکل ہے یہ عرصہ کچھ سالوں پر تو محیط ہوسکتا ہے مگر پھر اس کے بعد ایک بڑا انعام آپ کا انتظار کررہا ہے اور انعامات کی وہ بارش بے حساب ہے...... بات صرف سوچنے کی ہے...... کہ ہم بچپن میں جب کبھی کوئی اپنا پسندیدہ کھلونا توڑ بیٹھتے تو ہماری چاہنے والی ماں نے اس کو جوڑ دیا یا ہمیں نیا لا کردے دیا...... تو وہ عظیم الشان رب جو اپنے بندے سے ستر ماؤں کی محبت کرتا ہے وہ اپنے بندے کو کیسے اکیلے، ٹوٹا پھوٹا اور بکھرا ہوا دیکھ سکتا ہے...... تو اپنے اس ہی محبت کرنے والے رب سے میری التجا ہے کہ اے میرے پیارے رب! ہم سب اپنے گناہوں کی کثافتوں، اپنی کوتاہیوں اور اپنی غلطیوں کے سبب اپنے وجود کو توڑ بیٹھے ہیں یا الٰہی! تو ہمیں جوڑ دے ہمیں سمیٹ لے اور ہمیں بکھرنے سے بچالے، میرے رب! ہمیں معاف کردے...... اور ہمیں اپنا بنالے...... اپنا یقین عطا کردے...... آمین۔

☆☆☆

حرف آخر: اے میرے رب...... مجھ سے اس مضمون میں کہیں کوئی غلطی، کوئی کمی، کوئی کوتاہی ہوگئی تو مجھے معاف کردے کہ تو سب سے زیادہ معاف کرنے والا اور مہربان رب ہے...... آمین۔ اور اس مضمون کو ہم سب کے لیے توشۂ آخرت بنادے...... آمین۔

نوٹ: قارئین کرام! محترمہ اختر شجاعت آٹھ دس مصنفین کی کئی، کئی جلدوں پر مشتمل تصانیف سے مکمل تحقیقی استفادے کے بعد یہ جامع صفحات آپ کے لیے ترتیب دیتی ہیں۔ (جزاک اللہ)

وہ آئے بزم میں......

نزہت اصغر



پُراثر تحریروں کی خالق مصنفہ

رفاقت جاوید

کے ساتھ ایک بھرپور نشست

ہماری اس بزم کے دلدادہ...... باذوق قارئین کی خدمت میں سلام...... اور ڈھیروں دعائیں......

ہم سب کی زندگی سنجیدہ اور پُرلطف امور کا مجموعہ ہے۔ اس میں سے کسی بھی ایک عنصر کو نکال دیا جائے تو وہ تنوع اور دلچسپی باقی نہیں رہتی۔ ہماری معزز رائٹرز جہاں ہلکے پھلکے تفریحی موضوعات اور روز مرہ کے مسائل پر لکھ رہی ہیں، وہیں سنجیدگی کی گہری نظر لیے انسانی نفسیاتی مسائل کو بھی ضبطِ قلم کررہی ہیں۔ انہی

قلمکاروں میں ایک نمایاں نام محترمہ رفاقت جاوید کا بھی ہے...... ڈائجسٹ کی دنیا میں ان کی دوبارہ آمد اگرچہ چھ آٹھ برس سے ہوئی مگر ان کی شائع شدہ تحریریں عرصے سے پسند کی جارہی ہیں۔ ان کے بیشتر قارئین معاشرے کے ایک باذوق اور باشعور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو انسانی نفسیات کے مختلف پہلوؤں پر لکھی جانے والی تحریریں بے حد پسند کرتے ہیں...... ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایسی رائٹر آج ہمارے ساتھ ہیں جو تفریح کے ساتھ، ساتھ معاشرے کی تربیت کا فعل بھی انجام دے رہی ہیں...... رفاقت جاوید اپنی کہانیاں کسی نہ کسی مقصد کو سامنے رکھ کر لکھتی ہیں اور...... مسائل اٹھانے کے ساتھ، ساتھ ان کا حل بھی احسن طریقے سے پیش کرتی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ان کا قلم اسی طرح چلتا رہے اور ہمارے پاکیزہ صفحات سجتے رہیں۔ چلیں اب ہم اپنی ایک ادبی رفیقہ سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......سب سے پہلے تو آپ کی آمد کا بے حد شکریہ...... کہ اپنی گھریلو اور تخلیقی مصروفیات سے وقت نکالا...... آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟

رفاقت جاوید ❖......مجھے خوش آمدید کہنے کا شکریہ...... میں وقت کی قید میں نہیں ہوں بلکہ وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے آپ دل کھول کر سوالات کرسکتی ہیں۔ فرمائیں جو بھی آپ کے دل میں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر سچ کہوں گی اس کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔

پاکیزہ ✧......آپ کے نام سے ایک دم کسی خاتون کے نام کا گماں نہیں ہوتا...... کچھ بتائیں گی، یہ نام کس نے رکھا تھا۔ آپ کو اس حوالے سے کوئی دلچسپ تجربہ تو نہیں ہوا؟

رفاقت جاوید ❖......آپ نے درست فرمایا۔ مجھے آج بھی یہی شکایت ہے۔ میرے والد صاحب نے میرا نام نرگس رکھا تھا کیونکہ انہیں فلمی اداکارہ نرگس اور نرگس کا پھول اور اس کی بھینی، بھینی خوشبو بہت پسند تھی۔ امی کو یہ پسندیدگی بہت ناگوار گزری۔ انہوں نے دوستی یاری پکارتے ہوئے مجھے اپنی رفاقت بنالیا۔ اگر امی نے میرا نام محبت اور چاہت سے نہ رکھا ہوتا تو میں ہوش و حواس میں آتے ہی اپنا نام بدل ڈالتی۔ آپ نے کسی دلچسپ واقعے کا ذکر کیا ہے تو مجھے آج سے پچیس سال پہلے کا واقعہ یاد آگیا۔ ہماری پوسٹنگ رسال پور تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میں گھر میں بچوں کو پڑھا رہی تھی کہ باہر بیل ہوئی۔ میں نے سوچا کہ اس وقت میری کسی دوست کی آمد ہوسکتی ہے نوکر کوارٹر میں جاچکے تھے۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھولا تو سامنے مجھے ایک لڑکا ہاتھ میں بیگ اٹھائے نظر آیا جو میرے لیے انجان تھا۔ میں چوکیدار کی عقل پر حیران ہورہی تھی کہ وہ گویا ہوا...... سرگودھا سے آیا ہوں...... (یعنی میری سسرال سے) میں نے جلدی سے سر کو دوپٹے سے ڈھانپ کر ہلکی سی آواز میں پوچھا۔ ”آپ کا نام؟“ یہ سن کر اس نے مجھے بڑی اپنائیت سے کہا ”رفاقت“ میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی کہ جان نہ پہچان میں تیرا اس قدر بے تکلف مہمان کہ مجھے میرے نام سے پکار رہا ہے۔ میں نے پھر قدرے اونچی آواز میں اس کا نام پوچھا۔ تو وہ بھی ذرا سا اونچی آواز میں بولا۔ ”جی رفاقت!“ میں یہ سن کر اسے جواب دیے بغیر گھر کے اندر آکر اسے دل ہی دل میں برا بھلا کہنے لگی کہ اتنے میں جاوید میرے شوہر اندر داخل ہوئے مجھے پریشان دیکھ کر بولے۔ ”یہ لڑکا میرے فلاں کزن کا دوست ہے، کسی کام سے آیا ہے اسے گیسٹ روم میں بھجوادو۔“ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کمرے میں لے گئی اور خود پر قابو پا کر بولی۔ ”ڈیڈی یہ کون ہوتا ہے مجھے رفاقت کہہ کر پکارنے والا۔ (جاوید کو میں ڈیڈی کہتی ہوں) کیا باجی یا آپی نہیں کہہ سکتا تھا“ تو جاوید نے زوردار قہقہہ لگا کر صرف اتنا ہی کہا۔ ”دراصل رفاقت تمہاری امی نے تمہارے ساتھ خوب ہاتھ کیا ہے۔ اس لڑکے کا نام بھی رفاقت ہے۔“ (واہ بڑا مزے دار قصہ سنایا)

پاکیزہ ✧......آپ نے اپنے قلمی سفر کا آغاز کب اور کیوں کیا؟ کیا کسی سے متاثر ہوکر؟

رفاقت جاوید ❖......میں نے بارہ سال کی عمر میں بچوں کی کہانیوں سے اپنے قلمی سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس میں میرے والد صاحب کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے میری بہت رہنمائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے (آمین)

پاکیزہ ✧......پہلی تحریر پر کیا ردِعمل ملا؟

رفاقت جاوید ❖......جنگ اخبار میں میری پہلی کہانی شائع ہوئی۔ ''عارفہ کی بدحواسی، بٹوا کھو گیا۔'' اس کی اتنی تعریف ہوئی گھر میں بھی اور اسکول میں بھی کہ پھر قلم نے رکنے کا نام ہی نہیں لیا۔ جب سولہ سال کی ہوئی تو بانو، حور اور زیب النسا میں افسانے لکھنے شروع کر دیے۔ شادی کے بعد یہ سلسلہ گھریلو ذمے داریوں کی وجہ سے منقطع کرنا پڑا۔ جب انڈیا ہماری پوسٹنگ ہوئی تو پھر وہاں بانو اور شمع رسالوں کے لیے خوب لکھا۔ وقفے کا آج بھی بہت افسوس ہے یہی وجہ ہے کہ جب دوبارہ اپنا ادبی سفر شروع کیا تو پھر کسی اسٹیشن پر رکی نہیں، دن کے بارہ گھنٹے سفر میں ہی گزر رہے ہیں کیونکہ آج وقت میری قید میں ہے اور میں بہت خوش ہوں۔ (بہت خوب)

پاکیزہ ✧......کیا اچھا لکھنے کے لیے کلاسیکی ادب کا مطالعہ ازحد ضروری ہے؟

رفاقت جاوید ❖......اچھا لکھنے کے لیے ہر طرح کے ادب کا مطالعہ کرنے کے ساتھ اندرون اور بیرونِ ممالک کی سیر وسیاحت بھی بہت ضروری ہے۔

پاکیزہ ✧......ویسے تو یہ خداداد صلاحیت ہے مگر اس کو جِلا کون سے عناصر بخشتے ہیں؟

رفاقت جاوید ❖......اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیلنٹ خدا کی دین ہے لیکن اسے اجاگر کرنے کے لیے بھٹی میں تپ کر کندن بننے کی ضرورت ہوتی ہے (جی بالکل)

پاکیزہ ✧......مگر آج کل تو یہ صلاحیت شوق سے زیادہ کمرشل اور معاشی ضرورت بن چکی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

رفاقت جاوید ❖......شوق میں لکھی جانے والی تحریر دل کے خون سے لکھی جاتی ہے، ان کی عمر بہت طویل ہوتی ہے جبکہ کمرشل اور معاشی ضرورت کو پورا کرنے والی تحریریں بہت سطحی اور زوال پزیر ہوتی ہیں۔ وقتی طور پر لوگوں کو بہلا تو لیتی ہیں لیکن دلوں میں گھر نہیں کرتیں۔ (یہ تو ہے)

پاکیزہ ✧......اچھا آپ کے پسندیدہ موضوعات کیا رہے؟

رفاقت جاوید ❖......میں اپنے معاشرے کی ان تلخ حقیقتوں کی پردہ کشائی کرنا چاہتی ہوں، جن میں ہماری معصوم عورت پس کر رہ گئی ہے، اس کی نہ تو اپنے گھر میں اور نہ ہی کورٹ میں شنوائی ہے۔ جہاں تک میرے پسندیدہ موضوعات کا تعلق ہے۔ مجھے ہسٹری، صوفی ازم اور ہر مذہب کی کھوج لگانے کی بہت پرانی عادت ہے۔ میری کتاب ''دھرنا کیوں؟'' اور ''روحانیت کا دریا'' اسی شوق و دلچسپی کی کڑی ہیں۔ انشاء اللہ ''رنگِ خلش'' کے بعد ان کی اشاعت کی باری ہے۔ (خدا آپ کے قلم میں مزید طاقت عطا کرے)

پاکیزہ ✧......اپنی اب تک کی تخلیقات سے آپ کس قدر مطمئن ہیں؟

رفاقت جاوید ❖......میں جس دن اپنی تخلیقات سے مطمئن ہوگئی۔ وہ میرے ادبی سفر کا آخری اسٹیشن ہوگا۔ (اللہ نہ کرے)

پاکیزہ ✧......ہر ایک رائٹر کو اپنی ہر تحریر پیاری ہوتی ہے۔ آپ تنقید اور نکتہ چینی کس حد تک برداشت کرسکتی ہیں؟

رفاقت جاوید ❖......مجھے اپنی تحریر پر تب پیار آتا ہے جب اسے قارئین پسند فرمائیں کیونکہ میں کمرشل یا ضرورت کے تحت نہیں لکھتی۔ میں اپنی بہنوں، بیٹیوں اور بہوؤں کی خاطر لکھ کر اپنا شوق پورا کرتی ہوں۔


رفاقت جاوید اپنے رفیقِ سفر قاضی جاوید احمد کے ساتھ کسی تقریب میں جانے کو تیار

تجربات ؛ مشاہدات کی کرنیں ان تک پہنچانا میرا مشن ہے۔ اپنے دوستوں کی تنقید ہنس کر برداشت کر لیتی ہوں کیونکہ مجھے ان پر اعتماد ہے، ہاں البتہ میں ان لوگوں کی تنقید کا جواب ضرور دیتی ہوں جو خود نہ تیتر نہ بٹیر...... نہ انگریزی کے رہے نہ اردو کو سمجھ سکے...... اور چلے ہیں تنقید کرنے...... میں جاوید کی تنقید کو بہت سنجیدگی سے سنتی ہوں کیونکہ انہیں ہر طرح کی معلومات پر عبور حاصل ہے اور پھر وہ ہیں بھی میرے بہترین دوست...... میری بہتری کے خواہاں ہیں۔ (بے شک شوہر سے بڑھ کر دوست اور کوئی نہیں اگر سمجھیں تو)

پاکیزہ ✧...... گھر والوں کی طرف سے کتنا تعاون حاصل رہا...... شادی سے پہلے اور بعد کا بھی کچھ بتائیے گا؟

رفاقت جاوید ❖......

شادی سے پہلے والدین کی طرف سے بہت تعاون ملتا رہا۔ شادی کے بعد نازک رشتوں میں اضافہ ہوا تو میری سوچ بدلی۔ شوہر کے شانہ بشانہ چلنا مجھے بہت اچھا لگا۔ سراسر گلیمر...... پھر عمر، حمزہ اور سفیان پیدا ہوئے تو یوں محسوس ہوا جیسے باقی سب کچھ بیکار ہے۔ میری چھوٹی سی دنیا جس میں میرا پیار کرنے والا شوہر اور میری مامتا کے خواہشمند میرے بچے تھے۔ کچھ عرصے کے لیے لکھنا بھول گئی تھی کیونکہ اب مجھے اپنی نئی دنیا کو چار چاند لگانا تھے۔

پاکیزہ ✧...... اب کیا ردِعمل آتا ہے، آپ کی اس مصروفیت پر؟

رفاقت جاوید ❖...... اب میرے آشیانے سے پنچھی اڑ کر پردیس جا بسے ہیں۔ اسی مصروفیت نے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ (اللہ آپ کے آشیانے کو سدا آباد رکھے)

پاکیزہ ✧...... آپ نے ایک فوجی ماحول میں زندگی گزاری۔ آپ کی کہانیاں کس حد تک فوجی کرداروں کے گرد گھومیں؟

رفاقت جاوید ❖...... بہت کم...... میرا ناول ''بہاروں کی پت جھڑ میں'' میں نے ائر فورس میں

عورت کی اہمیت اور اس کی تربیت کے بارے میں لکھا ہے، جو بالکل سچ ہے اور ایک ڈائجسٹ کے لیے مکمل ناول "شوقِ شہادت" لکھا تھا۔ جسے بہت پسند کیا گیا تھا۔

پاکیزہ ✧...... بھئی انسان اپنے آس پاس سے ہی کردار لیتا ہے اس لیے یہ سوال پوچھا تھا؟ آپ کا کیا خیال ہے؟

رفاقت جاوید ❖...... ائر فورس کی بہادری کی داستانوں پر ایک ناول لکھنے کا ارادہ ہے۔ فی الحال معاشرے کی بے دردی اور سفا کی کا رونا ہے۔ قلم ایسی کہانیوں کے لیے تڑپ اٹھتا ہے۔ اس پر میرا اختیار نہیں رہتا۔

پاکیزہ ✧...... لکھنے لکھانے کے اس عمل میں آپ نے کتنے انوکھے تجربات حاصل کیے کوئی ایک مختصراً بیان کریں؟

رفاقت جاوید ❖...... میں آپ کو اِک مثال دیتی ہوں۔ ہم اپنے خاندان برادری کے ساتھ ہر طرح کی خوشی غمی میں ساتھ دیتے ہیں۔ ائرفورس غرضیکہ فوج کے ہر ادارے کی برادری میں بھی اپنائیت اور وضع داری کوٹ، کوٹ کر بھری ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے رائٹرز کا ایک دوسرے سے رابطہ ہے نہ جان پہچان تو ایک قلمی برادری ہونے کا احساس کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ رویہ مجھے بہت تکلیف دیتا ہے کہ ایک ہی خاندان کے بکھرے ہوئے افراد میں پرلے درجے کی نفسا نفسی کیوں ہے؟ (کاش کہ آپ کو اس کا جواب مل جائے)

پاکیزہ ✧...... کیا زندگی بنا کسی ہدف کے گزاری جاسکتی ہے حالانکہ بیشتر افراد گزارتے ہی ہیں؟

رفاقت جاوید ❖...... ہرگز نہیں، بے مقصد زندگی گزارنے کا ہمیں باریِ تعالیٰ کو حساب دینا پڑے گا۔ (یہ تو سمجھنے سمجھنے کی بات ہے بھئی، اللہ سب کو درست شعورِ حیات عطا کرے، آمین)

پاکیزہ ✧...... آپ کیا سمجھتی ہیں ہمارے ہاں ہر قسم کی تحریر لکھنے کی آزادی ہے؟

رفاقت جاوید ❖...... ہرگز نہیں، یہ آزادی صرف مرد کو حاصل ہے، پروین شاکر کی مثال آپ کے سامنے ہے کہ اس نے آزاد قلم کی سزا چھوٹی عمر میں ہی بھگت لی تھی۔

پاکیزہ ✧...... یعنی آپ کی کچھ خواہش ہو مگر معاشرتی حد بندیوں کے باعث نہ لکھ پائی ہوں؟

رفاقت جاوید ❖...... قلم تو بے لگام ہوتا ہے، اسے لگام لگانے والا ہمارا معاشرہ ہے، ورنہ دل تو بہت چاہتا ہے کہ کچھ سچائیوں کی پردہ کشائی ہی کردوں۔ (کوشش جاری رکھیں)

پاکیزہ ✧...... کیا جوانی اور ادھیڑ عمری کے مراحل تحریر پر اثر ڈالتے ہیں؟ مگر کیسے؟

رفاقت جاوید ❖...... جوانی میں تجربے کی کمی کی وجہ سے صرف اور صرف لو اسٹوری پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ میں اب خود کو عمر رسیدہ تو نہیں کہوں گی۔ مان جائیں کہ میں بے شک ایک رائٹر ہوں مگر ہوں فطرتاً عورت...... میرے سالہا سال کے تجربات و مشاہدات نے مجھے ادبی فکشن کی طرف مائل کیا ہے۔ میری سوچ میں پختگی اور قلم میں روانی آگئی ہے۔

پاکیزہ ✧...... اچھا آپ اتنے عرصے سے لکھ رہی ہیں۔ اس شہرت اور مقبولیت کو کس حد تک sustain کرتی ہیں کیا ناز و فخر و غرور کے جراثیم سر اٹھاتے ہیں؟

رفاقت جاوید ❖...... اللہ کی دین پر غرور و تکبر کیا کرنا؟ جب اس شہر میں، میں اپنے نام سے پہچانی جاتی ہوں تو یقین جانیں۔ میری زبان پر سبحان اللہ کا ورد ہوتا ہے۔ جس نے زندگی میں میری ہر چھوٹی بڑی خواہش کو پورا کیا...... اور اس قدر نوازا کہ جس کے قابل میں نہ تھی۔

پاکیزہ ✧...... ہاں یہ تو اپنے، اپنے ماحول اور تربیت پر منحصر ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ بڑے رائٹرز میں قول و فعل کا شدید تضاد دیکھا جاتا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟



رفاقت جاوید اپنی خوبصورت فیملی کے ساتھ

رفاقت جاوید ❖.....آپ نے بالکل درست فرمایا ہے، ماحول اور تربیت کا انسان کی فطرت پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے لیکن شہرت، نام، اسٹیٹس ایسی بیماریاں ہیں کہ اس سے فرشتہ صفت انسان ہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ قول و فعل کے تضاد کی شناخت مشکل نہیں ہوتی۔ آپ رائٹرز کی بات کرتی ہیں۔ اب وہ وقت ہے کہ دو غلی شخصیت کے لوگوں کی اس دنیا میں بھر مار ہے۔ منافقت کا اِک آرٹ کے طور پر فخر سے استعمال ہوتا ہے۔ رائٹرز کو اللہ تعالیٰ نے قلم کی طاقت بخش کر ان پر بہت بھاری ذمے داری ڈال دی ہے۔ اگر ان کے قول و فعل میں تضاد ہے تو پھر کسی اور سے توقع رکھنا ہماری بے وقوفی ہے۔ (بات تو صحیح ہے آپ کی)

پاکیزہ ✧.....رسائل، جرائد اور الیکٹرانک میڈیا رائٹرز کے محتاج ہیں یا رائٹرز ان کے محتاج.....؟

رفاقت جاوید ❖.....دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

پاکیزہ ✧.....یہ بات تو ہے کہ باہمی تعاون ہر شخص کے ہنر کی بقا کی ضرورت ہے مگر کبھی، کبھی انفرادیت کے چکر میں ہم خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لیتے ہیں، کیا خیال ہے؟

رفاقت جاوید ❖.....باہمی تعاون میں بقا ضرور ہے لیکن ہم اصولوں کے پابند ہوجاتے ہیں۔ انفرادیت میں فکر و عمل کی آزادی تو ہوتی ہے مگر یہ سفر تنہائی کا ہے۔

پاکیزہ ✧.....اچھا کچھ باتیں سوشل ایشوز پر بھی ہوجائیں، وعدے نبھانے کی کس حد تک پابند ہیں؟ (ہم تو خیر اچھی طرح جانتے ہیں یہ سوال صرف قارئین کے لیے ہے)

رفاقت جاوید ❖.....میں بغیر سوچے سمجھے اور جاوید کے مشورے کے بغیر کوئی وعدہ نہیں کرتی کیونکہ میں نے ہر صورت وعدہ نبھانا ہے، چاہے مجھے اس میں نقصان ہی کیوں نہ ہو، دوسری طرف ملکی اخلاقیات چاہے کتنی ہی گری ہوئی کیوں نہ ہوں، مجھے اپنی اخلاقیات کی ہر ممکن حفاظت کرنی ہے۔ (بے شک)

پاکیزہ ✧......آج کل ایفائے عہد، رواداری اور راست گوئی گویا کوئی عنقا اقدار ہیں......آپ بھی کیا ایسے تجربات ومشاہدات سے گزریں؟

رفاقت جاوید ❖......کھرے اور سچے لوگوں کے تجربات و مشاہدات بعض اوقات خاصے اذیت دہ ہو جاتے ہیں لیکن ان کا انجام ہمیشہ بہت بہترین ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧......اچھا اپنے آپ کو اسٹیبلش کرنے کے لیے سامنے کھڑے ہونے والے کی ٹانگ کھینچنا ضروری امر ہے یا خود اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر دوسروں کو متوجہ کرنا؟

رفاقت جاوید ❖......اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسا ہے اور خود اعتمادی جیسی دولت و نعمت میری ہمجولی ہے تو پھر ٹانگ کھینچنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کے لیے رہنما بننے میں اپنی کامیابی ہے۔ (بہت درست کہا)

پاکیزہ ✧......آپ بھی کہہ رہی ہوں گی یہ کیسے، کیسے سوالات پوچھ رہی ہے۔ ظاہر ہے اس کا جواب تو پچھلے سوال کا دوسرا حصہ ہی بنتا ہے مگر کیا کریں بڑی، بڑی باتیں کرنے والے ہی در پردہ یہ کرتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے؟

رفاقت جاوید ❖......ہر انسان آنکھ، دل و دماغ رکھتا ہے، ہم کسی کو بے وقوف بنانے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ کہیں میں تو بے وقوف بننے نہیں جا رہا۔ انسان بہت شیلو (ہلکا) ہے......اس کے اندر کچھ بھی چھپ نہیں سکتا۔ (یہ تو ہے کہ چہرے کہانی کہہ دیتے ہیں)

پاکیزہ ✧......اچھا چھوڑیں، یہ باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں آپ یہ بتائیں کہ آپ کے بچوں میں آپ کی اس صلاحیت کا پرتو ہے؟

رفاقت جاوید ❖......میرا بڑا بیٹا عمر جو امریکا میں جانا پہچانا ڈاکٹر ہے، اس کی انگریزی شاعری کا مجموعہ پریل کورفرسٹ ائر میں شائع ہوگیا تھا۔ حمزہ جس نے lums کے بعد Nyu سے ماسٹر کیا۔ آج ایک فلمنگ، ڈیجیٹل ایڈیٹنگ اور گرافک ڈیزائننگ کمپنی کا مالک ہے۔ اس نے یہ ہنر مجھ سے لیا۔ سفیان جس نے آسٹریلیا سے ٹیلی کام انجینئرنگ میں دو ماسٹرز کیے اس نے گانے کا شوق اپنی ماں سے چرا لیا۔ بڑوں نے کیا خوب کہا ہے کہ بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے (ارے یہ آپ کی خوبی تو آج پتا چلی۔ اگلی مرتبہ فرمائشی پروگرام ضرور ہوگا)

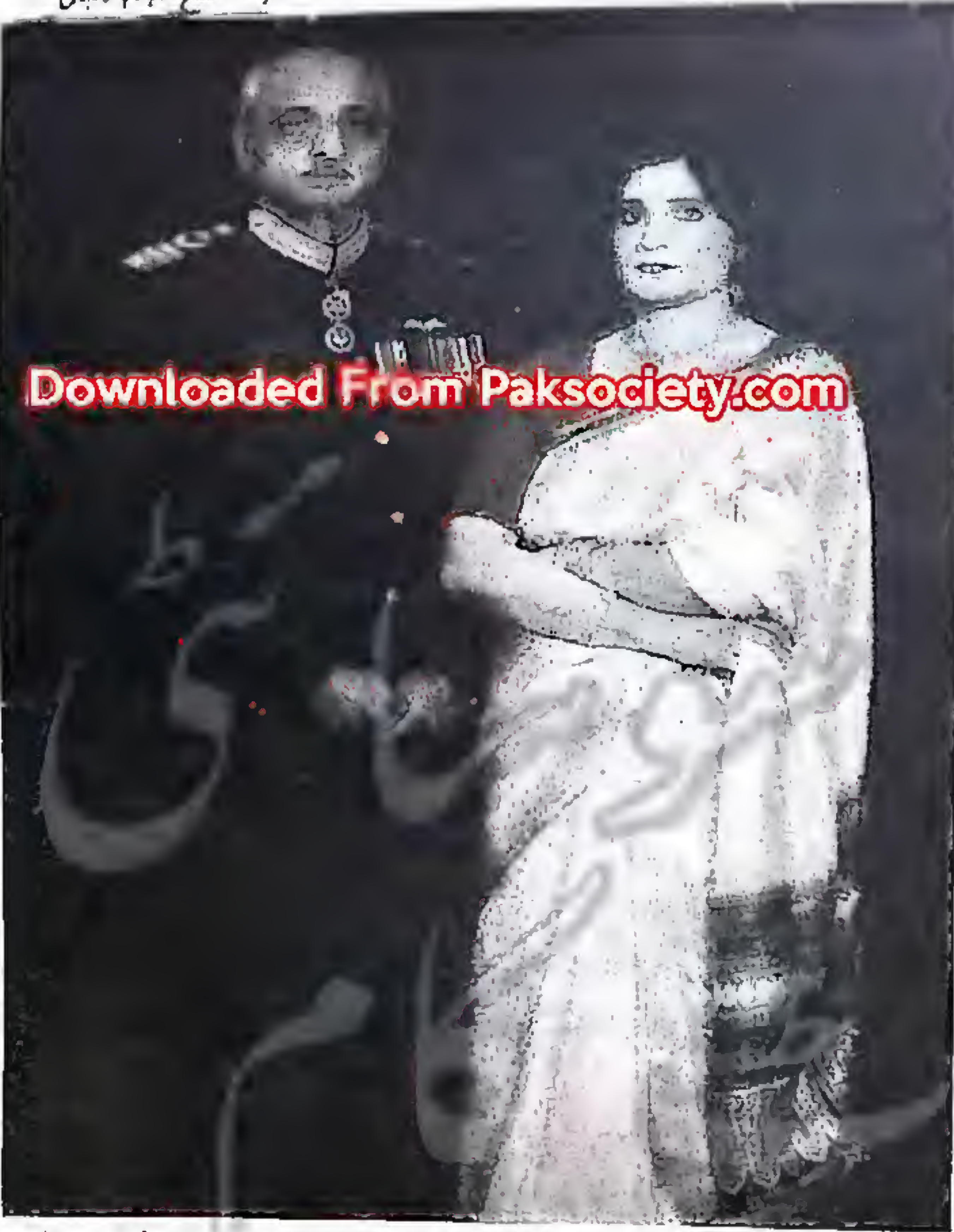
پاکیزہ ✧......کچھ اپنی فیملی کا بھی تعارف کروائیں؟

رفاقت جاوید ❖......بیٹوں کے بارے میں تو پہلے ہی بتا چکی ہوں، عمر کی بیگم زرنش بھی امریکا میں ڈاکٹر ہے۔ حمزہ کی بیگم ثمر نے بھی Nust سے بی سی ایس اور ایم بی اے کیا اور نیویارک میں بھی تعلیم کو آگے بڑھایا۔ وہاں بینک میں جاب کی تین مہینے ہوئے یہ کپل بھی آسٹریلیا شفٹ ہوگیا ہے۔ سفیان کی بیگم سحرش نے بھی بی ایس سی کیا اور ایم بی اے کر کے آسٹریلیا میں جاب کی۔ بیٹے کی پیدائش پر اسے نوکری کو وقتی طور پر خدا حافظ کہنا پڑا۔ عمر کی ایک بیٹی ایشل اور بیٹا کشف......حمزہ کے دو بیٹے میکائیل اور علی، سفیان کا ایک بیٹا احمد ہے۔ یعنی اللہ کے فضل وکرم سے میں پانچ بچوں کی دادی ہوں۔ (ماشاء اللہ، اللہ سلامت رکھے، آپ لوگ ان کی خوشیاں دیکھیں)

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد کی زندگی میں کون سی بات سے دل دکھا...... یا کسی بات پر دل بے انتہا خوش ہوا؟

رفاقت جاوید ❖......جب ہماری پوسٹنگ ہوتی تھی اور میں اور بچے، جاوید سے دور ہو جاتے تھے تو میں بہت ناخوش ہو جایا کرتی تھی۔ پھر نئے گھر کا لان اور نیا گھر سیٹ کرنے پر بے انتہا خوش ہو جایا کرتی تھی کیونکہ میں پاگل پن کی حد تک ہوم میکر خاتون ہوں۔ مجھے اسی پر فخر ہے۔ (ایسا ہر عورت کو ہونا چاہیے)

پاکیزہ ✧......ایک لڑکی یا خاتون کی زندگی مکمل کب ہوتی ہے؟



رفاقت جاوید اوران کے رفیقِ سفر ائر مارشل (ر) قاضی جاوید احمد ستارۂ جرأت، ہلالِ امتیاز ملٹری اور ستارۂ امتیاز کے اعزازات کے ساتھ

رفاقت جاوید ❖...... میری مثال آپ کے سامنے ہے، آج میں اپنی تمام تر ذمے داریوں سے فارغ البال ہو کر مکمل ہوگئی اور ایک بار پھر سے جوان ہوگئی ہوں۔ (ماشاء اللہ)

پاکیزہ ❖...... آپ نے اپنے خاندان میں لڑکی اور لڑکے کی پرورش میں کوئی نمایاں فرق دیکھا؟ اگر ہاں تو کیوں؟ نہیں تو کیوں؟

رفاقت جاوید ❖...... ہمارے خاندان میں لڑکی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے، لاڈ پیار کے ساتھ بیٹی میں کچھ بنیادی خوبیاں ڈالنے پر خاصی توجہ دی جاتی ہے تاکہ اسے اپنی زندگی میں دوسروں کو شامل کرنے کا سلیقہ آجائے۔ (واہ کیا اچھی بات کی)

پاکیزہ ❖...... کیا ہم اپنی روایات سے دور ہوتے جارہے ہیں؟

رفاقت جاوید ❖...... بلکہ بہت دور ہو چکے ہیں، آج کی بیٹی، ماں کے قابو میں نہیں رہی۔ (یہ تو ماں کی غلطی بھی ہوئی ناں)

پاکیزہ ❖...... وطن سے دور زندگی گزارنے والے پاکستانی وطن کی یاد میں تڑپتے ہیں اور یہاں رہنے والے اسی مادرِ وطن سے دشمنی کرنے پر تُل جاتے ہیں آخر کیوں؟

رفاقت جاوید ❖...... دور کے ڈھول سہانے...... لیکن اب بچوں کے مستقبل کے لیے مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ جب یہاں نوکری، بجلی، گیس، پانی جیسی بنیادی ضرورتیں بھی ایک شہری کو میسر نہیں ہوں گی تو حکمرانوں پر تنقید تو کی جائے گی۔ یہ دشمنی جنگل کے اس قانون سے ہے۔ اپنی دھرتی ماں سے ہرگز نہیں۔

پاکیزہ ❖...... قومیں محبِ وطن کیسے بنتی ہیں؟

رفاقت جاوید ❖...... ایثار و وفا سے۔

پاکیزہ ❖...... کیا ہم اپنی مٹی، اپنے مذہب حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی مخلص ہیں، اگر نہیں تو کیوں؟

رفاقت جاوید ❖...... ایک پاکستانی وہ چاہے حکمران ہے یا قوم اگر اپنے وطن کی پاک مٹی کا، اپنے مذہب کا پجاری ہوگا تو وہ اپنے لیے مخلص ہوگا، ورنہ گھاٹے

میں ہے۔(اللہ نہ کرے کوئی گھاٹے میں رہے)

پاکیزہ✧......اچھا رفاقت صاحبہ کچھ اپنی ذاتی پسند ناپسند کا بھی ضرور اظہار کریں (شاید کبھی تحفہ دینا پڑ جائے) پسندیدہ لباس، رنگ، ذائقہ، رشتہ، تفریحی مقام، پسندیدہ زیور، پسندیدہ جملہ یا ضرب المثل، پسندیدہ شعر، شخصیت، کتاب......؟

رفاقت جاوید❖......ہر کسی کا خلوص ہی تحفہ ہوتا ہے۔ ویسے ہمیشہ سے ساڑی میرا پسندیدہ لباس ہے۔ سفید رنگ، بے رنگ سہی لیکن بہت پسند ہے اور اس کے علاوہ رنگوں کا بادشاہ رنگ پنکش پیچ......میٹھا ذائقہ میری کمزوری ہے، میری ڈائننگ کا توڑ گاجر کا حلوا ہے۔ رشتوں میں والدین اور اولاد کا رشتہ دنیا کے ہر حصے میں مقدم اور عزیز سمجھا جاتا ہے۔ میں ان رشتوں سے ذرا ہٹ کر کہوں گی۔ مجھے شوہر کے رشتے پر بہت ناز ہے جس نے مجھے اپنا نام دیا، ہینڈسم، ذہین و فطین، فرمانبردار بچے ملے اور انہوں نے عمر بھر کے لیے مجھے اپنی سچی رفاقت کا مضبوط سائبان دیا۔ (ماشاء اللہ) پسندیدہ مقام کی بات ہو تو میں نے دنیا کی سیر و سیاحت کی لیکن اپنے ملک کے شمالی علاقوں کا جواب نہیں۔ میں وہاں پیدل بھی چلی، گھڑ سواری بھی کی۔ دو ذگی ٹاپ جس سرزمین کو کسی عورت کے قدموں نے چھوا تک نہیں وہاں تک گئی اور وہاں سے اتر کر چونسر لیک تک گئے اور آپ نے دیکھا ہوگا میری ایک تصویر میں وہ احساسِ مسرت نمایاں بھی ہے۔ ان تمام علاقوں میں سے ڈومیل میری پسندیدہ جگہ ہے جیسے جنت کا ایک حسین ٹکڑا زمین پر اتر آیا ہو۔ یہ جگہ وادیٔ کشمیر میں ہے۔ اسکردو سے 150 کلومیٹر کے فاصلے پر......سبحان اللہ وبحمدہ جوانی میں زیورات کی طرف قطعاً رجحان نہیں تھا۔ جوانی بذاتِ خود اک انمول اور حسین زیور ہوتی ہے اب بہت ہلکے پھلکے زیور پہننے لگی ہوں۔ دوسروں کو دکھانے کے لیے نہیں بلکہ خود کو خوش کرنے کے لیے۔

پسندیدہ جملہ: خواب وہ نہیں ہوتے جو نیند میں دیکھے جاتے ہیں۔ خواب وہ ہوتے ہیں جو آپ کو جگائے رکھتے ہیں۔ (واہ)

پسندیدہ شعر

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں......
اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے الجھ جاتی ہیں

پروین شاکر

پسندیدہ شخصیت محمد علی جناح۔ آئی ریئلی لو ہم۔ کتاب مثنوی مولانا رومی ہے اور ترکش رائٹر ایلف شفق کی کتاب، the forty rules of love

پاکیزہ✧......پاکیزہ سے ناتے کی کیا کہانی ہے۔ کچھ ہمارے قارئین سے شیئر کریں؟

رفاقت جاوید❖......جب میں نے اپنا ادبی سفر دوبارہ شروع کیا تو لوگ مجھے بھول چکے تھے۔ مجھے انجم انصار نے ملے اور دیکھے بغیر ہی پاکیزہ کی تمام پیاری بہنوں سے متعارف کرایا۔ انجم کے خلوص اور پیار کا جواب نہیں اور پھر ان کے بیٹے کی شادی میں عذرا رسول نے مجھے دور سے دیکھا اور چھ فٹ کے فاصلے سے انہوں نے مجھے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ میں انہیں پہچانتی تھی لیکن وہ مجھے نہیں جانتی تھیں۔ میں نے اپنا تعارف کرایا۔ جاوید کو بھی ان سے ملوایا۔ آج بھی عذرا فرماتی ہیں کہ رفاقت دوستی میں پہل میں نے کی تھی۔ تو میں ہنس کر جواب دیتی ہوں دوستی نبھانے کا وعدہ کرنے میں پہل میں نے کی تھی۔ انجم انصار اور نزہت اصغر بھی میرے لیے فرشتہ ثابت ہوئیں۔ کبھی کبھی خدا، فرشتوں کو بھی زمین پر بھیج دیتا ہے۔ (ارے کیسی بات کر رہی ہیں، آپ کی محبت اور مخلص طبیعت نے آپ کی جانب کھینچا رفاقت! آپ کی محبت، اپنائیت اور چاہت کا بہت، بہت شکریہ......اللہ آپ کو خوش رکھے)

پاکیزہ✧......اپنے پسندیدہ ماہنامہ پاکیزہ میں اور کیا اچھا اور دلچسپ دیکھنا چاہتی ہیں؟

رفاقت جاوید❖......میں فکشن کے علاوہ نان

فکشن اور ادبی فکشن سے ماہنامہ پاکیزہ کا حسن و جمال دیکھنے کی خواہش مند ہوں تا کہ پاکیزہ کے قارئین بھی یہ ذائقہ چکھ سکیں۔ میری دعا ہے کہ پاکیزہ کہ جہاں سے میرا اپنا دور، نئی زندگی اور نیا سفر شروع ہوا تھا دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے، آمین۔

پاکیزہ ✧...... بہت شکریہ رفاقت جاوید صاحبہ...... آپ نے اپنی قلمی اور گھریلو مصروفیات سے وقت نکال کر ہماری پاکیزہ بزم کو رونق بخشی...... اور اب کچھ بات ہو جائے آپ کے حالیہ اختتام پزیر ہونے والے قسط وار ناول، رنگِ خلش کی...... کہ جس کے بارے میں قارئین آپ سے کچھ وضاحتیں طلب کرنے کے خواہش مند ہیں۔

رفاقت جاوید ❖...... جی بالکل......! قارئین کی رائے، تنقید اور تبصرے میرے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

رنگِ خلش پر قارئین کی جانب سے کیے گئے سوالات کا مجموعی جواب۔

''میری پیاری بہنو! سدا خوش رہو۔ آج نزہت اصغر نے مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں رنگِ خلش کے بارے میں آپ کی جانب سے اٹھائے گئے سوالات اور شکایات کی اپنی طرف سے کچھ وضاحت دے سکوں۔

میں رنگِ خلش کے اختتام کا اِک چھوٹا سا مگر بے حد سچا اور کھرا جواب دینا چاہتی ہوں۔ میں نے ہر قسط کے بعد محسوس کیا کہ جیسے قارئین کو رنگِ خلش کی تھیم سمجھنے میں مشکل ہو رہی ہے جو بہنوں کی محفل میں اس کا ذکر تنقید یا تعریف دونوں صورتوں میں ہی نہ ہونے کے برابر تھا۔ تو میں نے اس ناول کو اختتام دینا مناسب سمجھا۔ یہ میری فطرت ہے کہ میں دوسروں کی چاہت اور پسندیدگی کے بغیر ان پر مسلط نہیں ہونا چاہتی۔ میری اپنی زندگی کا اصول بھی یہی ہے جو اَب تک بات بنی ہوئی ہے۔ ایک لکھاری کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تحریر سے قارئین محظوظ ہوں نا کہ بیزار......

حالانکہ بہت سی خواتین نے مجھے فون بھی کیے اور رنگِ خلش کو خوب سراہا۔ میں ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ تنقید سے قلم میں قوت آتی ہے اور تعریف سے قلم رواں دواں رہتا ہے۔ ان دونوں کی یکجائی لکھاری کے لیے بہت ضروری ہوتی ہے۔ پاکیزہ میں رنگِ خلش ان دونوں نوتوں سے محروم رہا۔ مجھے سوالات پڑھ کر افسوس بھی ہوا کہ کاش میں قارئین کے جذبۂ شوق کو محسوس کر لیتی اور ناول کا بقیہ حصہ آپ تک

پہنچا سکتی۔ آیئے رنگِ خلش کے بارے میں چند باتیں کرتے ہیں کہ یہ نفسیاتی ناول میں نے کیوں لکھا؟

مشرق کی بیٹی کا خمیر ہی وفا اور ایثار سے اٹھایا گیا ہے۔ وہ ٹوٹ کر چاہتی ہے تو نفرت پر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی ہے۔ اس کے باوجود سائرہ نے حالات کا مقابلہ جس انداز سے کیا...... وہ قابلِ ستائش و قابلِ فخر ہرگز نہیں۔ میرا سوال اس ماں سے ہے جس نے اپنی خوشی کی خاطر بیٹے کا گھر بسانا چاہا۔ اس کی یہ خوش فہمی کہ شادی کے بعد اس کا رویہ درست ہو جائے گا اور اپنے خاندان اور زندگی کی تمام دلچسپیوں میں حصہ لینے لگے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا معجزہ رونما ہوتے نہیں دیکھا۔ لڑکے کی ماں کو اس کا اندازہ کیوں نہیں ہوتا۔ رشتہ طے کرتے وقت شادی کو کامیاب بنانے کے بنیادی اصولوں کو سب کیوں بھول جاتے ہیں؟ ایک خود غرضانہ اور بے وقوفانہ فیصلے نے زندگی کو تباہ کر دیا۔ جسے سائرہ کا صبر اور محنت بھی سنوار نہ سکے۔ دوسرا میرا مقصد بہت واضح تھا کہ ایک تعلیم یافتہ عورت کو شوہر کے ساتھ چند دن گزارنے کے بعد ہی اپنی انمول زندگی کا فیصلہ علیٰحدگی کی صورت میں کر لینا چاہیے۔ اس کے ہاتھ پاؤں قطعاً بندھے ہوئے نہیں تھے پھر اس قدر ذلت اور بے عزتی اس نے کیوں برداشت کی......؟ اگر اپنے خاندان کی عزت کا پاس تھا تو پھر حسنات کی خواہش کا احترام کرتی۔ اس نے اپنے شوہر کو سمجھنے میں غلطی کیوں کی...... اس کی اعلیٰ تعلیم کا اسے کیا فائدہ ہوا......؟ کہ اپنے لاڈلے اور اکلوتے بیٹے کو گھر کے گھٹن زدہ ماحول میں کس امید و آس کے سہارے پروان چڑھاتی رہی۔ وہ ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی کا خمیازہ بھگت کر بھی کچھ نہ سیکھ پائی۔ اس تجربہ کار خاتون سے بہتر تو آج کی ماڈرن نمرا نکلی کہ اس نے عادل کی نفرت اور ضد کی آڑ میں اس کی والہانہ محبت کا تجزیہ کیا تو اسے اس کے انتہائی اقدام کا مقصد سمجھ آ گیا کہ وہ معصوم فرشتہ مجھے حاصل کرنے کے ہر طریقے آزمانے کے بعد اس حد تک اتر آیا۔ کیا عادل محبت میں اندھا ہو گیا تھا اور کیا میں سلمان کی محبت کے بغیر زندہ رہ سکوں گی؟ ہرگز نہیں...... کیا اسے دھوکا اور فریب دینے میں کامیاب ہو سکوں گی؟ ہرگز نہیں میں آج اس شادی سے انکار کر کے والدین کے آئندہ کے فیصلے کو جھٹلا سکوں گی......؟ ہرگز نہیں ریپ جیسا قبیح فعل چھپائے نہیں چھپتا...... اس آگ کے شعلوں سے میں کب تک بچ سکوں گی۔ اگر میں نے اپنی زندگی کو آزمائش میں ڈھالنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں عادل کی محبت کے امتحان کو قبول کیوں نہ کروں......؟ اس نے مجھ سے محبت کی...... میں نے اس سے بے تحاشا نفرت کی...... نفرت تو ایسا لا علاج موذی اور اچھوت مرض ہے کہ ہر لمحے پھیلتا چلا جاتا ہے...... کوڑھ کی طرح۔ میری محبت کی حدت میں وہ موم کی طرح پگھل جائے گا اور میں اسے اپنے مطابق سلمان کی شکل دینے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ میرے سامنے اک پوجا گاہ ہو گی جسے مجھے اپنی پسند کے مطابق سجانا ہو گا۔ نمرا نے کیا خوب فیصلہ کیا اپنی سوچ کے مطابق۔ بات تو سچ تھی کہ ان گنت خلش و قلق اور پچھتاوؤں کی دنیا میں رہ کر وہ بھلا نارمل زندگی کیسے گزار سکتی تھی؟ اس نے سوچا کہ ہم دونوں کی یکجائی میں ہی دو خاندانوں کی بہتری ہے۔ اس نے غصے غم و نفرت کو شیرِ مادر سمجھ کر نوش فرمایا جبکہ سائرہ نے اسے سمجھانے کی لاکھ کوشش کی۔ اس نے اپنی غلطیوں کے عکس کو نمرا کی برباد زندگی میں محسوس کر کے اس سے معافی مانگی اور اسے یہ غلطی کرنے سے منع کیا کہ وہ اپنی قربانیوں سے مرد کی فطرت کو بدل نہیں سکتی۔ اس کے آگے کیا ہوا؟ عید الاضحیٰ کے بعد رنگِ خلش کی کتابی شکل میں اشاعت مکمل ہونے کے امکان ہیں اس کی آخری دو قسطیں میں نے اس میں شامل کر کے اسے مکمل کر دیا ہے۔ گستاخی معاف! قارئین اور تبصرہ نگار میری ایک بات یاد رکھیں کہ لکھاری بہت حساس طبیعت کے ہوتے ہیں۔ ورنہ وہ لکھاری نہ ہوتے۔ ان کی تحریر پر تنقید کرنا یا تعریف کرنا آپ کا اولین حق ہے، تنقید اس

وقت بہت ناگوار گزرتی ہے جب تنقید کرنے والے کا دماغ اتنا موٹا اور ڈل ہے کہ پلے کچھ نہیں پڑ رہا تو پھر تنقید ہی کر ڈالو۔ میری عرض ہے کہ تنقید کرنے سے پہلے سوچ بچار بہت ضروری ہے۔ یہی بہتر رہے گا لکھاری کے لیے بھی اور قاری کے لیے بھی۔ معاشرے کی ان تلخ حقیقتوں کو پہچانیے اور خود کو مضبوط بنائیے۔ اگر ہمیں ہی اپنی قوت و طاقت کی شناخت نہیں تو مخالف جنس ہمیں نسوانی حقوق کیونکر دے۔ میں اپنے بارے میں بتاتی چلوں کہ میں صنفِ قوی کے خلاف ہرگز نہیں ہوں۔ ہوسکتا ہے، آپ سوچتی ہوں کہ رفاقت کی اپنی ازدواجی زندگی میں نہ جانے کتنے اتار چڑھاؤ آئے ہوں گے جو ہر کہانی میں مظلومیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ ایسا قطعاً نہیں۔ میں نے ہمیشہ اپنی خوشحال و کامیاب ازدواجی زندگی کی وجہ سے اپنی ہم جنس کا تجزیہ کیا ہے اور میں نے بہت کم مثالی شادیاں دیکھی ہیں۔ ان سے میں نے ایک بہت بڑا درس سیکھا کہ ہمیں تو رب العزت نے خاص الخاص مٹی سے بنایا ہے۔ یہ کائنات ہمارے یعنی عورت کے بغیر پروان نہ چڑھتی، کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ یہ مت بھولیے کہ مرد بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

آپ بھی اپنی اتنی سی پہچان کر لیجیے، خود اعتمادی آپ کی ہمجولی ہوگی، ہمارے معاشرے کا مرد اسی عورت کی عزت و تحریم کرتا ہے، جسے اپنی عزت کروانے کا سلیقہ آتا ہو، ہر گھر کی سچویشن ہمیشہ دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اس کے مطابق فیصلے کرنے کا پورا حق آپ کو حاصل ہے۔ اپنے حقوق کا خیال رکھیے۔

مجھے امید ہے کہ میری قارئین بہنوں کو رنگِ خلش کے آناً فاناً اختتام اور نفسیاتی ناول لکھنے کی وجہ سمجھ آگئی ہوگی۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ انسانی رویوں، سلوک اور وتیروں سے ذہنی بیماریاں جنم لیتی ہیں اور پھر پورا معاشرہ ان بیماریوں کی گرفت میں آجاتا ہے۔ میں اپنے بہت پیارے قارئین کو آخر میں جواب دینا چاہتی ہوں کہ کوئی بھی رائٹر بلا مقصد کہانی نہیں لکھتا...... اس کی گہرائی میں جانا اور کھوج لگانا ریڈر کا کام ہے۔ آخر میں پاکیزہ کا ایک مرتبہ پھر شکریہ کہ مجھے ان وضاحتوں کا پورا موقع دیا۔

تقاضا

تم سے اک بار ملاقات کا وعدہ تھا میرا
اور پھر تم سے بچھڑنے کا ارادہ تھا میرا
چاہو تو صرف اک میری ذات کو چاہو
بس یہی اک معصوم تقاضا تھا میرا

شاعرہ: ستارہ آمین کومل، پنجاب

☆☆☆

واہ رفاقت جاوید صاحبہ! آپ نے تو بہت سیر حاصل جواب دے کر یقیناً بہت سے قارئین کی تسلی کردی کہ جنہیں ناول کے جلد اختتام کی شکایت تھی۔ قارئین اور رائٹر کا رشتہ اس سے مزید تقویت پاتا ہے اور یہ پاکیزہ کی روایت رہی ہے کہ ہر سلسلے وار ناول کے بعد قارئین اور رائٹر کو یہ موقع ضرور فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم ایک مرتبہ پھر اپنی معزز لکھاری کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے ہماری بزم کو رونق بخشی اور موثر اور بھرپور گفتگو کی۔

قارئینِ کرام......! اب اجازت طلب کرتے ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی کسی اور قلم کار کو مدعو کریں گے۔ بس آپ خوش ہونا، خوش رہنا اور اپنے پیاروں کو خوش رکھنا سیکھیں مگر ایمان کی قوت کے ساتھ...... انشاء اللہ زندگی سہل ہو جائے گی۔ خدا ہم سب کا حامی و مددگار ہو۔

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

باتیں بہار و خزاں کی

زندگی رات دن کی گردش ہے
کچھ خزاں کی ہے کچھ بہار کی بات

اس گردشِ لیل و نہار میں ہمارے شب و روز سیلِ رواں کی طرح گزرتے چلے جارہے ہیں۔ انہی گزرتے پل میں بے شمار کہانیاں، ڈھیروں قصے اوران گنت واقعات جنم لیتے چلے جارہے ہیں اور ہم ان کے کردار بنے تماشائے اہلِ کرم کبھی دیکھتے اور کبھی دکھاتے چلے جاتے ہیں۔ آپ سب لوگ جو مصنفین اور بالخصوص قارئین کی حیثیت سے ہمارے ساتھ برسوں سے وابستہ ہیں اور کسی نہ کسی انداز میں پاکیزہ صفحات کو رونق بخشتے چلے آتے ہیں اور یہی پاکیزہ کی کامیابی کا راز ہے کہ مخلص اور محنتی مصنفات اپنی پُرتنوع تخلیقات کے ذریعے اور تبصرہ نگار بہنیں اپنے دقیق تبصروں اور قیمتی آرا سمیت ہمارے ساتھ رہی ہیں اور ان شاءاللہ رہیں گی۔

ہم ہمیشہ ہی سے کچھ نہ کچھ نیا اور دلچسپ کرتے چلے آئے ہیں سو آج بھی ایک مختصر مگر جامع سوالنامہ حاضرِ خدمت

☆ سیما ممتاز عباسی، لاڑکانہ

1: خواتین اپنی شخصیت کو پُراثر بنا سکتی ہیں۔ اگر وہ کوئی ایسی فیلڈ اپنے لیے منتخب کریں جس میں ان کا شوق ذوق حد سے زیادہ وابستہ ہو تو بھی ان کی شخصیت پُراثر بن جاتی ہے، عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ نت نئے کاسٹیوم (ڈریسز) پرفیومز، جیولری یا مخصوص اسٹائلش بننے سے وہ وقتی طور پر پُراثر ہو سکتی ہیں دائمی ہرگز نہیں۔ سادگی اور اپنے پیشے سے سچائی کا ساتھ دینا انہیں نہ صرف پُراثر بنا سکتا ہے بلکہ پسندیدہ شخصیت بھی بنا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں تو ایک سستا طریقہ برسوں سے قابلِ استعمال ہے جو صرف دکھاوے کے سوا کچھ نہیں......

2۔ انسانی زندگی کسی نہ کسی چھوٹے یا بڑے واقعے، لمحے، قصوں سے بھری پڑی ہے کوئی واقعہ انسانی سوچ کو تبدیل کر دیتا ہے، کوئی لمحہ نرم گرم بن جاتا ہے اور کسی قصے میں زندگی کے تمام رنگ ملتے ہیں۔ بنیادی طور پر میرا تعلق محکمۂ تعلیم کے کالج سائڈ سے ہے، اس میں ایک لمحہ بڑے کرب کا تھا، ایک واقعہ ناقابلِ فراموش تھا اور وہ ایک واقعہ جو بھولتا نہیں! انٹرمیڈیٹ کے امتحانات کے دوران ہم نے کاپی (نقل) کرتے ہوئی ایک بچی کو پکڑ لیا...... پھر کیا تھا، اس بچی نے اپنے طور پر مان لیا کہ وہ کاپی کر رہی تھی...... اسے سزا دینے کے لیے کاپڑ کیس بنانا مقصود تھا۔ بچی نے رو، رو کر سب کو پریشان کر دیا...... اس کے بین کرنے میں عجیب سا درد تھا، وہ ٹیم کے تمام ممبران کے پاؤں پڑتی رہی اور ہاتھ جوڑتی رہی، معافی مانگتی رہی، اب میں بھی اس کے فیور میں تھی...... پورا کمرا ہائے امتحان بچی نے سر پر اٹھا لیا تھا...... ہم سے موسٹ سینئر نے اس کی کاپی پر لکھنا چاہا وہ لکھ نہ سکی تین قلم تبدیل کیے کسی قلم نے لکھنے میں ساتھ نہ دیا...... آخر کاپی بچی کو واپس کرتے ہوئے کہا...... ''آئندہ نہ ہو......'' سیٹ پر بیٹھتے ہوئے وہ اپنی خالی نظروں سے دیکھتی رہی، اس کی نظروں میں احسان مندی جھلک رہی تھی یوں اس ادنیٰ سے واقعے نے میری سوچ کو تبدیل کر دیا اور میں ٹیم سے الگ ہو گئی اور آج تک میں کسی ایگزام کا حصہ نہیں بنتی۔

3 ۔ پاکیزہ کے سلسلے اوروں سے جدا، تفریحی، دلچسپ اور معلوماتی ہوتے ہیں...... اس لیے اپنی بہنوں میں مقبول ہیں۔ ان میں پاکیزہ ڈائری، میرا من پسند سلسلہ ہے جس میں مختصر مگر جامع تحریروں میں سبق ہوتا ہے خاص کر کے دینی تحریریں اور اقتباس کو میں پسند کرتی ہوں، نہ صرف پسند کرتی ہوں وقت بوقت اس میں کوئی فکر انگیز تحریر بھی لکھ بھیجتی ہوں...... اب رہا کسی نئے سلسلے کا آئیڈیا تو میرے ذہن میں نہیں مگر جو سلسلے چل رہے ہیں وہ اپنی جگہ مکمل ہیں۔ اگر کوئی نیا سلسلہ ادارے کی طرف سے

ہے تاکہ آپ کی اپنی شخصیت کے بھی کچھ نہاں پہلو سب کے سامنے آئیں اور آپ کے ذاتی افکار، خیالات اور تجربات سے ہم سب بھی آگاہ ہوں اور لطف بھی اٹھائیں۔ امید ہے آپ کو یہ اچھوتا سلسلہ بہت پسند آئے گا۔

سوالات حاضرِ خدمت ہیں۔

1۔ روز و شب کے اس گزرتے گورکھ دھندے میں خواتین اپنی شخصیت کو کیسے پُر اثر بنا سکتی ہیں، آپ کا مشورہ اپنے تجربے کے حوالے سے......

2۔ آپ کی زندگی کا کوئی دلچسپ قصہ، واقعہ یا لمحہ جس نے آپ کے فکر و خیال کا رخ موڑ دیا۔

3۔ پاکیزہ کے مختلف سلسلے کیوں پسند ہیں؟ اور آپ کون سا ایسا سلسلہ شروع کرنا چاہیں گی جو سب کو پسند بھی آئے؟

4۔ پاکیزہ مصنفات سے آپ کیا کہنا چاہتی ہیں...... کوئی دل کی بات؟

5۔ اپنے تعارف کو دو جملوں یا دو اشعار میں بیان کیجیے۔

آپ کے قیمتی خیالات کا انتظار رہے گا۔ آپ چاہیں تو اپنی تصویر بھی ارسال کر سکتی ہیں۔

چل بھی پڑا وہی قابلِ قبول بھی ہوگا۔

4۔ پاکیزہ مصنفات بہت اچھا لکھ رہی ہیں، تمام پڑھنے والی بہنوں کی پسند کے عین مطابق لکھتی ہیں، موضوعات بھی موقع محل کے لحاظ سے ہوتے ہیں مگر اچھوتے موضوع نہیں ہوتے...... ایک پیٹرن ہے جس پر لکھتے، لکھتے نام تو کمایا جا سکتا ہے، بہت سے موضوع ہیں کہانی، ناول، ناولٹ، افسانے، پورے کا پورا ناول مگر سب کے سب عشق و محبت سے لبریز، نیاپن کوئی نہیں، اگر محترم مصنفات اپنے اردگرد پر نظر رکھیں تو بہت سارے کردار دیکھنے کو ملیں گے۔ بہت سی کہانیاں جنم لیتی ملیں گی اور بہت سارے موضوع ملیں گے مگر ہماری کہانیوں میں تو لگژری لائف اسٹائل کی محبتوں اور فتنہ انگیزی کے سوا کچھ نہیں حالانکہ اس لائف میں محبت کجا ان میں تو نفرت بھی نہیں ہوتی! اس لیے میری اپنی ذاتی رائے ہے کہ مصنفات کو تبدیلی لانی ہوگی اپنے اندازِ بیان میں میری فیورٹ نگہت سیما اس انداز سے لکھتے، لکھتے مزید بوڑھی ہو جائیں گی، دوسرے...... رسول حمزہ توف نے اپنے پوتے کو چیخوف کی ٹوپی پہنے دیکھا تو کہا تھا۔

”تم نے ٹوپی تو پہنی ہے مگر چیخوف جیسا دماغ کہاں سے لاؤ گے۔“

5۔ میں تو چھوٹی سی استانی ہوں، میرا تعارف اتنا اہم نہیں ہوگا اگر ہے تو......

☆ہم نے وہاں بھی محبت بانٹی فراز
جس شہر میں محبت کا کچھ رواج نہ تھا
☆عشق سائیں! نہ ظلم کر ہم پر
ہم بھی بابا مرید ہیں تیرے

(بہت خوب......)

☆نازنین آفریدی...... پشاور

اس ماہ کے پاکیزہ میں یہ نیا سلسلہ دیکھ کر کتنی خوشی ہوئی، بیان سے باہر ہے...... سو جوابات کے ساتھ میں بھی حاضرِ خدمت ہوں۔

1۔ میرے خیال میں کسی بھی عورت کی شخصیت کو جو چیز پُر اثر بناتی ہے وہ ہے اس کی تعلیم، اس کا اندازِ نشست و برخاست اور اندازِ گفتگو...... تعلیم یافتہ عورت ہر کسی کو متاثر کرتی ہے۔ آج کا زمانہ ایسا ہے کہ عورت کسی بھی فیلڈ میں مرد سے پیچھے نہیں بلکہ اس کے شانہ بشانہ ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ بعض جگہوں میں تو عورت برتر ہی ہے تو غلط بھی نہیں ہوگا۔ آپ نے مشورہ مانگا ہے ابھی میں اتنی سیانی نہیں ہوئی کہ کسی کو مشورہ دوں...... ہاں لیکن ایک بات ہے کہ چونکہ میں خود تعلیم یافتہ ہوں اور تعلیم کی قدر جانتی ہوں۔ سو میں یہ کہوں گی کہ اس دور میں عورت کو بہت، بہت تعلیم

یافتہ ہونا چاہیے ورنہ بہت مشکلات ہیں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے اس دور میں...... میں نے اپنے آس پاس بہت سی ان پڑھ عورتوں کو بہت سے عجیب وغریب مسائل کا شکار ہوتے دیکھا ہے۔ سو یہی ایک نجات ہے عورت کے لیے......

2 ۔ زندگی خوشی اور غمی کا مکسچر ہے۔ کبھی خوشی، کبھی غم والی کیفیت ہمیشہ رہتی ہے۔ میں بعض دفعہ جب واقعات و حادثات کو خود پر طاری کر لیتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ زندگی میں خوشیوں کی گھڑیاں مختصر اور غموں کے موسم بہت ہی طویل رہے ہیں مگر پھر اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے جس حال میں بھی رکھا ہوا ہے وہ بہت سوں سے بہت بہتر ہے۔ آپ نے دلچسپ واقعے کا پوچھا جس نے فکر و خیال کا رخ موڑ دیا ہو...... تو زندگی میں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم نہیں چاہتے اور وہ ہو جاتی ہیں اور بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم چاہتے ہیں کہ وہ وقوع پزیر ہوں مگر وہ نہیں ہوتیں تو اسی میں بہتری ہوتی ہے...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا ...... اور جب کام ہوتے، ہوتے دوسرے رخ پر مڑ جاتے ہیں تو یقیناً اس میں بہتری ہی ہوتی ہے۔ فکر و خیال کو جس حادثے نے موڑا وہ پچھلے نومبر میں میرے ابو کی طویل علالت کے بعد انتقال تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ تپتے صحرا میں ننگے پاؤں، ننگے سر کھڑی ہوں۔ اللہ کی ذات بہت عظیم ہے جس نے انسان کو بھول جانے کی صفت دی ورنہ شاید لوگ غموں سے پاگل ہی ہو جایا کرتے...... گو کہ مکمل بھولی تو اب بھی نہیں ہوں مگر بہت حد تک خود پر قابو پا گئی ہوں۔

3 ۔ میرے لیے ہر دور میں، ہر موسم میں چاہے کیسے بھی حالات ہوں صرف ایک ہی رسالہ لازم و ملزوم ہے اور وہ ہے پاکیزہ...... ایک انسیت سی ہے پاکیزہ سے...... کالج کے وقتوں سے پڑھتی تھی تب سے یہ رسالہ بہت ہی مکمل اور بھرپور لگا کرتا۔ دین سے لے کر دنیا تک سب ایک ہی رسالے میں مل جایا کرتا تھا پھر آہستہ، آہستہ اس میں کچھ تبدیلیاں ہونے لگیں۔ جس کا میں نے اظہار بھی کیا۔

آنٹی انجم کا یہ وصف ہے کہ وہ بہت ٹھنڈے دل سے تنقید بھی برداشت کرتی ہیں چاہے وہ مثبت ہو یا منفی...... آپ نے قارئین کے لیے بہت خوش آئند سلسلے دوبارہ شروع کر دیے ہیں۔ شکریہ پیاری آنٹی...... پاکیزہ کے مختلف سلسلے اس لیے پسند ہیں کہ وہ منفرد ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے اب پاکیزہ مکمل ہے اگر صرف اساتذہ کی شاعری سے متعلق کوئی سلسلہ شروع کر دیا جائے جیسے میرا انتخاب تھا تو بہت اچھا ہے۔

4 ۔ پاکیزہ کی پاکیزہ مصنفات کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اور بہت سا پیار...... دل کی بات جو میں تمام مصنفات سے کہنا چاہوں گی کہ آپ سب کی تحاریر سے میں نے عقل اور سمجھ سیکھی ہے اور سب سے بڑھ کر جینے کا ڈھنگ اور سلیقہ سیکھا ہے۔ آپ بہنیں ہی ہیں جنھوں نے مجھے شعور دیا، غلط اور صحیح کا فرق سمجھایا۔ میں نے جب یہ رسالہ پڑھنا شروع کیا تب کالج کی اسٹوڈنٹ تھی اور کچی عمر تھی تب اور اب بھی بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ دیکھو یہ رسائل نہ پڑھا کرو...... اسے پڑھ کر لڑکیاں خود کو ویسی ہی ہیروئن سمجھنے لگتی ہیں۔ آج زندگی کی انتیس بہاریں دیکھنے کے بعد میں بڑے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتی ہوں کہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ یہ رسائل لڑکیوں کو ضرور پڑھانے چاہئیں کہ یہ شعور دیتے ہیں۔

5 ۔ کیا کہا؟ خود کو دو جملوں یا دو اشعار میں بیان کروں...... اب دیکھیں یہ تو زیادتی ہوئی ناں میں سراپا حسن اور مجسم خوبی دو لفظوں میں اپنی تعریف کر دوں...... افسوس ہوا سن کر...... میں تو اپنی تعریف میں صفحے کے صفحے سیاہ کرنے کے چکر میں تھی۔ اب دو جملوں میں کیا کہوں اپنے بارے میں...... خیر وہ خلیل جبران نے کہا تھا کہ جو جیسا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو...... یہی انسانیت ہے۔ میں اس جملے پر پورا یقین رکھتی ہوں۔ اچھوں کے ساتھ اچھی اور بروں کے ساتھ بہت ہی بری ہوں۔ آخر میں تمام پاکیزہ مصنفات، قارئین اور شاعرات بہنوں سے التماس ہے کہ اپنی مخصوص دعاؤں میں مجھ ناچیز کو بھی ضرور یاد رکھا کریں۔

☆☆☆

بہنوں کی محفل
مدیرہ

✖ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ!

✖ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔ پیاری بہنو...... اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو۔ یاالٰہی دونوں جہان میں ہم سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے۔ آمین ثم آمین۔

☆ پیاری بہنو! بے شک ہم سب کے گھرانوں میں لڑکیوں سے زیادہ پیار کیا جاتا ہے اور خصوصاً چھوٹی بچیوں سے کچھ زیادہ لاڈ کیا جاتا ہے...... اور آٹھ سے بارہ سال تک کی بچیوں کو بہت چھوٹا ہی سمجھا جاتا ہے چاہے یہ بچیاں اپنے قد اور اپنی اٹھان کی وجہ سے بڑی دکھائی دے رہی ہوں مگر وہ بات چیت اور حرکتوں میں بچہ ہی ہوا کرتی ہیں۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا، بہن، بھائیوں کے ساتھ جھگڑنا، لڑنا، چیخنا اور چلانا گھر کی حد تک تو جھیلا جاسکتا ہے مگر جب یہ بچیاں باہر اسی لاابالی پن سے گھومتی ہیں...... دوپٹا یا تو ہوتا نہیں ہے اور اگر ہوتا بھی ہے تو برائے نام لٹک رہا ہوتا ہے۔ خوب صورت پنڈلیوں پر کیپری اوپر تک چڑھا ہوا...... اور ماڈ گھرانوں کی بچیاں تو عموماً شارٹس میں ہی ہوتی ہیں۔ ایسے میں بازاروں اور ہوٹلوں، پارکوں وغیرہ میں ایسی بچیوں پر لوگوں کی نرم گرم نظریں پڑتی ہیں تو پلیز اپنی بچیوں کی حفاظت کیجیے...... اپنے گھر میں، اپنی فیملی میں بے شک اپنے حساب سے انہیں ملبوسات پہنائیں...... مگر باہر ہرگز نہیں کہ ان بچیوں پر لوگوں کی بری نظر بھی لگ سکتی ہے...... اللہ تعالیٰ سب کی بچیوں کو اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھے...... مگر بحیثیت ایک ماں اور ایک بڑی بہن یہ آپ کی اپنی بھی ذمے داری ہے...... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں! بہت سی بہنیں پاکیزہ سالانہ خریداری کے تحت اپنے گھر پر لگوانا چاہتی ہیں...... اس کے لیے آپ ثمر عباس سے اس نمبر پر فون کر کے مکمل معلومات حاصل کرسکتی ہیں...... فون نمبر ہے۔ 03012454188

✖ اور اب آیئے پہلے ایک بار درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے ابھی پڑھ لیں اس کے بعد صرف تین بار آیتِ کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔ اور اب ایک نظر نئی اور تر و تازہ سرگرمیوں پر بھی ڈال لیجیے۔

✖ ✖ ✖

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

✖ پاکیزہ کی تبصرہ نگار عروج ذکی نے نارتھ کراچی میں فلیٹ خرید لیا ہے۔ (ماشاء اللہ)

✖ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار مسز نزہت اشفاق بہت جلد اپنے بیٹے اور بہو سے ملنے امریکا جانے والی ہیں۔ (ماشاء اللہ)

✖ رائٹرز ونگ پیٹرائٹ فورم اور اکادمی ادبیات (اطفال) کے زیرِ اہتمام ماہ ستمبر میں منعقد ہونے والے مقابلے وطن کی مٹی گواہ رہنا میں مصنفہ سحرش رانی کو بہترین کہانی نویسی پر اول انعام کا حقدار قرار دیا گیا ہے اور انہیں حسنِ کارکردگی ایوارڈ اسناد اور کتب کے انعامات سے نوازا گیا۔ (بے حد مبارک باد)

✖ پاکیزہ کی مستقل قاری مسز شیخ، کراچی نے ایک خوب صورت کوٹھی خرید لی ہے (ماشاء اللہ)

✖ پاکیزہ کی مستقل قاری درخشاں مبشر، کراچی کی پیاری سی بیٹی کی منگنی سادگی سے ہوئی جس میں قریبی رشتے داروں نے شرکت کی۔ (مبارک باد)

✖ مصنفہ ریحانہ زیدی، حیدر آباد کے دو بیٹوں کی بخیر و خوبی شادیاں ہوئیں اور عسکری لان میں ولیمے ہوئے۔ (مبارکاں)

✖ شاعرہ، مصنفہ، مستقل تبصرہ نگار شگفتہ شفیق، کراچی کے بیٹے فرخ شفیق کا نکاح وردہ علی کے ساتھ مقامی بینکوئٹ

میں ہوا۔ (مبارک باد)
★ پاکیزہ کی کی مستقل قاری عنبرین منور، پنجاب کے ہاں ماشاءاللہ دوسرا بیٹا تولد ہوا ہے۔ (مبارک باد)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ سیما بنت عاصم کی والدہ ان دنوں علیل ہیں۔
☆ شائستہ زریں کی والدہ کے لیے دعائے صحت کی درخواست ہے۔
☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار ذکیہ ایوب، کراچی کی طبیعت ناساز ہے۔
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری شہلا ظفر، کراچی کے گلے میں سخت تکلیف ہے۔
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی ہنوز بستر علالت پر ہیں۔
☆ ہم سب کی لاڈلی شاعرہ اور تبصرہ نگار امینہ عندلیب، سلانوالی کو ابھی آپ کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔

انتقالِ پُرملال

☆ مصنفہ اقبال بانو، بورے والا کی دو بہنوں کا ایک دن کے وقفے سے انتقال ہو گیا ہے۔
☆ ہمدرد اسکول کی وائس پرنسپل سلیمہ کی بڑی بہن شازیہ شبیر طویل علالت کے بعد چل بسیں۔
☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار نازنین آفریدی، پشاور کے والد کی اس ماہ پہلی برسی ہے۔
☆ نوٹ: تمام مرحومین کی مغفرت کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

☆☆☆

✉ رضیہ زبیری، کراچی سے۔ ”ستمبر اور اکتوبر کے پاکیزہ ایک ساتھ پڑھے..... اختر شجاعت کا شمع ہدایت بہت پسند آیا۔ ایسی تحریریں لوگوں کی زندگی میں اچھی تبدیلیاں لاتی ہیں۔ ہر ماہ اداریہ بھی بہترین ہوتا ہے۔ روحانی مشورے بھی بہت عمدہ ہوتے ہیں اور مجھے عظمیٰ بیٹی کی شوخ و چنچل سی تحریریں بھی بہت پسند ہیں..... دیگر تحریریں بھی بہت اچھی تھیں۔“ (رضیہ باجی آپ ہماری بہت پرانی تبصرہ نگار ہیں، ہمیں آپ کا بھرپور تبصرہ چاہیے..... آپ ہمارے ناولوں کے بارے میں بھی رائے دیجیے ناں)

✉ فرحانہ پروین، راول پنڈی سے۔ ”اس ماہ رفاقت جاوید کی ایک حقیقت ایک افسانہ بہت پسند آئی۔ دراصل مجھے ایسی ہی کہانیاں پسند ہیں۔ اُمِ ایمان قاضی نے بھی اچھا لکھا۔ سارہ رضا خان کا انٹرویو بہترین تھا۔ شائستہ زریں کو تو سردے کے بجائے فنکاروں کے انٹرویوز کرنے چاہئیں کہ وہ ان سے بہتر کوئی کر ہی نہیں سکتا..... باجی مجھے اندازہ تو ہے کہ آپ کو پرسنل باتوں کا جواب دینا پسند نہیں ــــ مگر پھر بھی اتنا بتا دیں کہ آپ کے بچے پڑھائی میں کیسے تھے؟“ (پہلے تو رفاقت جاوید، اُمِ ایمان اور شائستہ کی تحریریں پسند کرنے کا شکریہ..... الحمدللہ میرے بچے، پڑھائی میں مجھ سے زیادہ اچھے رہے۔ عظمیٰ سب بچوں میں سب سے زیادہ ذہین رہی اور بڑا بیٹا سب سے زیادہ محنتی..... ایم بی اے اور ماسٹر کرنے کے بعد بھی وہ ایم فل کرنے کا پروگرام بنا رہا ہے اور بچوں کے بچے تو ماشاءاللہ ذہین ترین ہیں۔ نواسے، نواسیاں بھی اور پوتے پوتیاں بھی..... سب ایک سے بڑھ کر ایک..... ماشاءاللہ)

✉ ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ”انجم کیا بات ہے، میرا خط لگنے سے کیوں رہ جاتا ہے۔ (گزشتہ ماہ تو بہت سے خطوط بچ گئے تھے جو اس ماہ شامل کیے جا رہے ہیں) اس ماہ سب سے اچھی تحریر شیریں حیدر کی رہی..... قیصرہ حیات، نگہت سیما..... درشن بلال، نبیلہ ابر راجا اور اقبال بانو کو بھی بڑے شوق سے پڑھا..... سحر ساجد کا مکمل ناول..... بس ٹھیک ہی لگا۔ رفعت شبانہ کی بتائی ہوئی شادی کی رسمیں دلچسپ اور نئی لگیں۔ (ہم چاہتے ہیں کہ ہر علاقے کی رسموں کے بارے میں ہمارے قارئین آگاہ ہوں) اختر شجاعت نے اس دفعہ بھی بہت اچھا لکھا۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی یادیں تو دل میں روشنی سی بھر رہی ہیں۔ جلترنگ مزے کا لگا۔ انجم بس اب تمہاری کوئی سلسلے وار تحریر آ جانی چاہیے۔“ (جو حکم آپ کا..... پسندیدگی کا شکریہ)

✉ کرن پروین، لاہور سے۔ ”میں آپ کی ایک خاموش قاری ہوں، آج کسی بھی ڈائجسٹ کے لیے پہلی مرتبہ رائے دے رہی ہوں۔ مجھے پاکیزہ میں سب سے زیادہ آپ کا اداریہ پسند آتا ہے..... حالانکہ زیادہ تر لوگ اداریہ پڑھتے ہی نہیں ہیں..... ناول میں پڑھتی نہیں ہوں کہ کہانی یاد نہیں رہتی اور ناولوں میں اتنے الجھاوے ہوتے ہیں کہ سمجھ ہی کچھ نہیں آتا۔ ہاں جلترنگ، کارنرز، بہنوں کی محفل اور دعائیں وغیرہ میں ضرور پڑھتی ہوں۔ مجھے شوبز کے فنکاروں کے انٹرویوز بھی

بہت پسند ہیں اور اس طرح سارہ رضا خان کا انٹرویو اسے دن لگا۔'' (پیاری کرن اس محفل میں خوش آمدید...... ہر قاری اپنی پسند کی چیزیں پڑھا کرتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں پاکیزہ کا اداریہ پڑھا ہی نہیں جاتا۔ صرف اس ماہ سوشل میڈیا پر جن معروف لوگوں نے پاکیزہ کے اداریے کو پسند کیا...... ان میں سے چند نام یہ ہیں۔ تاجدار عادل پی ٹی وی۔ یاسر عباس، R.J۔ شاہین رشید، صحافی۔ پروفیسر شگفتہ غلام نبی، ارم شاہد، سلمان نوید، R.J۔ روبی لطف، شعبۂ تعلیم۔ ارسلان کھوکھر، ریڈیو + ٹی وی۔ مہناز رحمٰن، بشریٰ شیرازی، سیدہ ایمن، ثنا کامران، ڈاکٹر شہلا عامر، شاہانہ جاوید، اسامہ علی، سدرہ عدیل حسین، بشریٰ شیرازی، سیدہ ایمن، ثریا انجم وغیرہ...... اب جیسے آپ ناول نہیں پڑھا کرتیں مگر ہمارے ہاں سب سے زیادہ ناولز ہی پڑھے جاتے ہیں اور اس کے بارے میں سب سے زیادہ آرا آتی ہیں۔ بہرحال آپ کے خط لکھنے کا شکریہ......)

☆ شائستہ زریں، کراچی سے۔ ''سرورق سادہ مگر پیارا لگا۔ اداریہ تو ہمیشہ ہی پُر مغز ہوتا ہے اور میں اسے پڑھ کر سوشل میڈیا پر پوسٹ کر دیتی ہوں۔ اختر شجاعت میری پسندیدہ رائٹر ہیں اور وہ ہر ماہ بہت ہی اچھا لکھ رہی ہیں اسی طرح ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی یادیں، بھی ہم سب کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ میں ان تمام بہنوں کی شکر گزار ہوں جنہیں سارہ رضا خان کا انٹرویو بہت پسند آیا۔ انشاء اللہ میں آئندہ بھی ایسی ہی نگینہ صفت شخصیات سے آپ کی ملاقات کراتی رہوں گی۔'' (جی اختر شجاعت اور ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی شکریہ کہتی ہیں)

☆ نازیہ نزی، نوشہرہ کینٹ سے۔ ''اس مرتبہ پاکیزہ ڈائری میں میری تحریر انعام یافتہ ٹھہری جس کا بہت شکریہ...... سارہ رضا خان سے ملاقات دلچسپ رہی...... جلترنگ بھی دلچسپ لگا۔ پہلے یہ بتائیں اتنا مواد آپ کے دماغ میں آ کیسے جاتا ہے۔ میں حیران ہوں اور اختر شجاعت کی باتیں پڑھ کر شمع ہدایت کی راہ پر گامزن رہنے کو جی چاہتا ہے بلکہ مجھے اپنی زندگی میں سدھار کا بہت خوب صورت موقع ملا۔ وہ بھی اختر شجاعت کی دل چھو لینے والی تحاریر کے باعث، اتنا بدلاؤ اگر انتہائی تیزی کے ساتھ انسان میں آ سکتا ہے صرف پڑھ کر تو یقیناً ان سے مل کر تو زندگی کی نیا پار لگ جائے۔ بہت شکریہ پاکیزہ کا کہ ہمیں ایسے ہیرے فراہم کیے۔'' (اور آپ کا بھی شکریہ کہ اچھی باتوں پر آپ عمل پیرا بھی ہوتی ہیں)

☆ عائشہ اعوان، رحیم یار خان سے۔ ''ماہ اکتوبر کا پاکیزہ بڑا خوب صورت ٹائٹل لیے ہوئے تھا۔ حج کے دوران کچھ ناخوشگوار واقعہ ہوا، دل افسردہ افسردہ سا ہو گیا۔ عید قرباں گزر گئی اور ہمیں کئی سبق دے گئی۔ مگر شاید ہمیں بھولنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ اللہ پاک کا لاکھ شکر ہے کہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی اور اختر شجاعت جیسی پاکیزہ خیالات والی اہم شخصیات ہم میں موجود ہیں جو ہمارے روحانی جذبے کو ابھارتی ہیں۔ جلترنگ کے علاوہ بھی کافی کچھ پڑھ چکی ہوں باقی کچھ ناول ابھی زیرِ مطالعہ ہیں۔'' (پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ...... اگر آپ اپنے ابو کے کلینک کا اشتہار دینا چاہتی ہیں تو ادارے میں شہزاد صاحب سے رابطہ کریں)

☆ نازنین آفریدی، پشاور سے۔ ''اس ماہ کا پاکیزہ دیکھا، بہت خوشی ہوئی۔ تبدیلیاں بہت خوش آئند ہیں۔ بہت سے نئے سلسلے شروع کیے گئے ہیں جو بہت زبردست ہیں۔ بتائیں مجھے اب پاکیزہ میں آپ ناول کب لکھ رہی ہیں۔ لکھ ڈالیں ناں...... زمانے بیت گئے جب آپ کا آخری ناول چھپا تھا اور تب تو میں پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی بھی نہیں تھی...... (آپ کی فرمائش کی وجہ سے تو میں ناول شروع کرنے والی ہوں) آنٹی ہماری ایک خالہ کنواری رہ گئی ہیں۔ مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ عورتیں جب کنواری رہ جاتی ہیں تو چڑچڑی کیوں ہو جاتی ہیں۔ ہماری ایک بہن کی شادی تھی تو وہ مرحلہ آیا جب لڑکے کو مہندی لگانی تھی اب آپ سوچیے دولہا کو مہندی لگانا نیگ وصول کرنا کس کا حق ہوتا ہے۔ سالیوں کا یا خلیا ساس کا...... اُف اس عورت یعنی ہماری خالہ نے ہمیں ایک موقع بھی انجوائے نہیں کرنے دیا۔ ہر چیز میں ہر جگہ خود پیش، پیش رہیں۔ 45 سال کی عورت انیس، بیس سال کی لڑکیوں والی حرکتیں کرتی کیسی لگتی ہے۔ خالہ ساس ہو کر داماد سے نیگ وصول کرنا اور بعد میں بھانجی کی سسرال کی تضحیک کا نشانہ بننا مگر پتا نہیں کیوں لوگوں میں احساس ختم ہو گیا ہے اب...... آج اگر میں میلاپی ٹھیک ہوتی تو اس مہندی کا سارا حال بہت پُر مزاح انداز میں آپ کو سناتی۔'' (بیٹا بعض خواتین کی ذہنی عمر رک جاتی ہے، تمہاری خالہ بھی پندرہ سال کی ہیں اس لیے ان باتوں پر کڑھنا چھوڑ کر انجوائے کرنا سیکھو......) شیریں حیدر میری موسٹ فیورٹ رائٹر، زندگی خاک نہ تھی، مرد کی بے وفائی کے ساتھ، ساتھ چائلڈ ابیوز کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ بہت زبردست جا رہی ہے۔ متاعِ دل میں ابھی تک انتظار ہے کہ کب دُرِ یکتا کی آنکھیں مکمل کھلیں گی۔ دلہن میں لے کے جاؤں گا...... اینڈ توقع کے مطابق تھا...... وہ طلب گار تھا، شناخت، کہانی محبت کی، حقیقت، جیت کچھ خاص متاثر کن نہیں تھیں۔ ایک حقیقت

ایک افسانہ نے دکھی کر دیا۔ شمیم فضل خالق نے بھی اچھے موضوع پر قلم اٹھایا۔ واقعی کچھ پرانی چیزوں، یادوں سے محبت ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا کا اسٹارٹ اچھا تھا مگر صفحات کم لگے۔ رفعت شبانہ کا سندھ کی شادیوں کی رسمیں...... میں تو بے جا فضول خرچیوں کے سخت خلاف ہوں۔'' (تبصرے کا شکریہ)

پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''فاطمہ اور ذیشان رسول کی شادی کا احوال پڑھا؟ بہت ہی اچھا لگا اللہ ان دونوں کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے، آمین۔ فوراً بعد بہنوں کی محفل پڑھی اس میں آپ نے میرے خط کے جواب میں ڈانٹا تو میں نے فوراً اپنے میاں جانی پرنس افضل شاہین سے اس بارے میں پوچھا تو وہ بولے۔ میں نے کسی اور ڈائجسٹ سے وہ تحریر نوٹ کر کے اخبار جہاں میں بھیجی تھی اگر اس ڈائجسٹ میں آپی انجم انصار کا حوالہ ہوتا تو ضرور ان کا نام بھی تحریر کرتا۔ اس کے باوجود میں پہلے تم سے معذرت چاہتا ہوں کہ تمہیں میری وجہ سے آپی سے ڈانٹ پڑی پھر میں آپی انجم سے معذرت چاہتا ہوں۔'' (کوئی بات نہیں رات گئی بات گئی)

انجم مشیر، کراچی سے۔ ''ماہ ستمبر کا شمارہ ذیشان رسول کی شادی کا احوال عظمیٰ کے قلم کی زبانی...... بہت خوب صورت انداز بیان ہے عظمیٰ کا...... تصویریں اور دلہن بہت پیاری تھیں۔ اللہ دلہن، دولہا اور ان کے والدین کو نظرِ بد سے بچائے۔ (آمین) قیصرہ حیات کی آخری امید ایمان افروز تحریر انداز بیان واقعات کا تسلسل بہت اچھا ہے۔ شیریں حیدر تو جب لکھتی ہیں زندگی کی وہ سچائیاں ان کے قلم سے صفحے پر منتقل ہوتی ہیں جنہیں بیان کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں...... زورِ قلم اور زیادہ...... جلترنگ ہلکے پھلکے انداز میں روزمرہ کے ہر گھر میں ہونے والے واقعات ہنسنے کھلکھلانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ آج کل کے اس ٹینشن زدہ ماحول میں روح اور دل کو مسرور کرنے پر انجم آپ کو اللہ اچھا اجر دے گا۔ ذرِ ثمن بلال کی کاوش، اے عشق تیرے ہیں کھیل ہیں عجب ابھی تو ہم یہ ہی کہہ سکتے ہیں ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں حج اور مناسک حج کے بارے میں ہی آپ نے لکھا ہے اور اس بار مکہ اور منیٰ میں جو سانحات ہوئے اور جو حاجی شہید ہوئے اللہ کی جانب سے انہیں شہادت کا درجہ مل گیا اب خدا ان کے لواحقین کو صبر کی طاقت نصیب کرے اور اللہ نہ کرے کہ مستقبل میں اس قسم کا سانحہ رونما ہو۔'' (آمین)

عنبر وسیم، گوجرانوالہ سے۔ ''اعتبار وفا، متاع دل، زندگی خاک نہ تھی، دلہن میں لے کے جاؤں گا، آخری امید اور دیگر مستقل ناول، ناولٹ یہ تمام ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ نبیلہ ابر راجا بڑی دیر بعد اپنے مخصوص اسٹائل کے ساتھ واپس آئی ہیں اور شیریں آنٹی کی کیا ہی بات ہے۔ حقائق سے مزید پردہ اٹھے گا تو دانیال جیسے عاقبت نااندیش شخص کا راز فاش ہوگا۔ آنٹی آپ اور شیریں آنٹی میری موسٹ فیورٹ ہیں۔ جنہیں حقوق نسواں کی علمبردار کہہ سکتے ہیں۔ میری طرف سے اتنی کامیاب تحریر لکھنے پر بہت مبارک باد...... (شیریں، شکریہ کہہ رہی ہیں) عظمیٰ آپی نے تو تہلکہ مچایا۔ کبھی سفرنامے لکھ رہی ہیں، کبھی آپ بیتیاں اور کبھی شادی کے احوال...... بھئی نمبر لے گئیں اور چھا گئیں۔ ان کی صلاحیتیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آپ جیسی منجھی ہوئی شخصیت کی تربیت یافتہ ہیں۔ آنٹی پلیز غائبانہ میرے سر پر ہاتھ پھیر دیں تاکہ میں بھی اپنے بچوں کی اچھی تربیت کر سکوں اور ایک رول ماڈل بن سکوں۔ ذیشان بھائی اور فاطمہ بھابی کی جوڑی ماشاء اللہ سے بہت پیاری ہے۔ بھئی گڈ نیوز کب سنا رہے ہیں؟ تاکہ عذرا آنٹی کے غنچے میں رنگ برنگے پھول کھلیں اور ہم ان کی خوشبوؤں سے بہرہ ور ہوں اور ان کے لیے تاحیات دعا گو رہیں۔ (آمین) نئے سلسلے سارے ہی اچھے ہیں۔ شمع ہدایت میں آنٹی شجاعت ہمارے لیے بہت ہی معلومات کا خزانہ لاتی ہیں۔ اور بزم پاکیزہ پھر سے شروع کر کے آپ نے بہت اچھا کیا ہے۔ جلترنگ آپ کے مخصوص اسٹائل میں عید کا لطف دوبالا کر گیا۔ اور بیوٹی ٹپس بھی مزے کی تھیں۔ (محبت بھری دعاؤں اور تبصرے کا شکریہ...... تم کسی بھی دن مجھ سے فون پر بات کر لینا)

فرخندہ جعفری، گجرات سے۔ ''ماہ ستمبر کا پاکیزہ پڑھا...... محترمہ عذرا رسول کے بیٹے کی شادی کا احوال جس خوب صورتی سے محترمہ عظمیٰ آفاق سعید نے لکھا ہے اور جو خوب صورتی تصاویر میں ہے دیکھ کر اور پڑھ کر دل باغ، باغ ہو گیا ہے۔ آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا چلو تصویر میں دیکھ لیا ہے۔ بیماری کی وجہ سے کراچی تو نہیں آ سکتی۔ 1992ء میں کراچی گریجویشن کرنے دو سال کے لیے گئی تھی۔ تمام سینئر رائٹرز کو تصاویر میں دیکھ لیا ہے بہت اچھی پرسنیلٹی کی مالک ہیں۔ محترمہ عذرا رسول اور ان کے تمام خاندان کی سادگی دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔'' (اور ہم آپ کو ہمیشہ ہی خوش دیکھنا چاہتے ہیں)

کوثر خالد، جڑانوالہ سے۔ ''نیا سلسلہ بزم پاکیزہ تو اچھا ہے مگر ہم اس میں کبھی حصہ نہیں لے پائیں گے وہ سوالات ہماری طبیعت کے منافی ہیں...... ہم تو بس حمد ونعت کے لیے دوبارہ رسالوں سے وابستہ ہوئے تھے۔ آپ کا شکریہ حمد ونعت شائع کیں اور دیگر شاعری بھی مانگی اور پذیرائی دی مگر سند یسے نہ دیکھ کر دل دکھ سے بھر گیا...... شاعری بھی بہت کم ہے۔ باجی

عذرا کی بہو بہت معصوم ہے اور عظمیٰ کی باتیں ہمیں بہت پسند ہیں۔ ذکیہ بلگرامی کو آخری سانس تک اللہ تعالیٰ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ تمام بیماروں خصوصی اپنہ عندلیب کو شفائے کاملہ نصیب ہو...... اگر میری بیٹی یا سہیلی کوئی سوال بنائیں تو بھیجوں گی آپ کی بزم میں۔ انجم! میں نے فون پر جو بتایا تھا وہ خط آپ کو ملا نہیں......'' (جی ہاں آپ کا خط مل گیا ہے۔ سنبل ملک کا فون آئے تو میں ان تک آپ کے میسج پہنچادوں گی)

نگہت غفار، کراچی سے۔ ''ٹائٹل اچھا لگا، اللہ پاک آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ مجھے کچھ کہنا ہے، پیاری انجم جی آپ کا یہ کہنا کسی پر اثر کرے یا نہ کرے مگر مجھ پر گہرا اثر کر گیا۔ بات یہ ہے کہ میں جب تک جاب کرتی تھی چوبیس گھنٹوں میں شاید بیس گھنٹے متحرک رہتی تھی (ماشاء اللہ) دین کی باتیں تحریر بہت پُرنور و پُرکشش تھیں افسانے تقریباً آدھے تو پڑھ لیے سب ہی اچھے لگے۔ پاکیزہ ڈائری میں حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبولؐ امام زین العابدینؒ احادیث مبارکہ، اقوال زریں، سزا (صاعقہ ریاض) سزا (مصباح رضا) یہ ساری تحریریں پسند آئیں۔ جلترنگ انجم جی جن کو میں نے ملکۂ مزاح کا خطاب دیا ہے تو بھئی آپ خود اندازہ لگالیں کہ ان کی تحریریں کیسی ہوں گی؟ مزہ آجاتا ہے جلترنگ پڑھ کر اور ہماری انجم جی ڈھیروں نیکیاں کمالیتی ہیں۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں عروسہ ناز، مسز تسنیم، اُمِّ ایمان، ماہم شاہد، حلیمہ سعدیہ، سید ممتاز کے اچھے انتخاب تھے۔ (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے) اب آتے ہیں ہمارے شہزادے ذیشان کی شخصیت کے بارے میں کیا لکھوں سمجھ میں نہیں آرہا ہے یہی کیفیت فاطمہ کے لیے بھی ہے۔ بہرحال میں یہی کہوں گی کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ لمبی عمر، مکمل صحت دین اور دنیا کی ہر کامیابی اور نعمت سے مالا مال کرے اور دونوں کو زندگی کا یہ سفر مبارک کرے۔'' (آمین)

بنت سحر، بھکر سے۔ ''بہت پاپڑ بیل کر لکھنے کی اجازت ملی آپا! میں گاؤں میں رہتی ہوں...... قدامت پسند فیملی سے ہوں...... یہاں تو لکھنا فضول سمجھا جاتا ہے کہ رسالے لڑکیوں کو بگاڑتے ہیں...... ایسی سوچ کو کیسے بدلا جائے......؟ اسی لیے اس میدان میں اتری ہوں...... آئندہ میں اپنے قلمی نام بنت سحر کے نام سے لکھوں گی۔'' (جی ضرور)

صائمہ نصیر احمد، کراچی سے۔ ''پاکیزہ سے تعلق کافی پرانا ہے اس وقت سے جب ٹھیک سے پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ بچپن سے پاکیزہ کو گھر میں دیکھتی آرہی ہوں۔ گھر میں ہمیشہ سے دیگر تفریحات کے برعکس مطالعے پر زور رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے پڑھنے کے ساتھ، ساتھ لکھنے کا بھی شوق ہو چلا۔ میں نے بچوں کے لیے کافی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ میری تحریریں دیگر رسالوں میں بھی شائع ہوتی رہی ہیں۔'' (خوش آمدید گڑیا اگر آپ کی تحریر پاکیزہ کے معیار کے مطابق ہوئی تو آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کی جائے گی)

ارم کمال، فیصل آباد سے۔ ''ٹائٹل بہت دیدہ زیب رنگوں سے جگمگا رہا تھا۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح ونڈرفل رہا...... سلسلے وار ناولز سب سے پہلے قیصرہ حیات کا آخری امید پڑھا...... دلنشین انداز ہے، قیصرہ ویل ڈن اس کے بعد متاع دل نے تو اس دفعہ دل خوش کر کے رکھ دیا۔ یہ کیا ناں اشعر نے جی داری کا کام بیچارے طیب کے لیے دل کڑھتا ہے کیسی بےحس ماں ہے مائرہ، اعتبار وفا میں بھی آئینوں سے گرد ہٹتی جارہی ہے۔ اللہ مبارک کرے اس شمارے کا اسپیشل اور خاص الخاص فیچر ذیشان اور فاطمہ کی فوٹو گرافس بہت ہی شاندار سب کی تصویریں دیکھ، دیکھ کر دل نہیں بھر رہا تھا۔ خصوصاً دولہا، دلہن کے علاوہ ہماری انجم باجی، عذرا رسول صاحبہ، ممتاز ضیا اور اس کے ساتھ، ساتھ عظمیٰ کے قلم سے زبانی احوال واہ، واہ ویسے عظمیٰ جی آپ نے بہت روک کر احوال لکھا ہے (مزہ تو آگیا ناں) شیریں حیدر کی تحریر زندگی خاک نہ تھی کا تیسرا حصہ بھی دلچسپی کے ساتھ، ساتھ دل دکھاتا چلا گیا۔ دلہن میں لے کر جاؤں گا، اقبال بانو عرصے بعد آئیں اور آتے ہی چھا گئیں، رخ چوہدری سے ملاقات تصویر کے بغیر تشنہ، تشنہ رہی...... شمع ہدایت میں اختر شجاعت نے اس دفعہ محبت الٰہی کو چنا...... ایک، ایک لفظ توجہ سے پڑھ کر دل و روح کو ایمان کے چشمے سے سیراب کیا۔ شائستہ زریں کا سرد دے اچھا رہا۔ مجھے تو آخری دو فنکاروں جن کے نام نہ بتانے کی شرط رکھی تھی۔ ان کا سچ باقی سب پر حاوی رہا۔ بہنوں کی محفل جس میں پہنچتے ہی دل کی ہارٹ بیٹ خوشی سے بڑھ جاتی ہے۔ ممتاز ضیا آپ کا بہت، بہت شکریہ کہ آپ نے امی (صادقہ) کو یاد رکھا۔'' (تبصرے کا شکریہ)

سیما یاسمین مجتبیٰ، کراچی سے۔ ''ستمبر کا پاکیزہ کچھ زیادہ ہی پسند آیا کہ اس میں ذیشان رسول کی شادی کا احوال تھا۔ عظمیٰ آفاق نے شادی کا حال بہت مزیدار انداز سے لکھا، پڑھ کر واقعی مزہ آیا۔ ان دنوں ہم بھی اپنے کزنز کی شادی

میں مصروف تھے خیر اب ذیشان اور ان کی دلہن کی تصویریں دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ آپ سب کی بہت اچھی تصویریں آئی ہیں۔ دلہن حجاب میں بہت پیاری لگ رہی ہے۔ جب دل پیارا ہو تو اس کا عکس چہرے پر آتا ہے۔ اللہ عذرا باجی کو بیٹے کی شادی مبارک کرے پاکیزہ ہمارا اپنا رسالہ ہے۔ اس لیے اس سے وابستہ تمام لوگوں سے اپنائیت کا رشتہ ہے۔ پاکیزہ میں شامل ناولز اور دیگر کہانیاں بہت اچھی آرہی ہیں آج کل نئے، نئے موضوعات پر رائٹرز لکھ رہی ہیں۔ ایک بات اور کہ ہمیں انٹرویوز کا سلسلہ بہت پسند آرہا ہے۔ اس لیے کہ اس میں پرانے رائٹرز سے باتیں ہوتی ہیں اور ان کی زندگی کے پوشیدہ پہلو سامنے آتے ہیں۔ دینی مضمون بہت خوب صورت اور موثر انداز میں لکھ رہی ہیں۔ ہاں بدرالدین صاحب کے انتقال کا بہت افسوس ہوا، اللہ ان کی مغفرت کرے۔ اکثر فون پر ان سے رابطہ رہتا تھا۔'' (آمین)

٭ نسیم سکینہ صدف، ڈسکہ سے۔ ''پاکیزہ بہت پسند ہے باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ اس میں شامل تمام کہانیاں اور سلسلے اچھے لگتے ہیں۔ میری کہانیاں کب لگیں گی۔'' (پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ، آپ کی کہانیوں کا جب نمبر آئے گا تب وہ لگ جائیں گی)

٭ نیلوفر خان، بہارہ کہو سے۔ ''سب سے پہلے تو ذیشان کی شادی کی مبارک باد اگر دلہن کی تصویر ٹائٹل پر لگاتے تو اور اچھا لگتا شاید سرورق کرنے کی وجہ سے آپ نے نہیں لگائی (جی ہاں) اندر کی تصویریں بہت پیاری ہیں کافی رائٹرز کی نام کے ساتھ پہچان ہو گئی اور بھی بہت لوگ آئے ہوں گے۔ عظمیٰ آفاق سعید کی رپورٹنگ اچھی اور دلچسپ لگی۔ اس دفعہ پاکیزہ میں کہانیوں سے پہلے حال پڑھا پھر رخ چوہدری کا انٹرویو...... انہوں نے تصویر نہیں دیں ویسے پھر بھی مزہ آیا آپ سے فرمائش ہے کہ عمیرہ احمد کا انٹرویو دے دیں اب تو ان کی شادی بھی ہو گئی ہے۔ ان کے شوہر کے ساتھ اگر کوئی تصویر ہو...... آپ نے بزم پاکیزہ اچھا شروع کیا ہے مگر سوال کس طرح کے ہوں مطلب شوخ سے یا سنجیدہ اور کیا انعام دیں گی۔ میری بیٹیاں بہت خوش ہیں اس سلسلے سے...... بہت شکریہ کہ آپ کو میری بھیجی گئی ترکیب پسند آئی۔ (بزم پاکیزہ کے سوال و جواب پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ کس طرح کے سوال بھیجنے چاہئیں) اب ذرا ناول اعتبار وفا کی بات کروں تو کچھ، کچھ تو واضح ہو گیا ہے پھر بھی اس میں سسپنس بہت ہے اور یہ ہمیں بہت پسند ہے۔ در ثمین کے ناول کی پہلی قسط پڑھی یہ بھی شاید دوسری، تیسری قسط میں واضح ہو جائے۔ کہانیوں میں فرحین اظفر کی کہانی بڑی الگ سی تھی۔ قیصرہ حیات نے بہت معلومات دیں۔ عام لوگوں کو تو کچھ پتا نہیں ہوتا بس جیسے گھر والے کہتے ہیں وہ ہی کرتے ہیں انسان کو خود بھی کچھ جستجو کرنی چاہیے کہ کیا غلط ہے کیا صحیح...... ہالہ احمد کی کہانی بڑے مزے کی تھی۔ واقعی آج کل کے کوکنگ شوز میں یہی ہو رہا ہے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

٭ نزہت جبیں ضیا، کراچی سے۔ ''سب سے پہلے منہاج کی شادی کا احوال لگانے کا بہت شکریہ اور ان تمام بہنوں کا بھی بہت، بہت شکریہ جنہوں نے خاص طور پر کال کر کے مجھے مبارک باد دی۔ دلہن نمبر کے حوالے سے اس ماہ کا پاکیزہ پرفیکٹ رہا کیونکہ کافی دنوں سے ہم سب جو ذیشان کی شادی کا احوال اور تصاویر دیکھنے کے لیے بے چین تھے اس نمبر میں فاطمہ دلہن بنی بہت حسین لگ رہی تھیں۔ اللہ پاک شاد و آباد اور سلامت رکھے۔ عذرا باجی اور معراج بھائی (اللہ پاک صحت کلی عطا فرمائے) اپنے بچوں کی لاکھوں خوشیاں دیکھیں (آمین) عظمیٰ آفاق بھئی واہ ویل ڈن تم نے جس خوب صورتی اور باریک بینی سے ایک، ایک چیز نوٹ کی اور پھر اسے قلم کی مدد سے سطح قرطاس پر بکھیرا تو پڑھ کر مزہ آگیا۔ تقاریب میں شامل نہ ہونے والے کو بھی پڑھ کر ایسا لگا جیسے کہ اس تقریب میں موجود ہو۔ بہت مزہ آیا اور اس سے زیادہ مزہ اپنی تصویر دیکھ کر آیا۔ ہاہاہا (اگر تم ہماری تصویریں دیکھ کر بھی ہی ہی کرتیں تو کیا تھا؟) اقبال بانو کا ناولٹ دلہن میں لے کے جاؤں گا زبردست رہا۔ نایاب جیلانی نے کہر میں کا اختتام اچھا کیا اس کے علاوہ ثمینہ عظمت علی اور فرحین اظفر نے بھی اچھا لکھا۔ باقی تحاریر ابھی پڑھی نہیں جلترنگ کہتا ہے دل پڑھ کر ہنسی آئی۔ وہ آئے بزم میں، رخ چوہدری کی سیدھی سادی باتیں بہت اچھی لگیں۔'' (نوازش)

٭ سیما واسطی، کراچی سے۔ ''بچوں کے لیے لکھتے، لکھتے جب بڑوں کے لیے لکھنے کا سوچا تو بھی نظر انتخاب پاکیزہ پر ہی پڑی۔ 1993ء میں جب پاکیزہ میں لکھنے کا ارادہ کیا تب تک پاکیزہ کی باگ ڈور آپ کے ہاتھوں میں آچکی تھی۔ اس وقت بھی پاکیزہ کے آسمان پر بہترین قلمکاروں کا ایک ستاروں کا جھرمٹ موجود تھا اور جب میں نے ڈرتے، ڈرتے اپنا افسانہ آپ کو بھیجا اور اس کا حشر معلوم کرنے کے لیے آپ کو فون کیا تو یقین مانیں مجھے یقین ہی نہ آیا کہ میں نے خواتین کے ڈائجسٹوں میں سرفہرست ڈائجسٹ کی ایڈیٹر سے بات کی ہے۔ نہ تو مغرورانہ لہجہ، نہ ہی کوئی بھرم، دوسری طرف ایک محبت بھرا شیریں لہجہ تھا جو

بڑے شریر انداز میں کہہ رہا تھا۔"میسا بی بی جلد آپ کو اپنے افسانے کا حشر معلوم ہو جائے گا۔" میں ذرا سا ڈر گئی پھر دل کو تسلی دی کہ ارے یہ انجم انصار ہیں جلترنگ والی شوخ و شنگ لہجے میں محبت کی ڈوز دے دیتی ہیں۔ اس زمانے میں آپ نے تین بہترین افسانوں پر انعام رکھے ہوئے تھے۔ اور جب میرا افسانہ پہلا انعام یافتہ افسانہ قرار پایا تو خوشی سے میرا برا حال ہو گیا۔ وہ کیفیت آج ایک عرصے بعد بھی یاد کرتی ہوں تو دل میں جلترنگ سے بج اٹھتے ہیں۔" (گڑیا، مجھے تمہارے آنے سے دلی خوشی ہو رہی ہے۔ تم میں صلاحیت ہے، بہت اچھا لکھ سکتی ہو..... مگر یہ افسانہ بے جا طوالت کا شکار ہو گیا ہے۔ دوسرا افسانہ جلد بھیجو)

☆ تسنیم قریشی، کوہاٹ سے۔"کافی لمبے انتظار کے بعد آخر انتظار کی گھڑیاں تمام ہوئیں۔ ذیشان رسول کی شادی کا حوال عظمٰی کے خوب صورت قلم سے پڑھنے کو مل ہی گیا۔ ویلڈن عظمٰی ہمیشہ کی طرح آپ نے بہت خوب صورت انداز میں شادی کا احوال تحریر کیا..... تصویریں ساری بہت پیاری تھیں۔ ذیشان رسول اور فاطمہ کا کپل ماشاء اللہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ عذرا آنٹی اور معراج رسول صاحب کو ذیشان کی شادی بہت، بہت مبارک باد..... دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذیشان کو خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے۔ کافی عرصے بعد اقبال بانو کی تحریر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ آپ ہماری فیورٹ رائٹر ہیں۔ رخ چوہدری سے ملاقات اچھی لگی۔ اگر تصویریں بھی ہوتیں اور زیادہ اچھا لگتا۔ شمع ہدایت، اختر شجاعت صاحبہ بہت خوب صورت انداز سے لکھ رہی ہیں۔ ایمان افروز تحریر ہے۔ بہنوں کی محفل ہمیشہ کی طرح اے ون تھی۔" (شکریہ)

☆ یاسمین کنول، پسرور سے۔"سرورق کی ماڈل سدرہ بڑی پیاری لگ رہی ہیں۔ جلترنگ بے حد اچھا لگا۔ آدم سے انسان تک، قانتہ رابعہ کا افسانہ حقیقت کے قریب اچھا لگا۔ مہر کی عید پسند آئی۔ متاع دل، نبیلہ ابر راجا کی تحریر پسند آئی۔ سب سے زیادہ اچھی تحریر شمع ہدایت، اختر شجاعت کی ہوتی ہے۔" (شکریہ)

☆ ظل شاہین، رحیم یار خان سے۔"ٹائٹل خوب صورت ہے دین کی باتیں پُرنور ہیں۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح منفرد اور حقیقی موضوع لیے ہوئے ہے۔ ہم بھی کچھ دنوں سے بڑھاپے کے فلسفے میں الجھے ہوئے تھے کہ آپ نے بہت عمدگی سے اس پہلو پر روشنی ڈال کر ہماری الجھن کو سلجھا دیا اور آپ کی سادہ سی بات میں ہمیں نصیحت نظر آتی ہے اور ہم اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اعتبار وفا، زبردست موڑ پر ہے، اللہ پاک نکہت سیما جی کو سلامت رکھے، فرح طاہر کی واہ ہے، حقیقت پر مبنی تحریر ہے۔ واقعی انسان کسی بھی وہم میں مبتلا ہو جائے تو زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ انمول دولت کے اینڈ میں دو متضاد باتیں تھیں۔ توبہ رفعت، قانتہ رابعہ، کائنات غزل کی تحریریں بھی اچھی رہیں۔ شمع ہدایت کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ملتے، سبحان اللہ..... مستقل سلسلوں میں سب سے پہلے پاکیزہ ڈائری کی تعریف کے ساتھ آپ کا بہت شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ میرا مراسلہ انعام یافتہ قرار پایا۔ باجی انعام کی خوشی تو الگ چیز ہے لفظ انعام یافتہ بہت بڑا انعام ہے۔ دیگر سلسلوں میں شرکت کے ساتھ میری نظم بھی شائع ہوئی ہے۔ بہت، بہت شکریہ آپ سب کا۔ جلترنگ میں تمام خاکے اچھے تھے مگر دلہن اور ماڈلنگ اور ایک طویل ناولٹ بہت مزہ دے گئے۔ بہنوں کی محفل پڑھی جو بہنیں بیمار ہیں اللہ کریم ان سب کو شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ اینہ عندلیب کے مراسلات دیکھ کر خوشی ہوئی۔" (تبصرے کا شکریہ)

☆ فرحین اشفاق، گگو منڈی سے۔"خوب صورت سے سرورق والا اگست کا شمارہ ملا۔ سب سے پہلے تو ناول اعتبار وفا پڑھا..... جو ایک بار پھر آخر میں سسپنس چھوڑ کر اگلے شمارے کا انتظار کرنے پر مجبور کر گیا۔ نایاب جیلانی اپنے مخصوص انداز میں آئیں یقیناً یہ تحریر بھی ذہنوں پر اثر چھوڑ جائے گی۔ قیصرہ حیات کی آخری امید اسلام کی معلومات کے ساتھ زبردست..... نوخیز امنگ، اللہ مالک اور انمول دولت ٹاپ پر رہے۔ یہ تیری ہے، میمونہ صدف نے صحیح لکھا۔ ایسے افراد زیادہ محبت کے حقدار ہوتے ہیں۔" (تبصرے کا شکریہ)

☆ کرشمہ کرن فاطمہ، ہارون آباد سے۔"اعتبار وفا اور رنگ خلش دونوں ہی سلسلے وار ناول اے ون تھے۔ عذرا آنٹی میری طرف سے بیٹے کی شادی کی مبارک باد قبول کریں۔ ذیشان بھائی اور فاطمہ آپی دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی۔ باقی سارے ناول، ناولٹ اور افسانے بھی بیسٹ تھے۔ مجھے جلترنگ بہت پسند ہے اور اس کی تعریف نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔" (تبصرے کا شکریہ)

☆ بنت اختر شجاعت، تونسہ شریف سے۔"ہم تقریباً چار سال سے پاکیزہ کے خاموش قاری ہیں۔ بس ہر مرتبہ تبصرے

کے.... بارے میں دل میں سوچتے ہی رہ جاتے ہیں، لکھ نہیں پاتے۔ پاکیزہ حقیقت میں باقی تمام ڈائجسٹوں سے ہٹ کر ہے، معیاری ہے۔ قسط وار ناول سارے بہت اچھے جا رہے ہیں۔ افسانے اس مرتبہ بہت چھوٹے، چھوٹے تھے۔ کچھ کچھ پسند آئے۔ محسنہ علی کا خط پڑھا بہت خوشی ہوئی محسنہ بہن! ہمارا گاؤں تو بہت خوب صورت اور سرسبز و شاداب ہے۔'' (مختصر خط کا شکریہ)

٭ حمیرا قریشی، لاہور سے۔ ''بہنوں کی محفل میں ہم نے انٹری ماری ہی لی اس امید پر کہ جگہ یقیناً ملے گی...... پلیز خط کا جواب ضرور دیجیے گا۔ اپنا افسانہ، اشعار پوسٹ کر رہی ہوں پلیز جواب دیجیے گا۔ پاکیزہ آج سے چند ماہ پہلے پڑھا تھا اچھا لگا تو لکھ دیا۔ انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی تفصیلی تبصرے کے ساتھ'' (جی ضرور)

٭ سیدہ حجاب فاطمہ، کراچی سے۔ ''آپی میں پاکیزہ کی اس وقت سے قاری ہوں جب لڑکیاں گڑیوں سے کھیلا کرتی ہیں۔ بے شک میری والدہ کے بعد اگر زندگی میں میرا کوئی راہنما رہا ہے تو وہ پاکیزہ ڈائجسٹ ہے۔ عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح کے ڈائجسٹ لڑکیوں میں بگاڑ کا سبب بنتے ہیں لیکن میں اس بات سے قطعی متفق نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اب میری بیٹی بھی اسے بڑے ذوق شوق سے پڑھتی ہے۔ آپی میں نے پاکیزہ کو خوابوں کی طرح جیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تھوڑا بہت لکھ لیتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے معاشرے میں رچی بسی ان برائیوں کو قلم بند کروں کہ جس سے ہماری خواتین اور بچیاں عبرت لے سکیں اور ان کی راہنمائی ہو۔'' (جی ضرور لکھیں)

٭ طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی سے۔ ''آپ نے ایک بار ہم بہنوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ہم اپنی بچیوں کو چھٹیوں میں تھوڑا بہت پکانا سکھا دیں۔ آپ یقین کریں کہ میری بیٹیوں نے یہ پڑھا تو یہ حال ہے کہ آج کچن کی تمام تر ذمے داری میری بڑی بیٹی نے صرف سولہ سال کی ہو کر ہی سنبھال لی ہے۔ چھوٹی بیٹی بھی بہت کچھ بنا لیتی ہے۔ اور اس کا تمام کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔ پتا نہیں آپ کی طرح بات کو سمجھانا ہمیں کب آئے گا۔ (آپ کی ذرہ نوازی ہے جو اس طرح سوچتی ہیں۔ ہر نان کو ایسا ہی طریقہ آتا ہے) اب آتے ہیں پاکیزہ کی طرف تو مجموعی طور پر کسی تحریر نے بھی مایوس نہیں کیا۔ قانتہ رابعہ ہوں یا شائستہ انجم، عقیلہ حق یا غزالہ عزیز ہر ایک کا اپنا انداز ہے۔ نزہت جبیں، نگہت اعظمی، میمونہ صدف، اُمّ طیفور، فرح طاہر، سعدیہ حیدر، شمیم فضل خالق، ثوبیہ رفعت کی اللہ مالک ہو یا کائنات غزل کی دل کے دروازے یا رابعہ نیازی، سب باکمال، نگہت سیما جی کے ناول میں اس بار مزہ آیا۔ قیصرہ جی کے لیے ہم کچھ کہیں، ابھی اتنے باکمال نہیں ہیں ہم...... متاع دل اور کہر میں بھی زبردست ہیں اور شیریں جی کو تو کسی جادو کے قلم سے لکھتی ہیں۔ یہ قلم کہاں سے لیا ہمیں بھی عنایت کر دیں۔ امینہ کے لیے دعا اور پیار عظمیٰ کا شکریہ کہ وہ پاکیزہ میں محنت کرتی ہیں جلترنگ پر نادیدہ ہم نے آپ کے پیار بھرے ہاتھوں پر پیار کیا۔ دین کی باتیں بہت اچھا لگتا ہے۔'' (تبصرے کا شکریہ)

☒ نوشین خان، اسلام آباد۔ آپ کہانیاں ضرور بھیجیں...... آپ پہلے پاکیزہ میں شائع ہونے والی کہانیاں بغور پڑھیں پھر لکھنے کی کوشش کریں۔

☒ عدن شاہ، لاہور آپ مستقل تبصرے بھیجتی رہیں۔ شامل رہیں گی۔

☒ صباحت، گوجرانوالہ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ...... معیاری اور مختصر کہانی جلد لگ جاتی ہے۔

☒ شمیم یاسمین، کراچی۔ پاکیزہ پسند کرنے کا شکریہ۔

☒ مہرین کنول، ملتان۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ آپ اس میں لطائف، شاعری اور انٹرویو کارنر اور باتیں بہاروں کی کے ذریعے شرکت کر سکتی ہیں۔

☒ ندا حسنین، کراچی آپ کی کہانی جلد لگے گی۔

☒ سنبل دعا، گوجرانوالہ۔ بہت شکریہ رسالہ پسند کرنے کا۔

☒ شائستہ انجم، واہ کینٹ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ۔

☒ نادیہ احمد، دبئی آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ پاکیزہ پسند کرنے کا شکریہ۔ کہانیاں بھی جلد ہی لگ جائیں گی۔

٭ فریدہ فری، لاہور سے۔ ''اگست کا پاکیزہ ملا دل خوش ہوا۔ ٹائٹل بے حد دلفریب لگا سبھی افسانے اور ناول بے حد اچھے تھے۔ اللہ مبارک کرے میں سب تصاویر بے حد اچھی لگیں۔ انجم انصار، عذرا رسول بے حد گریس فل اور خوب صورت ہیں دولھا اور دلہن تو ہیں ہی اتنے پیارے اللہ نظر بد سے بچائے۔ عظمیٰ آفاق بھی بے حد پیاری لگ رہی تھیں۔ شگفتہ شفیق،

رضوانہ پرنس، نزہت اینڈ نگہت تو خوش قسمت ہیں کراچی میں رہ کر ہر تقریب اٹینڈ کرتی ہیں کاش میں بھی کراچی میں ہوتی تو میں بھی تقریب میں شامل ہوتی چلو تصاویر دیکھ کر دل بہل گیا۔ عذرا رسول کو شادی بیٹے کی بے حد مبارک ہو...... ہالہ احمد کا افسانہ کوئی اور کرے تو بے حد اچھا لگا۔ متاع دل، کہہ میں، دلہن میں لے کر جاؤں گا، اقبال بانو نے خوب لکھا۔ بے حد مزہ آیا ایسا ہی لکھا کریں شکریہ...... شیریں حیدر کا زندگی خاک نہ تھی تو جان تمہارے سالے کی کیا بات ہے شیریں جی...... افسانے بھی سب کے بہترین لگے کمزوری بہت ہے اتنا ہی لکھا جا رہا ہے زندگی رہی پھر ملیں گے۔'' (شکریہ......)

✿ فرہاد علی، ضلع شیخوپورہ۔ پاکیزہ گھر کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے مگر یہ خواتین کا ماہنامہ ہے اس میں ان کی ہی تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اگر ہماری بہنوں نے اجازت دی تو ہم بھائی حضرات کے لیے بھی کوئی سلسلہ شروع کرنے پر غور کر سکتے ہیں۔ جی ضرور آپ مجھے خالہ کہہ سکتے ہیں۔ عظمیٰ کا تحریر کردہ شادی کا احوال پسند کرنے کا شکریہ آپ کی سب فرمائشیں ہم نے نوٹ کر لی ہیں۔

✿ مستنبل ملک، شاہدرہ سے۔ ''آنٹی عذرا کو بیٹے کی شادی مبارک، تصاویریں بہت ہی خوب صورت ہیں۔ ماشاءاللہ ۔ آپی عظمیٰ آپ بھی اچھی لگ رہی تھیں۔ اور آپ کے ہر ہر لفظ سے پتا چلتا ہے کہ عظیم لکھاری ماں کی لفظوں کی کھلاڑی بیٹی ہے۔ میری طرف سے نئی مصنفات کو خوش آمدید...... امینہ عندلیب کے لیے دعا اور جتنے بھی بیمار ہیں سب کو اللہ صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور افشاں تو بڑی لکی نکلی جس کو امینہ کا موبائل نمبر مل گیا۔ (تم بھی مجھ سے لے سکتی ہو) میری طرف سے بزم پاکیزہ میں انعام حاصل کرنے والوں کو بہت، بہت مبارک...... اختر شجاعت نے محبت الٰہی کو بہت ہی خوب صورت اور دلکش انداز میں بیان کیا۔ آنٹی قیصرہ کی تحریر، آخری امید ویسے تو میں ان کی ہر تحریر کی مداح ہوں مگر آخری امید میں کیتھی نے جس طرح سے تمام مذاہب کا مطالعہ کیا اس حوالے سے اسے جو بھی تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں قابل ستائش ہے۔ نفیسہ سعید، ابھی امید باقی ہے اچھا افسانہ تھا۔ افسانہ کوئی اور کرے تو ہالہ احمد کی اچھی کاوش جس نے ہنسنے پر مجبور کیا۔ سلسلے وار ناولٹ نبیلہ ابر راجا کا اچھا ہوا کہ اشعر نے دُرِّ یکتا کو اغوا کر لیا۔ کم از کم اب اسے حالات کو اور اچھے برے کو سمجھنے کا موقع تو ملے گا۔ محبت یہ نہیں تھی روشانے عبدالقیوم نے خوب صورتی سے عورت کے محبت کے بارے میں احساسات کو بیان کیا۔ شیریں آنٹی جب بھی آتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ اس مرتبہ بھی تیسرا حصہ اچھا بلکہ بہت اچھا تھا۔'' (تفصیلی تبصرے کا شکریہ)

✿ ذوالنورین، ہری پور ہزارہ سے۔ ''بہنوں کی محفل میں آپ کی تحریر اپنے نام سے شائع کروانے پر آپ نے جس مثبت انداز میں اصلاح کی مجھے بڑا اچھا لگا مگر تحریر کو اپنے نام سے شائع کروانا اور اس کا کریڈٹ اس کے تخلیق کار کو نہ دینا ناانصافی ہے۔'' (کوئی بات نہیں...... ایسا بھی ہو جاتا ہے)

✿ ارم خان، ڈی جی خان سے۔ ''جیسے ہی رسالہ کھولا سب سے پہلے ذیشان رسول کی شادی کا احوال پڑھا جو شاندار لگا پھر سلسلے وار ناول کی طرف دوڑ لگائی۔ متاع دل، اعتبار وفا، زندگی خاک نہ تھی، اے عشق تیرے ہیں کھیل عجب، کہہ میں، ہر ماہ کی طرح زبردست رہے...... پھر اس کے بعد جلترنگ کی طرف آئے اور مسکراتے ہوئے گزرے...... آنٹی جان بزم پاکیزہ بہت پیارا سلسلہ ہے ہمیں بہت پسند آیا۔'' (شکریہ)

✿ نگینہ ضیا بنگش، کراچی سے۔ ''ستمبر کا شمارہ اپنی تعریف آپ ہے خاص کر عظمیٰ آفاق کے قلم سے ذیشان رسول کی شادی کا احوال خاصے کی چیز رہا ایک دو جملوں کو تو میں جب بھی یاد کرتی ہوں تو بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے۔ جس میں زیادہ بچوں کے فوائد سرفہرست ہیں، عذرا باجی کو ذیشان اور فاطمہ کی ڈھیر ساری خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں۔'' (آمین)

✿ نورین شہزاد، کراچی سے۔ ''آخری امید قیصرہ حیات کا ایک نائج ایبل ناول ہے ویلڈن قیصرہ حیات...... اے عشق تیرے ہیں کھیل عجب، درثمن بلال کا نیا سلسلے وار ناول بھی بہترین تھا۔ حساب دوستاں، ثمینہ عظمت علی کی واقعی ایک اچھی کاوش ہے۔ عظمیٰ آفاق سعید پھر بازی لے گئیں اللہ مبارک کرے بہت اچھی طرح شادی کا احوال لکھا۔ ان کے قلم سے واقعی قیمتی موتی نکلتے ہیں جو قاری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے دیپ جلا دیتے ہیں، ویلڈن عظمیٰ آفاق سعید جی...... اس ماہ فرحین اظفر اور نفیسہ سعید کی بہترین کاوش ہیں۔ ہمیشہ کی طرح آخری بات قرآن کو پڑھیں، سمجھیں اپنے اوپر اپلائی کریں۔ اللہ کے نام یاد کریں انہیں پڑھیں انہیں اپنے اندر جذب کریں...... جیسے اللہ کا نام الودود ہے۔ بہت محبت کرنے والا اللہ کے اس نام کو اپنے اندر جذب کریں اپنے اندر اللہ کی محبت اور انسانوں کی محبت پیدا کریں آپ خود دیکھیں گی آپ محبت بانٹیں گی تو بدلے

میں آپ کو بھی محبت ملے گی۔'' (جزاک اللہ خیر)

٭ سیدہ غزالہ عالم، لانڈھی سے۔ '' اللہ تعالیٰ آپ کو اور پاکیزہ کے لوگوں کو بہنوں کو ہمیشہ زندہ سلامت رکھے اور آپ اور پاکیزہ دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کریں۔ پاکیزہ کے تمام سلسلے اپنی مثال آپ ہیں جن کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔'' (یہ آپ سے کس نے کہہ دیا ہم آپ کو بھول گئے۔ پاکیزہ کی ایک پرانی تبصرہ نگار شہناز قدیر، نارتھ ناظم آباد سے بارہ سال بعد ہمیں فون کیا...... اور ان کی آواز سن کر ہم نے ان سے کہا...... آپ نے ہمیں ایک واقعہ سنایا تھا کہ ایک شرارتی بچے نے اپنے گنجے مہمان کو دیکھ کر کہا تھا کہ میں اس کے ٹنڈ سے پھسلوں گا تو وہ حیرت زدہ سی رہ گئیں اور بولیں کہ ماشاء اللہ آپ کا حافظہ تو بہت اچھا ہے۔ مطلب یہ کہ ہم بھولتے ہی نہیں)

٭ زینت عبدالصمد، میر پور ساکرو سے۔ '' قارئین کا انتظار ختم ہوا اور بالآخر ذیشان رسول کی شادی کا تفصیلی احوال ستمبر کے خوب صورت شمارے میں تصاویر کے ساتھ آ ہی گیا۔ ماشاء اللہ بڑی پیاری جوڑی ہے۔ اللہ مبارک کرے...... عظمیٰ نے اچھا احوال لکھا۔ دلہن میں لے کے جاؤں گا۔ اقبال بانو کی لطیف پیرائے میں لکھی تحریر پڑھتے ہوئے نہ جانے کیوں اللہ دتہ کے کردار میں فیصل قریشی کی صورت نظر آتی رہی۔ ہلکی پھلکی یہ تحریر میرے موڈ کو اچھا کر گئی...... سیر پہ سوا سیر...... بالہ احمد کی کوئی اور کرے ٹھہری تو یہ آپ کو اندازہ ہو گیا کہ جس کا کام اسی کو ساجھے۔ ہم بنا سوچے سمجھے تنقید کے تو کرے یا مین میخ نکال کے خود کو طرم خان اور دوسروں کو خلیل خان سمجھ بیٹھتے ہیں۔ شیریں حیدر سسپنس کے ساتھ کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں مگر ان کا منتخب کردہ موضوع انتہائی نازک اور گمبھیر ہے۔ معاشرتی مسائل میں سے اتنے نازک مسئلے کو اس خوبی کے ساتھ قلمبند کرنا شیریں حیدر کا ہی کمال ہے۔ اسٹیل کی پتلی، فرحین اظفر نے ہر گھر کی کہانی لکھی ہے۔ نگہت سیما اپنے مخصوص انداز میں کسی سبک ندی کے مانند لکھتی چلی جا رہی ہیں۔ ان کی تحریر میں اطمینان، سکون اور چین کے عناصر موجود ہوتے ہیں۔ درثمن کو پڑھا نہیں کہ ان کا ناول ابھی شروع ہوا ہے پاکیزہ میں۔ وگرنہ دیگر رسائل میں ان کی تحریریں نظر سے گزرتی رہتی ہیں۔ نبیلہ ابرار اجا اپنے مخصوص انداز میں لکھ رہی ہیں۔ پاکیزہ ڈائری ہر بار کی طرح زبردست رہی...... مگر جلترنگ کے تو کیا کہنے...... اور اس دفعہ تو مادری فادری کی اصطلاح سن کر مزہ ہی آ گیا۔'' (شکریہ)

پیاری بہنو! تحریری یا زبانی میری کوئی بات آپ کو گراں گزری ہو تو اس کی معافی کے بعد آیئے آخر میں پھر ایک بار درود ابراہیمیؑ پڑھتے ہیں اور پھر دعا مانگتے ہیں...... یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم، یا کریم، یا اول و آخر...... میرے جسم کو شفا اور دل کو اپنی ذات کا یقینِ کامل اور آنکھوں کو نورِ بصیرت عطا فرما اور جب تک میں زندہ رہوں اپنے ذکر کو صبح شام میری زبان پر جاری فرما دے اور ایسی جگہ سے مجھے رزق دے جو بلا رکاوٹ ملتا ہی رہے...... یا رب العالمین مجھ سے میری اولاد سے اور میرے تمام عزیز و اقارب سے ہمیشہ، ہمیشہ راضی رہنا...... اور ہر گناہ، ہر غلطی...... اور ہر کوتاہی کو معاف کرنا اور ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی کرنا، اپنی نظر میں چھوٹا مگر دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دینا اور دونوں جہان میں مجھے خیر عطا کرنا...... بے شک تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اور تیری ثنا سب سے بڑی اور تیری پناہ عزت والی ہے اس لیے صرف اپنا محتاج کرنا اور ہمیشہ، ہمیشہ اپنی شان کے حساب سے ہم سب پر اپنا رحم، کرم اور فضل عطا کرنا اور ازل سے ابد تک سب کو معاف کرنا کہ بے شک میرا رب ہر چیز پر قادر ہے اور میرا رب برکت اور بلندی والا ہے۔

یا مجیبٌ، یا مجیبٌ، یا مجیبٌ

دعا گو

آپ کی اپنی باجی

انجم انصار

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35895313 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمدِ باری تعالیٰ

چھم چھم نیر بہائیں انکھیاں جل تھل ہوا سنسار
کتنا روؤں تو ہی بتادے اے میرے پالن ہار
راتوں کو اٹھ، اٹھ نیر بہاؤں سجدے میں گرجاؤں
برکھا برسے دل بہلائے چین نہ پھر بھی پاؤں
آنکھیں روئے رو خشک ہوئیں پل، پل بڑھتی جائے یاد
میں دکھیاری پریت کی ماری کیسے کروں فریاد
یاد کروں میں ہر پل تجھ کو نیند نہ آئے ساری رات
دید کی پیاسی آنکھیں میری، آنکھوں میں کٹ جائے رات
دل پہ لکھا ہے جب سے میں نے اے اللہ بس تیرا نام
یاد کروں ہر لحہ تجھ کو اور نہیں کچھ میرا کام
تنہائی کی ڈور سنبھالے تھک جائیں نہ ہاتھ
میں تو بس اتنا جانوں ہوں تو ہے میرے ساتھ
اللہ، اللہ کرتی جاؤں دھیرے، دھیرے بڑھتی جاؤں
تیری رضا ہے میری منزل اس کو کھوجوں اس کو پاؤں

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی......کراچی

نعت

درودوں کی سوغات لے کر
آؤ دیارِ نبیؐ کو چلتے ہیں
دنیا کے دکھ سمیٹنے والوں کے
غموں بھرے دل وہاں سنبھلتے ہیں
کرم کی بارشیں برستی ہیں ہر دم
رحمتوں کے دریا بہہ نکلتے ہیں
میرے نبیؐ کی سخاوت کا مت پوچھو
گدا تو گدا بادشاہ بھی دہاں پلتے ہیں
مدینے والے کے در پر جا کر تو دیکھو
دکھوں کے سائے بھی دور ٹلتے ہیں

شاعرہ: اُمِ ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ

نامِ محمدؐ

نام محمد چوم، چوم تھکتی نہیں ہوں میں
میری زندگی میں ہر سو اجالا اسی سے ہے
کیا پوچھتے ہو مجھ سے میری قوم میری ذات
ذاتِ محمدؐ جان لو میرا حوالہ اسی سے ہے

مرسلہ: سامعہ ملک پرویز، بھیرہ خان پور

حضرت علی کرم اللہ وجھہ کا قول ہے کہ

جب تم دنیا کی مفلسی سے تنگ آجاؤ اور رزق کا کوئی راستہ نہ نکلے تو صدقہ دے کر اللہ سے تجارت کرلیا کرد۔

مرسلہ: فردوس شاہی، لاڑکانہ

پیارے نبیؐ کی میراث

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ بازار گئے اور لوگوں سے فرمایا کہ تم یہاں ہو اور آنحضرت کی میراث مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگوں نے بازار کو چھوڑا اور مسجد کو روانہ ہوئے

وہاں کچھ مال نہ دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے آکر کہا کہ ہم نے تو کوئی میراث بٹتے نہیں دیکھی۔ آپؓ نے پوچھا کہ پھر کیا دیکھا......انہوں نے عرض کیا۔

کہ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کی میراث یہی تو ہے۔

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

نماز

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ ساری شریعت جبریلؑ لے کر آئے پر نمازیں نبی ﷺ خود لے کر آئے......اس لیے نماز پڑھنے میں بھی

کوتاہی نہ کریں اور کم از کم اتنا خیال تو ضرور رکھیں کہ آپ کا کوئی دن ایسا نہ گزرے جس میں آپ نے کسی وقت کی نماز بھی نہ پڑھی ہو......اللہ تعالیٰ ہم سب کو پنجگانہ نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

از: کرشمہ، کرن فاطمہ، ہارون آباد

غزل

جب تم دیس ہمارے آنا
سکھ کے موسم سارے لانا
ہم نے دیکھیں کالی راتیں
تم روشن اجیارے لانا
بیچ سمندر ڈوبی گر میں
کشتی کھینچ کنارے لانا
خالی ہاتھ نہ آنا دیکھو
پیار کے تحفے پیارے لانا
سورج اپنے ساتھ ہی رکھنا
جگنو، کرنیں، تارے لانا
رم جھم، بادل، مست ہوائیں
سارے منظر پیارے لانا
شفق، حنا، جذبات ، وفائیں
ایسے رنگ اب سارے لانا

شاعرہ: نیر رانی شفق، ڈی جی خان

دعا

اے میرے رب! میں تجھ سے لمبی عمر کی دعا نہیں مانگتی مگر تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میں خود کو تیرے سامنے کھڑی ہونے کے قابل نہ بنالوں۔

از: زرین زبیر کوٹھاری، کراچی

غزل

ہر تعلق توڑنا آسان ہوتا ہے بہت
رخ ہوا کا موڑ کر نقصان ہوتا ہے بہت
جس گلی سے وہ گزرتے تھے کبھی آباد تھی
رستہ ہو انجان تو ویران ہوتا ہے بہت
جو سکھا کر بھول جاتے ہیں محبت کی تمیز
ایسی جفاؤں پر دل حیران ہوتا ہے بہت
شوق سے ترکِ تعلق تم نبھاؤ تو سہی
اِک خیالِ یار ہی گمان ہوتا ہے بہت
ہستیِ رنج و الم ہے اور سزائے درد ناک
تیرہ شبی کا یہی سامان ہوتا ہے بہت
چاند تکتی ہے نزہی اور ڈھونڈتی ہے جانے کیا
عکس بنتے ہیں اس میں رومان ہوتا ہے بہت

شاعرہ: نازیہ نزہی.....نوشہرہ کینٹ

معافی نامہ

غلطی کو تسلیم کر کے معافی مانگ لینا ہمیشہ اعلیٰ ظرف لوگوں کا کام ہے......مگر وہ......اور بھی عظیم لوگ ہوتے ہیں جو معاف کردینے کے فن سے بخوبی آشنا ہوتے ہیں، معاف کرنے کی روش اپنائیں تاکہ آپ بھی معاف کیے جائیں......دلوں کو کشادہ رکھیے......آپ کا انتقام ملزم کو مجرم اور آپ کی معافی سرکش کو بھی راہِ راست پر لاسکتی ہے، آزما کر دیکھیں کہ جب آپ دسترس رکھتے ہوئے معاف کرتے ہیں تو کتنے ہلکے پھلکے اور مطمئن ہوجاتے ہیں، سوچیے گا ضرور......

مرسلہ: خدیجہ جمیل، لاہور

میری مصروفیت

میرے پاس وقت نہیں ہے
ان لوگوں سے نفرت کرنے کا
جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں
کیونکہ میں مصروف رہتی ہوں
ان لوگوں میں
جو مجھ سے محبت کرتے ہیں

مرسلہ: یاسمین اقبال، سنگھ پورہ لاہور

ہمارا فریج

فلم یا ڈراموں میں ہیرو یا ہیروئن جب اپنا فریج کھولتے ہیں تو اس میں پزا، پھل، جوس، بوتلیں اور چکن

روسٹ رکھا نظر آتا ہے مگر جب ہم گھر کا فریج کھولتے ہیں تو گوندھا ہوا آٹا، پسا ہوا لہسن، دودھ کی دیگچی، رات کی بچی ہوئی ترکاری اور دوائیاں...... کیوں نظر آتی ہیں۔
از: صبا نور، لیہ

خلاصۂ دل

یاد رکھو گے ایسا تحفہ بھیجوں گی
اپنی آنکھ کا بہتا دریا بھیجوں گی
میری آنکھ میں ہجر سمندر بہتا ہے
پاس رہو گے پھر بھی پیاسا بھیجوں گی
دامن میں خیرات سنبھالے رکھنا تم
میں تم کو اس بار بھی کاسہ بھیجوں گی
تم پردیس سے واپس بھی آسکتے ہو
تم کو پیار بھرا سندیسہ بھیجوں گی
کاش تمہاری آنکھ سے جل تھل ہو جائے
دھوپ کا جنگل وردکا صحرا بھیجوں گی
خط میں آنسو کچھ تصویریں میری ہیں
بھیگی آنکھیں بھیگا چہرہ بھیجوں گی
فری کیسے پیار ہو اِک لڑکے سے
چاہت سے بھرپور خلاصہ بھیجوں گی
شاعرہ: فریدہ فری، لاہور

خوش

کامیابی کا نشہ کبھی دماغ کو چڑھنے مت دیجیے اور ناکامی کا صدمہ کبھی دل پر مت لیجیے ہمیشہ خوش رہیں گے۔
مرسلہ: مسز نزہت اشفاق، کراچی

اگر

اگر غلطی نہ ہونے پر بھی آپ سے کوئی معافی مانگ لے تو...... سمجھ لینا کہ وہ آپ سے زندگی بھر رشتہ رکھنا چاہتا ہے۔

مرسلہ: سعدیہ سلیم، سڈنی

ابتدائے عشق ہے

دلہن عروسی جوڑے میں بیٹھی تھی کہ دولہا آیا اور کہنے لگا۔
''مجھے اس دن کا کافی عرصے سے انتظار تھا۔''
دلہن نے جواب دیا۔''اس وقت دن نہیں رات ہے۔''
''میرا مطلب ہے کہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے میں نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں، کولہو کے بیل کی طرح کام کیا......'' دولہا نے وضاحت پیش کی۔
''اس کا مطلب ہے کہ تم پاپڑ بیلنے کا کام کرتے ہو اور پارٹ ٹائم ... تیل کا کاروبار بھی کرتے ہوگے ؟'' دلہن نے کہا۔
''ڈارلنگ......! تم سمجھتی نہیں۔'' دولہا نے روہانسا ہو کر کہا۔
''اس سے پہلے تو کسی دولہا نے اپنی دلہن سے ایسی بات نہیں کی ہوگی۔'' دلہن بولی۔
دولہا اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔
''ابا ٹھیک کہتے ہیں کہ دلہن گھر سے رخصت ہوتے وقت دس منٹ میں خود رو کر سب کو رُلا دیتی ہے اور دولہا بیچارہ ساری زندگی روتا رہتا ہے۔''
از: نجمیٰ قندیل، کمالیہ

قول و فعل

☆ دانا وہ ہے جو گردشِ ایام سے تنگ دل نہ ہو۔
☆ غصہ کبھی کبھی قابل سے قابل انسان کو بے وقوف کر دیتا ہے
☆ علم سے انسان کی وحشت اور دیوانگی دور ہو جاتی ہے۔
☆ تمام اعضا جسمانی میں زبان سب سے زیادہ نافرمان ہے۔ اگر جو بے قابو ہے۔
☆ لوگ اپنی ضروریات پر غور کرتے ہیں قابلیت پر نہیں۔
☆ نفرت ایسی چیز ہے جو محبت کے چہرے پر جھریاں ڈال دیتی ہے۔
از: سیما ممتاز عباسی، لاڑکانہ

جلترنگ

انجم انصار

چھیتی بہو!

کچن میں جا کر کام کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔ شادو بھابی کو تو اس میں داخل ہو کر ہی وحشت ہوتی تھی۔ ان کی طبیعت جب خراب ہوتی تب، تب وہ باورچی خانے کے اریب قریب ہی پائی گئی تھیں۔ سچی بات ہے ہمارے گھر میں تو کام کرنے کا کوئی ایسا کھڑاگ بھی نہیں تھا۔ زبیدہ ماسی صبح نو بجے سے شام سات بجے تک رہا کرتی تھی۔ بقول اماں کے آپے لونڈے، جاپے لونڈے جیسے کام تک معمر سی زبیدہ مائی بڑی پھرتی سے نمٹایا کرتی تھی۔ روٹی، پراٹھے سے لے کر زیرے والے چاول تک وہ بڑی خوش اسلوبی سے بنایا کرتی تھی۔

ہاں کام تھا تو صرف ایک وہ ہنڈیا پکانا...... اس کے لیے اماں سبزی کاٹ کر دیتیں، پیاز کے لچھے وہ ناشتا کرتے ہی کاٹ کر رکھ دیتیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان کا من پسند پکانے کا مسالے کا ڈبا تک منگواتیں۔ جبکہ اماں کو ڈبے کے مسالے قطعی پسند نہیں تھے۔

اتنی مراعات کے ہوتے ہوئے بھی شادو بھابی کو کچن میں جا کر گھبراہٹ ہوا کرتی تھی۔ سالن بھونتے ہوئے انہیں سانس کی شکایت ہو جاتی کہ سانس پیٹ میں نہیں سما رہی ہے۔ اوپر اوپر سے آ رہی ہے تب اماں انہیں ان کے حجرے میں (بیڈ روم) بھیج کر خود ہی سالن پکا لیتیں۔

شروع، شروع میں تو گھر کے سب ہی لوگ ان کی ناٹھی نگوڑی بیماریوں کو اصلی سمجھ کر پریشان بھی ہو گئے تھے مگر ایسی صورتِ حال کی وجہ جب باورچی خانہ سمجھ میں آئی تو اماں نے سالن خود ہی پکانا شروع کر دیا اور شادو بھابی ٹی وی پر ساس بھی کبھی بہو تھی جیسے پروگرام دیکھ کر سسرال والوں کو مزید خبیث سمجھنے لگیں اور اس کے الزاموں کی فہرست بڑی ہونے لگی۔

میرا پرس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا۔ بیڈ پر کیسے آ گیا...... نیلا دوپٹا جائے نماز پر کس نے رکھ دیا۔ الگنی سے تولیا کہاں غائب ہوا...... میرے کمرے میں چھ آم تھے، دو کیسے غائب ہو گئے۔ باتھ روم سلیپرز کس نے گیلی کیں...... میرے کمرے میں کون آیا تھا۔ سفید کنگھا، آف وائٹ کس نے کیا...... لپ اسٹک کی نوک کس نے توڑی، میں جب بھی فون ریسیو کرتی ہوں تو کن سوئیاں لینے کے لیے گھر والے میرے آس پاس کیوں ٹہلنے لگتے ہیں؟ مجھے دیکھ کر نندیں ہنستی کیوں ہیں؟ ساس کو جمائیاں کیوں آنے لگتی ہیں۔

مجھے دیکھ کر دیور ایک دوسرے کو دیکھ کر کھانستے کیوں ہیں؟ اماں جان ٹھنڈی آہیں کیوں بھرتی ہیں؟ وہ میری تعریف کرنے میں کنجوسی کیوں دکھاتی ہیں؟ اپنے گھر والوں کے سامنے میاں جانی لفٹ کیوں نہیں کراتے...... وغیرہ وغیرہ......

شادو بھابی نے جب سے باورچی خانے کا کام کرنا چھوڑا تھا سب کو سالن کے ذائقے میں مزہ آنے لگا تھا۔ پہلے تو تعریفیں ناپ تول کے کی جاتی تھیں اب خوب دھوم دھام سے ہونے لگیں۔

''جیوے میری ماں اتنی زبردست بریانی پکاتی ہے کہ دل چاہ رہا ہے کہ آپ کے ہاتھ چوم لوں۔'' بھیا آنکھوں میں محبت بھر کے اماں کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے ہوئے کہتے۔

''ارے! میں تو حیران ہو رہی تھی کہ آج شادو بھابی نے ایسی بریانی پکا کر ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ ایسا ذائقہ تو کبھی چکھا ہی نہیں تھا۔'' یونیورسٹی سے آ کر کھانا کھاتے ہوئے بڑی باجی چلترپنے سے کہتیں۔

''اللہ ہماری اماں کو سدا سلامت رکھنا۔ اگر خدانخواستہ ہماری بیوی بھی بھابی جیسی آئی تو ہمارا تو کباڑا ہو جائے گا۔'' چھوٹے بھیا بھابی کو سناتے ہوئے اماں سے لاڈ بھرے انداز میں کہتے۔

''اللہ نہ کرے میرے بچوں کا کباڑا ہو...... میں کہیں نہ جانے کی...... ہماری نانی ایک سو دس سال کی عمر میں بڑی مشکلوں

سے مری تھیں اور ان کی اماں تو ایک سو بیس سال کی ہو کر مری تھیں۔ دوبارہ دانت نکل کر بھی ٹوٹ گئے تھے۔'' وہ ہنسیں۔

''اور اب ماشاء اللہ ہماری اماں سو کے لپیٹے میں ہیں اور مادام مار گریٹ سے بھی چھوٹی لگتی ہیں۔''

تب اماں کی باتیں اور ان کے وسیع پروگرامز سن کر شادو بھابی کے ہاتھ پیر پھول جاتے اور وہ روہانسی ہو جاتیں۔

شادو بھابی کے ساتھ ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ان کا میکا دوسرے شہر میں تھا۔ فوری طور پر باتوں کے جواب اور آگ لگانے والی باتوں کی وہ متحمل نہیں ہو سکتی تھیں۔ موبائل کا کارڈ وہ ایک ہفتے میں ختم کر دیتیں تو پورے مہینے میاں سے کھٹ پھٹ علیحدہ چلتی رہتی۔

پھر یوں ہوا کہ ان کے ابا کا ٹرانسفر کراچی کا ہو گیا اور وہ چوہا سیداں سے کراچی آ گئے اور بھابی بھی شیر بن گئیں۔ اماں کھٹ سے باتیں کرتیں اور وہ پٹ سے جواب دیتیں۔ چھوٹی باجی کی تو انہوں نے بولتی بند کر دی تھی۔ دیوروں پر خود اتنا ہنستی کہ وہ بولا کر باہر نکل جاتے۔ کام وہ اب بھی نہیں کرتی تھیں مگر کریڈٹ لینے کو تیار رہتیں۔

''دیکھیے...... اماں آپ کہہ رہی تھیں گوشت میں آلو ڈال رہی ہوں۔ میں نے کہا اروی ڈالیے...... اس موسم میں لیموں کے ساتھ اچھی لگے گی...... آپ نے میری بات مانی تو کیسے سب لوگ مزے لے کر کھا رہے ہیں۔''

''ارے اماں آپ نے تو بساندھا سا قیمہ پکا کر رکھ دیا تھا میں نے اوپر سے ادرک، ہرا دھنیا، پودینہ کاٹ کر ڈالا تو کیسا ذائقہ آ گیا اس قیمے میں، جسے سب لوگ لپ، لپ کھا رہے ہیں۔'' بہنیں ان کی ان باتوں پر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتیں اور وہ بے وجہ ہنستی رہتیں۔ شاید یہ ٹپ بھی انہیں ان کے میکے والوں نے دی تھی کہ کھی...... کھی کرنے سے دیکھنے والے کلسا کرتے ہیں۔

''اماں یہ بھابی اب برداشت کے قابل نہیں رہی ہیں۔ ان کو باورچی خانے میں گھسنے مت دیں۔'' چھوٹی باجی نے بڑی باجی سے امریکا فون کر کے کہا مشورہ چونکہ امریکا سے آیا تھا اس لیے اب بھابی کے کچن میں جانے اور ہنڈیا کا کوئی بھی کام کرنے پر بین لگ گیا۔

مگر جن بہوؤں کا میکا قریب ہو اور مشورہ دینے والی بہنیں ہوں، انہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہوں نے ایسی حرکت کی جس کو دیکھ کر سب ہی ان کو استاد مان گئے۔ فون آتا تو وہ ریسیور لے کر باورچی خانے میں چلی جاتیں۔

''ارے بھئی باورچی خانے میں ہوں'' ہاتھ میں پکڑا ٹشو دیوار سے مس کرتے ہوئے مزید کہتیں۔ ''ارے بھئی ڈسٹنگ کر رہی ہوں، مائی زبیدہ بھی ناں ایک پکی کاہل ہے صفائی سے تھوڑی کام کرتی ہے باورچی خانے کے سارے ٹائلز چکنے ہو رہے ہیں آہستہ، آہستہ کر کے میں انہیں صاف کر رہی ہوں۔ بھئی، میں یہ کام نہیں کروں گی تو کون کرے گا اور میں بغیر کام کے رہ کہاں سکتی ہوں۔'' وہ ٹشو جو دو منٹ پہلے وہ اپنے چہرے پر تھپتھپا رہی ہوتیں مستقل دیوار سے مس کرتی رہتیں۔ ٹیلی فون ختم ہوتا ٹشو بھی وہیں پھینک کر آ جاتیں۔

ایک دن اماں نے نہ جانے کیسے کہہ دیا کہ شادو چولھا بند کر دینا۔ اس دن جتنے بھی ٹیلی فون آئے ان کی ابتدا اس جملے سے تھی۔

''باورچی خانے میں ہوں' وقت پر ہنڈیا دیکھ لی ورنہ سارا سالن جل جاتا۔ ہر چیز کی دیکھ بھال رکھتی ہوں۔ ورنہ ہزار روپے کی بکرے کی ہانڈی ضائع ہو کر جاتی۔'' ایک فون پر تو انہوں نے انتہا ہی کر دی اپنی کزن کو ہولڈ کراتے ہوئے کہا۔ ''پلیز نگہت ایک منٹ رکنا' سالن بھون کر چولھا بند کر دوں ورنہ تم سے دلجمعی سے بات نہیں کر سکوں گی۔''

اور جب فون کیا تو ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''جب تک میرا کام ختم نہ ہو مجھے سکون نہیں ملتا اب میں فارغ ہوں جتنی بھی بات کرنی ہو، کر لو......''

باورچی خانے کے نل سے وہ ہاتھ دھو رہی ہوں تو آتے جاتے یہ باور کراتیں کہ میں باورچی خانے میں ہوں۔

ان کی بڑی بہن جب ہمارے محلے میں مکان خریدنے میں کامیاب ہو گئیں تو ان کے جملوں میں مزید بانکپن سا آ گیا اور ادائیں شعلہ نوا ہو گئیں۔

بھیا کی بائیک کی پھٹ، پھٹ سنتے ہی وہ بھاگ کر باورچی خانے میں آ جاتیں۔

وہ سو رہی ہوتیں یا ٹی وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ

رہی ہوتیں بھٹ، بھٹ سنتے ہی جھٹ پٹ وہ باورچی خانے میں آ کر یوں پوز دیتیں جیسے نہ جانے کب سے باورچی خانے کے کام نمٹا رہی ہیں۔ بھیا کو دیکھ کر ایک ادا سے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہتیں۔

''ارے آپ آ بھی گئے، مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ پہلے میں ذرا فریش ہو جاؤں پھر آپ کے کپڑے نکالتی ہوں۔ گھر کے دھندوں میں دن کہاں ہوا ہو جاتا ہے مجھے تو پتا ہی نہیں لگتا......'' تب بھیا ان پر ترحم کی نظر ڈال کر بہنوں کو غصے سے دیکھتے ہوئے اپنے بیڈ روم میں بڑھ جاتے۔

ہم بہنیں منہ لٹکا کر اماں سے پوچھتے کہ ہم سے ایسی کیا غلطی ہوئی ہے جو بھیایوں شادی کے بعد بدل گئے ہیں۔

تب اماں سر پر ہاتھ رکھ کر ایک آہ بھر کر کہتیں۔ ''یہ شادو کچن والی سے پوچھو جو کچھ نہ کرنے پر بھی سارے کام کر لیتی ہے اور میاں کی چہیتی بن کر رہتی ہے۔''

آپ کے پاس ایسی ٹاور ٹپس ہوں تو ہمیں بھی بتایئے ناں ہم دونوں کی رخصتی بہت جلد ہونے والی ہے ایسی اعلیٰ و ارفع ٹپس ہمارے پاس بھی ہونی چاہیے۔ اور یوں بھی لاڈلی اور چہیتی بننے کا شوق تو سب کو ہی ہوتا ہے اور اگر ہمیں بھی ہے تو پھر...... آپ کو کیا تکلیف ہے......؟

گھبراہٹ کے باوجود

جہاں یہ خبر ملتی کہ ہاسٹل میں رہنے والی کسی لڑکی کی منگنی ہو گئی ہے، سب لڑکیاں نہ صرف اس کو خوب چھیڑتیں بلکہ نکوتک بنا کر رکھ دیتیں مگر صوفیہ کا جب سے نکاح ہوا تھا...... اس نے ہم سب کا دماغ خراب کر دیا تھا...... بجائے اس کے وہ ہم سے پیچھا چھڑاتی...... ہم سب ایسا کر رہے تھے۔ وہ ماں کی بیمار حالت کا فون سن کر روتی دھوتی گھر بھاگی تھی اور جب آئی تو موٹی سی بے ڈھب انگوٹھی پہنے شرمائی، شرمائی تھی۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ اماں نے بیماری میں ہول کر اس کا کسی کزن سے ہنگامی حالت میں نکاح کر دیا ہے۔ رخصتی ڈگری لینے کے بعد عمل میں آئے گی۔

ہاسٹل میں آ کر اس کا واحد کام یہی رہ گیا تھا کہ اپنے شوہر کی باتیں اور بے تکے قصے، کہانیاں سنا، سنا کر وہ ہمیں خاصا بور کرنے لگی تھی...... بات اگر سلاد سے بھی شروع ہوتی تو وہ ناصر پر ختم کرتی۔ اس کے مجازی خدا جن سے وہ نکاح کے بعد دو ایک بار ہی ملی تھی۔ انہوں نے چلتے وقت...... اسے 'جان' کہہ کر پکار لیا تھا۔ وہ خطاب اسے ایسا بھایا تھا کہ ہمارے نام کے ساتھ 'جان' لگا کر خوب ٹھسے کے ساتھ پکارا کرتی۔ روبی جان، فرحانہ جان، وغیرہ وغیرہ...... اور وہ جب بھی کوئی اسٹوری گھڑتی، تو جان کہہ کر سناتی۔ ''اللہ...... میں کیا بتاؤں...... ناصر نے کہا...... جان تم گھومنے چلو...... جان تم گوری لگ رہی ہو...... جان آج تم لمبی لگ رہی ہو۔''

''ناصر نے کہا۔ جان! تم پنک کلر پہنا کرو۔''

''ناصر نے کہا۔ جان! تمہیں ہائی ہیل پہننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے چھوٹا لگنے لگتا ہوں۔ جان تم تو...... بہت ہی قابل ہو......'' (اس کو تعلیمی حالت کا پتا ہی نہیں تھا) میں اور روبی جو اس کے روم میٹ بھی تھے۔

صوفیہ کی ''جانِ جاناں'' سے تنگ آ چکے تھے۔ بلکہ ہنس ہنس کر...... اب رونے تک لگے تھے۔ ویسے بھی ان دنوں امتحانی سیزن شروع ہو چکا تھا۔ پورے ہاسٹل میں پڑھائی کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہو رہی تھی۔

مگر صوفیہ کو تو کتاب کی ہر سطر سے ''جان'' کی پکار سنائی دے رہی تھی۔ ایک شام میں اور روبی نوٹس بنانے کے سلسلے میں کچھ کتابیں لینے مارکیٹ گئے۔ ایک تو وارڈن نے ہی جانے کی اجازت بڑی مشکل سے دی تھی، دوسرے حلیم کھانے کے شوق میں روبی نے مزید دیر کرا دی۔

سردی کے موسم میں مغرب کے وقت ہم دونوں بھاگنے کے انداز میں ہاسٹل کی جانب چل رہے تھے۔ اچانک ہم دونوں کو احساس ہوا کہ ہمارے پیچھے ایک صاحب زادے لگ گئے ہیں، ان کی لوفرانہ سیٹی سن کر روح فنا ہو گئی۔ ہمیں ڈرتا دیکھ کر وہ اور حوصلہ افزائی سے پیچھے لگ گئے اور سیٹی بجا کر بولے ''ارے جان...... رکو تو سہی...... جان...... گلابی کپڑوں میں تو آفت لگ رہی ہو۔'' تب روبی اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''ارے، ہم خواہ مخواہ ڈر گئے...... یہ تو صوفیہ کے شوہر ہیں۔'' تب گھبراہٹ کے باوجود میں ہنستی چلی گئی۔

☆☆☆





☆ماہ نور قیصر......راول پنڈی
کمالِ فن میں فن کا ایک پہلو یہ بھی ہے روشن
کہ بن جاتے ہیں عیب اکثر ہنر آہستہ، آہستہ

☆لاریب......لیہ
خود چڑھا رکھے تھے تن پہ اجنبیت کے غلاف
ورنہ کب اِک دوسرے کو ہم نے پہچانا نہ تھا

☆نوشین کنول......لیہ
سلوٹیں ہیں میرے چہرے پہ تو حیرت کیوں ہے
زندگی نے مجھے کچھ تم سے زیادہ پہنا

☆سحر فیروز......سیالکوٹ
جوق در جوق تمناؤں کے دھوکے کھا کر
دل اگر اب بھی دھڑکتا ہے تو حد کرتا ہے

☆عائشہ یوسف......لاہور
کہیں بھی دھیان اب تو رہتا نہیں
کہ ہر طرف رہتا ہے تری دید کا موسم
جس دن تم آ ملو گے ہم سے
بس وہی ہوگا میری عید کا موسم

☆غزالہ جلیل راؤ......اوکاڑہ
اِک پیارے کو پاس بلانے کے لیے
کئی غیر بھی محفل میں بلانا پڑے مجھے
میری آنکھ کے آنسو کوئی پہچان نہ لے خاور
اپنے ساتھ میں روتے لوگ ہنسانا پڑے مجھے

☆شمیم یاسمین......کراچی
بھول جانے کا تجھے کیسے تصور کرلوں
مری سانس ہے وابستہ تری یادوں سے

☆مہ وش سمرن......سیالکوٹ
سرِ راہ کچھ بھی کہا نہیں کبھی اس کے گھر میں گیا نہیں
میں جنم جنم سے اسی کا ہوں اسے آج تک پتا نہیں
یہ خدا کی دین عجیب ہے کہ اسی کا نام نصیب ہے
جسے تو نے چاہا وہ مل گیا جسے میں نے چاہا ملا نہیں

☆ڈاکٹر نفیسہ نہال......لاہور
تری محبت نے مجھ کو ہر بار اِک نئی زندگی عطا کی
کہ دل نے ہر بار تجھ کو دیکھا نئی تمنا، نئی نظر سے

☆نرگس نسیم......صابہ موہڑہ
کیا، کیا فسانہ ہائے تمنا ہوئے دراز
کیا، کیا بڑھی ہے زندگیِ مختصر کی بات
ہم اپنے دل کی بات تبسم نہ کہہ سکے
ہوتی رہی ہے یوں تو نظر سے نظر کی بات

☆ماہم شاہد......کراچی
جہاں والے ہر اِک شے کو بھول جاتے ہیں
ہمیشہ یاد رہی ہے جہاں کو پیار کی بات

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ
امید توبہ پہ ہو چکے ہیں بہت گناہ گار یا رب
مہلتِ توبہ تو مل رہی ہے توفیق توبہ بھی عطا کر

☆ایمن زرناب ڈوگر......ٹوبہ ٹیک سنگھ
لاکھ گرد اپنے حفاظت کی لکیریں کھینچو
ایک بھی ان میں نہیں ماں کی دعاؤں جیسی

☆عروبہ ناز......کوٹلی
اس کی بلا سے ڈوبنے والا کوئی بھی ہو
دریا کو تو بس اپنی روانی سے کام ہے

☆غزالہ طارق......سرگودھا
نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد کرتے ہیں
☆عائشہ اعوان......رحیم یار خان
ان کے پیچھے نہ چلو ان کی تمنا نہ کرو
سائے پھر سائے ہیں کچھ دیر میں ڈھل جائیں گے
☆ارم کمال......فیصل آباد
ضرورت توڑ دیتی ہے غرورِ بے نیازی کو
نہ ہوتی کوئی مجبوری تو ہر بندہ خدا ہوتا
☆شمع فلک......رحیم یار خان
ہجوم غم میری فطرت بدل نہیں سکتے
کروں میں کیا، مجھے عادت ہے مسکرانے کی
☆سیما ممتاز عباسی......لاڑکانہ
کب سے بجھا پڑا ہوں خموشی کے طاق میں
کوئی تو بات کرلے کہ کچھ دیر جل سکوں
☆نکہت غفار......کراچی
میرا درد وہ کیسے جانتا میری بات وہ کیسے مانتا
وہ خود فنا کے سفر میں تھا اسے روکنا محال تھا
کہاں جاؤ گے مجھے چھوڑ کر یہ پوچھ پوچھ کے تھک گیا
وہ جواب نہ مجھ کو دے سکا وہ خود سراپا سوال تھا
☆کائنات عبدالحلیم......میرپور خاص
کرنا ہی چاہتے نہ تھے ہم تم کو لاجواب
سو سو جواب تھے تیرے اِک، اِک سوال کے
☆کوثر خالد......جڑانوالہ
کوئی بھی راہ ہو، کیسی ہو، چلنا سیکھ جاتا ہے
جو ٹھوکر کھائے پیہم وہ سنبھلنا سیکھ جاتا ہے
میری طرح میرا دل بھی بڑا باحوصلہ نکلا
فراقِ یار کے ہوتے بہلنا سیکھ جاتا ہے
☆جبیں نیاز......ملتان
گھر سے خوشبو کے تعاقب میں نکلنے والو
مری مانند کبھی تم بھی نہ بے گھر ہونا

☆رعنا مشتاق......اوکاڑہ
راس آئے نہ اگر وصل تو بن جاتی ہے
زندگی موت کا پیغام تجھے کیا معلوم
تو نے خوشیوں کو سمیٹا ہے بچھڑ کر مجھ سے
آج ہر غم ہے میرے نام تجھے کیا معلوم
☆سعیدہ خان......لوکر مال، مری
چاند جب بام سے کہہ دیتا ہے اللہ حافظ
دل بھی کہہ دیتا ہے ہر کام سے اللہ حافظ
گونجتے رہتے ہیں الفاظ میرے کانوں میں
تو تو آرام سے کہہ دیتا ہے اللہ حافظ
☆ارم خان......ڈی جی خان
نہ محبت راس آئی نہ خواب راس آئے
ہمیں جب بھی آئے بس اشک راس آئے
کیا کہیں کہ یہ زندگی کس طرح گزرنی ہے
ہمارے حصے میں جتنے لمحے آئے اداس آئے
☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر
چھوڑ کے تجھ کو جانے والے نہیں
ہم تیرا دل دکھانے والے نہیں
ہم حقیقت میں چاہتے ہیں تجھے
ہم وہ مجنوں فسانے والے نہیں
☆نوشین ظاہر......ملتان
مجھ سے وہ اکثر کہتی تھی
میری بس اتنی خواہش ہے
کچھ ایسے جانی جاؤں میں
آپ کے نام سے پہچانی جاؤں میں
☆امینہ مشیر......نئی دہلی
نتائج جب سرِ محشر ملیں گے
محبت کے الگ نمبر ملیں گے
ہوا کی پیروی کرنی پڑے گی
یونہی تھوڑی شجر جھک کر ملیں گے
☆☆☆

گرین سوپ

اجزا: مٹر کے دانے، ایک پیالی (ابال لیں)۔ گاجر، شلغم، آلو، ایک، ایک عدد کافی ہیں۔ ادرک، ایک انچ کا ٹکڑا۔ لہسن، دو پوتھی۔ سبز دھنیا، چند پتے۔ ہڈیاں، یخنی کے لیے (مرغی، یا بکرے کی)۔ دودھ، آدھا کپ۔ سیاہ مرچ، سفید مرچ اور نمک حسبِ ذائقہ لے لیں۔ میدہ، دو کھانے کے چمچے۔ کارن فلاور، دو کھانے کے چمچے۔ پیاز، ایک عدد۔

ترکیب: ہڈیوں کی یخنی خوب اچھی طرح نکالیں۔ اس میں گاجر، شلغم، آلو اور ادرک، لہسن بھی ڈال لیں۔ مٹر کے ابلے دانے، ہرے دھنیے کے ساتھ پیس لیں۔ اب اسے دودھ، میدہ اور کارن فلور کے ساتھ مکس کریں۔ یخنی کو چھان لیں۔ ایک برتن میں پیاز، گھی ڈال کر سرخ کریں۔ اب اس میں مٹر کا آمیزہ اور یخنی ڈال کر پکائیں اچھی طرح چمچ چلاتی رہیں۔ حسبِ ذائقہ سفید مرچ، کالی مرچ اور نمک ڈالیں۔ سرو کرتے وقت لیموں بھی نچوڑ لیں۔ مزے دار سوپ تیار ہے۔

سنبل ملک۔ شاہدرہ

ٹماٹو سوپ

اجزا: ٹماٹر، ایک کلو۔ گوشت یا مرغی کی یخنی، ایک لیٹر کے قریب۔ نمک، سیاہ مرچ حسبِ ذائقہ۔ ریڈ چلی ساس اور سویا ساس، دو، دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: ٹماٹر ابال کر نرم کریں اور گرائنڈ کرلیں۔ اب انہیں چھان کر یخنی میں پکائیں اور دیگر بتائی گئی اشیا حسبِ ضرورت شامل کر کے ایک دو ابال دیں۔ مزیدار ٹماٹو سوپ تیار ہے۔ اگر پسند ہو تو ابلی مرغی کے باریک ریشے بھی شامل کر سکتی ہیں ورنہ یہ سوپ ایسے ہی مزے کا لگتا ہے۔

نفیسہ آرا، دبئی

اٹالین اسپیگیٹی اسپیشل

اجزا: گوشت پارچے، آدھا کلو۔ اسپیگیٹی، ایک پیکٹ۔ سویا ساس، چلی ساس، چار، چار کھانے کے چمچ پسی سیاہ مرچ، نمک اور اجینو موتو حسبِ پسند۔ لہسن، آٹھ جوے کوٹ لیں (اسپیگیٹی چاولوں کی طرح نمک اور تیل ڈال کر ابال کر چھان لیں)۔

ترکیب: گوشت کے پارچوں میں تمام اشیا لگا کر میرینیٹ کر کے دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں، چکن کے پارچے تو دم پر گل جائیں گے مگر گوشت کے پارچے آدھا گھنٹے ہلکی آنچ پر گلانے ہوں گے۔ جب گوشت گل جائے تو ایک پھیلے ہوئے برتن میں (ساس پین) میں تھوڑا سا گھی ڈال کر گوشت فرائی کریں۔ ابلے اسپیگیٹی ٹھنڈے پانی میں ڈالیں تاکہ جڑے نہیں۔ اب سرو کرتے وقت ڈش میں اسپیگیٹی ڈالیں اور فرائی کیے ہوئے پارچے رکھیں۔ حسبِ پسند ٹماٹو کیچپ، ساس وغیرہ ڈال سکتی ہیں۔

ماہ نور خان۔ بہارہ کہو

تکہ بوٹی

بقرعید تو گزر گئی مگر گوشت کی ترکیبیں تو سارا سال ہم آزماتے رہتے ہیں۔ سو آج میں بہت اچھی ترکیب بہنوں کے لیے لائی ہوں۔ یہ کچھ مختلف ہے۔

اجزا: گوشت کی بوٹیاں، دو کلو۔ پیاز، دو عدد (باریک پیس لیں)۔ ادرک، لہسن کا پیسٹ، دو، دو چمچے۔ کچا پپیتا (پیس لیں)، دو کھانے کے چمچے۔ پسا گرم مسالا، ایک کھانے کا چمچ۔ پسا دھنیا و سفید زیرہ (بھون کر پیس لیں)۔ ایک، ایک کھانے کا چمچ، نمک، سرخ مرچ حسبِ ذائقہ لے لیں۔ دہی، ایک پاؤ۔ گھی، آدھا پیالی۔ (دونوں کو پھینٹ لیں)۔

ترکیب: تمام مسالوں کو اچھی طرح مکس کر کے

گوشت میں ملا کر گھنٹے بھر کے لیے چھوڑ دیں۔ پھر سیخوں پر بوٹیاں چڑھائیں اور دہکتے کوئلوں پر رکھتی جائیں۔ سیخوں کو گھما، گھما کر پکائیں پھر انہیں پلیٹ میں نکال کر چٹنی اور کچومر سلاد کے ساتھ نوش فرمائیں۔

عرشیہ جنید، کراچی

گولاش (ہنگری کی ڈش)

اجزا: گوشت، آدھا کلو (چوکور بوٹیاں ہوں)۔ پیاز، دو عدد (ایک باریک کاٹ لیں)۔ ٹماٹر، (چھلکے اور بیج الگ کر کے چوکور کاٹ لیں)۔ آلو ایک پاؤ (چھوٹے چوکور ٹکڑوں میں کاٹ لیں)۔ نمک، مرچ حسب ذائقہ۔ دو آلو الگ سے ابال کر مسل لیں۔ ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچ سجاوٹ کے لیے۔ گھی ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب: دیگچی میں گھی گرم کر کے پیاز گولڈن کر کے گوشت بھی تل لیں۔ اب نمک، مرچ اور ٹماٹر ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں کہ گوشت گل جائے۔ اب اس میں آلو ڈالیں جب آلو بھی گل جائیں تو اسے ڈش میں بیچ میں رکھ کر چاروں طرف مسلے ہوئے آلو سجائیں۔ پیاز کے لچھے بادامی تل کر اس کے اوپر سجائیں اور ہرا دھنیا وغیرہ بھی کاٹ کر سجائیں۔ مزیدار گولاش ڈش تیار ہے۔ اسے چاولوں کے ساتھ بھی کھا سکتے ہیں۔

ستارہ زہرا۔ ہنگری

پھل دلربا

پیاری بہنو! آپ نے دودھ دلاری تو ضرور کھائی ہوگی مگر آج میں ایک اور سوئٹ ڈش پھل دلربا کے نام سے پیش کر رہی ہوں جو آپ کو یقیناً پسند آئے گی۔

اجزا: موسمی پھل جیسے کیلے، موسمی (چھلکا اتار کر پھانکوں کے بیج نکال کر دو، دو ٹکڑے کر لیں)، کالے انگور، انناس، نرم سیب، خوبانی (اگر سوکھی ہو تو پانی میں ابال کر گلا لیں)۔ دو عدد انڈوں کی زردی (الگ پھینٹ لیں)۔ دودھ، دو کپ۔ چینی، چار کھانے کے چمچ۔ ونیلا ایسنس، چند قطرے۔ ایک لیموں (رس نچوڑ لیں)۔ پانی، آدھا کپ۔

ترکیب: تمام پھلوں کو چوکور خوب صورتی سے کاٹ کر ڈش میں تہ جما دیں۔ لیموں کا رس اور آدھی شکر کا گاڑھا سا شیرہ بنا کر پھلوں پر ڈال دیں۔ اب پھینٹی ہوئی زردی میں ایک پیالی دودھ ملائیں، برتن کو چولہے پر رکھیں اور بقیہ دودھ تیز گرم کر کے اسی آمیزے میں ڈالیں اور چمچے سے خوب چلاتی رہیں۔ بقیہ شکر بھی ملائیں اور چمچ چلاتی رہیں۔ جب آمیزہ چمچ سے چمٹنے لگے تو ونیلا ایسنس ڈال کر اسے پھلوں پر ڈالیں کہ سب کور ہو جائیں۔ اب اس ڈش کو برف کے اوپر رکھ دیں یا فریزر میں رکھ دیں۔ ایک گھنٹے بعد سرو کریں۔ اگر پسند ہو تو پستے بادام کوٹ کر اوپر سے ڈال سکتی ہیں۔ مزیدار پھل دلربا تیار ہے۔

زرینہ خان، بہارہ کہو

سبز چائے الزائمر سے محفوظ رکھتی ہے

فائٹو میڈیسن جرنل میں شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق سبز چائے استعمال کرنے والوں کے دماغ بھول کے مرض الزائمر سے محفوظ رہتے ہیں۔ نیو یارک یونی ورسٹی کے ایڈ او کیلو کی نگرانی میں تحقیقی ٹیم نے یہ کھوج لگایا کہ آنت میں سبز چائے کے ہضم میں معاون خمیر (انزائم) سے بننے والے کیمیائی اجزا، ہضم نہ ہونے والی چائے کے مقابلے میں الزائمر کے بڑھنے کا عمل روک دیتے ہیں۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ہضم شدہ مرکبات میں سرطان روکنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ تجربات نے ثابت کیا کہ سبز چائے سے بننے والے یہ مرکبات رسولیوں کے بڑھنے کا عمل سست کر دیتے ہیں۔ ان کے مطابق ہضم کا یہ عمل زندگی کے لیے درکار غذائی اجزا کے تحفظ کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے۔

سبز چائے یعنی گرین ٹی یا کالی پتی کا ہلکا قہوہ جس میں لیمن گراس اور عرق لیموں بھی شامل ہو ہاضمے کے لیے بے حد مفید ہے۔ اکثر مرغن غذا کھانے کے بعد اس کا استعمال پیٹ کو آرام دیتا ہے۔

از: مہ نور خان، بہارہ کہو

چھائیاں اور سیاہ دھبے

اکثر و بیشتر ہمیں خواتین و حضرات ایسے نظر آتے ہیں کہ جن کے چہرے پہ کالے سیاہ دھبے اور چھائیاں نظر آتی ہیں جو بعض اوقات تو بے انتہا بدنما اور بدصورت دکھائی دیتی ہیں۔ اکثر لوگ تو ان نشانات کی وجہ سے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، آپس میں میل جول، دوستی اور گھومنا پھرنا تک ترک کر دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو تنہا کر لیتے ہیں اور ذہنی خلفشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اکثر لڑکیاں اور لڑکے بہت ہی زیادہ غیر معیاری کریمیں بغیر کسی ڈاکٹر کی تجویز کے استعمال کر لیتے ہیں جو اُن کو فائدہ دینے کے بجائے مزید نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔

چھائیاں کیا ہیں اور ان کا باعث کیا ہے؟

دیسے تو بہت ساری چیزیں اور عوامل مل کر چھائیاں بننے کا باعث ہوتے ہیں مگر سورج کی تیز شعاعیں، ہارمونز کی تبدیلیاں خوراک میں فولاد کی کمی، جسمانی کمزوری، چہرے کی نامکمل صفائی...... یہ سب چیزیں مل کر چھائیاں بننے کے عمل کو تیز تر کرتی ہیں اگر چھائیاں موجود ہوں اور انسان کسی ذہنی دباؤ یا ڈپریشن اور ٹینشن کا شکار ہو تو چھائیاں اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہیں۔

چھائیاں اور جلد کی ساخت

یہ ضروری نہیں ہے کہ چھائیاں کسی خاص قسم کی جلد پر زیادہ نمایاں ہوتی ہیں، اگر آپ کی جلد غیر صحت مند، ہو آپ پانی کی مقدار کم استعمال کرتے ہوں اور آپ کی خوراک غیر متناسب ہو آپ کی غذائی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں بلکہ آپ بازار کے کھانوں سے اپنا پیٹ بھر لیتے ہوں اور آپ کے کھانے پینے کے اوقات بھی معمول کے مطابق نہ ہو۔ سبزی، پھلوں، پانی، ریشے والی خوراک دودھ، دہی پنیر کا استعمال کم ہو۔ ایسے مشروبات جن میں گیس کی مقدار زیادہ ہو۔ یہ سب چیزیں مل کر آپ کے چہرے پر چھائیاں اور سیاہ دھبے بناتے ہیں۔

چھائیوں کا گھریلو علاج

چھائیوں سے بچاؤ کے لیے سب سے اہم چیز تو یہ ہے کہ آپ سورج کی براہِ راست شعاعوں سے اپنی جلد کو بچائیں۔ غیر معیاری، گھٹیا اور اشتہاری کریموں سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ پانی کا استعمال زیادہ کریں اور یہ طریقہ جو بہت بے ضرر ہے اور بغیر کسی نقصان کے ہر کوئی استعمال کر سکتا ہے۔ اس کے لیے تازہ ڈبل روٹی کے کنارے لے لیں، انہیں رات بھر دودھ کی بالائی میں ڈبوئے رکھیں، صبح کو ان میں تین چار قطرے بادام کے تیل کے شامل کریں اور ان کو کسی بھی ململ کے کپڑے میں لپیٹ کر ہلکے ہاتھ سے چہرے پر مالش کی صورت میں لگائیں اور دوسرے دن پھر یہی عمل نئے آمیزے کے ساتھ دُہرائیں۔ مستقل طور پر ایک ماہ تک یہی عمل کرنے سے آپ کی جلد سرخ و سفید ہونا شروع ہو جائے گی۔ اس کی ساخت بہت بہتر ہو جائے گی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ طریقہ، بے خوف و خطر ہر عمر اور ہر جنس کے لوگ استعمال کر سکتے ہیں، اس کے کوئی بھی سائڈ افیکٹ نہیں ہیں اور اس کے مستقل استعمال سے آپ کی جلد نہ صرف صحت مند ہو جائے گی بلکہ کیل مہاسوں اور دوسری بیماریوں سے بھی محفوظ رہے گی۔

☆☆☆



بزمِ پاکیزہ — پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ صبا نور..... لیہ

سوال: اگر نیتوں کے احوال چہروں پر لکھے نظر آیا کریں تو.....؟

جواب: ہر دوسرا بندہ منہ چھپائے پھرے گا۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ نجمہ ناز اصغر..... کراچی

سوال: یہ مرچیں کس موسم میں لگتی ہیں.....؟

جواب: کوئی خاص موسم نہیں ہے، جب سچ بولو تو لگ جاتی ہیں۔

☆ سعدیہ ہما شیخ..... سرگودھا

سوال: وہ کون سا مزدور ہے جو زندگی بھر اس خوش فہمی میں رہتا ہے کہ وہ مالک ہے.....؟

جواب: دنیا کا سب سے سستا مزدور بیوی ہی تو ہے۔

☆ ایمنہ عندلیب..... سلانوالی

سوال: کولمبس نے امریکا کیسے ڈھونڈ لیا.....؟

جواب: کیونکہ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ خالی بیٹھا رہتا ہوگا... کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔

☆ ممتاز خانم..... کراچی

سوال: چھوٹی، چھوٹی باتیں دل سے نکلتی ہی نہیں ہیں، کیا کروں.....؟

جواب: نکال دیا کرو..... کیونکہ اس سے بڑے، بڑے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔

☆ شہلا نواز..... لاہور

سوال: وہ آیا، اس نے دیکھا اور.....؟ آگے آپ مکمل کریں۔

جواب: اور میں نے اسے بھی فیل کر دیا۔

☆ سیدہ غزالہ عالم..... لانڈھی، کراچی

سوال: کسی کا خاص خیال رکھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے.....؟

جواب: یہی کہ وہ آپ کو دل سے عزیز ہے..... اور اس کی بساط سے زیادہ خاطر داری کرنی ہے یعنی حلق تک ٹھسانا ہے۔

☆ ارم کمال..... فیصل آباد

سوال: دل دھڑکے، میں تم سے..... یہ کیسے کہوں..... بھلا کیا.....؟

جواب: تمہارے تحائف پسند آئے کیپ اٹ اپ۔

☆ انیسہ زینب..... فاروق آباد

سوال: ساس اور بہو میں زیادہ دوستی کب ہوتی ہے اور کس محاذ پر.....؟

جواب: جب دونوں کا دشمن ایک ہی ہو اور اسے ہر صورت گرانا ہو۔

☆ صائمہ سجاد بنگش..... کوہاٹ

سوال: محلے والے جل کر خاک ہو گئے جب اُن کی طرف سے.....؟

جواب: پھلوں اور مٹھائیوں کے ٹوکرے سوزوکی بھر کے آئے۔

☆ نایاب کرن صدیقی..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال: خاتون اور افلاطون میں کون سی چیز مشترک ہے.....؟

جواب: یہی کہ ہر خاتون، افلاطون ہوتی ہے۔

☆ پروین افضل شاہین..... بہاول نگر

سوال: اگر آپ کے سیل فونز ایک ماہ کے لیے

بند کر دیے جائیں تو......؟
جواب: مجھے تو بے حد سکون ملے گا
☆ حلیمہ سعدیہ...... کمالیہ
سوال: بھری بہار میں اگر امیدوں کے پھول نہ کھلیں تو......؟
جواب: تو نئی امیدوں کی کاشت دوبارہ کریں۔
☆ مہرین بنگش...... کراچی
شعر مکمل کریں
ان بارشوں سے کہہ دو کہیں اور جا کر برسیں
جواب: لڑکیاں تھک گئی ہیں واپڑ چلا، چلا کر
☆ مصباح رضا سعید...... فیصل آباد
سوال: کیا تعلق کسی فرصت کا محتاج ہوتا ہے......؟
جواب: نہیں...... صرف توجہ کا طالب ہوتا ہے۔
☆ ارم خان...... پنجاب
سوال: وہ کہتے ہیں
میرا فہرست سے نکال دو نام
میں تو خود سے مکر گیا کب کا
جواب: تمہیں فہرست سے تو کیا دل سے نکال چکے ہیں...... کہہ دو ان سے۔
☆ زرین زبیر کوٹھاری...... کراچی
سوال: وزن کم کرنے کا سب سے آسان طریقہ......؟
جواب: ویٹ کرنے والی مشین خراب ہونی چاہیے۔
☆ اینلا...... پنجاب
سوال: کچھ لوگوں سے مجھے اتنا پیار ہوا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ان کا منہ رکھ کر خوب تالیاں بجاؤں؟
جواب: شکر ہے...... ان لوگوں میں، میں شامل نہیں ہوں۔ ویسے تم ہو کون؟
☆ بنتِ پاکستان...... پنجاب
سوال: سب سے پہلے کاغذ کس نے تیار کیا......؟
جواب: اسلامی معلومات کے حوالے سے یہ کام سب سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا...... اور مزاح کے حوالے سے یہ کاغذ سب سے زیادہ کسی شاعر کے کام آیا ہوگا...... اور کسی بک سیلر نے ایجاد کیا ہوگا۔
☆ نسرین یاسمین...... حیدر آباد
سوال: میں کسی سے بھی ٹکر نہیں لے سکی......؟
جواب: اچھا کیا...... ورنہ مرہم پٹی کے لیے کون اسپتال لے کر جاتا ہے۔
☆ ساجدہ ظفر...... کمالیہ
سوال: پہلے تو میرے میاں بہت شوق سے مجھے لے جاتے تھے مگر اب وہ جیولری شاپ پر لے جانے سے کیوں گھبراتے ہیں......؟
جواب: اب وہاں کیمرے لگ گئے ہیں اور سکیورٹی بھی سخت ہے۔
☆ ایمن زرناب ڈوگر...... ٹوبہ ٹیک سنگھ
سوال: اب تو ان کی سالگرہ پر کیک سے زیادہ موم بتی پر خرچ آنے لگا ہے، کیا کروں......؟
جواب: دل کڑا کر کے کہہ دو...... کہ اب بڈھوں کی سالگرہ نہیں ہوا کرے گی...... ان کی بعد کی تقریبات بھی بہت ہوتی ہیں۔
☆ ناعمہ تحریم...... بلیر ہالٹ، کراچی
سوال: میں سونے کے دانت لگوانا چاہتی ہوں، مگر سونا مہنگا ہے کیا کروں......؟
جواب: آپ دانتوں کو برش کرنا چھوڑ دیجیے...... وہ خوب پیلے، پیلے سے سونے کی طرح دکھائی دیں گے۔
☆ فلک بنت ندیم...... حیدر آباد
سوال: خاتونِ اول کسے کہتے ہیں......؟
جواب: جو خاتون اپنی جماعت میں فرسٹ آئے...... وہ سب خاتونِ اول ہی ہیں۔
☆ مونا...... لاہور
سوال: دوست کب دوست نہیں رہتا؟
جواب: جب ہم اپنے کسی دوست کی کڑوی اصلاح کرنے کے بجائے اس کی میٹھی خوشامد کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو ہم دوست کہلانے کا حق کھو دیتے ہیں۔

روحانی مشورے

ادارہ



کالے یرقان کا علاج

گاجر اور کینو کا جوس ملا کر پینا دنیا کا اعلیٰ ترین نسخہ ہے جو جگر کو دوبارہ تعمیر کر دیتا ہے۔ اس عام سے نسخے کو خاص الخاص بنانے کے لیے آپ اس جوس سے پہلے اول و آخر درود ابراہیمی (گیارہ بار) پڑھ کر اکتالیس مرتبہ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھ لیں۔ انشاء اللہ یہ بیماری چند ماہ کے اندر ہی جڑ سے غائب ہو جائے گی۔

رزق کی فراوانی کے لیے

ہر نماز کے بعد درودِ ابراہیمی کے بعد سورۃ قریش (30 واں پارہ) کثرت سے پڑھیں۔ گھر میں سلام کو زیادہ پھیلائیں۔ ہر کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کریں اور گھر میں لڑائی جھگڑا اور گالم گلوچ بالکل نہ کریں۔ اس سے بھی رزق میں کمی ہونے لگتی ہے۔ جس گھر میں بزرگ ہوں ان کی خدمت کریں اور ان کی دعائیں لیں اور اگر آپ کے گھر میں کوئی بزرگ نہیں ہے تو اپنے پاس پڑوس کے بزرگوں کی دعائیں لیں۔ خاندان میں جو بزرگ ہیں ان کے پاس ضرور جائیں اور دعائیں لیں۔ پھر آپ خود ہی دیکھ لیں گے کہ ہر کام میں آسانی کس طرح ہونے لگتی ہے۔

استخارہ کرنے میں چند اہم باتوں کی وضاحت

استخارہ کرنے میں علمائے حق اور بزرگانِ دین نے چند اہم باتوں کی وضاحت فرمائی ہے۔ ان کا ضرور خیال رکھیں۔

1۔ استخارہ کے لیے نفل پڑھنے میں رات کی یا بعد عشا کی کوئی قید حدیث پاک میں نہیں ہے لہٰذا چوبیس گھنٹے میں سے کسی بھی وقت (جو وقت نوافل کی ادائیگی کے لیے ممنوع یا ناجائز نہ ہو) نوافل ادا کر کے دعا کر لیں۔

2۔ استخارہ خود کریں، اکثر لوگ دوسروں سے استخارہ کرواتے ہیں اور عاجزی کے طور پر کہتے ہیں ہم تو گناہ گار ہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ دنیا میں تو ہم سب گناہ گار ہیں، گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں اور توبہ کریں۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کریں اگر پھر بھی ہو جائے تو دوبارہ توبہ کریں اور اللہ سے مغفرت کی امید رکھیں۔ اس لیے کہ اللہ کا ایک نام کریم ہے اور کریم کے معنی محدثین نے لکھے ہیں: ''وہ ذات جو بغیر استحقاق اور بلا قابلیت کے دیئے دے۔''

لہٰذا اپنی نالائقی، نااہلیت اور گناہوں کے باوجود ''یا کریم یا کریم'' کہہ کہہ کر اللہ تبارک و تعالیٰ سے مانگیں اور شیطان کے اس بہکاوے میں ہرگز نہ آئیں کہ ''ارے تیری دعا کیا سنیں گے تیرا منہ اس قابل کہاں''۔ وغیرہ، وغیرہ۔ اس لیے اپنا منہ اور اپنے گناہ نہ دیکھیں بلکہ اللہ کی صفت کرم دیکھیں اور استخارہ خود ہی کریں۔

3۔ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں کہ استخارے کا عمل کرنے کے بعد خواب میں جواب آئے گا یا حل معلوم ہوگا۔ بلکہ صرف اور صرف حالات پر نظر رکھیں کہ جس کام کے لیے استخارہ کیا ہے اس کی موافقت میں حالات بن رہے ہیں یا کام میں کوئی رکاوٹ پڑ رہی ہے۔ پھر بڑوں سے مشورہ بھی کر لیں۔ پھر ان سب نوعیتوں کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ دل کس بات پر جم رہا ہے، اسی کے موافق عمل کریں اگر ایک بار اس عمل سے کسی بھی صورتِ حال پر دل نہ کھلے تو بار، بار استخارہ کرتے رہیں اور کام شروع کر دیں، کام میں رکاوٹ آ رہی ہے یا کام نہیں ہو رہا تو سمجھیں کہ کام میں خیر نہیں۔ مسنون طریقے سے استخارہ کریں، ان کے علاوہ جتنے طریقے لوگوں میں رائج ہیں وہ

سب خلافِ سنت ہیں۔ مثلاً رخ مڑ جائے گا، پاؤں ہل جائے گا وغیرہ۔ لہٰذا سنت طریقے پر اکتفا کریں۔

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہو جاتا ہے بس جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کرلے اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف دل میں رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارے کا مقصد پھر بھی حاصل ہے۔ اس لیے کہ بندے کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ وہی کرتا ہے جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لیے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے پتا بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اللہ اس کو اس بندے سے پھیر دیتے ہیں۔

اب جب وہ کام ہو گیا تو اب ظاہری اعتبار سے بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نظر نہیں آرہا ہے۔ دل کے مطابق نہیں ہے تو اب بندہ اللہ سے شکوہ کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے تجھ سے مشورہ اور استخارہ کیا تھا مگر کام وہ ہو گیا جو میری مرضی اور طبیعت کے خلاف ہے اور بظاہر یہ کام اچھا معلوم نہیں ہو رہا ہے۔

اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ارے نادان! تو اپنی محدود عقل سے سوچ رہا ہے کہ یہ کام تیرے حق میں بہتر نہیں ہوا لیکن جس کے علم میں ساری کائنات کا نظام ہے، وہ جانتا ہے کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور کیا بہتر نہیں تھا۔ اس نے جو کیا وہی تیرے حق میں بہتر تھا۔ بعض اوقات دنیا میں تجھے پتا چل جائے گا کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور بعض اوقات پوری زندگی میں بھی پتا نہیں چلے گا۔ جب آخرت میں پہنچے گا تب وہاں جا کر پتا چلے گا کہ واقعتاً وہی میرے لیے بہتر تھا۔

اسی طرح یہ بھی خیال رہے کہ استخارے کے ساتھ مشورے کا بھی اہتمام ہو۔ مشورہ، استخارے سے بھی زیادہ اہم ہے۔ دین دار، تجربہ کار، رازدار لوگوں سے مشورہ ضرور کریں جس قسم کا کام ہو تو اس فن اور اس شعبے کے ماہر لوگوں سے مشورہ کریں۔

خواتین کے لیے ایک پیاری دعا

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا یَھْدِیْ لِاَحْسَنِھَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَھَا لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَھَا اِلَّا اَنْتَ

(ترجمہ) ”اے اللہ! مجھے اچھے اخلاق نصیب فرما (کیونکہ بے شک) تیرے سوا بھلائیاں کوئی نہیں دے سکتا اور برے اخلاق مجھ سے دور کردے (کیونکہ بے شک) تیرے سوا برے اخلاق کوئی دور نہیں کرسکتا۔“

یہ دعا خاص طور پر والدین اور اساتذہ و معلمات کو بھی خوب مانگنی چاہیے کہ ان دونوں کے اخلاق جتنے اچھے ہوں گے پورے معاشرے پر اس کا اثر اچھا ہوگا اور ہر مسلمان کو غور کرنا چاہیے کہ حسنِ خلق اور اچھی باتوں کا ڈھنگ اسلام میں اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے لیے حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگنا سکھلائی ہے اور اس دعا کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ آپ ﷺ جب تہجد کی نماز شروع فرمایا کرتے تھے اس وقت اس دعا کو مانگا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تمام مومنوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے جو اخلاق کے اعتبار سے ان میں سے اچھا ہو اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں اور اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہوں۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے ہوں۔“

یعنی (جو شخص جتنا زیادہ خوش اخلاق ہوگا وہ اتنا ہی کامل ایمان والا ہوگا) اب ہر ایک کو چاہیے کہ اپنے اخلاق کے اعتبار سے دیکھ لے کہ وہ ایمان کی کس سطح پر ہے۔ اس لیے کہ کامل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ حسنِ اخلاق کا معاملہ کرے، حسنِ اخلاق کی دولت جسے مل گئی اسے بہت ہی بڑی دولت مل گئی لہٰذا اپنی اولاد اور اپنے شاگردوں کے لیے بھی یہ دعا خوب مانگتے رہیں۔

جب تک یہ دعائیں عربی میں یاد نہ ہوں تب تک اردو میں ہی مانگیں۔

☆☆☆



شوابے ہومیوکلینک




اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں۔ ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

بیٹی کی یادداشت

سلمیٰ آصف۔ لاہور

ڈاکٹر صاحب میں اپنی بیٹی کا مسئلہ آپ کو بتارہی ہوں۔ میری بیٹی کی عمر آٹھ سال ہے، صحت زیادہ اچھی نہیں ہے، چہرے کا رنگ ہمیشہ پیلا سا رہتا ہے، کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھاتی ہے۔ دودھ بھی نہیں پیتی ہے۔ باہر کی چیزیں بہت شوق سے کھاتی ہے۔ اپنا پڑھا ہوا سبق ہمیشہ بھول جاتی ہے اور طبیعت میں جنون پن بہت ہے۔ ماہنامہ پاکیزہ میں (کریٹکس) کے بارے میں پڑھا تھا۔ کیا یہ دوا میں اپنی بیٹی کو دے سکتی ہوں۔ میں بہت امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ میری بیٹی کے لیے کوئی ایسی دوا بتائیں جس سے اس کی دماغی صلاحیت میں اضافہ ہو اور اپنا سبق یاد رکھ سکے۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

جواب: بہت زیادہ لاڈ پیار اور ڈانٹ ڈپٹ بچوں کو بگاڑ دیتی ہے۔ بچی کا رنگ کیوں پیلا ہے۔ صحت اچھی کیوں نہیں ہے، تفصیل سے لکھیں۔ کریٹکس دے سکتی ہیں لیکن ساتھ ہی مندرجہ ذیل ادویات بھی استعمال کرائیں۔ Kali.Phos30, Calc.Phos30, Ferr.Phos30 کے ۵،۵ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

دسمبر 2015

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ________

پتا: ________

بدبودار پسینا اور رنگت

مسز وحید۔ واہ کینٹ

میرے بیٹے کی عمر 15 سال ہے۔ اس کا رنگ بہت صاف تھا جب وہ 3 سال کا ہوا تو اس کا رنگ سانولا ہوتا گیا اب کافی ڈارک ہو گیا ہے۔ چہرہ تو سانولا ہے لیکن جسم کا رنگ بہت ڈارک ہو گیا ہے۔ میں اسے دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہوں۔ اس کا A.L.T بھی بڑھ جاتا اور ٹرائی گلیسرائیڈ بھی۔ چکنائی کا استعمال کم کرتا ہے پھر بھی۔ ناشتے میں سادہ بریڈ لیتا ہے، ہفتہ اتوار کو پراٹھا۔ سینے میں جلن بھی کبھی کبھی ہوتی ہے۔ قد اور جسم ماشاء اللہ اچھا ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسے پسینا بہت آتا ہے۔ ۲ سے ۳ بار نہاتا ہے۔ پسینے میں بو ہوتی ہے، جسم کی رنگت اور پسینے کی بدبو کے لیے کوئی دوا بتا دیں۔ کھانے میں اسے میٹھا بہت پسند ہے۔ پیاس بھی بہت لگتی ہے۔ کھانے پینے کا بہت شوقین ہے۔

میرا دوسرا بیٹا سات سال کا ہے اُسے بھی بدبودار پسینا آتا ہے اس کے لیے بھی دوا تجویز کر دیں۔

جواب: دونوں بیٹوں کو ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی دوا Sulphur200 کی ایک خوراک ہفتہ میں ایک بار، ایک ہفتہ چھوڑ کر دیں۔ بڑے بیٹے کو Lycopodium30, Arsenic30, Graphites30 کے ۵، ۵ قطرے دن میں تین مرتبہ دیں لیکن جس دن Sulphur دی ہو اس دن کوئی دوا نہ دیں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

نسوانی حُسن

ہادیہ بی بی۔ نیو کھاریاں

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا نسوانی حُسن بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ ماہواری بالکل درست ہے، لیکوریا بھی نہیں ہے۔ برائے مہربانی ایسی دوا بتائیں کہ میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں۔

جواب: بی بی آپ کو کوئی اور بیماری تو نہیں،



ہارمونز چیک کرائیں- Serum-Prolectin, T3, T4, TSH یہ شروع سے ایسے ہیں یا بعد میں کسی وجہ سے ایسے ہو گئے۔ تفصیل ضرور لکھیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Onosmodium-CM کی ایک خوراک پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں صرف ایک بار لیں اس کے تین دن بعد Iodium30 کے ۵، ۵ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ ۲ ماہ بعد حال بتائیں۔

جسمانی کمزوری

عکس زہرہ۔ مانسہرہ

میں پاکیزہ کی مستقل قاریہ ہوں۔ عرصہ 5 یا 6 سال سے مجھے لیکوریا کی شکایت ہے۔ جسمانی کمزوری بھی ہے، بہت دبلی پتلی ہوں اور ذرا سا کام کرنے سے کمزوری اور نقاہت محسوس ہوتی ہے۔ چہرے پر چھائیاں بھی ہیں اور بال بھی اُگ رہے ہیں۔ اسٹوڈنٹ ہوں۔ میری کمر میں بھی درد رہتا ہے اور سر اور پٹھوں میں بھی۔ آپ برائے مہربانی مجھے دوا تجویز کر دیں۔ آپ کی مشکور رہوں گی۔

جواب: ذہنی ٹینشن سے بچیں۔ صبر، شکر اور قناعت کریں اور اس کے ساتھ نماز کی پابندی کریں۔ صبح کی چہل قدمی کریں۔ متوازن غذا لیں۔ آپ لیکوریا کی تفصیل لکھیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے کی مندرجہ ذیل ادویات لیں۔ Alfalfa Q کے 15 قطرے آدھا گلاس پانی میں تین مرتبہ ہر کھانے کے بعد ,Kali.Phos30 Calc. Carb30, Rhustox30 کے ۷، ۷ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ کسی بھی وقت لیں۔ تین ماہ بعد دوبارہ کیفیت سے آگاہ کریں۔

تیزابیت

محمد اعظم قریشی۔ منڈی بہاؤالدین

میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے شدید قسم کی تیزابیت، سینے



میں جلن اور معدے میں جلن محسوس ہوتی ہے جو کہ عرصہ 15 سال سے ہے۔ مختلف دیسی ادویات استعمال کیں مگر افاقہ نہیں ہوا۔ دودھ اور پھلوں کا بکثرت استعمال کرتا ہوں، پانی بھی پیتا ہوں۔ قبض کی بھی شکایت ہے۔

جواب: کھانا خوشگوار ماحول میں پُرسکون ہو کر کھایا کریں۔ کھانا آہستہ آہستہ خوب چبا کر کھائیں لیکن کھانے کے بعد پانی نہ پیا کریں اور رات کو کھانے کے بعد چہل قدمی کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Bismutum Pentarkan Ptk 16 کی ایک گولی سادے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

چھوٹا قد

نازمہ غفور۔ بریکوٹ، سوات

میرا مسئلہ یہ ہے کہ خاندان والوں کی بہ نسبت میرا قد بہت چھوٹا ہے جس کی وجہ سے میں احساسِ کمتری کا شکار ہوں۔ مہربانی فرما کر میری پریشانی دور کر دیں. اگر اس ماہ نہ ہو سکے تو اگلے ماہ میرا مسئلہ ضرور شائع کریں۔

جواب: متوازن غذا لیں، اُچھلنے والی ورزش کیا کریں، بیڈمنٹن، والی بال، باسکٹ بال، لان ٹینس وغیرہ۔ --- Calc.Phos.6 Thyroidine 30 Iodum30 کے ۷،۷ قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ لیں۔ 3 ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔ تمام ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی لیں۔

غلط تشخیص اور غلط علاج

مسز ظفر۔ ٹیکسلا کینٹ

کمر کے پاس درد رہنے کی وجہ سے ڈاکٹر نے گردے کی تکلیف بتائی۔ جب بھی ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے انہوں نے ڈرپ لگائی اور تین چار گولیاں دیں۔ عارضی طور پر آرام آ جاتا پھر کچھ دنوں بعد ویسا ہی درد دوبارہ شروع ہو جاتا۔ اب AFIC Rawalpindi میں چیک کروایا تو انہوں نے پھر الٹرا ساؤنڈ کا کہا۔ الٹرا ساؤنڈ والے ڈاکٹر نے کہا کہ گردے کی تکلیف تو ہے ہی نہیں۔ پٹھے کمزور ہیں۔ ہمیں جس ڈاکٹر نے الٹرا ساؤنڈ کا کہا تھا اُسے بھی دکھایا تو اس نے بھی یہی کہا اور طاقت کی دوائیں دیں مگر دوا کھانے تک آرام رہا۔ جب دوا چھوڑ دو تو دوبارہ درد کرتا ہے۔ بچپن میں گوری چٹی تھی۔ اب بھی منہ اور گردن کے علاوہ پورا جسم گورا ہے۔ مگر ایسا لگتا ہے جیسے منہ پر کسی نے مٹی مل دی ہو یا میل جمی ہو۔ نظر بھی سیکنڈ کلاس سے کمزور ہے۔ عینک کے بغیر بالکل نظر نہیں آتا۔ عینک پہننے کی وجہ سے ناک بھی ٹیڑھی ہو رہی ہے۔ پیریڈ بھی عام طور پر لیٹ ہوتے ہیں اور تکلیف سے ہوتے ہیں۔ لیکوریا کی بھی تکلیف ہے۔ پیٹ بھی تھوڑا سا باہر نکل آیا ہے جیسے سوجا ہوا ہو۔ سر میں درد اور چکر بھی آتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں بھی مڑ جاتی ہیں۔ بال باریک اور پتلے ہیں۔ بڑھتے بھی نہیں ہیں۔ سر کی جلد بالوں سے صاف نظر آتی ہے۔ گنجا پن صاف ظاہر ہوتا ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے بھی کمر میں بے حد تکلیف ہوتی ہے اور گردن تھوڑی دیر جھکانے پر ہی تھک جاتی ہے۔ اسی طرح تھوڑا سا کام کرتی ہے تو اسے تھکن محسوس ہونے لگتی ہے۔ آج کل کندھوں میں بھی درد رہنے لگا ہے۔ حساس طبیعت کی مالک ہے۔

جواب: بچی کا وزن زیادہ ہے۔ صبح یا شام کو باغ کی سیر کیا کریں۔ پہلے چہل قدمی کریں پھر جاگنگ کریں۔ CBC Profile کرائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Rhustox30, Pulsatilla30, Ferr.Met30, Calc.Phos30 کے ۵،۵ قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

وزن، چہرے پر بال ہونا

سعدیہ بی بی۔ کوٹ ادو

میری بیٹی میں خون کی کمی ہے۔ پہلے رنگ سرخ اور

سفید تھا اب رنگ بھی خراب ہوگیا ہے۔ سر کے بال بھی کم ہو گئے ہیں۔ 3 ماہ پہلے جو آپ نے دوائیں دی تھیں اس سے کوئی افاقہ نہیں ہوا اور وزن مزید زیادہ ہوگیا ہے۔ پیٹ مزید پھول گیا ہے۔ سانس بھی پھول جاتا ہے۔ میں بہت پریشانی کے عالم میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔

جواب: آپ کی بیٹی میں ہارمونز بہت زیادہ ڈسٹرب ہیں، چکنائی اور میٹھی ہر قسم کی چیزوں سے پرہیز کروائیں۔ ورزش بھی کرائیں، کم از کم ایک گھنٹا روزانہ، دوائیاں اسی طرح استعمال کریں جس طرح بتائی جا رہی ہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk 45 کی 2 گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ 3 مرتبہ لیں۔ Magnesium Phos Pentarkan Ptk60 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ، Phytolaca-e-BaccusQ کے 15 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ Oleum Jecoris 30 کے سات قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

جِلد کی بیماری اور کمزوری

بسمہ عبداللہ۔ لاہور

میں جو مسئلہ لکھ کر بھیج رہی ہوں وہ میری بیٹی کا ہے۔ میری بیٹی کی عمر 12 سال ہے، پانچویں میں پڑھتی ہے۔ بہت کمزور ہے صحت سے بھی اور پڑھائی میں بھی۔ اس کے قد میں بھی اضافہ نہیں ہو رہا، گھر میں ہم سب کا قد ٹھیک ہے۔ چڑچڑاہٹ بھی ہے۔ اس کی ٹانگوں پر کالے کالے داغ ہیں اور ان پر خارش بھی ہوتی ہے اور سر میں جگہ جگہ سے بال اترے ہوئے ہیں، دائرے کی شکل میں اور چہرے پر بھی سفید داغ ہیں۔ ایک ماہ سے لیکوریا کی شکایت ہو رہی ہے نہ کھانا کھاتی ہے اور نہ دودھ پیتی ہے اور پھل بھی نہیں کھاتی۔ میں بہت پریشان ہوں۔ آپ مہربانی فرما کر میری مدد کریں، پلیز۔ سوتے میں پیشاب کر دیتی ہے اور دن میں بھی زیادہ کرتی ہے۔ چھ سال سے اس کی یہی حالت ہے۔ میں نے



بہت سے علاج کروائے لیکن میری بیٹی ٹھیک نہیں ہو رہی۔ میں بہت پریشان ہوں۔

جواب: LFT, Urine D/R, CBC Profile کرائیں اور بچی کو پہلے ایک خوراک ۵ قطرے آدھے کپ پانی میں Sulphur200 دیں۔ اس کے ایک دن بعد Acidcrysophanic 6 Ferr.Met30, Graphites 30 کے ۵،۵ قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں، ایک ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

چہرے پر بال

سمیرا۔ لاہور

میری شادی ہونے والی ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے ماہانہ ایام 10 سال سے ایک مہینہ آتے ہیں اور 2 مہینہ نہیں آتے۔ جس کی وجہ سے میرے جسم خاص طور پر چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں تھریڈنگ کروں تو خون نکلتا ہے اور جگہ کالی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے کسی پارٹی میں نہیں جا سکتی، مہربانی کر کے کوئی اچھی دوائی بتا دیں جس سے یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ آپ کی دکھی بہن۔

جواب: اللہ آپ کو صحت دے آمین۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc Carb 200 کے 5 قطرے ہفتے میں ایک دفعہ لیں جبکہ روزانہ Pulsatilla 30 کے 5,5 قطرے دن میں تین مرتبہ اور Oleum Jec30 کے بھی 5.5 قطرے دن میں تین مرتبہ لیں۔ ایک گھونٹ پانی میں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

قد کا مسئلہ اور جسم پر بال

امین مسعود۔ اسلام آباد

مسئلہ میری بچی کا ہے۔ میری بچی کے پورے جسم پر بال ہیں۔ پیدائش کے وقت رُواں تھا۔ جوں جوں بڑی ہوتی گئی کالے اور لمبے بال ہوتے گئے جو

تقریباً پورے جسم پر ہیں۔ کلائی سے لے کر کاندھے تک آدھا آدھا انچ لمبے بال ہیں، زیادہ بازو پر ہیں۔ میری بچی کا قد بھی چھوٹا ہے۔

جواب: آپ اپنی بچی کی غذا کا خیال رکھیں، اس کو متوازن غذا دیں۔ ورزش کرائیں یا کھیل کود کرائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc Carb 200 کے 4 قطرے تھوڑے سے پانی میں ایک دن چھوڑ کر دیں اور اسی کمپنی کی Acid Phos 30 کے 5 قطرے تھوڑے سے پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ 3 ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

قد چھوٹا ہونا

نورالھدیٰ ۔ فیصل آباد

میری عمر 15 سال ہے اور قد 5 فٹ ہے۔ جسامت درمیانی ہے، نہ بہت پتلی نہ بہت موٹی۔ ماہانہ ایام بھی ٹھیک ہیں۔ برائے مہربانی یہ بتائیں کہ قد کتنی عمر تک بڑھ سکتا ہے۔ کیا اب میرا قد بڑھ سکتا ہے اگر جواب ہاں ہے تو پلیز کوئی دوا تجویز کردیں۔ یہ بھی بتائیں کہ دوائی کتنے دن لینی ہے۔

جواب: بی بی نور، خاندانی پس منظر نہیں لکھا کہ آپ کے خاندان میں ماں باپ کی طرف سے لوگوں کا قد کتنا ہے؟ بہر حال آپ اپنی غذا کا خیال رکھیں۔ متوازن غذا لیں۔ چکنی اور میٹھی چیزیں زیادہ نہ لیں۔ ورزش یا کھیل کود ضرور کریں۔ بھاری وزن نہ اٹھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Baryta Carb 200 کے 4 قطرے ہر صبح میں اور اسی کمپنی کی Ferum PentarkanPtk45 کی دو گولیاں تھوڑے سے پانی کے ساتھ دن میں تین مرتبہ لیں۔ تین ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بیماریاں

عاصمہ .... فیصل آباد

ماہواری سے پہلے الٹیاں آتی ہیں۔ کچھ بھی کھایا پیا ہو سب نکل جاتا ہے۔ پھر معدے کے منہ پر درد شروع ہو جاتا ہے۔ نہ پیٹ کم ہوا نہ کولہے۔ بال بھی گرتے ہیں اور میں نے آپ کو عینک کے متعلق بھی لکھا تھا۔ آنکھوں کی سیدھ میں سر میں درد ہوتا ہے۔ میرے چہرے پر کیل نکلتے ہیں اور ناک پر بلیک ہیڈز بہت زیادہ ہیں۔ اب میرا جسم پھول گیا ہے اور طاقت نہیں ہے، سیڑھیاں چڑھنے سے سانس پھولتی ہے۔ میرے منہ میں تالو والی جگہ پر خارش ہوتی ہے۔ اکثر منہ میں چھالے نکل آتے ہیں۔ جب خارش ہوتی ہے تو زبان تالو پر پھیرنے سے چھینکیں آتی ہیں اور غصہ بہت آتا ہے۔ تھوڑا سا کام کر کے تھک جاتی ہوں۔

جواب: بی بی آپ کا مسئلہ ہارمونز کی خرابی کا ہے اس لیے آپ کو بھی باقاعدگی سے اس کو ٹھیک کرنے کے لیے علاج کرنا ہوگا۔ خطوط کے ذریعے جواب دے دیا جاتا ہے۔ فون نمبر دینا بیکار ہے کہ ...... ہر کیس یاد نہیں رکھا جا سکتا کہ کس کو کیا ہے؟ اور کیا دوائی دی؟ خط میں بھی پچھلی دوائیوں کا ذکر ضرور کیا کریں تاکہ معلوم ہو کہ پہلے کیا دیا تھا اور اب کیا صورتِ حال ہے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc carb-200 کی ایک خوراک 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں ہر ہفتہ لیں۔ اس کے ایک دن بعد Pulsatilla-30، Thyroidinum-30، Phytolcca-، Fucus ves-Ø، e-becsis-Ø، Ruta-30، Physostigma-30 کے 7-7 قطرے ایک کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔